بسم اللہ الرحمن الرحیم

خلاصۃ تفسیر القرآن

جلد ۱۴

قرآنی خاندانی نظام کی برکات

اور

مغربی تہذیب کی تباہ کاریاں

استاذ التفسیر مفتی حمید الرحمن عباسی مدظلہ

مدرسہ قاسم العلوم

شیرانوالہ دروازہ لاہور

مکتبۃ الحسن

33- حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وجعلنٰکم شعوباً وقبآئل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم

قرآنی خاندانی نظام کی برکات

اور

مغربی تہذیب کی تباہ کاریاں

تالیف

استاذِ تفسیر مولانا حمید الرحمٰن عباسی

انجمن خدام الدین، شیرانوالہ دروازہ لاہور

مکتبۃ الحسن

297.16
خ 75 ح
۹۲۱۱۵

جملہ حقوق محفوظ

اشاعت ——————— اوّل

نام کتاب ——— قرآنی خاندانی نظام کی برکات اور مغربی تہذیب کی تباہ کاریاں

مؤلف ——————— استاذ تفسیر حمید الرحمان عباسی

تعداد ——————— گیارہ سو

طباعت ———————

مکتبۃ الحسن

پبلشرز، بک سیلرز
33 - حق سٹریٹ اُردو بازار لاہور
042-7241355,042-7018002,0300-4339699

فہرست

۱	دیباچہ۔	۳
۲	نعت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم۔	۵
۳	سببِ تالیف اور تعارف۔	۶
۴	خاندانی اور برادری نظام۔	۱۱
۵	خاندان اور برادری قائم کرنے کا پہلا اصول نکاح کے ذریعہ اولاد پیدا کرنا۔	۱۲
۶	برادری کی بنیادی کونسل قائم کرنے کا حکم اور اس کے ارکان کی تعداد۔	۱۶
۷	برادری کی بنیادی کونسل کا کوئی بھی رکن مشرک نہیں ہونا چاہیئے۔	۱۹
۸	برادری کی بنیادی کونسل کے تمام ارکان متقی، پرہیزگار اور دیانت دار ہونے چاہیئں۔	۲۰
۹	برادری کی بنیادی کونسل کا چیئرمین (خاوند) مرد ہونا چاہیئے۔	۲۲
۱۰	برادری کی بنیادی کونسل کے ارکان کے لیے شرائط مندرجہ ذیل ہونگی۔	۲۴
۱۱	برادری کی بنیادی کونسل کے چیئرمین (خاوند) کا دائرہ اختیار۔	۲۶
۱۲	بنیادی کونسل کے چیئرمین کا مرتبہ اور آداب۔	۲۸
۱۳	برادری کی بنیادی کونسل کے چیئرمین (خاوند) کی نافرمانی کرنے والی ارکان کی سزا۔	۲۸

۱۴	برادری کی بنیادی کونسل کے چیئرمین (خاوند) کی تابعداری کرنے والی ارکان (بیویوں) کی فضیلت۔	۲۹
۱۵	برادری کی بنیادی کونسل قائم کرنے کا طریقہ۔	۳۰
۱۶	اس کونسل کی حلف وفاداری پر وقار تقریب میں ہونی چاہیئے جس میں کم از کم دو آدمی ہوں یا مسجد میں ہو اور اس کے لیے حسب توفیق کھانے کا اہتمام بھی ہونا چاہیے۔	۳۲
۱۷	اس کونسل کے لیے فنڈ کی فراہمی چیئرمین (خاوند) کی ذمہ داری ہے۔	۳۴
۱۸	بنیادی کونسل کی عورت ارکان چیئرمین (خاوند) کی اجازت کے سوا بقدر کفایت فنڈ استعمال کر سکتی ہیں۔	۳۶
۱۹	اولاد کو دودھ پلانے کی ذمہ داری والدہ پر ہے۔	۳۶
۲۰	اہل وعیال پر خرچ کرنے سے اللہ تعالیٰ مال بڑھاتا ہے۔	۳۸
۲۱	اس خاندانی خدمت کے فضائل اور مراتب۔	۳۹
۲۲	خاوند بحالت ایام ماہواری بیوی سے جماع نہ کرے۔	۴۱
۲۳	عورت کا پاخانہ والا راستہ استعمال کرنے والا ملعون ہے۔	۵۰
۲۴	اپنی بیوی کا بھید ظاہر کرنا گناہ ہے۔	۵۱
۲۵	ضبط تولید بیوی کی اجازت کے سوا جائز نہیں ہے۔	۵۲
۲۶	ہر مجرد مرد اور عورت کا نکاح کرانا چاہیئے۔	۵۴
۲۷	چیئرمین (خاوند) کو اپنی کونسل کی ارکان سے مساوات برتنے کا حکم اور اس کا طریقہ۔	۵۸
۲۸	چیئرمین (خاوند) اپنی کونسل کی ارکان اور اولاد کی اصلاح کی طرف توجہ دے۔	۶۸

۲۹	حکامِ بالا چیئرمین (خاوند) اور اس کی رعایا (بیویوں) کا اختلاف رفع کرنے کیلیے فریقین کی برادری کی کمیٹی قائم کریں۔	۸۰
۳۰	اخراج (طلاق) سے بچنے کے لیے بیوی (رکن کونسل) اپنے بعض حقوق چھوڑ سکتی ہے۔	۸۵
۳۱	ضوابط طلاق ضابطہ اول۔	۸۸
۳۲	دو دفعہ طلاق (رکنیت) معطل کرنے کے بعد مصالحت ہوسکتی ہے۔	۹۲
۳۳	سوائے کسی قصور کے چیئرمین (خاوند) اگر عورت کی رکنیت معطل کرے تو مہر (سیکورٹی) واپس نہیں لے سکتا۔	۱۰۵
۳۴	عورت خود اگر رکنیت سے استعفیٰ دے تو مہر (سیکورٹی) واپس کریگی۔	۱۰۷
۳۵	اگر کونسل کی کوئی رکن عورت بدزبان یا بدچلن ہو تو اس کی رکنیت معطل (طلاق) کرنے کے بعد بھی چیئرمین (خاوند) دیا ہوا مہر (سیکورٹی) واپس لے سکتا ہے۔	۱۱۰
۳۶	چیئرمین (خاوند) نے اگر کنایہ الفاظ سے عورت کی رکنیت (طلاق) معطل کی ہو تو عدت کے اندر اندر مصالحت ہوسکتی ہے۔	۱۱۳
۳۷	چیئرمین (خاوند) بیوی کو کونسل کی رکنیت چھوڑنے کا اختیار دے سکتا ہے۔	۱۱۶
۳۸	اگر عورت کے رکن بننے سے پہلے چیئرمین نے اس کی رکنیت کا انکار کیا ہو تو رکنیت کے بعد اس انکار کا کوئی اثر نہیں پڑیگا۔	۱۱۹
۳۹	اگر چیئرمین (خاوند) بلا ارادہ بیوی کی رکنیت کالعدم قرار دے یا رجوع کے الفاظ بلا ارادہ استعمال کرے تو بھی وہ الفاظ مؤثر ہوں گے۔	۱۲۰

۴۰	جبر و اکراہ سے اخراج (طلاق) کرانا مؤثر نہیں ہے۔	۱۲۱
۴۱	چیئرمین (خاوند) اگر مجنون ہو جائے تو وہ کونسل کی ارکان (بیویوں) کا اخراج نہیں کر سکتا۔	۱۲۱
۴۲	خواب کی حالت کا اخراج (طلاق) اور بچے کی طلاق معتبر نہیں ہے۔	۱۲۲
۴۳	چیئرمین (خاوند) اگر استعفیٰ ایپلیش کر دے تو اسے چار ماہ غور کے لیے دینا چاہیئں۔	۱۲۳
۴۴	چیئرمین (خاوند) اگر عورت ارکان کا کام پر لگنے (صحبت سے پہلے) یا تقرر مہر (سیکورٹی) سے پہلے اخراج کرے تو اسے چاہیے کہ انہیں کچھ سامان وغیرہ دے کر رخصت کرے۔	۱۳۰
۴۵	چیئرمین (خاوند) اگر بیوی (ارکان کونسل) کو اپنے اوپر حرام قرار دے دے تو اس کا حکم۔	۱۲۴
۴۶	چیئرمین (خاوند) اگر اپنی بیوی (ارکان کونسل) کو اپنی محرم سے تشبیہ دے دے تو اس کا حکم۔	۱۳۹
۴۷	رکنیت معطل ہونے کے بعد عورت سابق چیئرمین (خاوند) کی عدت گزارے گی اور اس دوران اسی کے گھر میں رہے گی۔	۱۴۷
۴۸	بوڑھی عورت اور نابالغہ کی عدت تین ماہ اور حاملہ کی وضع حمل ہے	۱۵۳
۴۹	حیض والیوں کی عدت تین حیض ہے اس کے بعد کسی اور کونسل کی رکن بن سکتی ہیں۔	۱۵۸
۵۰	چیئرمین (خاوند) فوت ہونے کی صورت میں یہ عورت ارکان چار ماہ دس دن گزارنے کے بعد کسی اور ادارہ کی رکن بن سکتی ہے۔	۱۶۱

٥١ ازدواجی تعلقات استوار کرنے سے قبل ہی اگر خاوند بیوی کو طلاق دے دے تو اس کی عدت نہیں۔
٥٢ چیئرمین فوت ہونے کی صورت میں یتیم بچوں کی تعلیم و تربیت ورثاء پر ہے۔ ١٤٦
٥٣ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھانے کی اخروی سزا۔ ١٨٦
٥٤ یتیم کا مال ناجائز طور پر کھانے کی دنیاوی سزا۔ ١٩٣
٥٥ یتیموں کے ساتھ حسن سلوک، فضائل اور برکات۔ ١٩٤
٥٦ انسداد زناکاری ١٩٩
٥٧ زنا سے بچنے والوں کی دنیاوی اور اخروی کامیابی کا بیان۔ ٢٠٢
٥٨ زنا کی مذمت کا بیان۔ ٢٠٤
٥٩ زنا کی دنیاوی تباہ کاری۔ ٢٠٦
٦٠ زنا کے ذریعہ انسانی شیرازہ بکھیرنے والوں کی دنیاوی سزا اور اس کے ثبوت کا طریقہ۔ ٢١٣
٦١ زانیہ اور زانی کنوارے ہوں تو ان کی سزا سو، سو دُرّے ہیں اور شادی شدہ کی رجم ہے۔ ٢١٧
٦٢ زانی مرد یا عورت نے چار مرتبہ زنا کا از سر خود اعتراف کریں تب ان پر حد نافذ ہوگی۔ ٢١٨
٦٣ اگر زنا کا معترف حد قائم ہونے سے پہلے یا درمیان میں منحرف ہو جائے تو حد ساقط ہو جائے گی۔ ٢٢٠
٦٤ زانیہ اور زانی جماع کریں تب حد لازم ہوتی ہے ٢٢١
٦٥ غلط فہمی میں دُرّوں کی حد لگ جانے سے رجم ساقط نہیں ہوتی۔ ٢٢٦

۶۶	زنا بالجبر سے حد لازم نہیں ہوتی۔	۲۴۸
۶۷	لوطی (ہم جنسی) کی سزا کا بیان۔	۲۵۰
۶۸	عوام حدود معاف کر سکتی ہے حکومت معاف نہیں کر سکتی۔	۲۵۸
۶۹	عزت والوں کی حدود معاف نہیں ہو سکتی۔	۲۶۰
۷۰	حکام اپنے اقربا پر بھی حدود نافذ کریں۔	۲۶۱
۷۱	نفاذ حدود اللہ کی برکات۔	۲۶۲
۷۲	تہمت زنا کی دنیاوی سزائیں۔	۲۶۳
۷۳	تہمت زنا کی اخروی سزا۔	۲۶۵
۷۴	بنیادی کونسل کے ارکان کی ریٹائرمنٹ (ضعیفی) ہونے کے بعد ان کے اخراجات اور خدمت اولاد پر ہے۔	۲۷۰
۷۵	خدمت اور اطاعت والدین کی دنیاوی برکات۔	۲۷۹
۷۶	اطاعت والدین کی اخروی برکات۔	۲۸۳
۷۷	والدین کی نافرمانی کی دنیاوی نحوست۔	۲۸۹
۷۸	والدین کی نافرمانی کی اخروی سزا۔	۲۹۵
۷۹	خاندان اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کے تعارف کا ذریعہ ہے۔	۲۹۷
۸۰	خاندانی نظام معاشرہ کے لیے باعث سکون اور محبت ہے۔	۲۹۸
۸۱	خاندانی نظام کے قیام کا مقصد باہم تعارف اور نیکی پھیلانا ہے۔	۲۹۹
۸۲	خاندان کا سردار سب سے زیادہ متقی ہونا چاہیے۔	۳۰۱
۸۳	خاندان والوں کو اپنے سردار کا اکرام کرنا چاہیے۔	۳۰۶
۸۴	سردار کے اکرام واحترام میں مبالغہ نہیں ہونا چاہیے۔	۳۰۷
۸۵	خاندان کے سردار کو اپنے اس عہدہ پر فخر نہیں کرنا چاہیے۔	۳۰۸

۸۶	فخر کرنے والے سردار کی سزا دوزخ ہے۔	۳۰۹
۸۷	بوقت شجاعت اپنے آباء واجداد کا نام لینا تکبر نہیں ہے۔	۳۱۰
۸۸	غرور عصبیت ختم کرنے کا واقعہ اول۔	۳۱۲
۸۹	غرور عصبیت ختم کرنے کا واقعہ دوم۔	۳۱۵
۹۰	ظلم پر کسی کی حمایت کرنے کا نام عصبیت ہے اور ایسا آدمی مسلمان نہیں ہے۔	۳۱۶
۹۱	تمام جانوروں اور پرندوں میں خاندانی نظام ہے۔	۳۱۸
۹۲	مثال اوّل کوّا برادری کی آپس میں ہمدردی۔	۳۱۹
۹۳	قیامت میں اہل ایمان کی دوستی اور برادری قائم رہے گی۔	۳۲۶
۹۴	جنت کے درجات اعمال کے اعتبار سے ہوں گے۔	۳۲۸
۹۵	مثال دوم۔ شہد کی مکھی کا قومی کردار۔	۳۳۵
۹۶	مثال سوم۔ چیونٹی کا قومی کردار۔	۳۴۵
۹۷	بحیثیت اشرف المخلوقات ہونے کے انسان کو بقیہ تمام اقوام اور خاندانوں پر کنٹرول اور انکی نگہداشت کا حکم۔	۳۵۰
۹۸	حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عادلانہ فیصلوں کا حکم۔	۳۵۲
۹۹	مسلم حکام کو عادلانہ فیصلوں کا حکم۔	۳۶۷
۱۰۰	امانات کی قسمیں۔	۳۷۲
۱۰۱	دستور مملکت کے چند زرّیں اصول۔	۳۷۶
۱۰۲	نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کا عدل۔	۳۷۸
۱۰۳	عدلِ صدیقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔	۳۸۴
۱۰۴	عدلِ فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔	۳۸۵

۱۰۵	عدلِ عثمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔	۴۰۵
۱۰۶	عدلِ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔	۴۰۶
۱۰۷	عدل حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔	۴۰۸
۱۰۸	حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔	۴۰۸
۱۰۹	اللہ تعالیٰ عادل حکمرانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔	۴۱۰
۱۱۰	عدلیہ کی اصلاح اور طریقہ خوفِ خدا۔	۴۱۴
۱۱۱	عہدۂ قضا سے اجتناب چاہیئے مگر ناگزیر حالات میں جائز ہے۔	۴۱۸
۱۱۲	قاضی کو ہشاش بشاش ہونا چاہیئے۔	۴۲۳
۱۱۳	قاضی مدعی اور مدعا علیہ دونوں کے بیانات سنے۔	۴۲۵
۱۱۴	قاضی کو کھلی عدالت میں بیٹھنا چاہیئے۔	۴۲۹
۱۱۵	قاضی مسجد میں بیٹھ کر فیصلہ کرے۔	۴۳۳
۱۱۶	انسدادِ رشوت۔	۴۳۶
۱۱۷	رشوت اور ہدیہ میں فرق۔	۴۳۹
۱۱۸	قاضی ہدیہ قبول نہ کرے۔	۴۴۰
۱۱۹	قاضی کے ناحق فیصلہ سے چیز حلال نہیں ہوتی۔	۴۴۲
۱۲۰	قاضی مدعی اور مدعا علیہ میں سے صرف کسی ایک کی دعوت نہ کرے۔	۴۴۵
۱۲۱	قاضی مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو برابر بٹھائے اور انکی طرف برابر توجہ نہ کرے۔	۴۴۷
۱۲۲	عمال کی تنخواہیں معقول ہونی چاہیئں۔	۴۴۸
۱۲۳	بددیانتی کی اخروی سزا۔	۴۵۴
۱۲۴	غیر مسلموں میں عدل کا فیصلہ کیا جائے۔	۴۵۸

۱۲۵	حق وانصاف کی شہادت۔	۴۶۰
۱۲۶	تحقیق شہادت۔	۴۶۶
۱۲۷	آیت سے متعلقہ احکام ومسائل۔	۴۸۰
۱۲۸	بغیر تحقیق فیصلہ کرنے والے قضاۃ کی اخروی سزا کا بیان۔	۴۸۱
۱۲۹	طریقہ تحقیق شہادت۔	۴۸۵
۱۳۰	رفع اشتباہ اور تطبیق آیات۔	۴۸۷
۱۳۱	جھوٹی شہادت کی اخروی اور دنیاوی سزا۔	۴۸۹
۱۳۲	شہادت زنا میں چار مرد ہونے چاہیئں۔	۴۹۱
۱۳۳	بقیہ معاملات میں گواہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہونی چاہیئں۔	۴۹۵
۱۳۴	گواہ مدعی پیش کرے اور مدعا علیہ پر قسم ہے۔	۴۹۹
۱۳۵	جھوٹی حلف کے انسداد کا طریقہ۔	۵۰۲
۱۳۶	جھوٹی حلف اٹھانے کی اخروی سزا۔	۵۰۷
۱۳۷	مدعا علیہ زیادہ ہوں تو قرعہ اندازی سے ان میں سے ایک کو قسم دی جائے۔	۵۱۴
۱۳۸	مدعی اور مدعا علیہ کے پاس گواہ نہ ہوں تو متنازعہ چیز قرعہ اندازی سے ان میں تقسیم ہوگی۔	۵۱۵
۱۳۹	اگر مدعی اور مدعا علیہ دونوں کے پاس گواہ ہوں تو فیصلہ صاحب قبضہ کے حق میں ہوگا۔	۵۱۷
۱۴۰	مدعی اور مدعا علیہ دونوں کے پاس گواہ ہوں تو چیز نصف نصف ہوگی۔	۵۱۸

۱۴۱	طریقہ قسم کا بیان۔	۵۱۹
۱۴۲	عورت کی شہادت۔	۵۲۰
۱۴۳	کیا عورت آدھا انسان ہے تب دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے؟	۵۲۵
۱۴۴	گواہی دینے کے لیے مدعی کا مطالبہ ہونا چاہیئے۔	۵۲۶
۱۴۵	مندرجہ ذیل اشخاص کی شہادت قبول نہیں۔	۵۲۸
۱۴۶	مدعی، مدعا علیہ اور شہدار کے بیانات اور قاضی کے فیصلہ کی تحریر ہونی چاہیئے۔	۵۳۰
۱۴۷	کاتب اور گواہ کو تحفظ فراہم کیا جائے۔	۵۳۲
۱۴۸	مدعی اور مدعا علیہ عدالت میں قاضی کے سامنے بیٹھیں۔	۵۳۵
۱۴۹	اچھی سفارش کا اجر اور بدی کا گناہ اور عدلیہ بے اثر ہوگی۔	۵۳۶
۱۵۰	سفارشات پر کچھ معاوضہ لینا رشوت ہے۔	۵۴۲
۱۵۱	حدود میں سفارش کرنا اور قبول کرنا جائز نہیں۔	۵۴۶
۱۵۲	تقرر وکیل، اس کے فرائض اور اسکا حق الخدمت۔	۵۵۱
۱۵۳	میاں بیوی کا اختلاف رفع کرنے کا طریقہ۔	۵۵۴
۱۵۴	دوسرے نزاعات میں بھی حَکَم کے ذریعہ مصالحت کرائی جائے۔	۵۵۷
۱۵۵	عند اللہ مومن کی شان اور عظمت۔	۵۶۰
۱۵۶	مؤمن کے ساتھ مذاق اڑانے کی مخالفت اور اس کی سزا۔	۵۶۸
۱۵۷	مؤمن پر طعنہ زنی۔ عیب جوئی اور برے القاب کی ممانعت اور اس کی سزا۔	۵۷۰
۱۵۸	مؤمن کی بدگمانی، تجسّس اور غیبت کی ممانعت۔	۵۷۴

۱۵۹ کسی مؤمن پر لعنت بھیجنے والا خود ملعون ہو جاتا ہے۔ ۵۸۱

۱۶۰ کسی مؤمن کو کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔ ۵۸۷

۱۶۱ مومن کے ساتھ حسد و عداوت رکھنے سے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ ۵۸۹

۱۶۲ ہر مؤمن کے ساتھ محبت رکھنے سے آدمی اللہ کا محبوب ہو جاتا ہے۔ ۵۹۴

۱۶۳ مؤمن سے لڑنے والا کافر اور اسے گالی دینے والا فاسق ہے۔ ۶۰۲

۱۶۴ ایک مؤمن کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔ ۶۰۵

۱۶۵ صرف اظہار اسلام کرنے والا بھی مؤمن ہے اسے قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ ۶۱۴

۱۶۶ مسلمان سمجھنے کے لیے علامات اسلام کافی ہیں۔ ۶۱۵

۱۶۷ واقعہ کی تحقیق کے بغیر فیصلہ کرنا جائز نہیں۔ ۶۱۷

۱۶۸ اہل قبلہ کو کافر نہ کہنے کا مطلب۔ ۶۱۹

۱۶۹ مؤمن کے قاتل کی دنیوی اور اخروی سزا۔ ۶۲۲

۱۷۰ خون ناحق کی اخروی سزا احادیث کی روشنی میں۔ ۶۳۰

۱۷۱ مؤمن مسلمان کا قتل حرام ہے۔ ۶۳۶

۱۷۲ کافر کے اقرار توحید کے بعد جو مسلمان اسے قتل کرے گا اس پر بھی قصاص ہے۔ ۶۴۱

۱۷۳ قتل ناحق سے آدمی شقی القلب ہو جاتا ہے۔ ۶۴۵

۱۷۴ باپ پر بیٹے کا قصاص نہیں اور بیٹے پر باپ کا قصاص ہے۔ ۶۴۸

۱۷۵ قصاص میں مساوات ہے۔ ۶۵۰

۱۷۶ قاتل ایک سے زیادہ ہوں تو سب پر قصاص اور پکڑنے والے پر تعزیر۔ ۶۵۲

۱۷۷	اگر قتل بالارادہ ہو تو مقتول کے ورثاء قاتل سے قصاص لے سکتے ہیں۔	۶۵۵
۱۷۸	قصاص و دیت معاف کرنے کی فضیلت۔	۶۷۰
۱۷۹	اقرار توحید کرنیوالا غلط فہمی میں مارا جائے تو قاتل پر قصاص اور دیت نہیں۔	۶۷۲
۱۸۰	عموم بلوہ کے مقتول کا قصاص نہیں دیت ہے۔	۶۷۴
۱۸۱	اعضاء اور زخموں کا قصاص۔	۶۷۸
۱۸۲	قتل معاہد کی ممانعت اور اس کی دنیاوی سزا۔	۶۸۴
۱۸۳	قاتل معاہد اگر مسلمان ہو تو اس کی اخروی سزا۔	۶۸۵
۱۸۴	قصاص صرف اسلحہ سے لیا جائے۔	۶۸۸
۱۸۵	دیت (خون بہا)۔	
۱۸۶	قتل شبہ عمد کی تعریف اور اس کی دیت۔	۶۸۸
۱۸۷	قتل خطا کی تعریف اور اس کی دیت۔	۶۹۹
۱۸۸	دیت میں اونٹوں کے بجائے قیمت دینا بھی جائز ہے۔	۷۰۰
۱۸۹	ناتجربہ کار ڈاکٹر یا حکیم کے علاج سے اگر مریض مر جائے تو اس پر دیت ہے۔	۷۰۶
	اعضا کاٹنے کی دیت۔	۷۰۸
۱۹۰	جانور کے زخمی کرنے سے یا کان، کنوئیں میں گرنے سے مالک پر تاوان نہیں ہے۔	۷۱۳
۱۹۱	اپنے دفاع میں اگر حملہ آور کو کوئی مار دے یا زخمی کر دے تو اس پر قصاص یا دیت نہیں ہے۔	۷۱۶
۱۹۲	صاحب خانہ بغیر اذن اندر آنے والے یا جھانکنے والے کو سزا دے تو اس پر تاوان نہیں ہے۔	۷۲۰
۱۹۳	قاتل نامعلوم ہونے کی صورت میں فیصلہ کا طریقہ۔	۷۲۴

بسم الله الرحمن الرحيم

دیباچہ

بے حد اور بے پایاں حمد و ثنا زیبا اور لائق تر ہے اس ذات بے ہمتا اور بے مثل کے لیے کہ جس نے اپنے کلمہ کن سے موجودات کو معرضِ وجود میں لایا۔ اور اربع عناصر سے حضرت آدم علیہ السّلام کے پُتلے کو نورِ ایمان عطا فرما کر اپنے کمالاتِ ظاہر اور باطن کا مظہر بنایا۔ اور اسی سے اس کی بیوی حضرت حوّاؑ کو پیدا کیا۔ اور پھر ان دونوں سے تا قیامت آنے والے قبائل خاندان اور قومیں پیدا کیں۔ اور ان کے مرد و زن میں رشتۂ زوجیت کا نظام قائم کیا تاکہ باہم الفت و محبت سے امن و سکون سے زندگی بسر کر سکیں۔ اور آپس میں ہمدردی کا مظاہرہ کریں اور اسی طرح تمام حیوانات اور چرند و پرند میں بھی یہی نظام رکھا تاکہ وہ بھی اتفاق و اتحاد سے کسی نہ کسی درجے میں ایک دوسرے کے کام آئیں اور دشمن سے اپنا دفاع کر سکیں۔ اور کروڑہا رحمتیں نازل ہوں اس محبوبِ کبریا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر کہ جس نے انتھک محنت اور کوشش سے صدیوں سے

بٹے ہوئے اخوت اور محبت کے رشتوں کا احیاء فرمایا اور کالے گورے، اعلیٰ و ادنیٰ اور امیر و غریب کو ایک صف میں کھڑا کیا اور اسی طرح کروڑ ہا رحمتیں نازل ہوں آپ کے صحابہؓ کرام اور اہل بیت عظام اور دیگر مخلص اور سچے پیروکاروں پر کہ جنہوں نے ان زرّیں اصولوں کو عملی جامہ پہنایا اور رحماء بینھم کا نمونہ اور پیکر بنے

؎ ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

○

نعت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

جہاں میں محمدؐ بڑی شان والے — اُنہیں کے ہیں دُنیا میں سب بول بالے
اصول اُنکے اچھے ہیں سب ہی نرالے — وُہ دُشمن سے دُشمن مِلا دینے والے
غریبوں سے جو تھے بُغض رکھنے والے — بنا دیے ان پر کرم کرنے والے
شکستہ دِلوں کو سہارے دیے ہیں — یتیموں پہ رحم و کرم کرنے والے
جو قاتل تھے اولاد کے اپنی وُہ سب — ہر اک پہ ہُوئے جاں فِدا کرنے والے
جو طوقِ غلامی گلے میں تھے ڈالے — بنایا اُنہیں سر بلند کرنے والے
کیا زِندہ اس نے ہے مُردہ دِلوں کو — بنا ڈالے باہم وفا کرنے والے
سمجھتے جو عورت کو حیواں سے بدتر — بنا ڈالے اُن کا ادب کرنے والے
وہی درس توحید ہیں دینے والے — جو زمیں شرک کی مِٹا دینے والے
پرستار اصنام صدیوں سے جو تھے — بنا دیے وُہ بُت ہٹا دینے والے
مثالِ محمدؐ جہاں میں نہیں ہے — کمالِ خُدا کو عیاں کرنے والے
خُدا نے ہے بخشا اُنہیں کام اونچا — یہی کام تھے سب نبی کرنے والے
یہی عشق صابرؔ خدا سے طلب کر — محمدؐ ہیں عِشقِ خُدا کرنے والے

سبب تالیف اور تعارف

یہ کتاب لکھنے کا باعث بہبود آبادی نامی کانفرنس ہے۔ جو ستمبر ۱۹۹۴ء میں مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں بہت بڑی مذہبی اور دینی یونیورسٹی جامع ازہر میں منعقد ہوئی۔ اس کا اہتمام بظاہر عالمی بنک کی طرف سے کیا گیا تھا۔ مگر درحقیقت یہ امریکہ کی طرف سے تھا۔ اس کانفرنس کا جو ایجنڈا چھپا اور بعد میں وہ طے بھی ہو گیا وہ انتہائی شرمناک، باعث بے حیائی اور اخلاق سوز ہے اور جہاں تک عورت کے حقوق کا تعلق ہے اسلام اس کا علمبردار ہے۔ ہادیٔ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے جو حقوق بتائے ہیں۔ اور ان کی ادائیگی کا جو طریقۂ کار رکھا ہے۔ اور قرن اولیٰ سے لے کر آج تک یہ اُمّت ان اصولوں پر عمل پیرا ہے اس کا نمونہ پیش کرنا مشکل ہے۔ اسلامی نکتۂ نگاہ سے عورت رونق بازار اور رونق محافل کے بجائے رونق خانہ ہونی چاہیئے۔ اسلام عورت کی خدمت کو (قطع نظر اس کے کہ وہ بحیثیت، ماں ہو یا بیوی بہن ہو یا بیٹی یا کوئی بھی عورت ہو) سعادت بتاتا ہے۔ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ عورت روزی کی خاطر منڈیوں میں، بازاروں اور گلی کوچوں میں، کارخانوں اور دکانوں میں دھکے کھاتی پھرے۔ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ وہ چند کوڑیوں کی خاطر اپنی عزّت اور آبرو بیچے۔ اور اوباشوں اور منچلوں کی ہوس کا نشانہ بنتی رہے۔ بلکہ اسلام عورت

کو شریفانہ اور باعزت زندگی بسر کرنے کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اسلام کی نگاہ میں عورت کی حیثیت ایک نوکرانی کی نہیں بلکہ ایک رانی اور شاہزادی کی ہے۔ کیونکہ اسلام عورت کو تمام مصائب، مشکلات اور مشقتوں سے بچا کر اور اسے ہر طرح سے مستغنی کر کے ایک گھر میں بٹھانے کی تعلیم دیتا ہے اور اس کی تمام ضروریات (روٹی۔ کپڑا۔ مکان) خاوند پر ڈالتا ہے۔ اور اس کے سامنے مہیا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اسلام عورت کو آوارگی اور بے راہ روی کے بجائے انسانی ترقی کی کسی باڈی کی بنیادی کونسل (شادی) میں منسلک ہونے کی ہدایت اور اپنی پوری وفاداریاں باڈی کے چیئرمین (خاوند) کے ساتھ وابستہ رکھنے کی فرمائش کرتا ہے۔ اور اسلام اسے یہ بھی حکم دیتا ہے کہ وہ اپنی تمام تر توجہ اب ان دونوں سے پیدا ہونے والی اولاد پر مرکوز کرے اور اپنی فطرتی اور موھوبہ شفقت اور محبت سے انہیں پالے اور ان کی تربیت کرے۔

اسلام اس عورت کو باڈی کے چیئرمین (خاوند) کے ساتھ سوائے کسی معقول عذر کے وفاداری تبدیل کرنے کی (یعنی طلاق حاصل کرنے کی) اجازت نہیں دیتا۔ اور اسی طرح اسے اس دور میں کسی اور مرد کے ساتھ تعلقات زوجیت استوار کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتا۔ کیونکہ یہ مانا ہوا اصول ہے کہ ایک آدمی ایک ہی محکمہ میں ملازمت کر سکتا ہے نہ کہ دو میں۔ اور اسی طرح ایک ہی وقت میں ایک گاڑی ایک ڈرائیور ہی چلا سکتا ہے دو نہیں چلا سکتے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے گاڑی ہی تباہ ہو جائے گی اور اسی طرح متعدد مردوں کے ساتھ تعلق رکھنے سے وہ عورت بھی تباہ ہو جائے گی۔

اور نیز ایسا کرنے سے اولاد میں بھی ملاوٹ ہو جائے گی اور پھر وہ

اولاد بے رحم ہو گی جو اس باڈی کے لیے بھی اور باقی معاشرہ کے لیے بھی تباہی اور بربادی کا ذریعہ بنے گی۔ اور پھر یہ سب کے ساتھ درندوں والا معاملہ کرے گی اور یہ باڈی کے چیئرمین (خاوند) کی حق تلفی بھی ہے کیونکہ جب وہ اس کی تمام ضروریات مہیا کرتا ہے اور اسے ملکہ بنا کر رکھا ہوا ہے تو پھر اس عورت کا کسی دوسری جگہ جھک مارنا صریحاً ظلم اور ناانصافی ہے۔ اور ایسی عورت سزا کی مستحق ہے کیونکہ وہ معاشرہ میں بداخلاقی، بے حیائی، فحاشی اور بے رحمی پھیلا رہی ہے۔ اس سے چور ڈاکو، رہزن اور بددیانت ہی پیدا ہوں گے۔ کیونکہ یہ بددیانتی کی پیداوار ہیں۔ اور اسی طرح اس بددیانتی سے پیدا ہونے والی اولاد کی کفالت بھی اس کا وہ شوہر (باڈی کا چیئرمین) نہیں کرے گا کیونکہ یہ اس کی اولاد نہیں ہے۔ بلکہ بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ وہ شوہر ایسی عورت اور اس سے پیدا ہونے والی ناجائز اور حرام اولاد کو بھی قتل کر دیتا ہے تو اس کا باعث بھی وہ بددیانت عورت ہی ہوتی ہے۔ اور اسی طرح اسلام ایک مرد کو دوسرے مرد کے ساتھ بیوی والے تعلقات (ہم جنسی) کی اجازت نہیں دیتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے مادۂ تولید کو ایک عورت کا حق بنایا ہے۔ اور یہ مرد ایسا کر کے اس کی حق تلفی کرتا ہے۔ اور یہ شرف انسانی کے خلاف اور تقلیب ماہیت بھی ہے۔ جانوروں کو بھی دیکھا گیا ہے کہ وہ ہم جنسی نہیں کرتے۔ اور اپنی مادہ کا پاخانے والا راستہ بھی استعمال نہیں کرتے اور وہ مادہ اسے استعمال بھی نہیں کرنے دیتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جانور بھی اپنی نسل کی افزائش اور خیر خواہی چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی ترقی اور بہبود کے جو اصول بتائے ہیں وہ ان پہ گامزن ہیں اور ان سے استفادہ کر کے ترقی کی راہ پہ رواں دواں ہیں۔ اور انسان

جو اشرف المخلوقات ہونے کا مدعی ہے وہ ارذل المخلوقات بن گیا ہے۔ اور اپنی ہی نسل کا بدترین دشمن ثابت ہو رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسے جو ترقی کے اصول بتائے ہیں، انہیں پامال کر رہا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں قاہرہ میں مذکورہ کانفرنس ہوئی ہے۔

اگرچہ بظاہر اس کا نام بہبودِ آبادی رکھا گیا ہے لیکن درحقیقت یہ تنزلی اور انحطاطِ آبادی کانفرنس تھی۔ لیکن عورتوں کے جو جائز اور مسلم حقوق ہیں۔ اور بین الاقوامی طور پر انہیں مانا ہوا بھی ہے۔ اور کروڑوں عورتیں ان سے محروم بھی ہیں۔ ان حقوق کا سرے سے ذکر تک ہی نہیں ہوا۔ اس میں صرف مردوں کے حقوق چھین کر عورتوں کو اور عورتوں کے حقوق چھین کر مردوں کو دینے کے فیصلے ہوئے ہیں۔ اور مصر میں یہ کانفرنس رکھنے کا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ چونکہ اسلامی ممالک میں عورت پر زیادہ ظلم ہو رہا ہے اس لیے یہ کانفرنس یہاں رکھی گئی ہے۔

حالانکہ یہ بات نہیں ہے بلکہ سب سے زیادہ ظلم عورت پر مغربی ممالک میں ہو رہا ہے کیونکہ وہاں مرد سورنی، بندریا اور کتیا کو بھی بطور بیوی استعمال کرتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہو گیا کہ وہاں عورت کا مقام سورنی، بندریا اور کتیا سے بھی گرا ہوا ہے یا وہ مرد ہم جنسی کر کے اپنا مادۂ تولید گندگی اور غلاظت میں تو پھینک دیتا ہے لیکن عورت کو نہیں دیتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ عورت کا حق بنایا ہے تاکہ اس سے اولاد پیدا ہو اور وہ ماں باپ کی خدمت گزار ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی ممالک میں بچے ماں اور باپ کی شفقتوں سے اور ماں باپ اولاد کی ہمدردیوں سے محروم ہیں۔ اگرچہ اس کانفرنس کے خلاف بعض اسلامی ممالک نے اور تمام اہل مذاہب نے نفرت کا اظہار کیا اور اس کی مذمت کی مگر وہ صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ اور اس میں یہ احمقانہ فیصلے کر لیے گئے ہیں۔ اور اب،

۶

انہیں ان ممالک میں پبلک پر سختی سے مسلط کیا جا رہا ہے۔

اس لیے ناچیز نے عوام الناس کو اللہ تعالیٰ کے قوانین اور ترقی کے اصولوں سے آگاہ کرنے اور مغربی تہذیب کی تباہ کاریوں سے بچنے کے لیے یہ کتاب تالیف کی ہے۔ اور اس کا نام قرآنی خاندانی نظام کی برکات اور مغربی تہذیب کی تباہ کاریاں رکھا ہے۔

پس جو شخص اس کتاب کو پڑھے گا تو وہ انشاء اللہ قرآنی برکات سے محظوظ بھی ہوگا اور تباہ کاریوں سے بچ جائے گا۔ ورنہ بقول علامہ اقبالؒ

تمہاری یہ تہذیب اپنے ہی خنجر سے خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

احقر

حمید الرحمان عباسی

خاندانی اور برادری نظام

پوری دنیا میں یہ مانا ہوا اور طے شدہ اصول ہے کہ اتفاق و اتحاد اور باہم ربط اور جوڑ کے سوا انسان نہیں چل سکتا۔ کیونکہ یہ قدم قدم پر محتاج ہے۔ اور اس کے کئی طرح کے حوائج اور ضروریات ہیں۔ یہ تنے تنہا انہیں اپنے لئے فراہم اور پورا نہیں کر سکتا۔ مثلاً بعد از ولادت نومولود بچہ سراپا محتاج ہوتا ہے۔ اس کے لئے ازسرخود چلنا' پھرنا' بیٹھنا' اٹھنا' کھانا پینا ناممکن ہے۔ اور اسی طرح اس کے لئے خیرو شر اچھی اور بری چیز کا امتیاز بھی مشکل ہے۔ اور جوان ہونے کے بعد اگر یہ شدید قسم کا بیمار ہو جائے تو یہ ازسرخود اپنا اپریشن وغیرہ بھی نہیں کر سکتا۔ اور بڑھاپے کے بعد اس کا حال پھر بچوں جیسا ہی ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ ہر ایک انسان محتاج ہے۔ اور قدم قدم پر اسے ایک معاون اور ناصر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اب یہ معاون کیسا ہونا چاہئے؟ پس اس سلسلہ میں ظاہر بات ہے کہ یہ معاون ایسا ہونا چاہئے کہ جس کا اس کے ساتھ کوئی خونی رشتہ اور لگاؤ ہو جو اسے اس کے تعاون اور مدد کے لئے مجبور کرے۔ اور وہ ازسرخود چل کر اس کے پاس جائے اور اس کے ساتھ اپنی دلی ہمدردی کا عملی نمونہ پیش کرے۔

مگر اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا آدمی کون ہو سکتا ہے؟ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہ ایک آدمی ازسرخود دوسرے کی مدد کو آئے اور اپنی خدمات اس کے سامنے پیش کرے اور اپنا تن' من' دھن' مال سب کچھ اس پر قربان اور نثار کر دے۔

پس ظاہر بات ہے کہ اس کے لئے کچھ اصول اور ضوابط درکار ہیں۔ جن پر عمل کر کے انسان ایسا نمونہ پیش کر سکتا ہے۔ اور باہم اخوت اور محبت کا پیکر ہو سکتا ہے۔

خاندان اور برادری قائم کرنے کا پہلا اصول

نکاح کے ذریعہ اولاد پیدا کرنا

نکاح کے ذریعہ جو اولاد پیدا ہوتی ہے اسی کا نام خاندان اور برادری ہے۔ اور اسی کو قبیلہ اور قوم بھی کہتے ہیں۔ قبیلہ اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ قبیلہ قبل سے ہے۔ اور قبل کے معنی پہلے ہے۔ اگر خاندان اور برادری میں سے کسی ایک پر کوئی مصیبت آتی ہے تو برادری کے دوسرے افراد اس کے سامنے آتے ہیں اور اسے بچاتے ہیں۔ اور قوم اسے اس لئے کہتے ہیں کہ قوم قیام یا قوام سے ہے۔ اس کا معنی کھڑا ہونا ہے۔ اور نکاح کے ذریعہ افراد پیدا کرنے سے بھی ایک جماعت قائم اور کھڑی ہو جاتی ہے---- چنانچہ اس کی تفصیل مندرجہ ذیل آیات میں آرہی ہے۔

یَاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا ○ (سورۃ النساء آیت ۱)

اے لوگو ڈرو پروردگار اپنے سے جس نے پیدا کیا تم کو جان ایک سے اور پیدا کیا اس سے جوڑا اس کا اور پھیلائے ان دونوں سے مرد بہت اور عورتیں اور ڈرو اللہ سے جس کے نام سے مانگتے ہو آپس میں اور ڈرو انقطاع قرابت سے تحقیق اللہ ہے اوپر تمہارے نگہبان

تفسیر: یہاں اس بحث میں سورۃ النساء کے شروع کی آیت نقل کی گئی ہے۔ اس پہلی آیت کا آغاز اور شروع یا یھا الناس سے فرمایا ہے۔ اس میں لفظ الناس انس سے بنا ہے۔ اور انس کے معنی پیار اور محبت کے آتے ہیں۔ اس میں اشارہ اور تلمیح ہے۔ کہ آنے والے مضامین اسی پر مبنی ہوں گے۔ اور اس کے بعد جو

لفظ رب لگایا ہے اس سے بھی اس کی طرف تلویح مقصد ہے۔ یعنی آنے والی آیات میں جو خاندانی اصول و ضوابط بیان ہوں گے۔ ان سے انسانوں کی تربیت مقصود ہے کیونکہ ان کے سوا ان کی تربیت نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ان اصولوں میں سے پہلا اصول نکاح ہے جو لفظ زوج سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ خالق کائنات نے انسان کی ابتدائے آفرینش سے اختیار فرمایا ہے کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور اس سے اس کی بیوی حضرت حوا کو پیدا فرمایا۔ اور ان سے دنیا میں اور انسان پھیلا دیئے۔ اور اس آیت میں دو دفعہ اتقوا اتقوا فرمایا ہے۔ اس میں تاکید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری تخلیق و تربیت اور تانیس کے لئے جو خاندانی نظام قائم فرمایا ہے اس کو نہ توڑنا۔ ورنہ اس کی بڑی سخت سزا ہوگی۔ اور آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر نگہبانی فرما رہے ہیں۔ کہ کون اس کی پیروی کرتا ہے اور کون نہیں کرتا۔

جملہ اتقو کو بار بار ذکر کرنے کی تحقیق مزید قرآن مجید کی مکی سورتوں میں عقیدہ توحید کو بار بار مکرر اور مدلل اور مفصل کر کے بیان فرمایا ہے۔ اور مدنی سورتوں میں احکامات کو قدرے تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور پوری تفصیل احادیث میں ہے۔ اور عقیدہ توحید کی طرف صرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور اس اشارہ کے مختلف الفاظ ہیں۔ کہیں تو پہلے ایک حکم ذکر کر کے اس کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی صفت علم اور طاقت کو بیان فرما دیا ہے۔ مثلاً علیم بذات الصدور۔ اور کہیں سمیع بصیر۔ کہیں علیٰ کل شئی قدیر اور کہیں اتقوا اللہ۔ اس طرز تعلیم اور موعظت کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی طاقت کا اندازہ ہو جائے گا اور پھر ایسا انسان اس اللہ تعالیٰ کے احکامات کی خلاف ورزی نہیں کرے گا کیونکہ یہ اصول ہے کہ انسان اپنے سے زیادہ طاقت والے سے ڈرتا ہے اور یہاں چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانی ترقی کے اصول بیان فرمائے ہیں اور اندیشہ ہے کہ انسان ان اصولوں کی خلاف ورزی کرے گا۔ اس لئے بار بار فرمایا ہے کہ اتقوا اللہ۔ کہ اللہ

سے ڈرو اللہ سے ڈرو۔ اور پھر ایک یہ شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ خدا کو ہماری خلاف ورزی کا کیا پتہ چلے گا؟ تو اس کا جواب بھی آخر میں دیدیا ہے۔ ان اللہ کان علیکم رقیبا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری نگہبانی فرما رہے ہیں یہ نہ سمجھنا کہ اسے ہماری خلاف ورزیوں کا پتہ نہیں ہے۔

مقام غور ہے کہ اللہ تعالیٰ جو خالق و مالک ہے۔ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس نے انسانی ترقی، تربیت اور نشوونما کے لئے یہ خاندانی سلسلہ کیوں اختیار فرمایا ہے؟ حالانکہ وہ اگر چاہتا تو جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو اس نے پیدا فرمایا تھا۔ اسی طرح باقی نسل انسانی کو بھی پیدا فرماتا۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ پہلے حضرت آدم کو تو مٹی سے سوائے ماں اور باپ کے پیدا فرمادیا اور اس کی بیوی حضرت حوا کو اس سے۔ اور باقی نسل ان دونوں سے پیدا فرمائی۔ اس میں کیا حکمت ہے؟ پس غور و فکر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس خالق کے نزدیک یہ خاندانی طریقہ اچھا اور بہتر ہے۔ تب اس نے یہ اختیار فرمایا ہے۔ اب اگر کوئی اس طریقہ کو غلط قرار دیتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس خدائے ذوالجلال سے زیادہ عقل مند اور دانا تصور کرتا ہے۔ بہرحال سورۃ النساء کی اس آیت نمبر ایک میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے لئے جو خاندانی نظام حیات اختیار کیا ہے اسے بیان فرمایا۔ اور انہیں اس کی پابندی کی تلقین اور تاکید فرمائی ہے۔ اور اس تاکید کی ضرورت اس لئے درپیش آئی کہ انبیاءؑ سابقین نے بھی اپنی اپنی امتوں کو اس کی تعلیم دی تھی مگر ان لوگوں نے اسے نظرانداز کر دیا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے پھر ازسرنو اس کو زندہ فرمایا۔

تشریح ارحام : مفسرین نے لفظ ارحام کے عطف میں دو احتمال لکھے ہیں ایک یہ ہے کہ اس کا عطف لفظ اللہ پر بھی ہو سکتا ہے۔ اس وقت عبارت یوں ہوگی اتقوا الارحام اور اس وقت اتقوا کا دوسرا مفعول بہ ان تقطعوا نکالنا

پڑے گا۔ پس اب پھر اس عبارت کا معنی یوں بنے گا کہ قطع رحمی سے بچو۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ارحام کا عطف بہ پر بھی ہو سکتا ہے۔ پس اب عبارت یوں بنے گی تساء لون بہ والا رحام اور اب معنی یہ ہو گا کہ اللہ سے ڈرو جس کے نام پر آپس میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو۔ اور رحم کے نام پر بھی سوال کرتے ہو۔ دونوں ترکیبوں مقصد رحم کے رشتوں کا تحفظ ہے۔ ارحام رحم کی جمع ہے۔ رحم کے معنی بچہ دانی اور قرابت داری کے بھی آتے ہیں۔ اگر اس کا معنی بچہ دانی لیا جائے تو اس کا مقصد یہ بنے گا کہ بچہ دانی نہ کاٹنا قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت پر قربان جاؤں کہ اس نے آج سے پندرہ سو سال پہلے یہ بات کہہ دی جس پر آج دنیا میں عمل ہو رہا ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کرا لیتے ہیں اور اس سلسلہ میں بعض بچہ دانی کا اخراج کرا دیتے ہیں۔ قرآن نے اس کی مخالفت کی ہے۔ کیونکہ رحم مادر انسانی ترقی کا مرکز اور منبع ہے اس سے افرادی قوت پیدا ہوتی ہے۔ اگر اس کا اخراج کر دیا جائے تو منبع خلائق تباہ ہو گا۔ اور اس کی بیخ کنی ہو جائے گی۔ اور انسانی نسل کی آمد بند ہو جائے گی۔ ہاں اگر کثرت ولادت سے یا اور کسی وجہ سے عورت میں ضعف آگیا ہو اور اس کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو پھر رحم کا اخراج کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک مجبوری ہے۔ اور تمام اصولوں میں اللہ تعالیٰ نے اس کو ملحوظ رکھا ہے۔ اور اگر رحم سے مراد فی الرحم لیا جائے تو بھی صحیح ہے کیونکہ ذکر ظرف اور مراد مظروف مانا ہوا اصول ہے۔ تمام زبانوں میں یہ چلتا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ رحم کے اندر کی چیز مت کاٹو۔ یعنی مادہ منویہ نہ گراؤ۔ کیونکہ یہی تو ایک چیز ہے جس سے انسانی تولید ہوتی ہے اور یہ بڑا قیمتی جوہر ہے۔ بنظر غائر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے حصول کے لئے قدرت نے بڑا وقت صرف کیا ہے۔ اور مختلف مراحل اور ادوار سے گزار کر اسے اس منزل تک پہنچایا ہے۔ اور نہ معلوم کہ قدرت اس سے کیسے کیسے شاہکار اور عبقری شخصیات پیدا کرنے والی ہے اور یہ ناعاقبت اندیش اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ

نیم خود مختاری سے غلط فائدہ اٹھا کر قدرت کے اس عظیم منصوبے کو طشت ازبام کرا لیتا ہے۔ عنداللہ یہ کام یقیناً" کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں ہے۔ البتہ بعض شدید قسم کے عوارض اور مجبوریوں کی بنا پر جن کا ذکر پہلے آچکا ہے میاں بیوی باہم رضامندی سے چار ماہ سے پہلے پہلے اگر حمل گرانا چاہیں تو گرا سکتے ہیں۔ مفتی محمد شفیع رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر معارف القرآن جلد آٹھ میں واذا الموودۃ سئلت کے تحت اسی طرح لکھا ہے۔ اور مفتی کفایت اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے بھی کفایت المفتی کتاب النکاح میں اسی طرح فرمایا ہے۔ البتہ چار ماہ کے بعد حمل گرانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس وقت اس میں روح پڑ جاتی ہے۔ پھر اس کا اسقاط قتل میں شامل ہو گا۔ اور اگر کوئی دوسرا شخص اس حاملہ عورت کو مارے اور اس کا یہ حمل گرا دے تو اس پر دیت لازم ہے۔ اس کی تفصیل کا یہ مقام نہیں ہے۔ اور یہ تفسیر تو اس بنا پر ہے کہ اگر رحم کے معنی بچہ دانی لیا جائے۔ اور اگر رحم کے معنی قرابت کے لئے جائیں تو مقصد یہ ہو گا اس رحم کے ذریعہ جو بھی رشتے بنتے ہیں۔ ان کو مت توڑو۔ مثلاً ماں کی جانب کے رشتہ دار۔ اور باپ کی جانب سے رشتہ دار۔ اور بھائی اور اس کی اولاد۔ بہنیں اور اس کی اولاد۔ یہ سارے رحم کے رشتے بنتے ہیں۔ انہیں کا نام خاندان۔ برادری، قبیلہ اور قوم ہے۔ اور یہی رشتے انسان کو دنیا میں کام آتے ہیں۔ اور یہی آپس میں اخوت اور محبت کا ذریعہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک دوسرے کی حفاظت کا ذریعہ بنایا ہے۔

برادری کی بنیادی کونسل قائم کرنے کا حکم اور اس کے ارکان کی تعداد

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ

اَیۡمَانُکُمۡ اَدۡنٰۤی تَعُوۡلُوۡا (سورۃ النساء آیت 3)

پس جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان میں سے دو دو تین تین اور چار چار سے نکاح کر لو۔ اگر تمہیں خطرہ ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی سے نکاح کر لو۔ یا لونڈی جو تمہارے ملک میں ہے وہی سہی۔ یہ طریقہ انصاف سے بچنے کے لئے زیادہ قریب ہے۔

تشریح : یہ سورۃ النساء کی آیت تین کا ایک حصہ ہے۔ اس میں دو چیزوں کا بیان ہے۔ ایک حکم نکاح ہے۔ یعنی برادری اور خاندان کی بنیادی کونسل اور باڈی قائم کرنے کا حکم ہے۔ اور باڈی کے ارکان کی کل تعداد پانچ افراد پر مشتمل ہونی چاہئے۔ ایک مرد اور چار عورتیں۔ مگر بعض ناگزیر حالات کی وجہ سے عورتوں کے ارکان میں کمی کی جا سکتی ہے۔ دو، تین اور ایک تک بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن بہرحال مرد کا ہونا ضروری ہے۔ اس کو مرکزیت حاصل ہے اور عورت ارکان کا چناؤ اور انتخاب بھی اسی کی صوابدید پر موقوف ہے۔ اور ان ارکان میں کمی و بیشی کا اختیار بھی اسی کو حاصل ہے۔ اور اس کمیٹی کے ارکان صرف مرد بھی نہیں ہو سکتے۔ اور صرف عورتیں بھی نہیں ہو سکتیں بلکہ اس کے لئے ایک مرد اور کم از کم ایک عورت کا ہونا ضروری ہے خواہ وہ لونڈی ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اصل مقصد اور منشاء الٰہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاندان اور برادری کے توالد اور تناسل کو ترقی اور فروغ نصیب ہو۔ یہ صرف مرد اور عورت کے باہم ملاپ سے ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مرد میں صرف قوت عاقدہ منعقد نہیں ہے اور عورت میں اکثر و بیشتر صرف قوت منعقدہ ہی ہوتی ہے عاقدہ نہیں ہوتی۔ یہ خالق کائنات کا قائم کردہ نظام ہے۔ اور ان دونوں قوتوں کے باہم مل جانے سے تیسرا فرد معرض وجود میں آ جائے گا۔ اگر صرف دو یا چند مرد مل کر یہ کونسل قائم کریں یا صرف عورتیں باہم مل کر اگر یہ کام کرنا چاہیں تو ترقی کا یہ مایہ تباہ ہو جائے گا۔ اور انسانی ترقی کی یہ رفتار رک جائے گی۔ لہٰذا اس کونسل کے قیام کے لئے مرد صرف ایک اور کم از کم ایک عورت ہونی چاہئے۔ اور عورتوں کی تعداد چار تک بھی ہو سکتی

ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ چونکہ عورتوں کی شرح پیدائش زیادہ ہے اس لئے اس بنیادی کونسل میں اس کو زیادہ نمائندگی ملنا چاہیئے۔ اور نیز مرد کو اس کونسل کے ذریعہ پیدا ہونے والی اولاد کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید اور مخلصانہ مشوروں کی ضرورت ہے اور یہ کام عورتیں ہی کر سکتی ہیں۔ اور اس سے زیادہ اولاد پھیلے گی۔ خاندان اور برادری بڑھے گی اور یہ سارا مضمون فانکحو سے لیکر ما ملکت ایمانکم سے ماخوذ ہے۔ اور دوسرا مضمون ہے ذالک ادنی الا تعولو کہ یہ طریقہ بے انصافی سے بچنے کے لئے زیادہ قریب ہے۔ یعنی اس کونسل کے قیام کا اصل مقصد اور اس کی روح عدل و انصاف ہی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ یہاں سے ایسے افراد پیدا ہوں جو بقیہ معاشرہ برادی اور سوسائٹی میں عدل و انصاف کا پیکر اور نمونہ ہوں اور رافت و رحمت اور رحماء بینھم کا صحیح مصداق ہوں۔ اگر یہ مقاصد چار عورتوں سے یا تین سے یا دو سے حاصل ہو سکتے ہوں تو مرد کو چاہیئے کہ ان سے نکاح کر لے اور اگر یہ مقاصد حاصل نہ ہو سکتے ہوں تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کرے۔ یہ صورت انصاف کے زیادہ قریب ہے۔ اور اس سے کونسل کے قیام کا مقصد بھی پورا ہو جائے گا۔ ورنہ دو' تین یا چار بیویوں سے یہ کونسل جو عدل و انصاف کے نمونے کے لئے قائم کی گئی ہے خود ناانصافی کا شکار ہو کر تباہی کے گھاٹ اتر جائے گی اور ان سے پیدا ہونے والی اولاد کا بھی یہی حال ہو گا۔ کیونکہ میاں بیوی کے درمیان اگر محبت ہو گی تو ان کی اولاد پر اس کا اچھا اثر پڑے گا۔ اور ان کے درمیان بھی محبت ہو گی اور اگر ان کے درمیان نفرت اور عداوت ہو گی تو ان کی اولاد کے درمیان بھی نفرت پیدا ہو جائے گی۔ اور ایسے والدین کے بارے میں ان کے تاثرات بھی اچھے نہیں ہوں گے۔ بدگمانی پیدا ہو جائے گی۔ انصاف اور ہمدردی کا عمل ختم ہو جائے گا۔ اور اس آیت کے شروع میں جو فَانْکِحُوْا فرمایا ہے یہ صیغہ امر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح یعنی اس کونسل کا قیام فرض ہے۔ اور عورت کو سوائے نکاح

کے نہیں رہنا چاہیے۔ کیونکہ انکی تخلیق کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ کوئی فرد برادری اور خاندانی نظام سے الگ نہ رہے۔ اور اس میں بھرپور حصہ لے۔

برلوری کی بنیادی کونسل کا کوئی بھی رکن مشرک نہیں ہونا چاہیے

وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ○ (سورۃ البقرہ آیت 221)

اور مشرک عورتیں جب تک ایمان نہ لائیں ان سے نکاح نہ کرو۔ اور مشرک عورتوں سے تو ایماندار لونڈی بہتر ہے گو وہ تمہیں بھلی معلوم ہوں۔ اور اپنی عورتوں کو بھی مشرک مردوں کے نکاح میں مت دو۔ اور البتہ مومن غلام مشرک مرد سے بہتر ہے۔ اگرچہ وہ تمہیں اچھا ہی لگے۔ یہ لوگ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں۔ اور اللہ جنت اور بخشش کی طرف اپنے حکم سے بلاتا ہے۔ اور لوگوں کے لئے اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

تشریح : یہ سورۃ البقرہ کی آیت دو سو اکیس ہے۔ اس میں دو چیزوں کی ممانعت ہے۔ ایک مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ ان کی بہ نسبت مومنہ لونڈی بہتر ہے۔ اور دوسری چیز اپنی لڑکیاں مشرک مردوں کے نکاح میں نہ دو۔ ان کی بہ نسبت مومن غلام بہتر ہے۔ اور آخر میں وجہ بیان فرما دی ہے کہ مشرک کی صحبت سے تمہیں دوزخ ملے گی اور اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ماننے سے

تمہیں جنت ملے گی۔ اور وہ تمہارے گناہ بھی معاف فرمادے گا۔

خلاصہ اور لب لباب یہ نکلا کہ برادری کی اس بنیادی کونسل کا کوئی بھی رکن مشرک نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ ایک مشرک جس طرح ایک خدا وحدہ لاشریک کا ہو کر نہیں رہتا بلکہ دو مختلف درباروں پر جھک مارتا پھرتا ہے۔ اسی طرح اس مشرک کی اس کونسل کے ساتھ بھی پوری طرح وابستگی نہیں ہوگی۔ اور پوری دل جمی سے اور لگن کے ساتھ یہاں کام نہیں کرے گا۔ اور عورت رکن بھی ایسا ہی کرے گی۔ اور مختلف مردوں کے سات تعلق جوڑتی رہے گی۔ وفاداریاں تبدیل کرتی پھرے گی۔ اور اگر مرد مشرک ہوگا تو وہ چار عورتوں پر بھی اکتفا نہیں کرے گا بلکہ اور عورتوں کے ساتھ تعلقات استوار کرے گا۔ اور اس کونسل کی طرف اس کی پوری توجہ نہیں ہوگی۔ اور نیز خاندانی نظام تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔ اور وہ جو مشرک ہے یا خدا کا وجود ہی نہیں مانتا تو وہ خدا کا یہ نظام کیسے مانے گا؟ بلکہ وہ تو اپنے قانون بناتا پھرے گا۔ تو اس کے نتیجہ میں یہ بنیادی کونسل اور باڈی تباہ ہو جائے گی۔ یہ تو دنیاوی نتیجہ ہوگا۔ اور اخروی نتیجہ بھی اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا ہے کہ اس کے بدلے تمہیں آگ ملے گی۔ اور آخر میں مزید فرمادیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تمام دنیاوی اور اخروی نتائج کھول کر بیان کردیئے ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ اور اس کی خلاف ورزی سے بچو۔

برادری کی بنیادی کونسل کے تمام ارکان
متقی پرہیزگار اور دیانتدار ہونے چاہئیں

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تُنْكَحُ الْمَرْاَةُ لِاَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِیْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّیْنِ تَرِبَتْ یَدَاكَ۔ (متفق علیہ)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت سے نکاح چار وجوہ سے کیا جاتا ہے۔ مال، قومیت، جمال اور دین۔ تو دین دار کے ساتھ کامیابی حاصل کر تیرے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا اَلْمَرْاَۃُ الصَّالِحَۃُ

(رواہ مسلم)

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کا بہترین سامان نیک عورت ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا خَطَبَ اِلَیْکُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِیْنَہٗ وَخُلُقَہٗ فَزَوِّجُوْہُ اِنْ لَّا تَفْعَلُوْہُ تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِیْضٌ (رواہ الترمذی)

ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہیں کوئی ایسا آدمی پیغام نکاح دے جس کے دین اور اخلاق کو تم اچھا سمجھو تو اس سے نکاح کرلو۔ ورنہ زمین میں بڑا لمبا چوڑا فساد ہو جائے گا۔

تشریح : یہاں اس بحث میں تین احادیث نقل کی گئی ہیں۔ پہلی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ اس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کے سامنے عام لوگوں کی عادت بیان فرمائی ہے۔ جو لوگ نکاح کے سلسلہ میں اختیار کرتے ہیں کہ لوگ عورت کے مال کا لحاظ رکھتے ہیں۔ قومیت کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ اور اس کے حسن و جمال کو بھی دیکھتے ہیں۔ اور دین داری بھی پرکھتے ہیں۔ اور فرمایا اے ابو ہریرہ تو صرف دین داری کا خیال رکھ اور ایسی عورت سے نکاح کر جو دین دار ہو۔ اور حضرت عبداللہ

بن عمرؓ والی حدیث میں اس کی وضاحت فرمادی کہ نیک اور دین دار عورت دنیا کا بہترین سامان ہے۔ اور ابو ہریرۃؓ سے مروی دوسری حدیث میں آپ نے مرد کے بارے میں فرمایا ہے کہ اگر ایک دین دار اور بااخلاق مرد تمہاری لڑکی کے لئے پیغام نکاح بھیجتا ہے تو اس سے نکاح کرو۔ قومیت' مال' جمال وغیرہ کی پروانہ کرو۔ اور اگر اس کی خلاف ورزی کروگے تو فساد ہوگا۔

پس خلاصہ یہ نکلا کہ برادری کی بنیادی کونسل کے تمام ارکان توحید پرست اور متقی پرہیز گار اور دیانتدار ہونے چاہئیں۔ کیونکہ اصل مقصد یہ ہے کہ ان سے جو افراد پیدا ہوں اور جو قبیلہ اور خاندان بنے وہ بھی ایسے ہوں۔ اور انکی اس کونسل کے ارکان میں سے ایک بھی اگر بدعقیدہ اور بددیانت ہوگا تو اس کونسل کے قیام کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

برادری کی بنیادی کونسل کا چیئرمین مرد ہونا چاہئے

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ
بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ
فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ

(سورۃ النساء آیت 34)

مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس واسطے کہ اللہ نے ایک کو ایک پر فضیلت دی ہے۔ اور اس واسطے کہ انہوں نے مال خرچ کئے ہیں۔ پھر جو عورتیں نیک ہیں وہ تابعدار ہیں۔ مردوں کی پیٹھ کی پیچھے اللہ کی نگرانی میں حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔

تشریح : یہ ایک مانا ہوا اصول ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں نظم و نسق چلانے کے لئے ایک چیئرمین ہونا چاہئے کہ جو کام کرائے اور کام کی نگرانی کرے۔ پوری دنیا میں سیاسی جماعتوں میں اور سرکاری محکموں میں یہ اصول اور معمول ہے۔ پس ظاہر بات ہے کہ خاندان اور برادی کی بنیادی باڈی اور کونسل کا چیئرمین بھی

ہونا ضروری ہے۔ اور یہ بھی مانا ہوا اصول ہے کہ چیئرمین وہ ہونا چاہئے جو باصلاحیت ہو۔ اس محکمہ کے متعلقہ امور کو جانتا ہو اور نظم و ضبط قائم رکھنے کی اس میں جرات بھی ہو۔ ورنہ ہر کس ناکس کو ایسا محکمہ سونپنے سے محکمہ ہی تباہ ہو جائے گا۔ اور یہ جو بنیادی محکمہ ہے اس میں زیادہ تعداد صنف نازک کی ہے۔ کیونکہ اس محکمہ میں عورتیں چار تک ہی ہو سکتی ہیں۔ اور کم از کم ایک بھی ہو سکتی ہے۔ اور مرد صرف ایک ہی رکھا گیا ہے۔ مگر وہ ان سب کی بہ نسبت طاقت ور اور توانا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس عہدے کے لئے چیئرمین کا انتخاب اور چناؤ باڈی کے ارکان کی رائے اور صوابدید پر نہیں چھوڑا۔ اور یہاں کثرت رائے جمہوریت اور اجماع کا لحاظ بھی نہیں رکھا۔ بلکہ اپنی طرف سے اس عہدے کے لئے مرد کی نامزدگی فرما دی ہے۔ جیسا کہ آیت کے شروع میں فرمایا ہے کہ الرجال قوامون علی النساء یعنی مرد عورتوں پر حاکم ہیں اور یہ جملہ اسمیہ ہے جو دوام استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ یہ قانون نحوی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسی قانون کے تحت قرآن مجید نازل فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قانون اٹل ہے۔ وقتی نہیں ہے۔ تاکہ اس میں کسی وقت تنسیخ ہو سکے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ساتھ ساتھ مرد کی فوقیت اور برتری بھی بیان فرما دی ہے۔ کہ مردوں کو عورتوں پر ذاتی فضیلت حاصل ہے کہ وہ دیکھنے میں توانا اور بہادر ہے اور اس میں جفاکشی ہے۔ یہ خوبیاں عورت میں نہیں ہیں۔ اور دوسری برتری یہ بیان فرمائی کہ مرد نے مال خرچ کیا ہے۔ اور مال خرچ کرنے والے کو کنٹرول کا حق حاصل ہے۔ یہ مسلمہ اصول ہے۔ اگر مرد کو حاکم نہ تسلیم کیا جائے تو ظاہر بات ہے کہ مرد پھر ان خداداد صلاحیتوں سے کام نہیں لے گا جو اللہ تعالیٰ نے مال کمانے کی اس میں رکھی ہیں۔ اور عورت میں یہ صلاحیتیں ہی نہیں ہیں تو پھر یہ بنیادی ادارہ ناکام ہو جائے گا۔ پس اس کا واحد حل یہی ہے کہ اس باڈی کا چیئرمین مرد کو رکھا جائے اور عورت ارکان کو ان کے ماتحت کر دیا جائے اور وہ چیئرمین

کے مفوضہ امور کی پیروی کریں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا ہے کہ نیک بیویاں تابعدار ہوتی ہیں اور مرد کے پس پشت ان کے اثاثہ بیت وغیرہ کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کونسل کے چلانے کے لئے اور اس کے تحفظ کے لئے یہی ضابطہ رکھا ہے۔ پس خلاصہ یہ نکلا کہ برادری کی بنیادی کونسل کا چیئرمین مرد کو ہونا چاہیئے۔

برادری کی بنیادی کونسل کے ارکان کے لئے شرائط مندرجہ ذیل ہوں گی

وَلَا تَنۡكِحُوۡا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقۡتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيۡلًا ۝ حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمۡ اُمَّهٰتُكُمۡ وَبَنٰتُكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ وَعَمّٰتُكُمۡ وَخٰلٰتُكُمۡ وَبَنٰتُ الۡاَخِ وَبَنٰتُ الۡاُخۡتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىۡۤ اَرۡضَعۡنَكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمۡ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِىۡ فِىۡ حُجُوۡرِكُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِىۡ دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ فَاِنۡ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ وَحَلَآئِلُ اَبۡنَآئِكُمُ الَّذِيۡنَ مِنۡ اَصۡلَابِكُمۡ ۙ وَاَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَيۡنَ الۡاُخۡتَيۡنِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۝ وَالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ (سورۃ النساء آیت 22 تا کتاب اللہ علیکم)

مت نکاح کرو جو نکاح کیا باپوں تمہارے نے عورتوں سے مگر جو گزرا۔ تحقیق ہے بے حیائی اور ناخوشی اللہ کی اور بری ہے راہ حرام کی گئیں اوپر تمہارے مائیں تمہاری اور بیٹیاں

تمہاری اور بہنیں تمہاری اور پھوپھیاں تمہاری اور خالائیں تمہاری اور بیٹیاں بھائیوں کی اور بیٹیاں بہنوں کی اور مائیں تمہاری جنہوں نے دودھ پلایا تم کو اور بہنیں تمہاری دودھ سے اور مائیں بیبیوں تمہاری کی اور اولاد جوروں تمہاری کی جو بیچ گودیوں کے ہیں۔ بیبوں تمہاری سے جو صحبت کی تم نے ساتھ ان کے پس اگر نہیں صحبت کی تو کوئی حرج نہیں اور بیاہی ہوئی عورتوں میں سے مگر جن کے مالک ہوئے ہیں داہنے ہاتھ تمہارے۔ لکھ دیا ہے اللہ نے اوپر تمہارے۔

تشریح : برادری کی بنیادی کونسل میں مندرجہ ذیل خواتین کی رکنیت چیئرمین کے ساتھ ذاتی وابستگی، رشتہ داری اور تعلقات کی بنا پر ممنوع قرار دی گئی ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔

ایک یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ خواتین چیئرمین (خاوند) کے ساتھ اپنے دہرے تعلق کی بنا پر من مانی کریں گی۔ اور نظم و نسق کے سلسلہ میں دشواریاں اور مشکلات پیدا کریں گی۔ اس سے چیئرمین پر طرفداری کا الزام عائد ہوگا۔ اور اگر چیئرمین (خاوند) ان کے خلاف انضباطی پر کاروائی کرے گا تو قطع رحمی ہوگی جو خاندانی نظام کی روح ہے۔ اور اس سے الجھاؤ بھی پیدا ہوگا۔ اور منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندانی اور برداری نظام کو زیادہ سے زیادہ وسعت دی جائے اور اسے پھیلایا جائے۔ اور چونکہ ساری عورتیں جری ہیں اور بہادری ہوتی نہیں بلکہ بعض کمزور بھی ہوتی ہیں پھر وہ اپنے حقوق کا مطالبہ نہیں کر سکیں گی اور ان کے حقوق کا کوئی محافظ بھی نہیں ہوگا۔ اور پھر اس کے ساتھ گھر کی مرغی دال برابر کا برتاؤ ہوگا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے برادری کی اس کونسل اور یونٹ میں ان خواتین کی رکنیت کو ممنوع قرار دیا ہے تاکہ یہ خاندانی نظام متاثر نہ ہو۔

اور آیت چوبیس کے شروع جملہ میں نکاح شدہ عورتوں سے نکاح کی ممانعت فرمائی ہے یعنی ایک عورت صرف ایک ہی کونسل کی رکن ہو سکتی ہے۔ متعدد کونسلوں کی رکن نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس سے اس کی ذات کو نقصان

ہو گا۔ اور کونسل کا کام بھی متاثر ہو گا۔

برادری کی بنیادی کونسل کے چیئرمین کا دائرہ اختیار

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ○ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ○ (سورة النساء آیت 34)

اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا خطرہ ہو تو انہیں سمجھاؤ اور سوتے میں جدا کر دو اور مارو۔ پھر اگر تمہارا کہا مان جائیں تو ان پر الزام لگانے کے لئے بہانے مت تلاش کرو۔ بے شک اللہ سب سے اوپر بڑا ہے۔

تشریح : اگر کونسل کے ارکان میں سے کوئی رکن عورت برادری کے مفاد کے خلاف کام کرے۔ اور چیئرمین کے علم میں وہ بات آجائے۔ یعنی وہ خواتین ارکان یا رکن قانتات کے بجائے ناشزات بن جائیں اور حافظاتٌ کے بجائے خائنات بن جائیں تو یہ کام باڈی کے مفاد کے خلاف ہے۔ لہٰذا باڈی کے چیئرمین کو مندرجہ ذیل ہدایات دی گئی ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اختیار سونپے گئے ہیں۔ پہلا نصیحت کا درجہ اور دوسرا بستر سے بائیکاٹ اور تیسرا مارپیٹ۔ اگر وہ باز آجائیں تو پھر کوئی بھی کاروائی نہیں کرنا۔ یعنی اگر وعظ و نصیحت سے کام بن گیا ہے تو بستر بائیکاٹ نہیں کرنا اور مارنا پیٹنا نہیں۔ اور اگر بستر بائیکاٹ سے کام بن گیا ہے تو مارپیٹ نہیں کرنا۔ اور اگر معمولی مارپیٹ سے کام بن گیا ہے تو بڑی مار نہیں چاہیے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث نبوی ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ زَمْعَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْلِدُ اَحَدُكُمْ اِمْرَاَةً جَلْدَ الْعَبْدِ ثُمَّ يُجَامِعُهَا فِيْ اٰخِرِ الْيَوْمِ (مشکوۃ باب عشرہ النساء صفحہ 280 مطبع

عبداللہ بن زمعہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی عورت کو غلام کی طرح نہ مارے۔ پھر ہمبستری کرے اس سے دن کے آخری حصہ میں۔

پس اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مارپیٹ کی حد بتا دی ہے کہ غلام کو جس طرح مارتے ہو اس طرح بیوی کو نہ مارو۔ معلوم ہوتا ہے کہ معمولی مارنا چاہئے کہ جس سے زخم نہ آئے۔

عَنْ حَكِيمِ بْنِ مُعٰوِيَةِ الْقُشَيْرِیْ عَنْ اَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَارَسُولَ اللّٰهِ مَا حَقُّ زَوْجَةِ اَحَدِنَا عَلَيْهِ قَالَ اَنْ تُطْعِمَهَا اِذَا اَطْعَمْتَ وَتَكْسُوهَا اِذَا اكْتَسَيْتَ وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ وَلَا تُقَبِّحْ وَلَا تَهْجُرْ اِلَّا فِی الْبَيْتِ (مشکوۃ بحوالہ احمد ابوداؤد، ابن ماجہ، باب عشرۃ النساء صفحہ 280 مطبع مجتبائی دہلی)

حکیم بن معاویہ قشیری نے اپنے باپ سے روایت کی ہے۔ اس نے کہا میں نے کہا یا رسول اللہ ہماری بیویوں کا ہم پر کیا حق ہے۔ آپ نے فرمایا اسے کھانا دو جب وہ کھائے۔ اور اسے کپڑے پہناؤ جب وہ پہنے۔ اس کے چہرے پر نہ مارو اس کی برائی اور مذمت نہ کرو مگر گھر میں۔

تشریح : اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تو عورتوں کے حقوق بیان فرمائے ہیں کہ انہیں روٹی کپڑا دینا یہ باڈی کے چیئرمین کا حق ہے۔ تفصیل عن قریب آئے گی اور دوسرا اس کے چہرے پر مارنے سے منع فرمایا ہے۔ اور تیسرا سرعام اس کی برائی مذمت کرنے سے بھی منع فرمایا۔ اگر اس نے ایسا کرنا ہو تو گھر میں کرے بہرحال اس حدیث میں بھی چیئرمین کے اختیارات کی حد متعین کر دی ہے۔

بنیادی کونسل کے چیئرمین کا مرتبہ اور آداب

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتُ اٰمِرُ اَحَدًا اَنْ یَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا (مشکوۃ بحوالہ مذکور)

ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گر میں (اللہ کے سوا) کسی کو غیر کے سامنے سجدہ کی اجازت دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ خاوند کو سجدہ کرے۔

اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کے سامنے سجدہ کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے کیونکہ وہ خالق و مالک ہے۔ وہی مربی محسن ہے۔ اس لئے یہ عبادت کسی اور کا حق نہیں ہے۔ اگر کسی اور کا یہ حق ہوتا تو پھر یہ خاوند کا حق بنتا تھا۔ پس بہرحال اس حدیث سے باڈی کے چیئرمین کے مرتبہ اور آداب کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس کا مرتبہ کتنا اونچا ہے۔ اور بیوی کو اس کا ادب کرنا چاہئے۔ اس کی بے ادبی ہرگز نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ بے ادبی سے مجازی حاکم بالا کے دل میں ماتحت ارکان کی نفرت بغض اور عداوت پیدا ہو جائے گی۔ اور پھر یہ باڈی کے ارکان باہم مل کر چل نہیں سکیں گے۔ اور منشاء الٰہی یہ ہے کہ باڈی بقیہ معاشرہ کے لئے اتحاد و محبت کا نمونہ ہو۔

برادری کی بنیادی کونسل کے چیئرمین (خاوند) کی نافرمانی کرنے والی ارکان کی سزا

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ادَعَى الرَّجُلُ اِمْرَاَتَهٗ اِلٰى فِرَاشِهٖ فَاَبَتْ فَبَاتَ غَضْبَانُ لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتّٰى تُصْبِحَ

ر(متفق علیہ

ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف بلائے اور وہ انکار کرے اور خاوند اس سے ناراض رات بسر کرے تو فرشتے صبح تک اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ لَهُمَا قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ مَا مِنْ رَجُلٍ یَدْعُوْا اِمْرَاَتَهٗ اِلٰی فِرَاشِهٖ فَتَاْبٰی عَلَیْهِ اِلَّا کَانَ الَّذِیْ فِی السَّمَاءِ سَاخِطًا عَلَیْهَا حَتّٰی یَرْضٰی عَنْهَا

(مشکوۃ مجتبائی دہلی)

اور ان دونوں کی ایک روایت میں ہے آپؐ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی کہ میری جان اس کے ہاتھ میں ہے کہ جو آدمی اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف بلائے اور وہ انکار کرے تو آسمان میں رہنے والا خدا (اس پر ناراض ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ خاوند اس سے راضی نہ ہو۔

تشریح :اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ جو عورت اپنے خاوند کی نافرمان ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی بھی ناراض ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے بھی اس پر لعنت بھیجتے ہیں جب تک کہ خاوند راضی نہ ہو۔

برادری کی بنیادی کونسل کے چیئرمین (خاوند کی تابعداری کرنے والی ارکان (بیویوں) کی فضیلت

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَرْاَةُ اِذَا صَلَّتْ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَاَحْصَنَتْ فَرْجَهَا وَاَطَاعَتْ بَعْلَهَا فَلْتَدْخُلْ مِنْ اَیِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ (مشکوۃ بحوالہ مذکور)

انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت جب اپنی پانچ نمازیں پڑھے اور اپنے مہینے کے روزے رکھے اور اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے تو جنت کے جس دروازے سے چاہے گی داخل ہوگی۔

تشریح : اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنے والی اور اپنے خاوند کا حق ادا کرنے والی عورت کی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ وہ قیامت کے دن جنت کے جس دروازے سے چاہے گی داخل ہوگی۔ اللہ کا حق یہ ہے کہ اس کے لئے نماز ادا کرے اور ماہ رمضان کے روزے رکھے اور خاوند کا حق یہ ہے کہ اس کے حکم کی پیروی کرے۔ اور یہ جو فضیلت آئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مانا اصول اور معمول ہے کہ دنیا میں مجازی حکومتیں بھی نجی ادارے بھی اپنے وفادار اور تابعدار ملازمین کو ترقی دیتے ہیں۔ اور کسی خدمت کے سرانجام دینے پر انہیں انعام دیتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس قائم کردہ یونٹ میں جو بھی رکن خدمات سرانجام دے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے ترقی دنیاوی بھی عطا فرمائیں گے اور اخروی بھی عطا فرمائیں گے۔ اور یہ کارگزاری دکھانے والا مرد ہوگا تو وہ بھی یہ انعام پائے گا۔ اور اگر عورت ہوگی تو وہ بھی یہ انعام پائے گی۔ کیونکہ جب دنیاوی حکومتیں انعام دیتی ہیں تو اللہ تعالیٰ تو بہت بڑا مہربان ہے وہ کیوں نہیں دے گا؟ یقیناً" دے گا۔ اور جب کہ اس نے اپنے نبیؐ کے ذریعہ یہ اعلان بھی فرما دیا ہے تو یقیناً" وہ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ اور انعام بھی وہ اپنے شان کے موافق دے گا۔

برادری کی بنیادی کونسل قائم کرنے کا طریقہ

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً وَلَا جُنَاحَ

عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ (سورۃ النساء آیت 24)

اور ان کے سوا تم پر سب عورتیں حلال ہیں۔ بشرطیکہ انہیں اپنے مال کے بدلے میں طلب کرو ایسے حال میں کہ تم نکاح کرنے والے ہو۔ نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو۔ پھر ان عورتوں میں سے جسے تم نکاح میں لائے ہو تو ان کے حق جو مقرر ہوئے ہیں وہ انہیں دیدو۔ البتہ پھر کے مقرر ہو جانے کے بعد آپس کی رضامندی سے باہم کوئی سمجھوتا ہو جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے بے شک اللہ خبردار حکمت والا ہے۔

تشریح : اس آیت سے پہلے ان عورتوں کا ذکر فرمایا کہ جن کے ساتھ مناکحت حرام قرار دی گئی تھی اور اب ان عورتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ جن کے ساتھ مناکحت جائز ہے۔ انہیں برادری کی بنیادی کونسل کا رکن بنایا جاسکتا ہے۔ مگر ان کی تعداد نہیں بیان فرمائی بلکہ یہ فرمایا ہے کہ مذکورہ حرام عورتوں کے سوا سب عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ مگر انہیں رکن بنانے کے لئے چار شرطیں رکھی ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ ان تبتغوا کہ تم ان کو طلب کرو یہ خطاب مردوں کو ہے۔ اس سے مراد ایجاب و قبول ہے۔ یعنی انہیں رکن بنانے کے لئے چیئرمین بننے والے مرد امیدوار کے لئے حکم ہے کہ عورت سے رکن بننے کی درخواست کرے۔ اگر وہ اسے قبول کرے تو وہ اس ادارے کی رکن شمار ہوگی۔ مگر فقہاء نے لکھا ہے کہ اس کا زبانی اقرار ضروری نہیں ہے وہ تحریر کرائے یا تحریر پر دستخط کردے یا اسے کہا جائے کہ فلاں کے ساتھ تیرا نکاح کرتے ہیں اور وہ خاموش رہے انکار نہ کرے تو بھی وہ رکن تصور ہوگی اور اس کا نکاح ہو جائے گا اور اس کا یہ خاموش اقرار ہی سمجھا جائے گا۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ باموالکم انہیں مالوں کے بدلے طلب کرو۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد مہر ہے۔ اور اس کی حیثیت بیعانہ سیکورٹی کی ہے۔ قبل از ہمبستری اگر مرد اسے طلاق دیتا

ہے یعنی اگر اس معاملہ کو کالعدم قرار دیتا ہے اور اسے رکنیت سے خارج کرتا ہے تو آدھا مہر اس کو چھوڑنا پڑے گا۔ اور اگر بعد از ہمبستری یہ معاہدہ توڑتا ہے تو پورا مہر اسے چھوڑنا پڑے گا۔ اس کی یہ تفصیل قرآن مجید کے دوسرے مقام پر موجود ہے۔ مگر اس کی کوئی حد متعین نہیں ہے۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ اس عورت کو ہمیشہ نکاح میں رکھنا مقصود ہو۔ یعنی اس عورت کی رکنیت تاحیات ہوگی۔ اور چوتھی شرط عدمی ہے۔ یعنی چند ایام یا چند ماہ کے لئے یہ رکنیت نہیں ہونا چاہئے۔ شریعت میں اس کو متعہ یا نکاح مؤقّت کہتے ہیں۔ ان کو غیر مسافحین کے لفظ سے بیان فرمایا ہے۔ یعنی نہ ہوں شہوت رانی کرنے والے۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ متعہ یا نکاح موقّت حرام ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے اس مہر کی ادائیگی کا وقت بیان فرمایا ہے کہ جب مرد بیوی سے حقوق زوجیت اٹھانے لگے اس وقت اس نے یہ سیکورٹی ادا کرنی ہوگی۔ اس کے بعد فرمایا ہے کہ ان شرطوں کے تحت کونسل قائم ہونے کے بعد میاں بیوی اگر باہم رضامندی کوئی نیا معاہدہ اس مہر کے سلسلہ میں کرلیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ یعنی اگر بیوی سارا ہی مہر اپنے خاوند کو چھوڑ دے۔ یا آدھا چھوڑ دے تو اسے اختیار حاصل ہے اور یہ مال اب مرد کے لئے کھانا بھی جائز ہوگا۔

اس کونسل کی حلف وفاداری پروقار تقریب میں ہونا چاہئے جس میں کم از کم دو آدمی ہوں یا مسجد میں اور اس کے لئے حسب توفیق کھانے کا اہتمام ہونا چاہئے۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْبَغَایَا الَّتِیْ یُنْکِحْنَ اَنْفُسَھُنَّ بِغَیْرِ بَیِّنَۃٍ (والاصح انہ موقوف علی ابن عباس رواہ الترمذی)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زانیہ ہیں وہ

عورتیں جو اپنا نکاح سوائے گواہوں کے کراویں اور زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث ابن عباس پر موقوف ہے اور ترمذی نے اسے نقل کیا ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْلِنُوْا هٰذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوْا فِي الْمَسَاجِدِ وَاضْرِبُوْا عَلَيْهِ بِالدُّفُوْنِ (رواہ الترمذی)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نکاح کی تشہیر کرو اور اس کا انعقاد مسجدوں میں کرو اور اس پر دف بجاؤ۔ (ایک قسم کا ڈھول ہے)

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى عَلٰى عَبْدِالرَّحْمَانِ ابْنِ عَوْفٍ اَثَرَ صُفْرَةٍ فَقَالَ مَا هٰذَا قَالَ اِنِّيْ تَزَوَّجْتُ اِمْرَاَةً عَلٰى وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ قَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ (متفق علیہ) یہ تینوں احادیث مشکوۃ کتاب النکاح سے منقول ہیں)

حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمان بن عوف پر زرد رنگ کا اثر دیکھا تو فرمایا کہ یہ کیا ہے اس نے کہا کہ میں نے ایک اوقیۃ سونا پر ایک عورت سے نکاح کیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے۔ ولیمہ کر اگرچہ ایک بکری کیوں نہ ہو۔

تشریح : یہاں اس باب میں تین احادیث نقل کی گئی ہیں۔ پہلی حضرت ابن عباس سے دوسری حضرت عائشہ سے اور تیسری حضرت انس سے منقول ہے۔ پہلی میں فرمایا ہے کہ بغیر گواہ جو نکاح ہو وہ زنا ہے۔ اور دوسری حدیث میں فرمایا ہے مسجد میں اس کی تشہیر کرو اور اس کا انعقاد کرو اور تیسری حدیث میں فرمایا ہے کہ ولیمہ بھی ہونا چاہیے۔ اور اس کا اہتمام کروانے کا حکم آیا ہے۔ پس معلوم ہوا

کہ اس کونسل کی حلف وفاداری پروقار تقریب میں ہونی چاہیے۔ جس میں کم از کم دو آدمی ہوں۔

اس کونسل کے لئے فنڈ کی فراہمی

چیئرمین (خاوند) کی ذمہ داری ہے

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا (سورۃ البقرہ آیت 233)

اور باپ پر دودھ پلانے والیوں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق ہے۔ کسی کو تکلیف نہ دی جائے مگر اسی قدر کہ طاقت ہو۔

تشریح : یہ سورہ البقرہ کی آیت دو سو تینتیس کا ایک جملہ ہے۔ اس میں دو چیزوں کا بیان ہے ایک یہ ہے کہ مولود لہ پر ان عورتوں کا رزق اور کپڑے ہیں۔ اس لفظ مولودلہ کا لفظی معنی ہے جس کے لئے وہ اولا ہو یا جس کے لئے وہ جنا گیا ہے اور حاصل معنی باپ کیا جاتا ہے۔ پس حاصل یہ نکلا کہ بچوں کے باپ پر ہے انکا رزق اور کپڑا۔ اور آگے فرمایا ہے بالمعروف یعنی یہ رزق اور کپڑا معروف طریقہ سے ہونا چاہیے۔ یہ لفظ معروف اپنے اندر کافی وسعت رکھتا ہے۔ کیونکہ معروف کے معنی مشہور کے بھی آتے ہیں پس اس وقت مقصد یہ ہو گا کہ عورتوں کو وہ لباس دو جو ان کے لئے مشہور ہے۔ اس کا معنی پہچان کے بھی ہیں۔ پس اس وقت مقصد یہ ہو گا کہ عورتوں کو ایسا لباس دو جس سے انکا امتیاز اور شان معلوم ہو۔ اور اس کا معنی نیکی کیا جائے تو اس کا مقصد یہ بنے گا کہ عورتوں کو نیکی، حیادار اور شرافت والا لباس پہناؤ۔ بے حیائی، نیم عریاں والا لباس نہ پہناؤ۔ اور اس لفظ میں جب یہ تینوں احتمالات ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے کسی خاص کو متعین نہیں فرمایا۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ عنداللہ بھی یہ تینوں قسم کا لباس استعمال کرانا مقصود ہے۔ یعنی عورتوں والا امتیازی شان والا شریفانہ لباس ہونا چاہیے۔ اور اس

لفظ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مرد کو عورت والا لباس نہیں پہننا چاہئے۔ اور عورتوں کو مرد والا لباس نہیں پہننا چاہئے۔ تاکہ اس کونسل کے ارکان اور چیئرمین (خاوند) میں وضع قطع میں امتیاز باقی رہے۔ یہاں تک تو رنگ کے اعتبار سے لباس کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ اور آگے دوسری چیز بیان فرمائی ہے۔ کہ لا تکلف نفس الا وسعھا نہ تکلیف دی جائے کسی نفس کو مگر اس کی وسعت کے موافق۔ یعنی یہ روٹی اور کپڑا جس کی ذمہ داری خاوند پر ڈالی گئی ہے۔ یہ اس کی وسعت کے موافق ہونی چاہئے۔ اگر وہ امیر ہے تو اس حیثیت سے خرچ دے اور اگر غریب ہے تو اس حیثیت سے دے۔ چنانچہ مزید تفصیل آرہی ہے۔

لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ
مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا۔
سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ○ (سورۃ الطلاق آیت ۷)

مقدور والا اپنے مقدور کے موافق خرچ کرے اور اگر تنگ دست ہو تو جو کچھ اللہ نے اسے دیا ہے اس میں سے خرچ کرے۔ اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی قدر جو اسے دے رکھا ہے۔ عن قریب اللہ تنگی کے بعد آسانی کرے گا۔

تشریح : اس آیت میں سورہ البقرہ کی آیت 233 کی تفصیل آگئی ہے۔ مگر یہ عام ہے اس میں بیوی کے ساتھ اولاد کا خرچہ بھی شامل ہے۔

البتہ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اولاد پر اور اپنی بیوی پر خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اور فنڈ دے گا۔ کیونکہ آدمی کی یہ ضروریات پوری کرنا اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے۔ وہی سب کا کفیل ہے۔ اور یہاں مال خرچ کرنے کے سلسلہ میں انسان کی حیثیت ایک ڈپو ہولڈر کی ہے۔ یہ بیوی اور اولاد کا خالق و مالک اور مربی نہیں ہے۔

بنیادی کونسل کی عورت ارکان چیئرمین (خاوند) کی اجازت کے سوا بقدر کفایت فنڈ استعمال کر سکتی ہیں

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ هِنْدًا بِنْتِ عتبة قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اِنَّ اَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيْحٌ وَ لَيْسَ يُعْطِيْنِيْ مَا يَكْفِيْنِيْ وَوَلَدِيْ اِلَّا مَا اَخَذْتُ مِنْهُ وَهُوَ لَا يَعْلَمُ فَقَالَ خُذِيْ مَا يَكْفِيْكِ وَلَدَكِ بِالْمَعْرُوْفِ (متفق علیہ مشکوۃ باب النفقات 290)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ہندہ بنت عتبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ابوسفیان ایک کنجوس آدمی ہے وہ مجھے اور میری اولاد کو پورا خرچ نہیں دیتا۔ سوائے اس کے کہ میں اس کی اجازت کے سوا اس کے مال میں سے لوں۔ تو آپ نے فرمایا کہ تو اتنا لے سکتی ہے جو تجھے اور تیری اولاد کو کفایت کرے۔ معروف طریقہ سے۔

تشریح : اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ اگر خاوند معروف طریقہ سے بیوی اور بچوں کو خرچ نہ دیتا ہو تو بیوی اس کی اجازت کے سوا بھی اس کے مال سے جو گھر میں ہو معروف طریقہ سے خرچ لے سکتی ہے۔ البتہ مال اس کو بے دریغ اور بے جا استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

اولاد کو دودھ پلانے کی ذمہ داری والدہ پر ہے

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ (سورۃ النساء آیت 233)

اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال پورے دودھ پلائیں۔ یہ اس کے لئے ہے جو دودھ کی مدت کو پورا کرنا چاہے۔

تشریح : یہ سورہ البقرہ کی آیت دو سو تینتیس کا ایک جملہ ہے۔ اس میں اللہ

تعالیٰ نے اولاد کو دودھ پلانے کی ذمہ داری والدہ پر رکھی ہے۔ اور مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں یر ضعن اصل میں لیر ضعن ہے۔ یہاں لام امر مقدر ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ دودھ پلانا عورت پر لازم ہے۔ اگر نہیں پلائے گی تو وہ مجرم ہوگی۔ اصل میں ایک انسان کو دوسرے کے بدن سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔ اور اس مقام پر بامر مجبوری اجازت دی ہے۔ کیونکہ اس نومولود کو ایک مہربان اور شفیقہ کی ضرورت ہے جو اس کو دودھ پلائے۔ اٹھائے بٹھائے اور اسے آداب زندگی سکھائے۔ اور یہ کام اس ماں کے سوا کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ پس یہ ماں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مظہر اور نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں اس بچے کی شفقت اور محبت کوٹ کوٹ کر بھر رکھی ہے۔ اور یہ دودھ پلانے کی مدت دو سال بیان فرمائی ہے۔ دو سال سے زیادہ دودھ پلانے کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ اب ضرورت ختم ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر میاں اور بیوی باہم رضامندی سے دو سال سے پہلے ہی دودھ چھڑانا چاہیں تو چھڑا سکتے ہیں یہ مدت کم کرنے میں گناہ نہیں ہے۔ اس کی انہیں اجازت ہے۔ مگر یہ دونوں کے مشورہ سے ہونا چاہئے۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّا اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ (سورۃ البقرہ

آیت 233)

اور اگر کسی اور سے اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو تو اس میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ہے بشرطیکہ تم دیدو جو دستور کے مطابق تم نے دینا ٹھہرایا ہے۔

تشریح : یہ سورۃ البقرہ کی آیت کا ایک جملہ ہے۔ اس میں یہ فرمایا ہے کہ کسی دوسری عورت سے بھی دودھ پلوانا جائز ہے۔ مگر یہ اس وقت ہے جب بچے کی اپنی والدہ دودھ نہ پلا سکتی ہو تو یہ بھی ایک مجبوری ہے۔ اس لئے بچے کی جان

بچانے کے لئے غیر ماں سے دودھ پلانا جائز ہے۔ مگر اس وقت اس کو بھی دستور کے مطابق اجرت دینی ہوگی۔ خلاصہ یہ نکلا کہ اس بنیادی کونسل کی ارکان عورتوں کا خرچہ اور ان سے پیدا ہونے والی اولاد کا خرچ اس باڈی کا چیئرمین (خاوند) ادا کرے گا۔ اگر کسی دوسری عورت سے دودھ پلوانا ہو تب بھی خرچہ یہی دے گا۔

اہل و عیال پر خرچہ کرنے سے اللہ مال بڑھاتا ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنْفِقْ یَا ابْنَ اٰدَمَ اُنْفِقْ عَلَیْكَ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا ابْنَ اٰدَمَ اِنْ تَبْذُلِ الْفَضْلَ خَیْرٌ لَّكَ وَاِنْ تُمْسِكْ شَرٌّ لَّكَ وَلَا تُلَامُ عَلٰی كَفَافٍ وَابْدَاْ بِمَنْ تَعُوْلُ (مشکوۃ باب الانفاق صفحہ 164 مطبع مجتبائی دہلی)

ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے ابن آدم خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا۔ ابی امام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن آدم اگر تو مال خرچ کرے گا تو تیرے لئے بہتر ہوگا۔ اور اگر تو اسے روک لے گا تو تیرے لئے برا ہوگا۔ قدرِ ضرورت پر ملامت نہ کرنا۔ اور اپنے بیوی بچوں سے ابتدا کر۔

تشریح : یہاں دو حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ پہلی حدیث قدسی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اے ابن آدم تو خرچہ کرتا جا میں تجھے اور دوں گا۔ اور دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ خرچ کرنا بہتر ہے اور وہ بہتری یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور دے گا اور اگر خرچہ نہیں کرو گے تو شر ہے۔ اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ دینا روک

دیں گے اور خرچ کرنے کے سلسلہ میں فرمایا کہ اپنے خاندان سے شروع کرو۔ دراصل انسان کی حیثیت ایک ایک ڈپو ہولڈر کی ہے اور اس کا خاندان اس کا حلقہ ہے۔ اس میں اس نے اناج تقسیم کرنا ہے۔ اگر یہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے اور دیں گے۔ اور اگر خرچ نہیں کرے گا تو یہ ڈپو اس سے واپس لے لیں گے۔ کیونکہ اس نے خرچ کرنے کے سلسلہ میں بددیانتی کی ہے۔ خلق خدا کا حق روک لیا ہے۔ اس نے کونسل کے قیام کا مقصد فوت کر دیا ہے۔ پس خلاصہ یہ نکلا اپنے حلقے میں مال خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔ اور نہ کرنے سے نقصان ہوتا ہے۔

اس خاندانی خدمت کے فضائل اور مراتب

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَائَتْنِیْ اِمْرَاَۃٌ وَمَعَهَا اِبْنَتَانِ لَهَا تَسْئَلُنِیْ فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِیْ غَیْرَ تَمْرَۃٍ وَاحِدَۃٍ فَاَعْطَیْتُهَا اِیَّاهَا فَقَسَّمَتْهَا بَیْنَ اِبْنَتَیْهَا وَلَمْ تَاْکُلْ مِنْهَا ثُمَّ قَامَتْ فَخَرَجَتْ فَدَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثْتُهٗ فَقَالَ مَنِ ابْتُلِیَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَیْءٍ فَاَحْسَنَ اِلَیْهِنَّ کُنَّ لَهٗ سِتْرًا مِّنَ النَّارِ۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میرے پاس ایک عورت آئی اور اس کے پاس دو اس کی لڑکیاں تھیں اس کی پھر اس نے مجھ سے سوال کیا تو میرے پاس سوائے ایک کھجور کے اسے کچھ نہ ملا تو میں نے اسے وہ دیدی تو اس نے وہ اپنی دو بچوں میں تقسیم کی اور اس میں سے خود کچھ نہ کھایا۔ پھر اٹھ کر چلی گئی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے آپ کو یہ بات سنائی۔ تو آپ نے فرمایا کہ جن کو ان بچیوں کے ساتھ آزمایا جائے۔ اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے وہ اس کے لئے آگ سے پردہ ہوں گی۔

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ اَنَا وَهُوَ هٰكَذَا وَضَمَّ اَصَابِعَهٗ (مشکوۃ باب الشفقة والرحم علی الخلق صفحہ 421)

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دو بچیوں کی بلوغت تک تربیت کی تو قیامت کے دن وہ ایسے حال میں آئے گا کہ میں اور وہ ایسے ہوں گے۔ اور آپ نے اپنی دو انگلیاں ملا دیں۔

تشریح: یہاں دو حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ پہلی حضرت عائشہؓ سے روایت ہے اور دوسری حضرت انسؓ سے۔ حضرت عائشہ والی روایت میں جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کی زبانی ایک عورت کا واقعہ سن کر فرمایا کہ جو بچیوں کے ساتھ آزمایا جائے اور پھر وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو قیامت کے دن وہ بچیاں اس کے لئے دوزخ سے پردہ ہوں گی۔ یعنی وہ بچانے والی ہوں گی۔ اور دوسری انس والی حدیث میں آپ نے فرمایا کہ جو آدمی دو بچیوں کی بلوغت تک تربیت کرے تو قیامت کے دن وہ میرے ساتھ اس طرح ہوگا۔ اور آپ نے اپنی دونوں انگلیوں۔ انگشت شہادت اور درمیانی کو ملایا۔ یعنی جس طرح یہ دونوں انگلیاں برابر نہیں ہیں۔ کیونکہ درمیانی انگلی بڑی ہے اور شہادت والی چھوٹی ہے دونوں برابر نہیں۔ اسی طرح ان بچیوں کی تربیت کرنے والا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر تو نہیں ہو سکتا۔ تاہم اس کو آپ کی رفاقت ضرور نصیب ہو جائے گی۔ پس خلاصہ یہ نکلا اس خاندانی خدمت کے فضائل اور مراتب بہت اونچے ہیں۔ حقیقتہً خوش قسمت ہے وہ جس کو ان بچیوں کی تربیت کا موقعہ مل جاتا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصاً بچیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بچوں کی تربیت تو آج کی طرح اس زمانہ میں بھی لوگ کرتے تھے۔ اور ان کی پیدائش کو اپنے لئے باعث فخر جانتے

تھے۔ مگر بچیوں کی پیدائش کو وہ لوگ بہت برا سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض انہیں زندہ ہی درگور کر دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی تعلیم و تربیت کی ترغیب دی۔ اور ان کو باعث برکت بنایا ہے۔ اور فرمایا کہ آخرت میں یہ بچیاں ان کے لئے ذریعہ نجات بن سکتی ہیں۔ کیونکہ عورت خاندان اور برادری کے قیام کے سلسلہ میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔
اسی لئے جب اولاد پیدا کرنا شروع کر دیتی ہے تو عربی میں اسے ام کہا جاتا ہے۔
یعنی خاندان کا مرکز اصل اور بنیاد ہی ہے۔ لہذا یہ بچی والدین کے لئے سرمایہ حیات ابدیہ ہے

خاوند بحالتِ ایامِ ماہواری بیوی سے جماع نہ کرے

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ	اور آپ سے حیض کے
الْمَحِيْضِ ط قُلْ هُوَ	بارے میں پوچھتے ہیں آپ
اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۤءَ	فرمادیں وہ نجاست ہے
فِى الْمَحِيْضِ وَلَا	پس حیض میں عورتوں سے

تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى	علیحدہ رہو اور ان کے پاس
يَطْهُرْنَ ج فَاِذَا تَطَهَّرْنَ	نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک
فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ	ہولیں پھر جب وہ پاک ہو
اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ط اِنَّ	جائیں تو ان کے پاس جاؤ
اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ	جہاں سے اللہ نے تمہیں
وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ہ	حکم دیا ہے بے شک اللہ
نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ	توبہ کرنیوالوں کو اور پاکوں کو دوست
لَّكُمْ ص فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ	رکھتا ہے۔ تمہاری بیویاں
اَنّٰى شِئْتُمْ	تمہاری کھیتیاں ہیں پس تم
وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ط	اپنی کھیتیوں میں جیسے چاہو
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا	آؤ اور اپنے لیے آئندہ کی
اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ط	بھی تیاری کرو اور اللہ سے
وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ہ	ڈرتے رہو اور جان لو کہ تم
(سورۃ البقرۃ پارہ دوم	ضرور اسے ملو گے اور
آیت ۲۲۲ - ۲۲۳)	ایمان والوں کو خوشخبری سناؤ۔

تشریح

اس آیت کریمہ کے شروع میں جو لفظ حیض آیا ہے اس کے لغوی معنی جاری ہونے کے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں اس سے مراد وہ خون ہے جو عورت کے رحم سے سوائے بیماری اور جننے کے نکلے۔ اس کی کم مدت تین دن ہیں اور زیادہ دس دن۔ پس اس مدت

میں خالص سفید خون کے سوا جس رنگ کا بھی خون آئے خواہ سُرخ ہو۔ سیاہ ہو۔ زرد ہو۔ سبز ہو یا مٹی کے رنگ کا ہو یہ حیض ہی میں شمار ہو گا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ خاوند اس حالت میں اپنی بیوی کی شرمگاہ کو استعمال نہیں کر سکتا اس کے علاوہ اس کا بوسہ لے سکتا ہے اس کے ساتھ لیٹ بھی سکتا ہے اس حالت میں عورت نماز نہیں پڑھ سکتی، روزہ بھی نہیں رکھ سکتی البتہ روزے کی قضا کرے گی اور نماز کی قضا بھی اس پر نہیں اور تین دن سے کم اور دس دن سے زیادہ جو خون آئے وہ استحاضہ کہلاتا ہے اس کا یہ حکم نہیں ہے اور جس عورت کی عادت ایام ماہواری دس دن سے کم مثلاً چھ دن مقرر ہو جائے تو وہی مقررہ دن حیض کے شمار ہوں گے۔ اور ولادت کے بعد عورت کو جو خون آتا ہے وہ نفاس کہلاتا ہے اس کا حکم بھی حیض جیسا ہی ہے اور حیض و نفاس کے بقیہ فقہی مسائل بہشتی زیور میں دیکھ لیے جائیں۔ اب ہم اس آیت کریمہ کا شانِ نزول اور تشریح جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے عرض کرتے ہیں۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ	انسؓ سے نقل ہے انہوں
الْیَهُوْدَ کَانُوْا اِذَا حَاضَتِ	نے فرمایا بے شک یہود جب
الْمَرْاَةُ فِیْهِمْ لَمْ	ان میں کسی عورت کو حیض آتا
یُؤَاکِلُوْهَا وَلَمْ	تو گھروں میں ان کے ساتھ
یُجَامِعُوْهُنَّ فِیْ	کھاتے نہیں تھے اور ہمبستر
الْبُیُوْتِ فَسَاَلَ	بھی نہیں ہوتے تھے تو نبی
اَصْحٰبُ النَّبِیِّ صَلَّی	صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ
اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ	نے آپ سے پوچھا پھر اللہ تعالیٰ

النَّبِيَّ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ — نے آیت اُتاری اور وہ
تَعَالیٰ وَیَسْئَلُوْنَكَ — پوچھتے ہیں آپ سے حیض
عَنِ الْمَحِيْضِ الْاٰيَةَ — کے متعلق آخر آیت تک
فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی — پس فرمایا رسول اللہ صلی
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ — اللہ علیہ وسلم نے کرو ہر
اِصْنَعُوْا كُلَّ شَيْءٍ — کام مگر جماع نہ کرو پس
اِلَّا النِّكَاحَ فَبَلَغَ — یہ خبر یہود کو پہنچی تو انہوں
ذٰلِكَ الْيَهُوْدَ فَقَالُوْا — نے کہا نہیں چاہتا یہ آدمی
مَا يُرِيْدُ هٰذَا — کہ چھوڑے ہمارے دین
الرَّجُلُ اَنْ يَدَعَ — میں سے کچھ بھی مگر مخالفت
مِنْ اَمْرِنَا شَيْئًا — کی اس نے ہماری اس
اِلَّا خَالَفَنَا فِيْهِ — میں پس آئے اُسید بن
فَجَاءَ اُسَيْدُ ابْنُ — حضیر اور عباد بن بشیر پس
حُضَيْرٍ وَعَبَّادُ — کہا ان دونوں نے اے
ابْنُ بَشِيْرٍ فَقَالَا — اللہ کے رسول بے شک
يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ — یہود ایسا اور ایسا کہتے
الْيَهُوْدَ يَقُوْلُ كَذَا — ہیں پس نہ ہمنشینی کریں
وَكَذَا اَفَلَا — ہم ان عورتوں سے پس
نُجَامِعُهُنَّ فَتَغَيَّرَ — متغیر ہوا چہرہ رسول اللہ
وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ — صلی اللہ علیہ وسلم کا یہاں
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ — تک کہ ہم نے گمان کیا کہ

وَسَلَّمَ حَتّٰى ظَنَنَّا	آپ ناراض ہو گئے ہیں ان
اَنْ قَدْ وَجَدَ عَلَيْهِمَا	پر پس وہ دونوں نکل کر
فَخَرَجَا فَاسْتَقْبَلَتْهُمَا	چلے گئے پس ان کے سامنے
هَدِيَّةٌ مِنْ	سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
لَبَنٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى	کے پاس دودھ کا ہدیہ آیا
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	تو آپ نے ان کے پیچھے
فَاَرْسَلَ فِيْ اٰثَارِهِمَا	پیغام بھیجا پھر ان کو وہ دودھ
فَسَقَاهُمَا فَعَرَفَا	پلایا پھر وہ سمجھ گئے کہ آپ
اَنَّهُ لَمْ يَجِدْ	ان پر ناراض نہیں ہوئے۔
عَلَيْهِمَا (مشکوٰۃ ص۵۶ باب الحیض)	(اس حدیث کو امام مسلم نے نقل کیا ہے)

تشریح

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عورت کے ایام ماہواری کے زمانہ میں افراط و تفریط تھی یعنی یہودی اس زمانہ میں عورت سے ہمبستری کرنا تو کجا ان کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا بھی نہیں کھاتے تھے ان کے استعمال کے برتن بھی الگ کر دیتے تھے اور بعض گھر سے بھی نکال دیتے تھے اور اس سلسلہ میں ان کا تصور یہ تھا کہ ان ایام میں صرف عورت ہی ناپاک نہیں ہوتی بلکہ اس کو جو چھوئے گا یا وہ کسی چیز کو اگر ہاتھ لگا دے گی یا جس زمین پر وہ چلے گی جہاں بیٹھے گی وہ چیزیں سب ناپاک ہو جاتی ہیں اور اسے بڑا خطرناک متعدی مرض تصور کیا جاتا تھا اور عیسائی ان ایام میں ان سے ہمبستر بھی ہوتے تھے

اور قرآن نے اس سلسلہ میں راہِ اعتدال پیش کی ہے اور وہ یہ ہے کہ ان ایام میں عورت کا مقام مخصوص استعمال نہیں کر سکتا کیونکہ وہ گندہ ہے باقی اس کا سارا جسم پاک ہے۔ خاوند اسے بوسہ دے سکتا ہے اس کے ساتھ لیٹ سکتا ہے اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھا سکتا ہے اگر کوئی شخص ان ایام میں عورت کا وہ مقام مخصوص حلال سمجھ کر استعمال کریگا تو وہ کافر ہو جائے گا اور اگر وہ اسے حلال نہ جانے ویسے استعمال کرے تو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے اسے توبہ کرنا چاہیئے اور کچھ صدقہ بھی دے دینا افضل ہے۔ مزید تفصیل اگلی حدیثوں میں آ رہی ہے۔ ؏

کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولا سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو

وَعَائِشَةَ قَالَتْ	اور حضرت عائشہؓ سے نقل
كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا	ہے انہوں نے فرمایا میں اور
وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	سے غسل کرتے تھے حالانکہ
مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ	ہم دونوں جنبی ہوتے تھے
وَكِلَانَا جُنُبٌ	اور آپ مجھے حکم فرماتے تھے
وَكَانَ يَأْمُرُنِيْ	پس میں تہ بند باندھتی تھی پھر
فَأَتَّزِرُ فَيُبَاشِرُنِيْ	آپ میرے ساتھ لیٹ جاتے
وَأَنَا حَائِضٌ	تھے حالانکہ میں حیض سے ہوتی
وَكَانَ يُخْرِجُ	تھی اور آپ اعتکاف کی حالت
رَأْسَهُ إِلَيَّ	میں اپنا سر مبارک مسجد سے

وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَاَغْسِلُهٗ وَاَنَا حَائِضٌ	میری طرف نکالتے تھے پس میں اسے دھوتی تھی حالانکہ میں حیض سے ہوتی تھی ۔
(مشکوٰۃ ص۵۶ باب الحیض)	(امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اس حدیث کی صحت پر اتفاق کیا ہے)

تشریح

جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں آج کل کی طرح پانی کی فراوانی اور نلکوں کا انتظام نہیں تھا لوگ گھروں میں بڑے بڑے برتنوں میں پانی بھر کر لاتے تھے اور پھر استعمال کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر مبارک میں بھی ایسا ہی بڑا برتن ہوتا تھا اور رات کو بوقت ضرورت اس سے پانی لے کر غسل کر لیا کرتے تھے اور اس حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حائضہ عورت کے صرف زیر ناف کا حصہ استعمال کرنا جائز نہیں وہ ناپاک ہے باقی سارا بدن پاک ہے ۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰى حَائِضًا اَوْ مَرْاَةً فِیْ دُبُرِهَا اَوْ كَاهِنًا فَقَدْ كَفَرَ بِمَا	ابی ہریرہؓ سے نقل ہے انہوں نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص حیض والی عورت سے ہمبستری کرے یا کسی عورت کا پاخانہ والا حصہ استعمال کرے یا غیب کی خبر سنانے والے

اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ	یا نجومی وغیرہ کے پاس جائے
(رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی)	پس تحقیق اس نے انکار کیا
	اس کتاب کا جو اتاری گئی محمدؐ
	پر۔ (اس حدیث کو ترمذی ابن ماجہ
	اور دارمی نے نقل کیا ہے)

تشریح

اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حائضہ کے پاس جانے کو یا عورت کا پاخانہ والا حصہ استعمال کرنے کو یا غیب کی خبریں سنانے والے نجومی وغیرہ کے پاس جانے کو کفر فرمایا ہے اس کی توجیہہ و توضیح محدثین نے یہ نقل کی ہے کہ اگر حلال جان کر ایسا کرے گا تو کافر ہو جائیگا اور حلال نہ جانے ویسے ایسا ارتکاب کرے تو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے فاسق ہے۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بچوں سے ایسا فعل کرنا یا دو مردوں کا باہم ایسا کرنا اس سے بھی بڑا گناہ ہے کیونکہ جب اپنی منکوحہ عورت سے ایسا کرنا حلال نہیں تو بچوں سے ایسا کرنا یا دو مردوں کو باہم ایسا کرنا کس طرح حلال ہو سکتا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ	ترجمہ اور ابن عباس سے
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ	نقل ہے انہوں نے فرمایا کہ
اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ	جناب رسول اللہ صلی اللہ
وَسَلَّمَ اِنْ وَقَعَ	علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب
الرَّجُلُ بِاَھْلِہٖ	آدمی حیض کی حالت میں اپنی

وھی حائض فلیتصدق نصف دینار (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی والدارمی وابن ماجہ)

بیوی کا اگلا حصہ استعمال کرے تو اس کو ایک دینار صدقہ کرنا چاہیئے (اس حدیث کو امام ترمذی ابوداؤد نسائی دارمی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے،

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَ دَمًا أَحْمَرَ فَدِينَارٌ وَإِذَا كَانَ دَمًا أَصْفَرَ فَنِصْفُ دِينَارٍ (یہ تینوں احادیث مشکوٰۃ باب الحیض ص۵۶ سے نقل کی گئی ہیں)

اور ان سے ہی نقل ہے انہوں نے جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا آپ نے فرمایا جب خون سرخ ہو تو ایک دینار ہے اور اگر زرد ہو تو نصف دینار ہے (اس حدیث کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے)

تشریح

اس حدیث میں بحالت حیض اپنی بیوی سے صحبت کرنے والے کو ایک دینار یا نصف دینار بطور کفارہ ادا کرنے کا جو حکم دیا ہے یہ صرف اسی صورت میں ہے جب اس فعل کو حلال نہ جانے اور اگر حلال جانے گا تو کافر ہو جائے گا جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے۔

دینار ساڑھے چار ماشہ سونے کا ہوتا ہے لہٰذا ساڑھے چار ماشہ سونا کی قیمت لگا کر کفارہ ادا کرنا چاہیئے اور جہاں دینار مروج ہے وہاں تو وہ دے دینا چاہیئے۔

عورت کا پاخانہ والا راستہ استعمال کرنیوالا ملعون ہے

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَلْعُوْنٌ مَنْ اَتٰى اِمْرَاَتَهٗ فِیْ دُبُرِهَا

(رواہ احمد وابوداود)

ترجمہ ابی ہریرۃؓ سے نقل ہے انہوں نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی رحمت سے دور ہے وہ شخص جو اپنی بیوی کے پاخانہ والا حصہ کو استعمال کرے (اس حدیث کو امام احمد اور ابوداود نے نقل کیا ہے)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ اِلٰى رَجُلٍ اَتٰى رَجُلًا اَوِ امْرَاَةً فِى الدُّبُرِ ۔

(رواہ الترمذی)

اور ابن عباسؓ نے نقل ہے انہوں نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایسے آدمی کو نظر رحمت سے نہیں دیکھیں گے جو کسی مرد یا عورت کا پاخانہ والا حصہ استعمال کرے ۔

(اس حدیث کو ترمذی نے نقل کیا ہے)

اپنی بیوی کا بھید ظاہر کرنا گناہ ہے

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ	ترجمہ اور ابی سعیدؓ سے نقل
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ	ہے انہوں نے فرمایا کہ جناب
اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وَسَلَّمَ اِنَّ اَعْظَمَ	نے فرمایا بے شک سب سے
الْاَمَانَةِ عِنْدَ	بڑی امانت اللہ کے نزدیک
اللهِ یَوْمَ الْقِیَامَةَ	قیامت کے دن اور ایک
وَفِیْ رِوَایَةٍ	روایت ہے کہ بے شک
اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ	تمام لوگوں سے زیادہ شریر
عِنْدَ اللهِ مَنْزِلَةً	اللہ کے نزدیک مرتبہ کے
یَوْمَ الْقِیَامَةِ	لحاظ سے قیامت کے دن
اَلرَّجُلُ یُفْضِیْ اِلٰی	وہ آدمی ہے کہ پہنچے طرف
امْرَاَتِهٖ تُفْضِیْ	اپنی بیوی کے اور وہ پہنچے
اِلَیْهِ ثُمَّ یَنْشُرُ	طرف اس کے پھر افشا کر
سِرَّهَا۔	اس کا راز (یہ حدیث امام
(رواہ مسلم)	مسلم نے روایت کی ہے)

تشریح

اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے بھید کو امانت قرار دیا اور یہ بھید پھیلانے والے مرد کو بدترین

قرار دیا اور بعض محدثین نے اس پر قیاس کر کے عورت کے لیے بھی یہی حکم دیا ہے یعنی مرد کے بھید عورت کے لیے امانت ہیں اور عورت کے بھید مرد کے لیے امانت ہیں دونوں میں سے کسی کو بھی یہ نہیں چاہیئے کہ ایک دوسرے کے راز اوروں کے سامنے بیان کریں خواہ وہ عیوب ہوں یا کہ خوبیاں اگر ایسا کریں گے تو یہ لوگ اللہ کے نزدیک سب سے بُرے ہیں کیونکہ یہ امانت میں خیانت ہے۔ ہاں، اگر فریقین میں یا دونوں میں سے ایک میں کوئی ایسا عیب موجود ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے ان کی جنسی خواہشات ہی پوری نہیں ہوتیں مقاصد نکاح تولید میں رکاوٹ ہے تو پھر ایسے عیوب بتائے جا سکتے ہیں اس میں کوئی قباحت نہیں چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ	اللہ تعالیٰ کسی کی بری بات ظاہر
بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ	کرنے کو پسند نہیں فرماتا مگر
اِلَّا مَنْ ظُلِمَ	جس پہ زیادتی کی جائے۔

ضبط تولید عورت کی اجازت کے سوا جائز نہیں

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ	ترجمہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ
قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ	سے نقل ہے انہوں نے فرمایا
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ	کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے
اَنْ يُّعْزَلَ عَنِ الْحُرَّةِ	کہ عزل کیا جائے حُرّہ عورت

الا باذنہا۔	سے مگر اس کی اجازت سے
(رواہ ابن ماجہ)	(ابن ماجہ)

تشریح

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تولید اور لذت جماع میاں بیوی کے مشترکہ حقوق ہیں۔ خاوند از سر خود انہیں ضائع نہیں کر سکتا ہاں اگر بیوی کی رضا بھی شامل ہو تو قباحت نہیں ہے۔

ہر مجرّد با صلاحیت مرد اور عورت کا نکاح کرانا چاہیئے

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ	اور جو تم میں مجرّد ہوں اور
وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ	جو تمہارے غلام اور لونڈیاں
عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ ۗ	نیک ہوں سب کے نکاح
اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ	کرا دو اگر وہ مفلس ہونگے
يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ	تو اللہ اپنے فضل سے
فَضْلِهٖ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ	انہیں غنی کر دے گا اور اللہ
عَلِيْمٌ ٥ (سورہ نور آیت ۳۲)	وسعت والا جاننے والا ہے

تفسیر

اس آیت میں جو لفظ انکحو آیا ہے یہ جمع مذکر امر حاضر کا صیغہ ہے اس کے معنی نکاح کرانے کے ہیں اور اس کے مخاطب حکومت ورثاء اور غلاموں کے مالک ہیں اور ایامیٰ جو لفظ آیا ہے یہ ایّم کی جمع ہے اس کے معنی بے نکاح کے ہیں اور یہ عام ہے جو خواہ شروع سے ہی ابھی شادی نہ ہوئی ہو یا بیوی مر گئی ہو یا اسے طلاق دی ہو یا عورت ایسی ہو یہ سب کو شامل ہے اور عباد عبد کی جمع ہے اس کے معنی یہاں غلام کے ہیں اور اماء امۃ کی جمع ہے اس کے معنی لونڈی کے ہیں اور صالحین صالح کی جمع ہے اس کے معنی نیک کے بھی ہیں اور باصلاحیت کے بھی

پس خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ وارثوں کو چاہیئے کہ جب ان کے لڑکے یا لڑکیاں بالغ ہو جائیں یا لڑکے رنڈوے اور لڑکیاں بیوہ یا مطلقہ ہو جائیں تو وہ وارث از سر خود ان کے نکاح کے سلسلہ میں تگ و دو کریں اس سلسلہ میں اولین فریضہ والدین کا ہے اور دوسرے نمبر پر بقیہ رشتے ہیں - اگر رشتہ دار بھی نہ ہوں تو پھر یہ ذمہ داری وقتی حکومت پر عائد ہوتی ہے تاہم اگر وہ لڑکے یا لڑکیاں عاقل و بالغ ہوں اور از سر خود اگر کہیں وہ اپنا نکاح گواہوں کی موجودگی میں کر لیں تو اس میں صرف اتنی قباحت ہے کہ سنت کے خلاف ہے ورنہ نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور وہ سنت یہ ہی ہے کہ نکاح وارثوں کی اجازت سے ہونا چاہیئے اور اسی طرح اگر غلام یا لونڈیاں ہوں تو ان کے مالکوں کو چاہیئے کہ لونڈیوں سے از سر خود ہم بستر ہوں ورنہ ان کا اور غلاموں کا نکاح کرا دیں اور مالکوں کی عدم موجودگی میں یہ وقتی حکومت کی ذمہ داری ہے بہر حال ایک اسلامی ریاست میں کسی بھی باصلاحیت مرد یا عورت آزاد یا غلام کو بے نکاح رہنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ اس میں دو قسم کا نقصان ہے ایک یہ ہے کہ اس سے زنا کاری پھیلے گی جو باعث قطع رحمی ہے اس کی حیثیت ایک دیمک کی ہے جو لکڑی کو کھوکھلا کر کے رکھ دیتی ہے اسی طرح اس زنا کاری سے معاشرے کے اندر سے اخوت اور محبت کی روح نکل جائے گی اور دوسرا نقصان یہ ہے کہ یہ مرد اور عورت ترقی کا ذریعہ ہیں - افرادی قوت پیدا کرتے ہیں اور انہیں بیکار چھوڑنے سے انسانی ترقی کی رفتار میں رخنہ پیدا ہو گا اور ان یکونوا فقراء یغنیھم اللہ من فضلہ فرما کر

انسانوں کے ایک بہت بڑے خدشے کو دُور فرما دیا ہے اور یہ وہ خدشہ ہے جس کے پیش نظر لاکھوں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اس لیے شادی نہیں کرتے یا ان کی کوئی شادی کراتا نہیں کہ گھر میں لڑکی آئیگی تو اس کو روٹی کہاں سے دیں گے اولاد ہوگی تو کہاں سے کھلائیں گے۔ اس شیخ چلی کے تصور میں نوجوانوں کی زندگیاں ضائع ہو جاتی ہیں اور زنا کاری سے بے راہروی پھیلتی ہے اور پھر اسی کے باعث کشت وخون سے دولتِ ایمان سے بھی محروم ہو جاتے ہیں ؎

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

یا پھر اسقاطِ حمل کے ذریعہ لاکھوں بلکہ کروڑوں کے قتل کے ذمہ دار ٹھہرے ہوئے ہیں۔ نامعلوم وہ آنے والی روحیں کتنے اولیاء اللہ کی ہوں گی اور ان میں کتنے ہی خلقِ خدا کے خادم اور ہمدرد ہوں گے مگر اس چرب لقمے کے لالچی انسان نے ان کی راہ کو بند کیا ہوا ہے اور کر رہا ہے اور یہ صرف اور صرف اس بنا پر کہ انسان نے اپنے آپ کو اپنا اور اپنی بیوی بچوں کا خالق و مالک اور رازق سمجھا ہوا ہے اور خدا کی خالقیت و مالکیت اور ربوبیت پر اس کا یقین اور ایمان نہیں ہے۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے پہلے تو مجردین کے نکاح کا حکم دیا ہے اور بعد میں لوگوں کا خدشہ دور کرنے کے لیے وعدہ فرمایا کہ اگر تمہیں یہ اندیشہ ہے کہ وہ فقیر ہیں تو اس کی پرواہ مت کرو اللہ تعالیٰ خود ان کو غنی کر دیگا چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ کے ایک ارشادِ گرامی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم نکاح

کرنے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرو تو اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ غنا عطا کرنے کا فرمایا ہے وہ پورا کرے گا پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی ان یکونوا فقراء یغنیھم اللہ من فضلہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم غنی ہونا چاہتے ہو تو نکاح کر لو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان یکونوا فقراء یغنیھم اللہ من فضلہ (یہ حوالہ ابنِ کثیر سے منقول ہے) اور قرآن کریم کی اس اگلی آیت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ	بچتے رہیں وہ لوگ جو طاقت
لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا	نکاح نہیں رکھتے یہاں تک
حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ	کہ اللہ تعالیٰ انہیں غنی کر دے
مِنْ فَضْلِهٖ (نور)	گا اپنے فضل سے۔

تفسیر

یعنی جو لوگ مالی لحاظ سے نکاح کی طاقت نہیں رکھتے اور انہیں اندیشہ ہو کہ اگر شادی کریں گے تو عورت کے اخراجات پورے نہیں کر سکیں گے۔ اس طرح اس کی حق تلفی ہوگی اور عنداللہ مجرم ہوں گے تو انہیں چاہیئے کہ صبر کریں اور صبر کا طریقہ یہ ہے کہ روزہ رکھیں۔ اس سے قوتِ شہوانیہ پر کنٹرول ہو جائے گا پس معلوم ہوا کہ یہ وعدہ غنی اس کے لیے جو پاک دامن رہنا چاہتا ہو اور اللہ پر یقین رکھنے والا متوکل بھی ہو۔

چیئرمین (خاوند) کو اپنی کونسل کی ارکان سے مساوات برتنے کا حکم اور اس کا طریقہ

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ	اور تم عورتوں کو ہرگز برابر نہیں
تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ	رکھ سکو گے اگرچہ اس کی حرص
وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا	کرو پس بالکل ایک ہی طرف
تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ	نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو لٹکی
فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ	ہوئی چھوڑ دو اور اگر اصلاح کرتے
وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا	رہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے
فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا	اور اگر دونوں میاں بیوی جدا
رَّحِيْمًا ۝ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا	ہو جائیں تو اللہ اپنی وسعت
يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ	سے ہر ایک کو بے پروا کر
سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ	دے گا اور اللہ وسعت کرنے
وَاسِعًا حَكِيْمًا ۝	والا حکمت والا ہے۔

(سورہ نساء آیت ۱۲۹-۱۳۰)

شانِ نزول

جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازدواج کے لیے نوبت مقرر کی ہوئی تھی اور حضرت سودہ بنت زمعہ جب بوڑھی ہو گئیں اور ظاہر بات ہے کہ ان کی جنسی خواہشات کم ہو گئی ہوں گی اور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ ان کی نوبت عائشہؓ کو دی جائے کیونکہ وہ جوان

تھی لیکن حضرت سودہؓ کے ہوتے ہوئے یہ مناسب نہیں تھا اس لیے ارادہ فرمایا کہ انہیں طلاق دے دیں اور حضرت سودہؓ کو اس بات کا پتہ چل گیا تو آپ نے اپنی نوبت حضرت عائشہؓ کو خود بخش دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف زوجیت میں رہنا ہی پسند کیا۔ اس پر قرآن کریم کی یہ مذکورہ بالا آیات اتریں۔ شان نزول اگرچہ خاص ہے لیکن چونکہ صیغے عام ہیں اس لیے حکم عام ہے اور ان آیتوں میں تمام اہل ایمان کو تین ہدایات دی گئی ہیں ——— پہلی ہدایت یہ ہے کہ جب متعدد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان مساوات قائم رکھو اور یہ مساوات دو قسم کی ہے ایک قلبی محبت اور دوسری قسم بقیہ حقوق زوجیت شب باشی نفقہ وغیرہ قسم اوّل کے بارے میں تو خالق کائنات علیم وخبیر نے خود ہی فرما دیا ہے کہ تمہارے بس کا روگ ہی نہیں ہے کہ تم عورتوں سے محبت میں مساوات قائم رکھ سکو اور دوسری قسم کے بارے میں فرمایا ہے کہ ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ جس کے ساتھ قلبی محبت زیادہ ہے سارا جھکاؤ اسی کی طرف رکھو اور جس کے ساتھ محبت کم ہے یا نہیں تو اسے معلق رکھو نہ اس کے حقوق ادا کرو اور نہ طلاق دو ہرگز ایسا مت کرو بلکہ ان کے حقوق نفقہ شب باشی وغیرہ پورے ادا ہونے چاہیئں اس کی صورت یہ ہے کہ شب باشی کی باری مقرر ہو جائے ——— اور دوسری ہدایت یہ دی ہے کہ جب تمہاری متعدد بیویاں ہوں گی تو ان کے درمیان بھی چپقلش ہوگی دنگا فساد تک نوبت آئے گی ایسی صورت میں مرد کو حکمران اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے تقوے کی حدود میں رہ کر فیصلہ کرنا ہوگا اور انکی اصلاح کی کوشش کرنا ہوگی جیساکہ دوسری جگہ ارشاد ہے عظوھن ———

واھجروھن فی المضاجع واضربوھن وان اطعنکم فلا تبغو علیھن سبیلا ۔ انہیں نصیحت کرو شب باشی کا بائیکاٹ کرو اور پیٹو اگر وہ اس سے تمہاری اطاعت کریں تو پھر طلاق کا اقدام نہ کرو اور اس سے بھی کام نہ بنے تو پھر تیسری ہدایت یہ دی ہے کہ انہیں طلاق دے سکتے ہو اور آخر میں وعدہ فرمایا ہے کہ طلاق کی صورت میں اللہ تعالیٰ دونوں کو غنی کر دے گا کہ مرد کو گھر بسانے کے لیے عورت دے گا اور عورت کو سرپرستی کیلئے حسب منشا خاوند دے گا وہ اللہ تعالیٰ وسیع خزانوں کا مالک ہے اس کا ہر کام حکمت پر مبنی ہوتا ہے اور چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین اور افعال سے بھی اس کی تائید مزید ہوتی ہے ۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ عَنْ تِسْعِ نِسْوَةٍ وَكَانَ يُقْسِمُ مِنْهُنَّ لِثَمَانٍ ۔ (متفق علیہ)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نو بیویاں چھوڑ کر فوت کیے گئے اور وہ ان میں سے آٹھ کے مابین باری تقسیم کرتے تھے ۔ (اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے)

تفسیر

جناب رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت نو بیویاں

تھیں ۔ عائشہ ۔ حفصہ ۔ ام حبیبہ ۔ سودہ ۔ ام سلمہ ۔ صفیہ ۔ میمونہ زینب بنت جحش ۔ جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن ۔ ان میں سے حضرت سودہ نے اپنی نوبت حضرت عائشہ کو بخشی ہوئی تھی ۔ باقی سب کی آپ نے باری مقرر کی ہوئی تھی اور ایک ایک رات اُن کے پاس رہتے تھے یہاں تک کہ حضرت عائشہ کی نوبت میں آپ کی وفات ہوئی ۔ معلوم ہوا جس شخص کی متعدد بیویاں ہوں اس کو ان کے پاس رہنے کے لیے باری مقرر کرنا واجب ہے مگر کہ ایک بیوی ان میں سے اپنی باری معاف کر دے دوسری کو بخش دے ورنہ مرد از سر خود ان میں سے کسی کی حق تلفی نہیں کر سکتا ، گناہِ کبیرہ ہے ۔

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ سَوْدَةَ لَمَّا كَبُرَتْ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ جَعَلْتُ يَوْمِيْ مِنْكَ لِعَائِشَةَ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْسِمُ لِعَائِشَةَ يَوْمَهَا وَيَوْمَ سَوْدَةَ

(یہ دونوں احادیث مشکوٰۃ باب القسم ص ۲۷۹ سے نقل کی گئی ہیں)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ بیشک حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب کہ بوڑھی ہو گئیں تو انہوں نے فرمایا اے اللہ کے رسول تحقیق میں نے اپنا دن (نوبت) جو آپ کی طرف سے مجھے ملا ہوا ہے عائشہ کو چھوڑ دیا ہے پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ کے لیے دو دن تقسیم کرتے تھے ایک ان

کا اپنا دن اور سودہ کا۔ (اس
حدیث کو امام بخاری اور مسلم نے روایت
کیا ہے۔

تفسیر

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بیوی اپنی نوبت اپنی سوکن کو بخشنا چاہے تو بخش سکتی ہے بشرطیکہ خاوند کی طرف سے کوئی رشوت وغیرہ نہ دی گئی ہو اور جب چاہے رجوع بھی کر سکتی ہے۔

وَ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ	اور حضرت عائشہ رضی اللہ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ	تعالیٰ عنہا سے روایت ہے
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	کہ بے شک رسول اللہ
كَانَ يَسْأَلُ فِيْ	صلی اللہ علیہ وسلم جس بیماری
مَرَضِهِ الَّذِیْ	میں آپ کا وصال ہوا اس
مَاتَ فِيْهِ اَيْنَ	میں آپ پوچھتے تھے میں کل
اَنَا غَدًا اَيْنَ	کہاں ہوں گا اس سے مراد
اَنَا غَدًا يُرِيْدُ	آپ کی عائشہ کی
يَوْمَ عَائِشَةَ	نوبت تھی تو آپ کی تمام
فَاَذِنَ لَهٗ	بیویوں نے آپ کو اجازت
اَزْوَاجُهٗ يَكُوْنُ	دی جہاں آپ چاہیں رہیں
حَيْثُ شَاءَ	تو آپ حضرت عائشہ کے
وَكَانَ فِیْ	گھر منتقل ہو گئے یہاں تک

بَيْتِ عَائِشَةَ حَتّٰى	کہ وہیں آپ کی روح مبارک
مَاتَ عِنْدَهَا۔	نے پرواز کی (اس حدیث
(رواہ البخاری)	کو امام بخاری نے نقل کیا ہے)

تفسیر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بار بار سوال کرنے سے مقصود دوسری ازواج مطہرات سے حضرت عائشہؓ کے پاس رہنے کی اجازت چاہنا تھا، چنانچہ وہ آپ کی رائے گرامی کو سمجھ گئیں اور ایثار کرتے ہوئے آپ کی رائے کو ترجیح دی اور سب نے آپ کو حضرت عائشہ کے پاس رہنے کی اجازت دی۔

وَعَنْهَا قَالَتْ	اور حضرت عائشہ سے روایت
كَانَ رَسُوْلُ اللهِ	ہے انہوں نے فرمایا کہ جناب
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ	جب سفر کا ارادہ فرماتے
سَفَرًا أَقْرَعَ بَيْنَ	تھے تو اپنی بیویوں کے درمیان
نِسَائِهِ فَأَيَّتُهُنَّ	قرعہ اندازی فرماتے تھے جس
خَرَجَ سَهْمُهَا	کا بھی حصّہ نکلتا تھا اس کو اپنے
خَرَجَ بِهَا مَعَهُ (متفق علیہ)	ساتھ لے جاتے تھے۔

تفسیر

اس حدیث میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل و انصاف

کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش فرمایا ہے اس میں آپ نے تعلیم دی ہے کہ جس بھی آدمی کی متعدد بیویاں ہوں اس کو سفر پر جاتے وقت ایسا کرنا چاہیے یعنی اگر سفر میں کسی بیوی کو ساتھ لے جانا چاہے تو قرعہ اندازی سے لے جائیے۔

وَعَنْ اَبِیْ قِلَابَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ اِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْبِكْرَ عَلَى الثَّيِّبِ اَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا وَقَسَمَ وَاِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبَ اَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَسَمَ قَالَ قَالَ اَبُوْ قِلَابَةَ وَلَوْ شِئْتُ لَقُلْتُ اِنَّ اَنَسًا رَفَعَهُ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (متفق علیہ)	اور حضرت ابی قلابہ سے روایت ہے اور انہوں نے روایت کی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے فرمایا کہ سنت میں سے ہے جب آدمی کنواری کو شادی شدہ پر نکاح کرے تو (اس) کنواری کے پاس سات دن ٹھہرے پھر نوبت تقسیم کرے اور جب بیوہ سے نکاح کرے یا مطلقہ سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین دن قیام کرے پھر نوبت تقسیم کرے ابو قلابہ نے کہا اگر میں چاہتا تو کہتا کہ حضرت انس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ حدیث رفع کی (اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے)

تفسیر

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی پہلے سے شادی شدہ ہو اور اب نئی شادی کرنا چاہتا ہو تو اگر وہ نئی کنواری ہو تو پہلے اس کے پاس سات روز رہے اور پھر نوبت تقسیم کرے اور اگر وہ نئی بیوہ یا مطلقہ ہو تو پہلے اس کے پاس تین روز تک رہے پھر نوبت تقسیم کرے اور یہ جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے جیسا کہ حدیث کے پہلے حصہ سے معلوم ہوتا ہے۔

وَعَنْ اَبِىْ بَكْرِ	حضرت ابی بکر بن عبدالرحمان
ابْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ	سے روایت ہے کہ بیشک
اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	نے جب ام سلمہ سے شادی
حِيْنَ تَزَوَّجَ اُمَّ	کی اور اس نے آپ کے پاس
سَلَمَةَ وَاَصْبَحَتْ	صبح کی تو آپ نے اسے فرمایا
عِنْدَهٗ قَالَ لَهَا	نہیں ہے تیرے سبب تیری
لَيْسَ بِكِ عَلٰى	اہل پر کوئی ذلت اگر چاہے
اَهْلِكِ هَوَانٌ اِنْ	تو تو میں سات دن تیرے
شِئْتِ سَبَّعْتُ عِنْدَكِ	پاس گزاروں اور سات دن
وَسَبَّعْتُ عِنْدَهُنَّ	گزاروں اور سب بیویوں کے
وَاِنْ شِئْتِ ثَلَّثْتُ	پاس اور اگر چاہے تو تو تین
عِنْدَكِ وَدُرْتُ	دن گزاروں تیرے پاس اور

فَقَالَتْ ثَلِّثْ
وَفِيْ رِوَايَةٍ
اَنَّهٗ قَالَ
لَهَا لِلْبِكْرِ
سَبْعٌ وَلِلثَّيِّبِ
ثَلَاثٌ ۔

(یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ باب القسم سے نقل کی گئی ہیں)

اور دورہ کروں تو اس نے
کہا کہ آپ تین دن گزاریں
میرے پاس اور ایک روایت
ہے آپ نے انہیں فرمایا
کنواری کے لیے سات دن
ہیں اور بیوہ وغیرہ کے لیے
تین دن (اس حدیث کو امام
مسلم نے روایت کیا ہے)

تفسیر

نوبت تقسیم کرنے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ سات روز نئی دُلہن کے پاس رہے اور سات روز پرانی دلہن کے پاس یا تین دن نئی دلہن کے پاس رہے اور تین اوروں کے پاس ۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ
النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَانَ يَقْسِمُ بَيْنَ
نِسَائِهٖ فَيَعْدِلُ
وَيَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ
هٰذَا قَسْمِيْ
فِيْمَا اَمْلِكُ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہا سے روایت ہے کہ
بے شک نبی صلی اللہ علیہ
وسلم اپنی بیویوں کے درمیان
نوبت مقرر کیا کرتے تھے
اور عدل کرتے تھے اور دُعا
کرتے تھے اے اللہ یہ
میری تقسیم ہے جس میں میں

فلا تلمنی فیما تملك ولا املك (رواه الترمذی و ابوداود والنسائی و ابن ماجہ والدارمی)

مالک ہوں پس آپ مجھے ایسی چیز میں ملامت نہ کریں جس کے آپ مالک ہیں اور میں مالک نہیں ہوں (اس حدیث کو ترمذی، ابوداؤد، نسائی ابن ماجہ اور دارمی نے نقل کیا ہے)

تفسیر

یعنی نوبت کرنے اور نفقہ دینے میں انسان مکلف ہے اس میں تمام بیویوں کے درمیان مساوات چاہیے اور اگر قلبی جھکاؤ کسی کی طرف زیادہ ہے تو اس میں مواخذہ نہیں ہے کیونکہ یہ انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا كَانَتْ عِنْدَ الرَّجُلِ اِمْرَأَتَانِ فَلَمْ یَعْدِلْ بَیْنَهُمَا جَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَشِقُّهٗ سَاقِطٌ

اور حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے نقل کیا جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے فرمایا جب آدمی کے پاس دو بیویاں ہوں اور وہ ان کے درمیان رہ کر مساوات نہ کرے تو قیامت کے دن وہ اس حالت میں آئے گا کہ اس کا ایک دھڑ گرا ہوا ہوگا اس

(رواہ الترمذی وابو داود روا نسائی و ابن ماجہ والدارمی) — حدیث کو ترمذی، ابو داؤد نسائی ابن ماجہ اور دارمی نے نقل کیا ہے)

(یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ باب القسم ص۲۷۹ سے نقل کی گئی ہیں)

تفسیر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو عورتوں کا ذکر بطور تمثیل فرمایا ہے زیادہ سے نا انصافی کرے تو بھی یہی سزا ہے۔

چیئرمین (خاوند) اپنی کونسل کی ارکان اور اولاد کی اصلاح کیطرف توجہ دے

اس سلسلہ میں پہلے آیات قرآنی ملاحظہ فرمائیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	اے ایمان والو اپنے آپ
قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ	کو اور اپنے اہل و عیال کو
نَارًا وَقُودُهَا	آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن
النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ	لوگ اور پتھر ہیں جس پر بڑے
عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ	سخت فرشتے متعین ہیں
غِلَاظٌ شِدَادٌ	اپنے رب کے حکم کی نافرمانی
لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا	نہیں کرتے اور وہی کرتے
أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا	ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے۔
يُؤْمَرُونَ (سورہ تحریم آیت ٦)	
الرِّجَالُ قَوَّامُونَ	مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس
عَلَى النِّسَاءِ بِمَا	لیے کہ اللہ نے انہیں ایک

فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ط وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ج فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ○

(سورۃ النساء آیت: ۳۴)

دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس لیے بھی کہ مرد اپنا مال ان پر خرچ کرتے ہیں پس نیک بیبیاں تابعداری کرنے والی مردوں کے حقوق کی پس پشت حفاظت کرتی ہیں کیونکہ اللہ نے حفاظت کی ہے اور جن بیبیوں کی خلاف ورزی کا تمہیں ڈر ہو تو انہیں نصیحت کرو اور انہیں لیٹنے کی جگہوں میں چھوڑ دو اور انہیں مارو پس اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان کے خلاف کوئی راستہ مت تلاش کرو بے شک اللہ بہت بلند شان والا ہے۔

تفسیر

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر کی چار دیواری میں مرد کی حیثیت حاکم کی ہے اور عورت کی حیثیت رعیت کی ہے جس طرح حکمرانوں پر لازم ہے کہ رعیت کی ضروریات زندگی کا انتظام کریں اور ان کے

عقائد اعمال اور اخلاق کی اصلاح کریں اور رعایا پر لازم ہے کہ حکومت کی اطاعت کریں اگر رعایا سرتابی کرے تو حکومت کو تادیبی کارروائی کا حق ہے اسی طرح مرد پر لازم ہے کہ عورت کی ضروریات زندگی کا انتظام کرے اور اس کے عقائد اعمال اور اخلاق کی اصلاح کرے تاکہ وہ دوزخ سے بچے اور عورت پر فرض ہے کہ اس کے حکم کی اطاعت کرے ورنہ مرد کو تادیبی کارروائی کا حق ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اسے نصیحت کرے اگر اس سے کام نہ بنے تو پھر اس سے ازدواجی تعلقات منقطع کرے اور اس سے بھی اس کی اصلاح نہ ہو تو اسے مار پیٹ بھی سکتا ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے مندرجہ ذیل احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ	حضرت ابی ہریرہ سے نقل
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ	ہے انہوں نے فرمایا کہ جناب
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	فرمایا کہ عورتوں کو نصیحت کرو
اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاۤءِ	بے شک وہ پسلی سے پیدا
فَاِنَّ هُنَّ خُلِقْنَ	کی گئی ہیں اور بے شک سب
مِنْ ضِلْعٍ وَاِنَّ	سے زیادہ ٹیڑھی چیز پسلی میں
اَعْوَجَ شَیْءٍ فِی الضِّلْعِ	اوپر کا حصہ ہوتا ہے اگر تو
اَعْلَاهُ فَاِنْ ذَهَبْتَ	اسے سیدھا کرنا شروع کریگا
تُقِيْمُهٗ كَسَرْتَهٗ وَاِنْ	تو توڑ دے گا اگر چھوڑ دے
تَرَكْتَهٗ لَمْ يَزَلْ	گا تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی پس

اَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ (متفق علیہ)	عورتوں کو نصیحت کرو۔
وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَرْاَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ لَنْ تَسْتَقِيْمَ لَكَ عَلٰى طَرِيْقَةٍ فَاِنْ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اِسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَبِهَا عِوَجٌ وَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهَا كَسَرْتَهَا وَكَسْرُهَا طَلَاقُهَا (رواہ مسلم)	اور ان سے ہی نقل ہے انہوں نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے ہرگز تیرے لیے ایک طریقے پر نہیں ٹھہرے گی۔ اگر تو اس سے نفع اٹھانا چاہے گا تو نفع اُٹھا سکے گا اس حال میں کہ اس میں یہ کجی موجود ہو اور اگر تو اسے سیدھا کرنا شروع کرے گا تو اسے توڑ دے گا اور توڑنا اس کا اسے طلاق دینا ہے
وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ لَا يَفْرُكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ	اور ان سے ہی نقل ہے انہوں نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مومن مرد مومنہ عورت سے بغض نہ رکھے اگر اس کے

كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا ایک خُلق پر وہ راضی نہیں ہوگا
رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ تو دُوسرے خُلق پر وہ راضی ہو جائے گا۔

(یہ تینوں احادیث مشکوٰۃ باب عشرۃ النساءٔ صفحہ ۲۸۰ سے منقول ہیں)

تفسیر

ان تینوں احادیث میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ آیات کی توضیح وتشریح بیان فرمائی ہے اور عورتوں پر کنٹرول کا طریقہ بتایا ہے اگر معاشرہ میں اس طریقہ پر عمل ہو تو یقیناً گھروں میں روزمرہ جو جھگڑے دنگا فساد ہو رہا ہے وہ ختم ہو جائے گا۔ عورتوں اور مردوں کی خودکشی، طلاق وغیرہ کی نوبت نہ آئے مگر افسوس یہ ہے کہ موجودہ معاشرہ اس تعلیم سے بالکل بے خبر اور ناآشنا ہے اور انہیں ایسی تعلیم دی جا رہی ہے جو اس مرض کی اصلی دوا اور علاج نہیں ہے بلکہ اسی تعلیم سے ہی ایسے جرائم جنم لیتے ہیں۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں احادیث میں خاوند کو یہ تعلیم دی ہے کہ اگر کسی کی بیوی اس کا حکم نہ مانیں سرتابی کرے تو فوراً حاکمانہ کارروائی نہ کرے۔ مارے پیٹے نہ طلاق بھی نہ دے بلکہ ناصحانہ طرز اپنائے۔ اگر اس کی بیوی میں کچھ خامیاں ہوں تو ہزاروں خوبیاں بھی ہوں گی تو خوبیوں پر نگاہ رکھ کر خامیوں کو نظرانداز کر دینا چاہیئے کیونکہ اگر شروع میں ہی طلاق دے دے گا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ محنت شاقہ سے تیار کیا ہوا انسانی ترقی کا یہ پہلا یونٹ تباہی کا شکار ہو جائیگا اور بعد میں خود اس پر دست حسرت ملے گا اور اس کے نتائج قبیحہ فریقین کو بھگتنے پڑیں لہٰذا خاوندوں کو چاہیئے کہ بیویوں کی معمولی نازیبا حرکات

سے برافروختہ ہوکرانتہائی قدم نہ اٹھائے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اٰلیٰ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ نِسَآئِہٖ وَکَانَتْ انْفَکَّتْ رِجْلُہٗ فَاَقَامَ فِیْ مَشْرَبَۃٍ تِسْعًا وَّعِشْرِیْنَ لَیْلَۃً ثُمَّ نَزَلَ فَقَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اٰلَیْتَ شَہْرًا فَقَالَ اِنَّ الشَّہْرَ تِسْعًا وَّ عِشْرِیْنَ (رواہ البخاری)	اور حضرت انسؓ سے نقل ہے انہوں نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم اٹھائی تھی اور ان کے پاؤں میں موچ بھی آئی تھی تو بالاخانہ میں انتیس ۲۹ راتیں ٹھہرے پھر اترے تو صحابہ نے کہا اے اللہ کے رسولؐ آپ نے تو ایک مہینہ کی قسم اٹھائی تھی تو آپؐ نے فرمایا بے شک مہینہ انتیس ۲۹ کا ہے۔
وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ دَخَلَ اَبُوْبَکْرٍ یَسْتَاْذِنُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ النَّاسَ جُلُوْسًا بِبَابِہٖ	اور جابر سے نقل ہے انہوں نے فرمایا حضرت ابوبکر آئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت چاہتے تھے تو آپ کے دروازے کے پاس بیٹھا ہوا لوگوں کا ہجوم دیکھا

لَمْ يُؤْذَنْ لِاَحَدٍ	جن میں سے کسی کو بھی اندر
مِّنْهُمْ قَالَ فَاُذِنَ	جانے کی اجازت نہ ملی تو
لِاَبِیْ بَکْرٍ فَدَخَلَ	پھر ابوبکرؓ کو اجازت ملی تو
ثُمَّ اَقْبَلَ عُمَرُ	وہ اندر چلے گئے پھر عمرؓ
فَاسْتَاْذَنَ فَاُذِنَ	آئے انہوں نے اجازت
لَهٗ فَوَجَدَ	مانگی تو انہیں بھی اجازت مل
النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ	گئی۔ انہوں نے نبی صلی اللہ
عَلَیْهِ وَسَلَّمَ	علیہ وسلم کو بالکل خاموش بیٹھا
جَالِسًا حَوْلَهٗ نِسَآئُهٗ	ہوا پایا آپ کے پاس آپ
وَاجِمًا سَاکِتًا قَالَ	کی بیویاں جمع ہیں راوی نے
فَقَالَ لَاَقُوْلَنَّ شَیْئًا	کہا عمرؓ نے اپنے دل میں
اُضْحِكُ النَّبِیَّ صَلَّی	کہا کہ میں ضرور ایسی بات
اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ	کہوں گا جس سے نبی صلی اللہ
یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ	علیہ وسلم کو ہنسا دوں گا پھر
رَاَیْتَ بِنْتَ خَارِجَةَ	کہا اے اللہ کے رسول
سَاَلَتْنِیْ النَّفَقَةَ	اگر آپ دیکھیں خارجہ کی بیٹی
فَقُمْتُ اِلَیْهَا	کو وہ مجھ سے خرچ مانگے
فَوَجَاْتُ عُنُقَهَا	اور میں اس کی گردن کو توڑوں
فَضَحِكَ رَسُوْلُ	پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ
اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ	وسلم ہنس پڑے اور فرمایا
عَلَیْهِ وَسَلَّمَ	یہ اسی لیے میرے پاس جمع

قَالَ هُنَّ حَوْلِيْ كَمَا
تَرٰى يَسْئَلْنَنِيْ النَّفَقَةَ
فَقَامَ اَبُوْبَكْرٍ اِلٰى
عَائِشَةَ يَجَأُ عُنُقَهَا
وَقَامَ عُمَرُ اِلٰى حَفْصَةَ
يَجَأُ عُنُقَهَا كِلَاهُمَا
يَقُوْلُ تَسْاَلِيْنَ رَسُوْلَ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالَيْسَ
عِنْدَهٗ فَقُلْنَ وَاللّٰهِ لَا
لَا نَسْاَلُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا
اَبَدًا لَيْسَ عِنْدَهٗ ثُمَّ
اعْتَزَلَهُنَّ شَهْرًا
اَوْ تِسْعًا وَّعِشْرِيْنَ
ثُمَّ نَزَلَتْ هٰذِهِ
الْاٰيَةُ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ
قُلْ لِاَزْوَاجِكَ
حَتّٰى بَلَغَ لِلْمُحْسِنٰتِ
مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ○
قَالَ فَبَدَاَ
بِعَائِشَةَ فَقَالَ

ہیں جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو
مجھ سے نفقہ مانگتی ہیں تو
حضرت ابوبکرؓ اُٹھے عائشہ
کی گردن میں مارنا شروع کیا
اور عمرؓ اُٹھے تو حفصہ کی گردن
میں مارنا شروع کیا۔ دونوں کہہ
رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے وہ چیز مانگتی
ہو جو آپ کے پاس نہیں ہے
انہوں نے کہا اللہ کی قسم ہے
ہم کبھی بھی ایسی چیز نہیں مانگتیں
جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے پاس نہ ہو پھر ان سے
ایک مہینہ یا انتیس دن الگ
ہو گئے پھر یہ آیت نازل
ہوئی اے نبی آپ اپنی
بیویوں سے فرما دیں یہاں تک
آپ اس جملہ تک پہنچے نیکی
کرنے والیوں کے لیے تم
میں سے بڑا اجر ہے راوی
نے کہا پھر آپ نے عائشہ

يَا عَائِشَةُ إِنِّي
أُرِيدُ أَنْ أَعْرِضَ
عَلَيْكِ أَمْرًا أُحِبُّ
أَنْ لَا تَعْجَلِي فِيهِ
حَتّٰى تَسْتَشِيرِي
أَبَوَيْكِ قَالَتْ وَمَا
هُوَ يَا رَسُولَ اللهِ
فَتَلَا عَلَيْهَا الْآيَةَ
قَالَتْ أَفِيكَ يَا
رَسُولَ اللهِ أَسْتَشِيرُ
أَبَوَيَّ بَلْ
أَخْتَارُ اللهَ وَرَسُولَهُ
وَالدَّارَ الْآخِرَةَ
وَأَسْأَلُكَ أَنْ لَا
تُخْبِرَ امْرَأَةً
مِنْ نِسَائِكَ
بِالَّذِي قُلْتُ قَالَ
لَا تَسْأَلُنِي امْرَأَةٌ
مِنْهُنَّ إِلَّا أَخْبَرْتُهَا
إِنَّ اللهَ لَمْ
يَبْعَثْنِي مُعَنِّتًا

سے ابتدا کی فرمایا اے عائشہ
میرا ارادہ ہے کہ تمہارے
سامنے ایک بات پیش کرتا
ہوں میں چاہتا ہوں کہ تم اس
میں جلدی نہ کرنا یہاں تک
کہ اپنے والدین سے مشورہ
نہ کرے اس نے کہا اے
اللہ کے رسول وہ کیا ہے
آپ نے آیت پڑھی، اس
کے سامنے اس نے کہا کیا
آپ کے بارے میں والدین
سے مشورہ کروں بلکہ میں اللہ
اور اس کے رسول کو اور آخرت
کے گھر کو پسند کرتی ہوں
اور آپ سے میری درخواست
ہے کہ آپ اپنی بیویوں میں
سے کسی کو یہ بات نہ بتائیں
جو میں نے کہی ہے انہوں
نے فرمایا نہیں پوچھے گی ان
میں سے کوئی بھی مگر ضرور
بتاؤں گا میں اسے بے شک

وَلَا مُتَعَنِّتًا وَّلٰكِنْ بَعَثَنِیْ مُعَلِّمًا مُیَسِّرًا	اللہ نے نہیں بھیجا مجھے مشقت میں ڈالنے والا اور نہ تکلف مشقت میں ڈالنے والا بلکہ بھیجا ہے مجھے تعلیم دینے والا آسانی پیدا کرنے والا
(یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء صفحہ ۲۸۰ سے منقول ہیں)	

تفسیر

مذکورہ بالا دونوں احادیث میں قرآن کریم کے اس جملہ وھجروھن فی المضاجع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی نمونہ پیش فرمایا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ قبیلہ بنو قریظہ اور بنو نضیر جو مدینہ کے قریب رہتے تھے جہاد میں بہت سامال ان کا غنیمت میں آیا اور آپ نے وہ مال قرآنی اصول کے موافق مستحقین میں تقسیم فرمایا اور اپنی ازواج مطہرات کو خمس میں سے جو حق پہنچتا تھا عنایت فرمایا اور انہیں گمان ہوا کہ مال زیادہ آیا ہے اور ہمیں تھوڑا ملا ہے اس لیے سب نے جمع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ ہمارے نفقہ میں اضافہ کریں اور ساتھ ساتھ رومی بادشاہوں کی عورتوں کی مثال پیش کی کہ وہ ایسے ایسے ٹھاٹھ سے رہتی ہیں اس سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوا اور ایک ماہ تک ان سے بائیکاٹ کیا ایک بالا خانہ میں فروکش ہو گئے ایک پاؤں مبارک میں موچ آئی ہوئی تھی اس لیے نیچے نہیں اتر سکتے تھے اور اس دوران ازواج مطہرات کا نفقہ حسب معمول جاری رہا گھر دل سے ان کا اخراج نہیں کیا صرف مخصوص ازدواجی تعلقات منقطع کرنے کے لیے

اور ایک ماہ کے بعد سورۂ احزاب کی یہ آیات اتریں۔

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ	اے نبیؐ آپ اپنی بیویوں
لِاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ	سے فرمادیں اگر تمہیں دنیا
تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا	کی زندگی اور اس کی آرائش
وَزِیْنَتَھَا فَتَعَالَیْنَ	منظور ہے تو آؤ میں تمہیں کچھ
اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ	دے دلا کر اچھی طرح سے
سَرَاحًا جَمِیْلًا ٥	رخصت کروں۔
وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ	اور اگر تم اللہ اس کا رسول
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ	اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو
الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ نے تمہیں سے
اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ	نیکی کرنے والیوں کے لیے
مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ٥	بڑا اجر تیار کیا ہے۔

(سورہ احزاب آیت نمبر ۲۸-۲۹)

جب یہ آیات نازل ہوئیں تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمایا عائشہ میں تمہیں ایک بات کہنے والا ہوں لیکن اس میں جلد بازی نہ کرنا اپنے والدین کے ساتھ مشورہ کر کے کوئی قدم اٹھانا تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ آپ کون سی بات فرمانا چاہتے ہیں تو آپؐ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں اور چونکہ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو دو باتوں کا اختیار دیا ہے۔ اوّل یہ ہے کہ اگر تم دنیا کی آرائش چاہتی ہو تو اس نبی کے گھر میں نہیں رہ سکتی۔ تم طلاق حاصل کر لو

اور تمہارا جو حق مہر بنتا ہے وہ لے لو اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو نفقہ عنایت فرمائیں اس پر قناعت کرو ۔ یہ بہت بڑی نیکی ہے اور اللہ تعالیٰ نے نیکوکاروں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کیا ہے تو حضرت عائشہؓ نے سُن کر فرمایا یا رسول اللہ میں اللہ اور اس کے رسول کو چاہتی ہوں مجھے اس سلسلہ میں اپنے والدین سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں مگر آپ سے میری درخواست ہے کہ میری یہ بات اپنی دوسری بیویوں کو نہ بتائیں تو فرمایا بتاؤں گا میں ایک معلم ہوں ۔

بات دراصل یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا یہ ایک مشترکہ منصوبہ تھا اور حضرت عائشہؓ کو یہ اندیشہ تھا کہ اگر باقی ازواج مطہرات کو پتہ چلا تو وہ مجھے طعنہ دیں گی اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر یہ چیز ہے کہ عائشہؓ نے انتہائی تدبر کا ثبوت دیا ہے اور اپنی دوسری بیویوں کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ عائشہؓ کے ساتھ میری تم سب سے زیادہ محبت ہے وہ کسی اور وجہ سے نہیں بلکہ اس کے تدبر اور عقل و دانش کی وجہ سے ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی ازواج مطہرات کو جب یہ آیت سنائی اور حضرت عائشہؓ کی یہ بات بھی بتائی تو ان سب نے ان کی تقلید کی اور اسی کے اسوہ حسنہ کو اپنایا اور اسی دن حضرت عائشہ صدیقہؓ مشہور ہوئیں ۔ الغرض جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اور آپ کی ازواج کے درمیان جب اقتصادیات کے مسئلے پر جھگڑا ہوا تو وعظ و نصیحت کا سلسلہ جو شب و روز جاری رہتا تھا اس کا اثر نہ پڑا تو آپ نے دفعہ دو وا ھجر وھن کو استعمال کیا اس

کا اثر نہ پڑا تو پھر پروردگار نے حکم دیا کہ آپ انہیں طلاق کی دھمکی دیں تو اس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا اور آیت کی تیسری دفعہ واضح ہو گئی انہیں پیٹو اس پر آپ نے کبھی بھی عمل نہیں کیا بہر حال ان آیات اور احادیث کا خلاصہ اور لب لباب یہ نکلا کہ عورتوں کے عقائد اعمال اور اخلاقی اصلاح کی ذمہ داری بھی خاوندوں پر لازم ہے کیونکہ خاوند اس کا حکمران ہے اور عورت اس کی رعیت ہے اگر خاوند اس کی طرف توجہ نہیں دے گا تو

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ	تم میں سے ہر ایک حکمران ہے اور ہر حکمران سے قیامت کے دن اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

عند اللہ اس کی گرفت ہوگی اور یہ ذمہ داری نبھانے کا طریقہ یہ بتایا کہ پہلے انہیں نصیحت کرو دوسرے نمبر پہ بائیکاٹ اور تیسرے نمبر پہ مارنا پیٹنا بھی ہے اس کی تفصیل انشاء اللہ العزیز عنقریب بیان کریں گے۔

حکامِ بالا چیئرمین (خاوند) اور اسکی رعایا بیویوں کا اختلاف رفع کرنے کیلئے فریقین کی برادری کی کمیٹی قائم کرے

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ	اور اگر تمہیں میاں بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا خطرہ ہو تو ایک منصف مرد کے

وَحَكَمًا مِنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُرِيْدَا اِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا (سورہ بقرہ آیت ۳۵)	خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے مقرر کرو اگر وہ دونو اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان دونوں میں موافقت پیدا کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ سب جاننے والا خبردار ہے

تفسیر

یعنی اگر میاں بیوی کے مابین اختلاف ہوجائے تو فوراً مرد طلاق نہ دے اور عورت طلاق کا مطالبہ نہ کرے بلکہ ایک مصالحتی کمیٹی تشکیل دی جائے جو فریقین کی برادری کے منصف مزاج قسم کے کم از کم دو افراد پر مشتمل ہو اور اس کمیٹی کے ارکان متعصب، جذباتی اور ہٹ دھرم قسم کے لوگ نہیں ہونے چاہیئں کیونکہ وہ معاملہ کو سلجھانے کے بجائے بگاڑ پیدا کریں گے اور ان منصف مزاج لوگوں کو چاہیئے کہ ان دونوں میاں بیوی کو سمجھائیں مثلاً عورت سے کہا جائے کہ تیرے والدین بار بار تو تیری شادی نہیں کرا سکتے اور وہ تجھے گھر بٹھا کر کب تک کھلاتے رہیں گے اس طرح لڑکیاں بدنام بھی ہوجاتی ہیں اور اسی طرح لڑکے کو بھی سمجھایا جا سکتا ہے بہرحال کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ طلاق تک نوبت نہ آئے کیونکہ طلاق عند اللہ اچھی چیز نہیں ہے جس کی تفصیل انشاء اللہ العزیز عنقریب ہم احادیث کی روشنی میں بیان کریں گے ۔

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا فِىْ غَيْرِ مَا بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ۔

(رواہ احمد والترمذی ابوداود وابن ماجہ)

حضرت ثوبان سے نقل ہے انہوں نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت اپنے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرے سوائے ضرورت کے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے (یہ حدیث امام احمد ترمذی ابوداود اور ماجہ نے نقل کی ہے)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ۔

(رواہ ابوداود)

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام مباح کاموں سے اللہ کے نزدیک زیادہ مکروہ چیز طلاق ہے۔

(یہ حدیث ابوداؤد نے نقل کی ہے)

وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ لِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مُعَاذُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ شَيْئًا عَلٰى

اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معاذ زمین کے چہرے پر اللہ کی مخلوق میں سے غلام

وَجْهِ الْاَرْضِ اَحَبَّ	آزاد کرنے سے کوئی چیز
اِلَيْهِ مِنَ الْعِتَاقِ	زیادہ پسندیدہ نہیں اور زمین
وَلَا خَلَقَ اللّٰهُ شَيْئًا	کے چہرے پر اللہ کی مخلوق
عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ	میں سے طلاق سے زیادہ
اَبْغَضَ اِلَيْهِ مِنَ	ناپسند کوئی چیز نہیں ۔
الطَّلَاقِ ۔ (یہ تینوں احادیث مشکوٰۃ باب الطلاق سے نقل کی گئی ہیں)	(یہ حدیث دارقطنی نے نقل کی ہے)

تفسیر

ان تینوں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سوائے کسی معقول عذر کے نہ خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے اور نہ ہی بیوی اس سے طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہے ۔ اس کی تین وجوہات ہو سکتی ہیں پہلی وجہ یہ ہے کہ نکاح کا معاملہ عام معاملات کی طرح نہیں ہے کہ جب چاہیں عقد کر لیں اور جب چاہیں توڑ لیں بلکہ جس طرح اس کے انعقاد کے لیے بڑی سخت اور کڑی شرطیں ہیں اسی طرح توڑنے کے لیے شرائط ہیں جن کی تفصیل انشاء اللہ العزیز عنقریب بیان کریں گے ۔ اگر کوئی شخص ان شرائط کی خلاف ورزی کر کے اس عقد کو توڑے گا تو وہ عند اللہ مجرم ہوگا خواہ مرد ہو یا عورت اور اس سلسلہ میں جو ان سے تعاون کرینگے وہ بھی مجرم ہوں گے اور دوسری وجہ اس کی یہ ہے کہ اس عقد کا انفساخ شرفِ انسانی کے منافی ہے کہ ایک انسان کو استنجا کے ڈھیلے کی طرح استعمال کر کے پھینک دیا جائے ۔ یہ کوئی بچہ اطفال نہیں ہے کہ جب چاہیں دوستی گانٹھ لیں اور جب چاہیں توڑ لیں ۔ اگر اس

کو رد وار کھا جائے تو یہ طریقہ جانوروں سے کم نہیں ہوگا اور تیسری وجہ اس کی یہ ہے کہ اس یونٹ کے قیام کا مقصد نسل انسانی کی ترقی قبائل اور طبقات کے درمیان اخوت، محبت، اتفاق و اتحاد پیدا کرنا ہے اور انسانوں کے مابین جوڑ پیدا کرنا ہے۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

اگر بلا عذر اس کی اجازت دیدی جائے تو اس یونٹ کے قیام کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ اخوت اور محبت کے بجائے نفرت بڑھے گی، شیرازہ منتشر ہو جائے گا اسی لیے شریعت نے بلا وجہ طلاق پر پابندی عائد کی ہے آنے والی حدیث سے بھی یہ ہی تائید معلوم ہوتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ	حضرت ابی ہریرہؓ سے روایت
النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ	ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ
عَلَیْهِ وَسَلَّمَ	علیہ وسلم نے فرمایا اپنے
قَالَ الْمُنْتَزِعَاتُ	خاوندوں سے لڑنے والیاں
وَالْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ	اور خلع طلب کرنے والیاں منافقہ
الْمُنَافِقَاتُ۔	ہیں۔ (یہ حدیث نسائی نے
(مشکوٰۃ باب الطلاق ص۲۸۲)	نقل کی ہے۔)

تفسیر

اس حدیث میں اپنے خاوندوں سے لڑنے والی یا خلع کا مطالبہ کرنے والی عورت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو منافقہ فرمایا ہے اس سے

مراد عقیدہ کا نفاق بھی ہو سکتا ہے اور عملی نفاق بھی ہو سکتا ہے ۔ اگر عقیدہ والا نفاق مراد لیں گے تو توجیہ اسی طرح ہو گی کہ ایسی عورتوں کا اللہ تعالےٰ پر یقین نہیں پیدا ہوا اس لیے ان سے لڑتی ہیں اگر اللہ تعالیٰ پر ان کا یقین ہوتا تو اس کے فرمان کے موافق عمل کرتیں اور اگر عملی نفاق مراد لیں تو توجیہ اس طرح ہو گی کہ اپنے خاوندوں سے لڑنا یا ان سے طلاق کا مطالبہ کرنا مسلمان عورتوں کا کام نہیں منافقوں کا کام ہے ۔ مسلمان عورتیں وہ ہوتی ہیں جو اپنے خاوندوں کی تابعداری کرتی ہیں ۔

اخراج (طلاق) سے بچنے کے لیے بیوی (رکن کونسل) اپنے بعض حقوق چھوڑ سکتی ہے

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ط وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۔

(سورۃ نساء آیت ۱۲۸)

اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے لڑنے یا منہ پھیرنے کا ڈر ہو تو ان دونوں پر کوئی حرج نہیں ہے کہ آپس میں کوئی صلح کر لیں اور صلح بہتر ہے اور دلوں میں حرص موجود ہے اگر تم نیکی کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو بے شک اللہ تعالےٰ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے ۔

تفسیر

پہلی آیت میں آچکا ہے کہ اگر میاں بیوی میں کشیدگی ہو جائے تو اُسے رفع کرنے کے لیے ایک مصالحتی کمیٹی ہونا چاہیئے جو ان کے اختلافات کو دور کرکے ان کی صلح کرا دے اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت اپنے کچھ حقوق چھوڑ بھی سکتی ہے تو یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ خاوند طلاق دینے پر ہی مصر ہو اور کمیٹی کی بات نہ مانیں اور عورت طلاق نہ لینا چاہتی ہو تو اسے چاہیئے کہ اپنے کچھ حقوق چھوڑ دے اور کمیٹی کو چاہیئے کہ یہ صورت ماننے پر اس کے خاوند کو آمادہ کریں اگر وہ آمادہ ہو جائے تو اس میں زوجین کے لیے کوئی حرج نہیں ہے یعنی عورت کی طرف سے یہ رشوت نہیں ہے اور خاوند کی طرف سے یہ عورت کی حق تلفی نہیں ہے یہ گناہ کے مرتکب نہیں ہیں اور درحقیقت یہ دونوں کی مجبوری ہے جس کی بنا پر شریعت نے انہیں اجازت دی ہے۔ خاوند کی مجبوری یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں اور وہ نامساعد حالات کی وجہ سے اب سب کے حقوق پورے کرنے کا متحمل نہ ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی یہ بیوی بانجھ ہو اس سے اولاد نہ ہوتی ہو اور یہ خاوند اولاد کا متمنی ہو اور شادی کرنا چاہتا ہو اور وہ نواسے کہ خرجات اور حقوق برداشت کرنے کی استطاعت نہ ہو۔ نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ عورت بوڑھی ہو اور یہ مرد جوان ہو اور عورت کی مجبوری ہو سکتی ہے کہ وہ صاحب اولاد ہو اور اپنی اولاد کو نہ چھوڑ سکتی ہو یا اس کے لیے رہنے کا مکان نہ ہو وغیر ذالک، تو ان صورتوں میں اپنے کچھ حقوق سے دست بردار ہو جائے تو کوئی قباحت

نہیں ہے مثلاً مہر معاف کر دے نفقہ سے دست بردار ہو جائے یا حق زوجیت چھوڑ دے غرضیکہ جو بھی مصلحت کی صورت زوجین میں طے پائے ٹھیک ہے چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عملی نمونہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ سَوْدَةَ لَمَّا كَبُرَتْ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَدْ جَعَلْتُ يَوْمِيْ مِنْكَ لِعَائِشَةَ فَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْسِمُ لِعَائِشَةَ يَوْمَيْنِ يَوْمَهَا وَيَوْمَ سَوْدَةَ (متفق علیہ)

اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت سودہؓ جب بوڑھی ہو گئی تو اس نے کہا یا رسول اللہ میں نے اپنا دن (باری) جو آپ کی طرف سے ہے عائشہؓ کو چھوڑ دیا ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ کے لیے دو دن تقسیم کرتے تھے ایک ان کا اپنا دن (باری) اور ایک سودہؓ کا (یہ حدیث بخاری و مسلم کی متفق علیہ ہے)

وَفِيْ رِوَايَةٍ وَهَبَتْ يَوْمَهَا لِعَائِشَةَ حِيْنَ اَرَادَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت سودہؓ نے یہ اپنا دن (باری) حضرت عائشہ کو اس وقت ہبہ کیا جب

اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ طَلَاقَھَا فَقَالَتۡ لَہٗ اَمۡسِکۡنِیۡ قَدۡ وَھَبۡتُ یَوۡمِیۡ لِعَائِشَۃَ لَعَلِّیۡ اَکُوۡنَ مِنۡ نِسَآئِكَ فِیۡ الۡجَنَّۃِ ۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں طلاق دینے کا ارادہ رکھتے تھے تو اُس نے آپ سے کہا کہ آپ مجھے اپنے عقد میں رکھیں میں نے اپنا دن (باری) حضرت عائشہؓ کو ھبہ کردی ہے شاید کہ میں جنت میں آپ کی بیویوں میں سے ہو جاؤں ۔
(یہ دو حدیثیں مشکوٰۃ باب القسم سے منقول ہیں)	

تفسیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے واضح ہو جاتا ہے کہ اگر میاں بیوی میں ناچاقی ہو جائے تو مرد اس کی حق تلفی سے بچنے کے لیے اسے طلاق دے سکتا ہے اس میں اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور عورت مرد کی شب و روز کی گستاخی سے بچنے کے لیے کم سے کم درجہ پر بھی مصالحت کرے تاکہ اس کا رشتۂ زوجیت برقرار رہے تو بھی کوئی حرج نہیں

ضوابط طلاق (ضابطہ اول دوم سوم)

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوۡھُنَّ لِعِدَّتِھِنَّ	اے نبیؐ جب تم عورتوں کو طلاق دو تو انہیں طلاق دو ان کی عدت کے موقعہ پر

وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ — اور شمار کرتے رہو عدت کو
وَاتَّقُوا اللّٰہَ رَبَّکُمْ — اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے۔
(آیت ۱ طلاق)

تفسیر

اس آیت سے تین ضابطے معلوم ہوتے ہیں اول یہ ہے کہ طلاق دینے کا اختیار مرد کو ہے عورت کو نہیں ہے کیونکہ طَلَّقْتُمُ یا طَلِّقُوْ دونوں جمع مذکر حاضر کے صیغے ہیں اور تم اور واؤ فاعل ہے اور اَلنِّسَآءَ کو مفعول بہ بنایا ہے معلوم ہوا کہ اس فعل کا فاعل مرد ہی ہو سکتا ہے اور عورت مفعول بہ ہو سکتی ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس شادی کے انعقاد کے وقت تو میاں بیوی دونوں کے اختیارات برابر کی سطح کے تھے یعنی ایک کی طرف سے ایجاب اور دوسرے کی طرف سے قبول کی شکل میں یہ عقد معرض وجود میں آیا تو اب اسے کالعدم قرار دیتے وقت بھی اختیارات برابر ہی ہونے چاہئیں اور شریعت میں یہ سارے اختیارات مرد کو سونپے ہیں ایسا کیوں ہے اس کا اولین جواب یہ ہے کہ مرد کی حیثیت حکمران کی ہے اور یہ مانا ہوا اصول ہے کہ حکمران جب مَفوّضہ امور اور ذمہ داریاں نبھانے کی اپنے اندر صلاحیت نہ پائے تو وہ اپنے اس عہدہ سے استعفٰی دے سکتا ہے اسی طرح ایک مرد جب اپنی بیوی کے تمام حقوق پورے نہ کر سکتا ہو تو اس عقد کو کالعدم قرار دے کر اس عہدے سے الگ ہو سکتا ہے ورنہ کل اسے

زبردستی الگ کردیا جائے گا جس کے نتائج تباہ کن ہوں گے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ عورت کی حیثیت رعیت کی ہے اور رعیت کے لیے مانا ہوا اصول یہ ہے کہ حکمران کے انتخاب کے وقت جسے مرضی ہے اپنے لیے منتخب کرلیں لیکن انتخاب کے بعد سوائے کسی ٹھوس عذر کے رعیت کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے منتخب حاکم کو معزول کردیں اگر کوئی ایسا کرے تو بغاوت تصور ہوگی اور حکمران کو حق پہنچتا ہے کہ ایسی بغاوت کو کچل دے اسی طرح منکوحہ عورت رعیت ہے اسے یہ حق نہیں ہے کہ اپنے خاوند کو الگ کرے اگر کوئی عورت ایسا کرے تو خاوند کو یہ حق حاصل ہے کہ اسے سزا دے اور اگر مرد میں کوئی عیب ہو تو عورت بذریعہ عدالت طلاق حاصل کرسکتی ہے از سر خود مرد کو طلاق نہیں دے سکتی ہاں اگر مرد طلاق دینے کے اختیارات اسے سونپ دے تو اور بات ہے اس کی مزید تفصیل انشاء اللہ العزیز عنقریب ہم بیان کریں گے اور دوسرا ضابطہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ طلاق عورت کے پاکی (طہر) کے ایام میں دے سکتا ہے۔ ناپاکی (حیض) کے ایام میں طلاق دینا جائز نہیں ہے۔ ذیل کی حدیث سے یہ ہی معلوم ہوتا ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ	اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ
عُمَرَ اَنَّهٗ طَلَّقَ	سے نقل ہے کہ انہوں نے
اِمْرَاَةً وَهِيَ	اپنی بیوی کو بحالت حیض طلاق
حَائِضٌ فَذَكَرَ عُمَرُ	دی پھر حضرت عمرؓ نے رسول
لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	سامنے ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ

فَتَغَيَّظَ فِيهِ رَسُولُ	علیہ وسلم اس میں غصے ہوئے
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	پھر آپ نے فرمایا اسے چاہیئے
وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ	رجوع کرے پھر پاک ہونے
لِيُرَاجِعْهَا ثُمَّ	تک اسے اپنے عقد میں رکھے
يُمْسِكْهَا حَتّٰى تَطْهُرَ	پھر اسے حیض آئے پھر پاک
ثُمَّ تَحِيضَ	ہو پھر اگر مناسب سمجھے طلاق
فَتَطْهُرَ فَإِنْ	دینا تو ہمبستری سے قبل پاکی
بَدَا لَهُ أَنْ	کی حالت میں اسے طلاق دے
يُطَلِّقَهَا فَلْيُطَلِّقْهَا	پس یہ ہے وہ عدت جس کا
طَاهِرًا قَبْلَ	اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ
أَنْ يَمَسَّهَا	عورتوں کو اس میں طلاق دی
فَتِلْكَ الْعِدَّةُ	جائے اور ایک روایت میں
الَّتِي أَمَرَ اللّٰهُ أَنْ	ہے اسے حکم دے وہ رجوع
تُطَلَّقَ النِّسَاءُ	کرے پھر طلاق دے وہ پاک
وَفِي رِوَايَةٍ مُرْهُ	ہو یا حاملہ ہو۔ (متفق علیہ)
فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ	
يُطَلِّقْهَا طَاهِرًا	
أَوْ حَامِلًا (مشکوٰۃ باب	

عشرۃ النساء صہ ۲۸۳ سے منقول ہیں)

تفسیر

یہ حدیث پاک قرآن کریم کی مذکورہ آیت کے تمانہ طَلِّقُوْهُنَّ

لِعِدَّتِهِنَّ کی تشریح ہے آپ کے فرمان عالیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی عدت پاکی سے شروع ہوتی ہے اس کی تفصیل انشاء اللہ العزیز عنقریب ہم بیان کریں گے اور پاکی میں طلاق دینے کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ حیض کا زمانہ اور چونکہ عورت کے کپڑے اور جسم گندا اور ناپاک ہونے کا زمانہ ہے اس میں مردوں کو عورتوں سے طبعی طور پر نفرت ہوتی ہے یہاں تک کہ دور جاہلیت میں بعض لوگ عورتوں کو اس دور میں گھروں سے ہی نکال دیتے تھے اور پاکی کے زمانہ میں نفرت نہیں ہوتی بلکہ میلان پیدا ہوتا ہے ۔ اب اگر کوئی شخص ایام حیض میں طلاق دے تو اس میں یہ احتمال ہے کہ شاید وہ طبعی نفرت کی وجہ سے وہ اس دور جاہلیت کی رسم کو زندہ کرنا چاہتا ہے اس لیے شریعت نے یہ دروازہ ہی بند کر دیا ہے کیونکہ یہ عورت کی ایک ایسی مجبوری ہے جس کا ازالہ اس کے بس سے باہر ہے اگر کوئی شخص اسے اس وجہ سے طلاق دے گا تو یہ اس پر ظلم ہوگا اور اسلام میں اس کی اجازت نہیں ہے اسی لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن عمر پر ناراض ہوتے تھے اور کسی فعل حرام کے مرتکب ہونے پر ہی آپ ناراض ہوتے تھے ۔ معلوم ہوا عورت کو حیض میں طلاق دینا حرام ہے تاہم اگر کوئی ایسی حالت میں طلاق دے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے ۔ یہ مقصد نہیں فعل حرام متحقق ہی نہیں ہوتا اور اگر پاکی کے زمانہ میں طلاق دے گا تو اس کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ اس حیض کی نفرت کی وجہ سے طلاق نہیں دے رہا بلکہ کسی مصلحت کی خاطر دے رہا ہے اور اس کی شریعت نے اسے اجازت دی ہے جس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے اور تیسرا ضابطہ یہ بیان

فرمایا ہے کہ عدت کو گنتے رہو یہ خطاب مرد اور عورت دونوں کو ہے یعنی دونوں کو چاہیئے کہ ان ایام کو گنتے رہیں تاکہ عدت میں کمی بیشی لازم نہ آئے اور عرصۂ عدت انشاء اللہ العزیز عنقریب ہم بیان کرینگے۔

دو دفعہ طلاق (رکنیت) معطّل کرنے کے بعد مصالحت ہو سکتی ہے

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ	طلاق رجعی دو بار تک ہے پھر
فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ	دستور کے موافق روک لینے
اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ	میں کوئی حرج نہیں یا احسان
(سورہ بقرہ آیت ۲۲۹)	کے ساتھ چھوڑ دینے میں
	بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

تفسیر

اس آیت کریمہ میں جو لفظ طلاق آیا ہے اس کے لغوی معنے رہائی پانے یا پابندی اٹھا دینے کے ہیں اور اہل شرع کی اصطلاح میں مرد کی طرف سے اپنی بیوی پر جو پابندی ہوتی ہے اسے اٹھا دینے کا نام طلاق ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مقدسہ سے پہلے اس سلسلہ میں کوئی خاص ضابطہ نہیں تھا جب چاہتے تھے بیوی کو طلاق دے دیتے تھے اور جب چاہتے تھے رکھ لیتے تھے اور الفاظ طلاق کے سلسلہ میں بھی کوئی دستور نہیں تھا۔ بیس بیس دفعہ بھی طلاق دے کر پھر رکھ لیتے تھے اور عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لیتے پھر جب چاہتے طلاق دیتے اور پھر رجوع کر لیتے اس طرح یہ صنف نازک ان کی ظلم کی چکی میں پس رہی تھی تو اللہ رب العزت

نے رحم فرمایا اور ان مظلومات کو ظلم وستم سے نجات دینے کے لیے اپ
نے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی مقدس کتاب اتاری اور اس میں ایک
ایسا زریں اصول رکھا جو سراپا انصاف پر مبنی ہے اور اس میں فریقین کی
بھلائی مضمر ہے اور وہ یہ ہے کہ بالکل ضابطۂ طلاق کو منسوخ بھی نہیں کیا
اور کھلی چھٹی بھی نہیں دی کہ جب کوئی چاہے اور جیسے چاہیے طلاق دے
دے اور جب چاہے دوبارہ رکھ لے۔ اسلام میں اولین کوشش ہی یہ کی گئی
ہے کہ طلاق کی نوبت ہی نہ آئے اگر بامر مجبوری یہ نوبت آ ہی گئی ہے
کہ مرد کوئی ایسا قدم نہ اُٹھائے یا کوئی ایسا لفظ منہ سے نہ بولے جس سے
یہ تعلقات یکسر منقطع ہو جائیں بلکہ اس کو ایسا طرز عمل اختیار کرنا چاہیئے کہ
جس سے اگر یہ آپس میں مل کر دوبارہ زندگی بسر کرنا چاہیں تو کرسکیں اور
اس سلسلہ میں میعاد بھی مقرر کردی ہے اور طلاق کے الفاظ بھی مقرر کر
دئیے ہیں اور یہ بھی بتادیا ہے کہ کیسے الفاظ کے بعد دوبارہ آپس میں
میاں بیوی مصالحت کرسکتے ہیں اور کیسے الفاظ کے بعد نہیں کرسکتے
چنانچہ آیت کریمہ میں جو لفظ مَرَّتَانِ آیا ہے یہ مَرَّةٌ کی تثنیہ
ہے اور مَرَّةٌ کے معنے ایک بار کے ہیں اور مَرَّتَانِ کے
معنے دو بار کے ہیں ۔ اب آیت کا معنے یہ ہوا کہ طلاق دو بار تک ہے
اور اس کے بعد فرمایا ہے فَاِمْسَاكٌ روک لینا ہے اس سے معلوم
ہوا کہ ایک مرتبہ یا دو مرتبہ اگر میاں اپنی بیوی پر طلاق کا لفظ بول دے
اور پھر اگر وہ رجوع کرنا چاہیں اور آپس میں وہ صلح صفائی سے رہنا چاہیں
تو ایسا وہ کرسکتے ہیں اور آگے فرمایا ہے بِمَعْرُوْفٍ یعنی حقوقِ
فریقین بدستور وہی ہوں گے۔ اگر عدت کے اندر رجوع ہوا ہے تو نکاح

سابق موجود ہے وہ ٹوٹا نہیں ہے اور عورت کے اخراجات بدستور مرد ہی کے سپرد دیں ۔ ہاں اگر عورت نے مصالحت کی خاطر اپنا نفقہ وغیرہ خود ترک کر دیا ہو تو ایسا کر سکتی ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے اس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے اور رجوع کا طریقہ یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی سے ہمبستر ہو جائے یا زبان سے کہہ دے کہ میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا ہے وغیرہ ذالک اور عدت گزر جانے کے بعد اگر باہم صلح کرنا چاہیں تو دو گواہوں کے سامنے صرف تجدید نکاح کر لیں بہر حال ایک یا دو دفعہ طلاق دینے کے بعد اگر میاں بیوی صلح کرنا چاہیں تو ہو سکتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شارع کا مقصد یہ ہے کہ انسانی ترقی کے اس یونٹ کو کسی نہ کسی طرح بچا لیا جائے کیونکہ یہ اگر ٹوٹ گیا تو ترقی کی رفتار میں بڑا خلل پڑے گا اور خاندانوں پر اس کے برے اثرات پڑیں گے ۔ اگر میاں بیوی کے درمیان مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلے اور خاوند اس کو تیسری طلاق بھی دے دے تو پھر سوائے حلالہ کے مصالحت جائز نہیں ہے ۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا	پھر اگر وہ اسے تیسری طلاق
تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ	دے دے پھر وہ عورت
حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا	اس کے لیے حلال نہیں یہاں
غَيْرَهٗ فَاِنْ طَلَّقَهَا	تک کہ وہ عورت کسی اور
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا	مرد سے وہ نکاح کرے پھر
اَنْ يَّتَرَاجَعَا	اگر وہ بھی اسے طلاق دے
اِنْ ظَنَّا اَنْ	دے پھر ان دونوں پر کوئی جرم
يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ	نہیں کہ آپس میں رجوع کر لیں

وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ٥

(سورہ بقرہ آیت ۲۳۰)

اگر انہیں گمان ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں انہیں بیان فرماتے ہیں تاکہ قوم سمجھے۔

تفسیر

یہ آیت کریمہ دراصل اس سے قبل آیت میں جو لفظ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ آیا ہے اس کی تشریح ہے اور تسریح سے مراد تیسری طلاق ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کہاں ہے تیسری تو آپ نے فرمایا اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ (بیضاوی) اور پھر اس کے بعد فرمایا ہے فَاِنْ طَلَّقَهَا الایۃ، معلوم ہوا کہ یہ آیت تسریح کی تشریح ہے واللہ اعلم۔ اب اس آیت سے پانچ چیزیں معلوم ہوتی ہیں اول یہ معلوم ہوتا ہے کہ طلاق کی حد تین تک ہے تین سے زیادہ اگر کوئی شخص الفاظ طلاق استعمال کرے گا تو وہ الفاظ لغو ہوں گے ان کا کوئی اثر نہیں پڑے گا اور دوسرا اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تین مرتبہ طلاق دینے سے عورت جدا ہو جاتی ہے او تیسرا اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورت اب پہلے خاوند کے لیے سوائے حلالہ کے جائز نہیں اور چوتھا یہ معلوم ہوتا ہے کہ حلالہ جائز ہے اور پانچواں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حلالہ حدود اللہ قائم رکھنے کے ساتھ مشروط ہے اور حدود اللہ سے مراد حقوق زوجین ہیں اور طلاق دینے

کے تین طریقے ہیں ایک سب سے اچھا طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ مرد بیوی کو پاکی کے اس زمانہ میں طلاق دے جس میں اس سے ہمبستر نہ ہوا ہو اور پھر اسے چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے اور اس زمانہ میں اس سے ہمبستری بھی نہ کرے اور دوسرا طریقہ بھی اچھا ہے اور وہ یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو تین طلاق تین پاکی کے ادوار میں دے اور اس دوران اس سے ہمبستری نہ کرے یعنی ماہواری گزرنے کے بعد جب پاکی کا دور آئے تو اس میں ایک طلاق دے دے اور اس میں ہمبستری نہ کرے اسی طرح جب دوسری ماہواری کا دور گزر جائے اور پاکی کا دور آئے تو اس میں بھی بیوی سے ہمبستر نہ ہو اور اسے ایک طلاق اور دیدے اور اسی طرح جب تیسرا ماہواری کا دور گزر جائے اور پاکی کا دور آجائے تو اس میں بھی بیوی سے ہمبستر نہ ہو اور اسے ایک اور طلاق دے دے اب یہ بیوی اس سے بالکل جُدا ہو جائے گی اور بقیہ ایام ماہواری گزرنے کے بعد اس کی عدت ختم ہو جائے گی اب وہ جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے اور یہ بات یاد رہے کہ اگر پہلی یا دوسری طلاق کے بعد وہ خاوند اگر اپنی اس بیوی سے ہمبستر ہو جائے یا اس کو شہوت سے ہاتھ لگا دے یا بوسہ دے دے تو یہ رجوع بن جائے گا اب تیسری طلاق دینے سے یہ عورت اس سے جُدا نہیں ہوگی اور تیسری طلاق کے بعد عدت کے زمانے میں اس سے ہمبستری یا بوس وکنار وغیرہ ہے ہی حرام اور تیسرا طریقہ طلاق بُرا ہے اور وہ یہ ہے کہ تین طلاقیں ایک ہی دفعہ دے دے اس سے اگرچہ طلاق تو پڑجائے گی مگر یہ فعل حرام ہے اور کسی بھی حرام کے ارتکاب سے فعل

تو بہرحال مستحق ہو جاے گا لہٰذا اگر کسی نے بیک وقت تین طلاق دے دیں تو واقع یقیناً ہو جائیں گی اور اس کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے ایک لفظ سے انسانی ترقی کی یہ شاخ یکسر ختم کر کے صلح و صفائی کے تمام راستے بند کر دیئے ہیں اس لیے یہ شخص عنداللہ مجرم ہے اور مندرجہ ذیل احادیث سے بھی یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے

وَعَنْ مَحْمُوْدِ ابْنِ لَبِيْدٍ قَالَ اَخْبَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ اِمْرَاَتَهٗ ثَلٰثَ تَطْلِيْقَاتٍ جَمِيْعًا فَقَامَ غَضْبَانٌ ثُمَّ قَالَ اَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَاَنَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ حَتّٰى قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا اَقْتُلُهٗ	اور حضرت محمود بن لبیدؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی ایک ایسے آدمی کے متعلق جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں اکٹھی دی تھیں تو آپ غصے کی حالت میں اُٹھ کھڑے ہوئے پھر فرمایا کیا وہ اللہ عزّ وجل کی کتاب کے ساتھ کھیلتا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں یہاں تک ایک آدمی اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا اے اللہ کے رسُول کیا میں اسے قتل

نہ کر دوں ۔ (مشکوٰۃ باب الطلاق)

تفسیر

اس حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاق دیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ناراض ہوئے اور اس کے اس فعل کو آپ نے کتاب اللہ کے ساتھ کھیل قرار دیا مگر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ نے اس کی ان تین طلاق کو ایک رجعی قرار دے کر بیوی اس کے حوالے کر دی اور یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ جو آدمی اسے قتل کرنے کے ارادہ سے اُٹھا تو آپ نے اسے قتل کرنے کی اجازت دی یا نہیں بلکہ ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عویمرؓ عجلانی نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاق دی تو آپؐ نے اسے نافذ قرار دیا اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ واقعہ میں بھی آپ نے ایسا ہی کیا ہوگا چنانچہ قاضی ابوبکر ابن عربی نے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں ۔

فَلَمْ يَرُدَّهُ النَّبِيُّ صَلَّى	پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	اسے ردّ نہیں کیا بلکہ نافذ قرار
بَلْ اَمْضَاهُ كَمَا فِيْ	دیا جیسا کہ عویمر عجلانی والی
حَدِيْثِ عُوَيْمِرِ الْعَجْلَانِيْ	حدیث میں ہے کہ ان تین
فِي اللِّعَانِ حَيْثُ اَمْضٰى	طلاقوں کو نافذ قرار دیا تھا
طَلَاقَهُ الثَّلَاثَ وَلَمْ	ردّ نہیں کیا تھا ۔

يَرُدَّهُ (تہذیب سنن ابی داؤد طبع مصر ج ۳ ص ۱۲۹ منقولہ از معارف القرآن مؤلفہ مفتی محمد شفیعؒ)

دوسری حدیث صدیقہ عائشہ کی صحیح بخاری میں بالفاظ ذیل ہے۔

ان رجلا طلق	بے شک ایک آدمی نے اپنی
امراتہ ثلاثا	بیوی کو تین طلاقیں دیں پھر
فتزوجت فطلق	اس عورت نے دوسری جگہ
فسئل النبی صلی	شادی کی پھر اس نے طلاق
اللہ علیہ وسلم	دی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم
اتحل للاول قال	سے پوچھا گیا کہ کیا وہ پہلے
لا حتی یذوق	خاوند کے لیے حلال ہے
عسیلتها کما	تو آپؐ نے فرمایا نہ یہاں
ذاقها الاول۔	تک کہ وہ خاوند اس کا شہد
(صحیح بخاری ص۷۹۱ ج۲ صحیح مسلم ص۴۶۳)	نہ چکھے جیسا پہلے نے چکھا ہے

تیسری روایت عویمر عجلانی کی ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی سے لعان کیا اور اس کے بعد عرض کیا۔

فَلَمَّا فَرَغَا قَالَ	پس وہ دونوں جب لعان
عُوَیْمِرٌ کَذَبْتُ	سے فارغ ہوئے تو عویمر نے
عَلَیْهَا یَا رَسُوْلَ	کہا اے اللہ کے رسول میں
اللّٰهِ اِنْ اَمْسَکْتُهَا	اس پر جھوٹ بولنے والا ہونگا
فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا	اگر میں نے اس کو اپنے پاس
قَبْلَ اَنْ یَّاْمُرَهٗ	رکھ لیا پس اس نے اسے
النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ	تین طلاقیں دیں قبل اس
عَلَیْهِ وَسَلَّمَ	کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے

(صحیح بخاری مع فتح الباری ص۳۰۱) حکم دیتے۔

و صحیح مسلم ص ج ۱ / ۲۸۹

اور ابوداؤد نے اس واقعہ کو بروایت حضرت سہل بن سعد نقل کر کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔

فَانْفَذَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ مَا صُنِعَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ سُنَّةً قَالَ سَعْدٌ حَضَرْتُ هٰذَا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَضَتِ السُّنَّةُ بَعْدُ فِي الْمُتَلَاعِنَيْنِ اَنْ يُفَرَّقَ بَيْنَهُمَا ثُمَّ لَا يَجْتَمِعَانِ اَبَدًا	تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نافذ فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو کچھ پیش ہوا وہ سنت قرار پایا سعد فرماتے ہیں اس موقعہ پر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھا پس اس کے بعد لعان کرنے والوں کے بارے میں یہ طریقہ رائج ہو گیا کہ ان کے درمیان تفریق کر دی جائے اور پھر وہ کبھی بھی جمع نہ ہوں

(ابوداؤد ص۳۰۶ طبع اصح المطابع)

اس حدیث میں پوری وضاحت کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عویمر کی بیک وقت تین طلاق کو تین

ہی قرار دے کر نافذ فرمایا ہے اور محمود بن لبید کی سابقہ روایت میں بھی ابوبکر ابن عربی کی روایت کے مطابق تین طلاقوں کو نافذ کرنے کا ذکر موجود ہے اور بالفرض یہ بھی نہ ہوتا تو یہ بھی کہیں منقول نہیں کہ آپ نے اس کو ایک طلاق رجعی قرار دے کر بیوی اس کے حوالے کی الحاصل مذکورہ تینوں احادیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ اگرچہ تین طلاق بیک وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سخت ناراضی کا موجب تھیں مگر بہرحال اثر ان کا یہ بھی ہوا کہ تینوں طلاقیں واقعی قرار دی گئیں۔ (یہ تینوں روایتیں اور تشریح معارف القرآن سے منقول ہیں)

وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ	اور حضرت مالک سے نقل
اَنَّ رَجُلًا قَالَ	ہے کہ انہیں خبر پہنچی کہ ایک
لِعَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍ اِنِّي	آدمی نے عبد اللہ بن عباس
طَلَّقْتُ امْرَأَتِي مِائَةَ	سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی
تَطْلِيْقَةٍ فَمَا ذَا	کو سو طلاق دی ہے اب آپ کا
تَرٰى عَلَيَّ فَقَالَ ابْنُ	میرے بارے میں کیا خیال
عَبَّاسٍ طَلُقَتْ مِنْكَ	ہے تو ابن عباس نے فرمایا
بِثَلٰثٍ وَسَبْعٌ وَّ	وہ تجھ سے تین طلاق سے طلاق
تِسْعُوْنَ اتَّخَذْتَ بِهَا	ہو چکی اور ستانویں تو نے اللہ
اٰيَاتِ اللّٰهِ هُزُوًا (رواہ فی الموطا)	کی کتاب سے مذاق کیا۔

تفسیر

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس نے

بھی ۹۷ بیک وقت دی ہوئی تینوں سے تین طلاق کو نافذ قرار دیا اور ستانویں[۹۷] کو لغو کیونکہ شریعت میں تین طلاق سے ہی عورت جدا ہو جاتی ہے اس کے بعد الفاظ بے فائدہ ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ	حضرت عائشہؓ سے روایت
جَاءَتْ اِمْرَأَةُ	ہے انہوں نے کہا کہ رفاعۃ قرظی
رِفَاعَةَ الْقُرَظِيِّ	کی عورت رسول اللہ صلی اللہ
اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى	علیہ وسلم کے پاس آئی پس
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	اس نے کہا کہ بے شک میں
فَقَالَتْ اِنِّيْ	رفاعہ کے پاس تھی پس اس
كُنْتُ عِنْدَ رِفَاعَةَ	نے مجھے طلاق دی پس اس
فَطَلَّقَنِيْ فَبَتَّ	نے مجھے تین طلاق دی پھر میں
طَلَاقِيْ فَتَزَوَّجْتُ	نے اس کے بعد عبد الرحمان
بَعْدَهٗ عَبْدَالرَّحْمَانِ	بن زبیر سے نکاح کیا اور نہیں
بْنِ الزَّبِيْرِ وَمَا	اس کے ساتھ مگر مثل ٹکڑے
مَعَهٗ اِلَّا مِثْلُ	کپڑے کے آپ نے فرمایا
الْقُرَظِيِّ الثَّوْبِ فَقَالَ	کیا تو رفاعہ کے پاس لوٹنے
اَتُرِيْدُ بْنَ اَنْ	کا ارادہ رکھتی ہے اس نے
تَرْجِعِيْ اِلٰى رِفَاعَةَ	کہا ہاں آپ نے فرمایا نہ
فَقَالَتْ نَعَمْ قَالَ	یہاں تک کہ تو اس کا شہد
لَا حَتّٰى تَذُوْقِيْ عُسَيْلَتَهٗ	چکھے اور وہ تیرا شہد چکھے
وَيَذُوْقَ عُسَيْلَتَكِ	(یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ باب الطلاق سے منقول ہیں)

تفسیر

اس حدیث میں حلالہ کی صورت بیان فرمائی ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو تین طلاق دے دے تو یہ بیوی اب اس سے جدا ہو گئی ہے اب یہ پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہاں اگر یہ آپس میں دوبارہ صلح کرنا چاہیں تو اس کی صورت یہ ہے کہ یہ عورت پہلے اپنی عدت تین ماہ یا تین حیض مکمل کرے اس کے بعد کسی اور مرد سے نکاح کرے اور وہ مرد اس کے ساتھ صحبت بھی کرے پھر اگر وہ مرد اپنی مرضی سے اسے طلاق دے دے اور پھر اس کی بھی عدت گزار کر اگر یہ عورت اپنے سابق شوہر سے نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے صرف زوج ثانی سے نکاح کر کے پہلے کے لیے حلال نہیں ہوگی اور اس میں حکمت یہ ہے کہ یہ آئندہ آپس میں لڑنے بھڑنے سے احتراز کریں گے۔

حلالہ کے لیے طلاق کی شرط لگانا مکروہ ہے

وَعَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُحِلَّ وَالْمُحَلَّلَ لَهٗ (مشکوٰۃ باب الطلاق)	اور عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال کرنے والے اور جس کی خاطر کی گئی ہے دونوں پر لعنت فرمائی۔

تفسیر

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر تین طلاق دی ہوئی عورت کا نکاح کسی اور مرد سے اس شرط پر کرایا جائے کہ وہ نکاح اور صحبت کے بعد اسے طلاق دے دے گا تو یہ نکاح ہو جائے گا مگر پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ شروط نکاح میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عورت کو ہمیشہ نکاح میں رکھنا مقصود ہو وقتی ضرورت پوری کرنا مقصود نہ ہو اس لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں پر لعنت فرمائی ہے کیونکہ وہ دونوں اس کا باعث بن رہے ہیں تاہم یہ تو نہیں فرمایا کہ یہ نکاح حرام ہے تو معلوم ہوا کہ جائز ہے واللہ اعلم۔

سوائے کسی قصور کے چیئرمین (خاوند) اگر عورت کی رکنیت معطّل کرے تو مہر (سیکورٹی) واپس نہیں لے سکتا

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ
اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ
زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ
قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا
مِنْهُ شَيْـًٔا اَتَاْخُذُوْنَهٗ
بُهْتَانًا وَّاِثْمًا
مُّبِيْنًا ۝ وَكَيْفَ
تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ

اور اگر تم بدلنا چاہو ایک عورت
کی جگہ دوسری عورت کو
اور دے چکے ہو تم ایک
کو بہت مال تو مت واپس
کرو اس میں سے کچھ بھی کیا
لینا چاہتے اسے جو بہتان
اور کھلا گناہ ہے اور تم اس
مال کیسے لے سکتے ہو حالانکہ

اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى	پہنچ چکا ہے تم میں سے ایک
بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ	دوسرے تک اور وہ عورتیں
مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ○	تم سے پختہ عہد بھی لے
(سورۃ نساء آیت ۲۰-۲۱)	چکی ہیں۔

تفسیر

دورِ جاہلیت میں صنفِ نازک پر جہاں اور مظالم ڈھائے جاتے تھے ان میں سے ایک یہ ظلم بھی تھا کہ اگر مرد کی اپنی بیوی سے کسی وجہ سے طبعی نفرت پیدا ہو جاتی تھی تو وہ اس عورت کے حقوق بھی پورے نہیں کرتا تھا اور بھی کئی طرح سے اسے اذیتیں دیتا تھا اور اس پر طرح طرح کے بہتان اور الزامات لگاتے تھے تاکہ وہ عورت مہر واپس کرے اور پھر وہ اسے دوسری شادی کے کام میں لائے۔ اس آیت میں اس ظلم کا انسداد کیا گیا ہے اور قانون بنا دیا گیا ہے کہ کوئی بھی شخص ایسی صورت میں خواہ کتنا ہی مال کیوں نہ دے چکا ہو واپس نہیں لے سکتا اور آگے فرمایا ہے کہ جب کہ میاں بیوی نے ایک دوسرے سے مقاصد بھی حاصل کر لیے ہیں اور عورتوں نے تم سے بڑا پختہ عہد و پیمان بھی لیا ہوا ہے تو اب وہ مال واپس لینا تمہارے لیے بہتان بھی ہے اور صریح گناہ بھی ہے لہٰذا وہ مال واپس مت لو اس کی حکمت انشاء اللہ عنقریب بیان کریں گے۔

عورت خود اگر رکنیت سے استعفا دے تو مہر (سیکورٹی) واپس کریگی

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ج وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

(سورہ بقرہ آیت ۲۲۹)

اور تمہارے لیے حلال نہیں کہ اس میں سے کچھ لو جو بھی تم نے ان کو دیا ہے مگر کہ ان دونوں (میاں بیوی) کو اندیشہ ہو کہ وہ حدود اللہ قائم نہیں رکھ سکیں گے اور تمہیں اگر اندیشہ ہو کہ وہ (میاں بیوی) حدود اللہ قائم نہیں رکھ سکیں گے تو ان دونوں پر (میاں بیوی) کوئی حرج نہیں اس صورت میں کہ عورت بدلہ دے یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے تجاوز مت کرو اور جو بھی حدود اللہ سے تجاوز کرے گا وہی لوگ ظالم ہوں گے۔

تفسیر

اس آیت کریمہ سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں اول یہ کہ عورت کا قصور نہ ہونے کی صورت میں اگر مرد اس کو طلاق دیتا ہے اور اس سے مہر وغیرہ بھی واپس لیتا ہے تو یہ حرام ہے اور دوسرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میاں بیوی اگر یہ محسوس کریں کہ باہم اکٹھا رہنے سے انکا نبھا نہ ہو سکے گا تو بیوی کو چاہیئے کہ بدلہ دے کر طلاق حاصل کرلے اس کے لیے یہ بدلہ دینا حلال ہے اور مرد کے لیے قبول کرنا حلال ہے اور تیسرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس ضابطہ کی جو بھی خلاف ورزی کرے گا وہی ظالم متصور ہوگا یعنی اگر مرد عورت کو نہ رکھنا چاہے اور مہر بھی اس کو نہ دے یا دیا ہوا ہے تو واپس لے تب اس کو طلاق دے تو یہ مرد کی طرف سے عورت پر ظلم ہوگا اور اگر عورت مرد کے گھر میں نہ رہنا چاہے اور اس کا مہر بھی واپس نہ کرے تو یہ عورت کی طرف سے مرد پر ظلم ہوگا بہر حال جو بھی اس زیادتی کا مرتکب ہوگا وہی عند اللہ ظالم اور مجرم ہوگا چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل فرمان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اِنَّ	حضرت ابن عباس سے روایت
اِمْرَأَةَ ثَابِتِ ابْنِ	ہے کہ بے شک ثابت بن
قَيْسٍ اَتَتِ النَّبِيَّ	قیس کی بیوی جناب نبی صلی
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی پھر
وَسَلَّمَ فَقَالَتْ	اس نے کہا یا رسول اللہ ثابت
يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ثَابِتُ	بن قیس نہیں ناراض میں اس

ابْنُ قَيْسٍ مَا	پر اس کے خلق اور دین کی
أَعْتِبُ عَلَيْهِ فِي	وجہ سے لیکن میں اسلام میں
خُلُقٍ وَلَا دِيْنٍ وَلٰكِنِّي	کفرانِ نعمت پسند نہیں کرتی
أَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْإِسْلَامِ	پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى	نے فرمایا تو اس کا باغ اسے
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	واپس کر دے گی اس نے
أَتَرُدِّيْنَ عَلَيْهِ حَدِيْقَتَهُ	کہا ہاں رسول اللہ صلی اللہ
قَالَتْ نَعَمْ قَالَ	علیہ وسلم نے ثابت بن قیس
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ	کو فرمایا تو قبول کر اپنا باغ اور
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِقْبَلِ	اس کو ایک طلاق دے۔
الْحَدِيْقَةَ وَطَلِّقْهَا	(یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے)
تَطْلِيْقَةً (مشکوٰۃ باب الخلع)	

تفسیر

یہ حدیث اس سے پہلے جو آیت کریمہ ذکر ہوئی ہے اس کی توضیح وتشریح ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ اگر عورت کو اپنے خاوند سے کسی وجہ سے نفرت ہو تو اس کا دیا ہوا مہر واپس کر کے طلاق حاصل کر سکتی ہے جیسا کہ حضرت ثابت ابن قیس کی بیوی نے واضح طور پر اعتراف کیا کہ اس میں کوئی مردانگی خامی نہیں ہے مجھے صرف طبعی طور پر پسند نہیں ہے اور اس کی وجہ محدثین نے یہ بیان فرمائی ہے کہ ثابت ابن قیس کا قد بہت چھوٹا تھا اور شکل وصورت بھی اچھی نہیں تھی اس وجہ سے بیوی کو

سے نفرت تھی اور اس نے یہ سمجھا کہ اگر میں اس سے طلاق حاصل نہیں کرتی تو دل میں اس کا احترام نہیں رہے یہ حدود اللہ کی خلاف ورزی ہو جائیگی چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر کھلے بندوں اس کا اظہار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے مہر واپس کرایا اور ثابت بن قیس کو حکم دیا کہ اپنا مہر قبول کرو اور اس کو طلاق دے دو علماء کی اصطلاح میں اس کو خلع کہتے ہیں۔

اگر کونسل کی کوئی رکن عورت بدزبان یا بدچلن ہو تو اسکی رکنیت معطّل (طلاق) کرنے کے بعد بھی چیئرمین (خاوند) دیا ہوا مہر (سیکورٹی) واپس لے سکتا ہے

وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ	اور مت روکے رکھو ان کو
لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ	تاکہ واپس لو ان سے بعض
مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ	وہ چیز جو تم ان کو دے
اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ	چکے ہو مگر کہ کریں وہ کھلی
مُّبَيِّنَةٍ (سورۂ نساء آیت ۱۹)	بے حیائی۔

تفسیر

اس آیت کریمہ میں خاوندوں کو اجازت دی گئی ہے کہ بیوی فاحشہ ہو تو اپنا دیا ہوا مہر واپس لے کر اسے طلاق دیں اور فاحشہ کا اطلاق زنا پر بھی ہوتا ہے اور بدکلامی پر بھی ہوتا ہے اور قرآن کریم میں ان دونوں معنوں میں سے کسی ایک کو متعین نہیں کیا اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث میں بھی یہاں کسی ایک کو متعین نہیں کیا۔ معلوم ہوا کہ دونوں

معنے مراد ہیں تو خلاصہ ولب لباب یہ نکلا کہ اگر کسی مرد کی عورت زناکار ہو یا بدکلام تو دونوں صورتوں میں مرد اس سے اپنا دیا ہوا مہر واپس لے سکتا ہے اور یہ اس کے لیے حلال طیب ہے۔

مہر واپس کرنے کی یا پورا دینے کی حکمت کیا ہے

یہ ایک مانا ہوا اصول ہے کہ اگر کوئی آدمی دوسرے پر کوئی چیز بیچے اور اس چیز میں کوئی عیب نکل آئے تو مشتری کو حق پہنچتا ہے کہ وہ چیز بائع کو واپس کر دے یا اسی قیمت پر اپنے پاس رکھے اور بائع نے وہ چیز یا تو واپس لینا ہوگی یا اس کی قیمت گھٹا دے اگر مشتری اس پر راضی ہو تو رکھ لے ورنہ نہ رکھے اور نہ رکھنے کی صورت میں بائع پر قیمت واپس کرنا لازم ہے اسی طرح نکاح بھی بقیہ معاملات کی طرح معاملہ بھی ہے اور عبادت بھی ہے اور اس حیثیت سے کہ یہ معاملہ بھی ہے تو اس میں معاملات کے اصول چلیں گے اور یہاں عورت کی حیثیت بائع کی ہے اور مرد کی حیثیت مشتری کی ہے اور یہ اس اعتبار سے ہے کہ عورت نے اپنا عضوِ مخصوص مرد پر بیچا ہے اور مرد نے اس کے بدلے میں عورت کے مہر روٹی، کپڑا، مکان وغیرہ کی تمام ضروریات کی ذمہ داری اُٹھائی ہے اب اگر عورت مرد کے کام کی نہیں ہے اس میں عیب ہے وہ مرد کے مقاصد کی تکمیل نہیں کر سکتی ہے تو مرد کو حق پہنچتا ہے کہ اس معاملہ کو کالعدم قرار دے اور اپنی ادا کی ہوئی قیمت واپس لے اور اگر مرد اس عورت کو رکھنا چاہتا ہے تو اس عورت

کے حقوق میں کمی نہیں کر سکتا البتہ اگر عورت اپنے حقوق میں خود کم کر کے خاوند سے مصالحت کرے اور مرد بھی اس پر تیار ہو جائے تو انہیں اختیار حاصل ہے اور اگر مرد میں کوئی عیب ہو تو اس صورت میں عورت از سر خود اس معاہدے کو توڑ نہیں سکتی کیونکہ اس کی حیثیت بائع کی ہے اور بائع جب چیز مشتری کے حوالے کر دے اور اس سے قیمت بھی وصول کرے تو اب اگر اسے بیع میں گھاٹا نظر آتا ہے تو بیع کو توڑ نہیں سکتا البتہ اگر مشتری نے جو قیمت ادا کی ہے اس میں کوئی کھوٹ ہو تو وہ تبدیل کرا سکتا ہے اس طرح یہاں عورت اپنا عضو مخصوص مرد پر بیچ چکی ہے اور مرد سے اس کا معاوضہ بھی وصول کر چکی ہے اور اگر اس معاوضے میں کوئی خامی ہو تو اسے تبدیل کرا سکتی ہے۔ اور اگر مرد میں کوئی خامی ہو مثلاً اس کی عزت و آبرو کا تحفظ نہ کر سکتا ہو اس کے حقوق زوجیت ہی پورے نہ کر سکتا ہو تو اس سلسلہ میں عورت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ یا تو اسی ثاثہ پر اکتفا کرے یا عدالت کی طرف رجوع کر کے طلاق حاصل کرے کیونکہ اس خرید و فروخت کا مقصد عام معاملات کی طرح نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد فریقین کے مقاصد کی تکمیل ہے جنہیں وہ پورا نہیں کر سکا اس لیے عورت کو حق حاصل ہے کہ اس سے علیحدگی اختیار کرے اور اس سلسلہ میں جو مہر وغیرہ اس نے بیوی کو دیا ہوا ہے وہ اس سے واپس نہیں لے سکتا کیونکہ یہ مہر تو اس منافع کا معاوضہ ہے جو اس نے عورت کے عضو مخصوص سے اٹھائے ہیں اور اس سلسلہ میں عورت نے اپنے آپ کو پیش کر دیا ہے مگر یہ ناکام رہا ہے تو یہ قصور اس کا ہے عورت کا نہیں لہذا وہ دیا ہوا مہر واپس نہیں لے سکتا ہے یا بالفاظ دیگر مرد اور عورت

کا یہ جوڑا اشتراک عمل ہے جب تک فریقین مِل جُل کر چل سکتے ہیں چلیں اور جب نہ چل سکیں تو علیحدہ ہو جائیں مگر اس سلسلہ میں چونکہ مرد کی بالادستی مسلم ہے اس لیے وہ تو خود ہی اس معاہدہ کو کالعدم قرار دے سکتا ہے اور عورت چونکہ ماتحت ہے اس لیے وہ تو از سرِ خود اس معاہدہ کو کالعدم نہیں قرار دے سکتی البتہ وہ اس کی اس مرد سے بالائی عدالت میں چارہ جوئی کر سکتی ہے عدالت کی طرف رجوع کر کے اسے کالعدم کرا سکتی ہے اور نیز یہ عورت جو ہے اس کو پروردگار نے مرد کے سکون اور افزادی قوت پیدا کرنے کے لیے تخلیق فرمایا ہے اور یہ مرد چونکہ اس سلسلہ میں ناکام رہا ہے اس لیے اس مرد کو یہ حق نہیں ہے کہ اس سکون اور پیداوار کے ذریعہ پر ناجائز قابض ہو کر بیٹھ جائے اسے چاہیئے کہ از سرِ خود اس عورت کو طلاق دے تاکہ کوئی دوسرا موزوں اور اہل آدمی اس سے فائدہ اٹھائے اور اگر یہ مرد اس ناجائز قبضہ کو ختم نہیں کرے گا تو عورت کو چاہیئے کہ عدالت کی طرف رجوع کرے اور عدالت تحقیق اور تفتیش کے بعد اس معاہدہ کو کالعدم قرار دے سکتی ہے۔ اور طلاق بھی دلا سکتی ہے جیسا کہ ثابت بن قیس والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

چیئرمین (خاوند) نے اگر کنایہ الفاظ سے عورت کی رکنیت (طلاق) معطل کی ہو تو عدت کے اندر اندر مصالحت ہو سکتی ہے

وَعَنْ رُكَانَةَ بْنِ	اور حضرت رکانہ بن عبد یزید
عَبْدِ يَزِيْدَ اَنَّهٗ	سے روایت ہے کہ بیشک
طَلَّقَ اِمْرَاَتَهٗ	انہوں نے اپنی بیوی سہیمہ
سُهَيْمَةَ الْبَتَّةَ	کو طلاق بتہ دی پھر نبی

فَاُخْبِرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ وَاللّٰهِ مَا اَرَدْتُّ اِلَّا وَاحِدَةً فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا اَرَدْتَّ اِلَّا وَاحِدَةً فَقَالَ رُكَانَةُ وَاللّٰهِ مَا اَرَدْتُّ اِلَّا وَاحِدَةً فَرَدَّهَا اِلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَطَلَّقَهَا الثَّانِیَةَ فِیْ زَمَانِ عُمَرَ وَالثَّالِثَةَ فِیْ زَمَانِ عُثْمَانَ۔
(مشکوٰۃ باب الطلاق)

صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی گئی اور رُکانہ نے کہا خدا کی قسم میں نے صرف ایک کا ارادہ کیا تھا پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی قسم تو نے صرف ایک کا ارادہ کیا تھا تو رُکانہ نے کہا خدا کی قسم میں نے صرف ایک کا ارادہ کیا تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بیوی اسے واپس کر دی پھر اس نے عمر کے زمانہ میں دوسری اور عثمان کے زمانہ میں تیسری طلاق دی۔
(ابوداؤد)

تفسیر

اس حدیث میں جو لفظ بتّ آیا ہے اس کے معنے کاٹ دینے کے ہیں اور یہ کنایات میں سے ہے اور کنایات کا حکم یہ ہے کہ اس کی مراد کا تعین متکلم کی نیت پر موقوف ہے یعنی اگر وہ بیان کرے کہ

اس کی مراد طلاق ہے تو طلاق متصور ہوگی اگر اس کی مراد کچھ اور ہے تو نہیں ہوگی نیز اگر مذاکرہ طلاق ہے یعنی میاں بیوی میں تلخ کلامی جاری تھی اس حالت میں میاں نے کوئی ایسا لفظ استعمال کر دیا تو اسے بھی طلاق ہی سمجھا جائے گا اگرچہ اس کی نیت اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو بہر حال لفظ بتۃ کا طلاق معلوم ہوتا ہے۔ ایک دو اور تین طلاق پر بھی ہوتا اور بالکل انقطاع پر بھی ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا لفظ بیوی کے لئے استعمال کرے تو اس سے اس کی نیت دریافت کی جائے گی اگر وہ کہے کہ اس کی نیت بالکل انقطاع کی تھی تو اس کی بیوی اس سے جدا ہو جائے گی اگر یہ آپس میں صلح کرنا چاہیں تو دو گواہوں کے سامنے تجدید کافی ہے اور یہ صلح عدت کے اندر بھی ہو سکتی ہے اور بعد میں بھی ہو سکتی ہے اور اگر وہ کہے کہ میری مراد اس سے ایک یا دو طلاقیں ہیں تو ایک یا دو ہی متصور ہوں گی اگر میاں بیوی آپس میں صلح کرنا چاہیں تو عدت کے اندر نہ صرف رجوع کافی ہے تجدید نکاح کی بھی کوئی ضرورت نہیں اگر وہ خاوند کہے کہ میری مراد اس سے تین طلاقیں ہیں تو تین ہی متصور ہوں گی اور یہ بیوی اس سے جدا ہو جائے گی اگر یہ آپس میں صلح کرنا چاہیں تو سوائے حلالہ کے جائز نہیں اور اگر وہ خاوند کہے کہ اس لفظ بتۃ سے مراد میری کوئی اور چیز تھی تو وہی متصور ہوگی اور اس کا اس کی بیوی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا تاہم ان تمام صورتوں میں نیت کے تعین کے سلسلہ میں مرد سے حلف لیا جائے گا اور نیز یہ بات بھی یاد رہنی چاہیئے یہ الفاظ کنایات ہر زبان کے اپنے اپنے ہوتے ہیں اور جس لفظ کی تشریح بیان کی ہے یہ صرف ایک عربی لفظ کی بیان کی ہے

اور عربی یا غیر عربی کنایات بہت ہیں۔ موقعہ محل کے اعتبار سے ہی مفتی فتویٰ دے سکتا ہے۔

چیئرمین (خاوند) بیوی کو کونسل کی رکنیت چھوڑنے کا اختیار دے سکتا ہے

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ وَكُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا۔	اے نبی اپنی بیویوں سے فرما دیں کہ اگر تم دنیا اور آخرت کی زینت چاہتی ہو تو آجاؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر اچھی طرح سے رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور آخرت کا گھر چاہتی ہو پس بے شک اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والوں کے لیے بڑا اجر تیار کیا ہے۔

(سورۃ احزاب آیت ۲۸-۲۹)

تفسیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے آپ سے اپنے اخراجات اور نان نفقہ میں اضافے کا مطالبہ کیا آپ ان سے ناراض ہو

کر ایک بالاخانہ میں تشریف لے گئے ایک ماہ کے بعد یہ آیات اتریں ان میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ تم اپنی بیویوں کو میری طرف سے دو ٹوک فیصلہ سنا دو کہ اگر تم دنیا کی زیب و زینت اور کشائش چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر (مہر) اچھی طرح رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اور اس کی خوشنودی چاہتی ہو تو اللہ تعالیٰ نے نیکوکار بیبیوں کے لیے اجر عظیم تیار کیا ہے۔ تمہیں چاہیئے کہ اجر عظیم کے لیے محنت کرو۔ تو خلاصہ اور لب لباب یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ آپ اپنی بیویوں کو دو چیزوں میں سے ایک اپنے لیے اختیار کرنے کا حکم دیں ایک نبی کے نکاح میں رہنے کا اور دوسرا مہر وغیرہ وصول کر کے چلے جانے کا پس معلوم ہوا کہ مرد اپنی بیوی کو طلاق کا اختیار دے سکتا ہے اس کے بعد اگر وہ طلاق اختیار کرے تو طلاق ہو جائے گی اور اگر وہ طلاق اختیار نہ کرے تو طلاق نہیں ہوگی۔ مزید تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ	اور حضرت عائشہؓ سے
خَيَّرَنَا رَسُوْلُ	روایت ہے انہوں نے
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	فرمایا کہ جناب رسول اللہ
وَسَلَّمَ فَاخْتَرْنَا	صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَلَمْ	اختیار دیا تھا پھر ہم نے
يَعُدَّ ذٰلِكَ	اللہ اور رسول کو اختیار کیا تو
عَلَيْنَا شَيْئًا۔ (مشکوٰۃ باب الطلاق)	آپ نے اسے ہم پر کچھ

بھی شمار نہیں کیا تھا۔

تفسیر

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے جنابِ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو جو حکم دیا تھا کہ آپ اپنی بیویوں کو دو باتوں میں ایک بات کا اختیار دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ رب العزت کے اس ارشادِ گرامی کی تعمیل کی اور اپنی بیبیوں کو اللہ تعالیٰ کا حکم پڑھ کر سُنایا تو آپ کی ازواجِ مطہرات نے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا دُنیا کی زیب و زینت کو پسند نہیں کیا پھر آپ نے اس اختیار کو طلاق شمار نہیں کیا پس معلوم ہوا کہ مرد اگر اپنی بیوی کو طلاق کا اختیار دے اور عورت طلاق قبول کرلے تو طلاق ہو جائے گی اور اگر وہ طلاق قبول نہ کرے مرد کو اختیار کرے تو نفس اختیار دینے سے طلاق نہیں پڑے گی۔

اگر عورت کے رکن بننے سے پہلے چیرمین (خاوند) نے اسکی رکنیت کا انکار کیا ہو تو رکنیت کے بعد اس انکار کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

وَعَنْ عَلِيٍّ عَنِ	اور حضرت علیؓ نے روایت
النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ	کی ہے رسول اللہ صلی اللہ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	علیہ وسلم سے آپ نے
قَالَ لَا طَلَاقَ	فرمایا نکاح سے پہلے طلاق نہیں
قَبْلَ نِكَاحٍ وَلَا	آزادی مگر بعد مالک ہونے کے اور
عِتَاقَ اِلَّا بَعْدَ	نہیں وصال روزے میں اور

مِلْكٍ وَلَا وِصَالَ فِي صِيَامٍ وَلَا يُتْمَ بَعْدَ اِحْتِلَامٍ وَلَا رِضَاعَ بَعْدَ فِطَامٍ وَلَا صُمْتَ يَوْمٍ اِلَى اللَّيْلِ (رواہ فی شرح السنہ)

نہیں تیمی بعد بلوغت کے اور نہیں رضاعت بعد دودھ چھڑانے کے اور نہیں خاموشی دن کی رات تک۔

تفسیر

اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ چھ چیزیں مؤثر نہیں نکاح [۱] سے قبل طلاق۔ ملک [۲] سے پہلے آزادی دینا۔ رات [۳] دن کا روزہ۔ بلوغت [۴] کے بعد تیمی۔ دودھ [۵] چھڑانے کے بعد دودھ پلانا۔ رات تک [۶] خاموشی کا روزہ۔ ہماری بحث اس وقت صرف پہلی صورت میں ہے یعنی نکاح سے قبل طلاق دینا باقی پانچ کا بیان اپنے مقام پر انشاء اللہ العزیز ہوگا یہ کتاب چونکہ مختصر بھی ہے اور ان مسائل کا یہاں بیان کرنا خارج بحث بھی ہے اس لیے ہم ان مسائل کو یہاں نہیں چھیڑیں گے۔ یہاں صرف یہ بیان کرنا ہے اگر کوئی شخص کسی عورت کے متعلق یہ کہہ دے کہ فلاں عورت مجھ پر طلاق ہے اور ابھی اس نے اس کے ساتھ نکاح کیا ہوا نہیں ہے اور اب اس سے نکاح کرتا ہے تو یہ نکاح جائز ہے۔ نکاح سے قبل کی طلاق اس پر واقع نہیں ہوگی کیونکہ یہ عورت ابھی تک اس کا نکاح ہی نہیں تھی ہاں اگر نسبت کرے مثلاً یوں کہے کہ اگر میں فلاں

عورت سے نکاح کروں تو وہ مجھ پر طلاق ہے اور بعد میں اس کے ساتھ نکاح کرتا ہے تو یہ عورت اس پر طلاق ہو جائے گی۔ کتب فقہ میں یہ تفصیل موجود ہے۔

اگر چہ ہاں (خاوند) بلا ارادہ بیوی (رکن کونسل) کی رکنیت کالعدم قرار دے یا رجوع کے الفاظ بلا ارادہ استعمال کرے تو بھی وہ الفاظ مؤثر ہوں گے

وعن ابی هريرة	اور حضرت ابوہریرہؓ سے
ان رسول الله صلى	روایت ہے کہ بے شک
الله عليه وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قال ثلث جدهن	نے فرمایا تین چیزوں کا قصد
جد وهزلهن	بھی قصد ہے اور ہنسی بھی
جد النكاح والطلاق	قصد ہے نکاح۔ طلاق اور
والرجعة (رواه الترمذي ابوداود)	رجوع۔ (ترمذی و ابوداود)

تفسیر

یعنی اگر کوئی شخص دو گواہوں کے سامنے ارادۃً اور قصداً کہے کہ میں نے فلاں عورت قبول کی تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور اسی طرح اگر ہنسی اور مذاق کے طور پر کہے تو بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور اسی طرح اگر قصداً اور ارادۃً کہے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو بھی طلاق ہو جاتی ہے اور اگر بلا قصد کہے تو بھی طلاق ہو جاتی ہے اور اسی طرح اگر اپنی مطلقہ رجعیہ بیوی کو قصداً کہے کہ میں نے تجھ سے رجوع

کیا تو بھی رجوع ہو جائے گا اور بلا قصد کہے تو بھی رجوع ہو جائے گا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ نکاح۔ طلاق اور رجوع کے الفاظ صریح ہیں ان میں نیت کا احتیاج نہیں ہے نیت کا لحاظ کنایات میں ہوتا ہے۔

جبر و اکراہ سے اخراج (طلاق) کرانا مؤثر نہیں ہے

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا طَلَاقَ وَلَا عِتَاقَ فِیْ اِغْلَاقٍ (رواہ ابوداود)

اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے نہیں طلاق اور آزادی زبردستی میں۔

(چیئرمین خاوند) اگر مجنون ہو جائے تو وہ کونسل ارکان (بیویوں) کا اخراج نہیں کر سکتا

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ اِلَّا طَلَاقَ الْمَعْتُوْهِ وَالْمَغْلُوْبِ عَلٰى عَقْلِهٖ.

اور حضرت ابی ہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر طلاق جائز ہے مگر مجنون اور عقل پر غلبہ کیے ہوئے کی

(ترمذی)

تفسیر

معتوہ اور مغلوب علی عقلہ ایک ہی چیز ہے اور درمیان میں داؤ تفسریہ ہے۔

خواب کی حالت کا اخراج (طلاق) اور بچے کی طلاق مفید نہیں ہے

وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلٰثَۃٍ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰی یَسْتَیْقِظَ وَعَنِ الصَّبِیِّ حَتّٰی یَبْلُغَ وَعَنِ الْمَعْتُوْہِ حَتّٰی یَعْقِلَ۔	اور حضرت علیؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں سے قلم اٹھا دی گئی ہے ایک سوئے ہوئے سے یہاں تک کہ بیدار نہ ہو جائے اور بچے سے یہاں تک کہ بالغ نہ ہو جائے اور پاگل سے یہاں تک کہ عقلمند نہ ہو جائے۔
(یہ پانچوں احادیث مشکوٰۃ باب الطلاق سے منقول ہیں)	(ترمذی)

تفسیر

اس حدیث پاک میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

کہ تین آدمیوں سے قلم اٹھا لی گئی ہے یعنی اس حالت میں اگر ان سے کوئی ناجائز فعل صادر ہو جائے یا ان کے منہ سے کوئی بری بات نکل جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر کوئی گرفت نہیں ان پر کوئی قانون لاگو نہیں ہوگا ان قوانین میں سے ایک طلاق ہے اگر نیند کی حالت میں کوئی اپنی بیوی کو کہتا ہے کہ میں نے تجھے طلاق دی تو طلاق نہیں واقع ہوگی اسی طرح اگر کسی نے صغر سنی میں اپنے بچے کا نکاح کر دیا اب وہ بچہ بیوی کو طلاق دے تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر کوئی پاگل اپنی بیوی کو طلاق دے تو بھی طلاق واقع نہیں ہوگی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ شرعی احکامات اس وقت انسان پر عائد ہوتے ہیں جب کہ اس کے ہوش و حواس قائم ہوں اور سن شعور کو بھی پہنچ چکا ہو اور ظاہر بات ہے کہ بچہ ابھی شعور کو پہنچا ہی نہیں اور پاگل اور سویا ہوا جو ہے ان کے حواس قائم نہیں ہیں اس لیے ایسے لوگ اگر اس دور میں طلاق دے دیں تو ان کی طلاق مؤثر نہیں ہوگی۔ باقی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

چیئرمین (خاوند) اگر استعفٰی پیش کر دے تو اسے چار ماہ غور کے لیے دینا چاہیئے

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ	ان لوگوں کے لیے جو قسم
مِنْ نِّسَآئِهِمْ	اٹھاتے ہیں اپنی عورتوں کے
تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ	پاس نہ جانے کی انہیں انتظار
اَشْهُرٍ ج فَاِنْ	کرنا ہے چار مہینے پھر اگر
فَآءُوْ فَاِنَّ	وہ رجوع کر لیں تو بے شک

اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور
وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ اگر وہ طلاق کا ارادہ کریں تو
فَاِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ بے شک اللہ سننے والا
عَلِیْمٌ ۝ (سورۃ بقرۃ آیت ۲۲۷) جاننے والا ہے۔

تفسیر

آیت کریمہ کے شروع میں جو لفظ یُؤْلُوْنَ آیا ہے یہ ایلاء سے بنا ہے ایلاء کے معنے قسم کے ہیں اور شرع کی اصطلاح میں ایلاء یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے یوں کہے کہ خدا کی قسم میں تیرے قریب نہیں آؤں گا یا صرف یوں کہے کہ میں تیرے قریب نہیں آؤں گا اس کی چار صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ وہ چار ماہ کی مدت کی قید لگائے دوسری صورت یہ ہے کہ چار ماہ سے زیادہ کی قید لگائے اور تیسری صورت یہ ہے کہ مدت کچھ بھی بیان نہ کرے ان تینوں صورتوں میں اگر وہ خاوند اپنی اس بیوی کے پاس چار ماہ کے اندر اندر نہ جائے اور چار ماہ گزر جائیں تو قسم بحال رہے گی مگر وہ بیوی طلاق بائن ہو جائے گی اور اگر وہ خاوند چار ماہ کے اندر اندر بیوی کے پاس چلا جائے تو قسم ٹوٹ جائے گی اس کا کفارہ دینا پڑے گا مگر بیوی اس کی طلاق نہیں ہوگی اور چوتھی صورت یہ ہے کہ چار ماہ سے کم مدت بیان کرے یعنی مثلاً یوں کہے کہ خدا کی قسم میں ساڑھے تین ماہ اپنی بیوی کے پاس نہیں جاؤں گا۔ اگر یہ اس مدت میں اپنی بیوی کے پاس چلا گیا تو قسم ٹوٹ جائے گی کفارہ دینا پڑے گا اور اگر نہ گیا تو نہ بیوی اس پر

طلاق ہوگی اور نہ قسم ٹوٹے گی اور چار ماہ سُنّت میں لفظ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ سے سمجھ میں آرہی ہیں کیونکہ قرآن کریم نے جب یہ الفاظ استعمال کئے ہیں تو معلوم ہوا کہ وہ خاوند چار ماہ کی قید لگائے تو پھر تو چار ماہ ظاہر ہیں اور اگر وہ چار ماہ سے زیادہ کی قید لگائے یا مدت وغیرہ وہ کچھ بھی بیان نہ کرے تو بھی چار ہی معتبر ہوں گے کیونکہ قرآن نے چار کا ذکر کیا ہے اور اگر وہ چار سے کم مدت کی قید لگا دے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ قرآن نے چار ماہ کی قید لگائی ہے۔

ایلا میں چار ماہ کی حکمت کا بیان

اللہ تعالیٰ جلّ مجدہٗ نے یہ جو ضابطہ ایلا مقرر فرمایا ہے اس سے اشارۃً چار باتیں معلوم ہوتی ہیں اول یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرد کو چار ماہ سے زیادہ بیوی کے سوا نہیں رہنا چاہیئے اور دوسرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو بھی چار ماہ سے زیادہ خاوند کے سوا نہیں رہنا چاہیئے اور اس کی خلاف ورزی نظام فطرت کی خلاف ورزی ہوگی جو تسکین کی خاطر زنا کی صورت میں رونما ہوکر شیرازہ اجتماعیہ کو تباہ کر دے گی لہٰذا گورنمنٹ کو چاہیئے کہ گھر سے دُور رہنے والے شادی شدہ ملازمین کو چار ماہ کے بعد گھر میں اپنی بیوی کے پاس جانے کی چھٹی دے اور بیوہ کی چار ماہ دس دن جو عدت رکھی ہے اس میں بھی یہ ہی حکمت معلوم ہوتی ہے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک ارشاد سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ آپ کا یہ معمول تھا کہ رات کو مدینہ منورہ کی گلیوں میں گشت کرتے تھے تاکہ کوئی چور اُچکا سوئے ہوئے لوگوں کو نقصان نہ دے چنانچہ ایک رات آپ نے ایک گھر سے ایک عورت کے اشعار سنے جو وہ اپنے خاوند کی جدائی کی ترجمے سے بتاو...

افسوس پڑھ رہی تھی تو آپ نے اس کے اشعار سن کر صبح کے وقت اپنی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ ایک عورت اپنے خاوند کی جدائی کتنے عرصہ تک برداشت کر سکتی ہے تو فرمایا چار ماہ یا چھ ماہ تک اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ ضابطہ رکھ دیا کہ اتنی مدت سے زیادہ کسی بھی سپاہی کو پابند نہ رکھا جائے چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ سے مندرجہ ذیل الفاظ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کئے ہیں۔

فَقَالَ عُمَرُ ابْنَتَهُ	پس حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹی
حَفْصَةَ رَضِيَ اللّٰهُ	حفصہ سے پوچھا اللہ ان سے
عَنْهَا كَمْ اَكْثَرُ مَا	راضی ہو کتنی مدت صبر کر سکتی
تَصْبِرُ الْمَرْاَةُ عَنْ	ہے عورت اپنے خاوند سے
زَوْجِهَا فَقَالَتْ سِتَّةُ	جدا رہ کر تو اس نے کہا چھ
اَشْهُرٍ اَوْ اَرْبَعَةُ	ماہ یا چار ماہ پھر عمرؓ نے کہا میں
اَشْهُرٍ فَقَالَ عُمَرُ	نہیں روکوں گا کسی کو بھی لشکر
لَا اَحْبِسُ اَحَدًا مِنَ	میں سے زیادہ اس مدت سے
الْجُيُوْشِ اَكْثَرَ مِنْ	
ذَالِكَ (ابن کثیر جلد اول ص۲۲۹)	

اور تیسری بات اشارۃً یہ معلوم ہوتی ہے جب کہ شادی شدہ مرد اور عورت کے لیے یہ ضابطہ ہے تو پھر وہ لڑکے یا لڑکیاں جو بلوغت کو پہنچ چکے ہوں ان کی شادی بھی فوراً کر دینی چاہیئے کیونکہ جس بے راہ روی کا اندیشہ بحالت جدائی شادی شدہ سے ہے وہی اندیشہ بے شادی شدہ سے بھی

ہے اور چوتھی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ مرد اور عورت جو انسان کی افزائش اور غذائی ترقی کا ذریعہ ہیں ان کو بے کار نہیں چھوڑنا چاہیئے ورنہ رفتار ترقی میں رکاوٹ آئے گی اور یہ بقیہ خلق خدا پر ظلم ہوگا اور پانچویں یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر سرکاری مشینری کا کوئی بھی ذمہ دار آدمی اپنے عہدے سے استعفا دے دے تو اسے اس پر غور کرنے کے لیے چار ماہ دینے چاہئیں کیونکہ ہر عہدے کے لیے موزوں آدمی آسانی سے نہیں ملا کرتا اور یہ مفہوم اسی طرح اخذ کیا جا سکتا ہے کہ میاں اور بیوی کا یہ جوڑا انسانی ترقی کی ابتدائی یونٹ اور شاخ ہے اور اس کے سربراہ کے مستعفی ہونے کے بعد اسے غور کرنے کے لیے چار ماہ دیئے گئے ہیں تو اس یونٹ سے جو بالائی شاخیں یا محکمہ جات وغیرہ ہیں ان کے لیے بھی یہ ہی ضابطہ ہونا چاہیئے یہاں تک کہ وزراء اور سربراہ مملکت کے لیے بھی یہی ضابطہ ہے اگر یہ مستعفی چار ماہ کے اندر اندر واپس آ کر اپنے عہدے پر کام کرنا چاہے تو ٹھیک ہے اسے موقعہ دینا چاہیئے اور اگر وہ اس عہدے پر کام نہ کرنا چاہے تو چار ماہ کے بعد اس کے واجبات ادا کر کے اسے رخصت دینا چاہیئے اور یہ الوداعی تقریب انتہائی پُرتپاک ہونی چاہیئے تاکہ باہمی چپقلش سے جو تنافر اور تباغض پیدا ہوا ہے وہ دُور ہو جائے اور ایسا ہرگز مناسب نہیں ہے کہ مثلاً ایک شخص نے ایک عہدے پر کچھ عرصہ تک کام کیا ہو اور اب اگر پبلک اسے نہیں چاہتی تو اس کے پتلے سڑکوں پر جلائے جائیں اور سرعام اس کو فحش گالیاں دی جائیں یہ کسی شریف معاشرہ کے شایانِ شان نہیں ہے جیسا کہ ہمارے ملک پاکستان میں ایسا ہو رہا ہے۔ ایسی تحریکات سے

...نہ تو قوموں کو ترقی نصیب ہو سکتی ہے اور نہ ہی ملک میں امن و استحکام پیدا ہو سکتا ہے۔

قانونِ الٰہی کو غلط استعمال نہ کیا جائے

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ	اور جب تم عورتوں کو طلاق
فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ	دے دو پھر وہ اپنی عدت
فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ	کو پہنچ جائیں تو انہیں حسنِ سلوک
اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ	سے روک لو یا انہیں دستور
بِمَعْرُوْفٍ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ	کے مطابق چھوڑ دو اور انہیں
ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا	تکلیف دینے کے لیے
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ	نہ روکو تاکہ تم سختی کرو اور
فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ	جو ایسا کرے گا تو وہ اپنے
وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ	اوپر ظلم کرے گا اور اللہ کی
اللّٰهِ هُزُوًا وَّاذْكُرُوْا	آیتوں کا تمسخر نہ اڑاؤ اور اللہ
نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ	کے احسان کو یاد کرو جو اس
وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ	نے تم پر کیا ہے اور جو اس
مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ	نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری
يَعِظُكُمْ بِهٖ وَاتَّقُوا	ہے کہ تمہیں اس سے نصیحت
اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ	کرے اللہ سے ڈرتے رہو
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝	اور جان لو کہ اللہ ہر چیز کو
(سورہ بقرہ آیت ۲۳۱)	خوب جاننے والا ہے۔

تفسیر

اس آیت میں تین مسائل بیان فرمائے ہیں کہ اوّل یہ ہے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ میں یہ بتلایا تھا کہ دو طلاق تک خاوند کو اختیار ہے کہ عورت کو معروف طریقہ سے رکھے یا بالکل علیحدہ کر دے اب اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ یہ اختیار صرف عدت تک ہے عدت کے بعد خاوند کو اختیار مذکور حاصل نہ ہوگا اور دوسرا یہ بتلایا کہ الطلاق مرتان میں جو خاوند کو رجوع کا اختیار دیا ہے یہ معروف اور سابقہ دستور کے موافق ہونا چاہیئے۔ اگر خاوند کسی بدنیتی سے رجوع کرنا چاہتا ہے مثلاً اسے ستانا مقصود ہے یا ویسے ہی اس کی عدت میں کرنا چاہتا ہے یا اسے اور جگہ نکاح سے روکنے کے لیے رجوع کرتا ہے وغیرہ ذالک تو یہ قطعاً جائز نہیں ہے اور تیسرا مسئلہ یہ بیان فرمایا ہے کہ کھیل اور مذاق کے طور پر بھی ایسا نہ کرے یعنی کبھی طلاق دے پھر رجوع کرے پھر طلاق دے پھر رجوع کرے ایسا بھی نہیں ہونا چاہیئے۔ ان آخر والی دونوں صورتوں کو وَلَا تَتَّخِذُوْا آيَاتِ اللّٰهِ هُزُوًا سے تعبیر فرمایا ہے اور آخر میں فرمایا ہے کہ عورت کا تمہارے ساتھ یہ جوڑ تم پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان اور نعمت ہے اس کی قدر کرو اس کی بے قدری مت کرو۔ کبھی طلاق پھر رجوع پھر طلاق پھر رجوع سے اس کی بے قدری ہو جائے گی اور یہ قانون الٰہی کا غلط استعمال ہوگا اس سے کتاب اللہ کی عظمت بھی دل سے نکل جائے گی اور آخر میں ان مذکورہ ضوابط کی خلاف ورزی کرنے والوں کو دھمکی دی ہے کہ اس ضمن

سے ڈرو تمہاری یہ تمام حرکات اس کے علم میں ہیں اگر باز نہیں آؤ گے تو اس کے عذاب سے نہیں بچو گے اگر ایسا کرو گے تو بظاہر یہ ظلم اگرچہ اس عورت پر ہوگا لیکن حقیقتاً وہ ظلم اس ظالم پر ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ اس سے ضرور اس مظلومہ کا انتقام لیں گے اور یہ انتقام دنیا میں بھی ہوگا اور آخرت میں بھی۔ ع

پنداشت ستمگر کہ جفا بر من کرد
برگردن وے بماند و بر ما بگذشت

چیئرمین (خاوند) اگر عورت ارکان کا کام پر لگنے صحبت) سے پہلے یا تقرر مہر سیکورٹی) سے پہلے اخراج کر دے تو اُسے چاہیئے کہ اُنہیں کچھ سامان وغیرہ دے کر رخصت کرے

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ	تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم عورتوں
اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا	کو طلاق دے دو جب کہ انہیں
لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا	ہاتھ بھی نہ لگایا ہو اور ان کے
لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّ	کچھ مہر بھی مقرر نہ کیا ہو اور انہیں
مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى	کچھ سامان دے دو وسعت
الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ	والے پر اپنے قدر کے مطابق
وَعَلَى الْمُقْتِرِ	اور تنگ دست پر اپنے
قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا	قدر کے مطابق سامان حسب
بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا	دستور ہے نیکوکاروں پر یہ
عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ○	حق ہے اور اگر تم انہیں طلاق
وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ	دے دو اس سے پہلے کہ
قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ	انہیں ہاتھ لگاؤ حالانکہ تم نے

وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ	کے لیے مہر مقرر کر چکے ہو
فَرِيْضَةً فَنِصْفُ	تو نصف ہے اس کا جو تم
مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ	نے مقرر کیا تھا مگر یہ کہ وہ
اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَ	معاف کر دیں یا وہ شخص معاف
الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ	کر دے جس کے ہاتھ میں
النِّكَاحِ ۗ وَاَنْ تَعْفُوْٓا	نکاح کی گرہ ہے اور تمہارا
اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۗ وَلَا	معاف کرنا پرہیزگاری کے
تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۗ	زیادہ قریب ہے آپس میں احسان
اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ	کرنا نہ بھولو بے شک اللہ
بَصِيْرٌ ۝	تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے

(سورہ بقرہ آیت ۲۳۶، ۲۳۷)

تفسیر

ان آیات میں تین مسائل کا بیان ہے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ خاوند نے بیوی سے جماع بھی نہ کیا ہو اور مہر بھی مقرر نہ کیا ہو اور پہلے ہی کسی وجہ سے طلاق کی نوبت آجائے تو اس صورت میں خاوند پر مہر لازم نہیں ہے البتہ خاوند پر یہ لازم ہے کہ اپنی طرف سے عورت کو کچھ دے دے اس کی مقدار متعین نہیں کی مرد کی حیثیت کا لحاظ رکھا ہے اسے بھی یہ اختیار دے دیا جائے تو معمولی بات پر بھی مرد کو طلاق دے دے گی اس لیے یہ اختیار مرد کو دیا ہے اور آخر میں تعلیم دی ہے کہ آپس میں احسان اور عفو و کرم کا سلسلہ مت بھولو کیوں کہ تمام کاموں

ہیں اصلی مقصد تقویٰ ہے اور اس عفو و کرم سے سب سے زیادہ تقوٰے نصیب ہوتا ہے۔

مہر اور ہدیہ میں فرق اور اسکی حکمت

دل میں ایک شبہ سا پیدا ہوتا ہے کہ اس پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مہر تو واجب نہیں ہے لیکن مرد کو چاہیئے عورت کو کچھ نہ کچھ ضرور دے اور اس کو متاع سے تعبیر فرمایا ہے تو وہ بھی مال ہی ہے صرف نام کا فرق ہے آخر اس کی کیا وجہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مہر تو اس انتفاع کے معاوضہ کا نام ہے جو خاوند بوقت جماع بیوی سے اُٹھاتا ہے یعنی خاوند نے عورت کے جسم کا وہ مخصوص ٹکڑا خریدا ہے تاکہ اس سے وہ نفع اٹھائے اور یہاں وہ نفع تو اس نے اٹھایا ہی نہیں اس لیے مہر تو اس پر لازم نہیں قرار دیا جا سکتا اور اس خاوند نے اپنی بیوی کو طلاق دے کر اس کی دل شکنی کی ہے اور اس عورت کے ذریعہ دونوں برادریوں کے درمیان جو اخوت اور محبت پیدا ہونے والی تھی اس کو نفرت میں بدل دیا ہے اور یہ اس نے غلطی کی ہے اور خاوند کبھی بیوی کو طلاق دینے پر مجبور بھی ہوتا ہے اس لیے شارع نے اس کا یہ عذر قبول کرتے ہوئے مہر کا متبادل عطیہ اس پر لازم قرار دیا ہے تاکہ دونوں خاندانوں کے درمیان جو نفرت پیدا ہوئی تھی وہ دُور ہو جائے اور یہ عطیہ اس بات کا واضح ثبوت ہو گا کہ یہ طلاق کسی بہت بڑے معقول عذر کی بنا پر دی گئی ہے نہ کہ کسی ذاتی پرخاش کی وجہ سے اور پھر اس کو کوئی بُرا نہیں منائے گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک دوسرے کو ہدیہ دو تاکہ تمہاری آپس میں محبت پیدا ہو اور فرمایا ہے کہ امیر اپنی حیثیت

کے موافق دے اور غریب اپنی حیثیت کے موافق اور اس کا ادنیٰ درجہ ایک جوڑا کپڑے ہے زیادہ جتنی توفیق ہو دینا چاہیئے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک عورت سے شادی کی اور ایسی ہی صورت درپیش آئی تو آپ نے مطلقہ کو بیس ہزار کا عطیہ دیا تھا اور قاضی شریح نے بھی ایسے موقعہ پر پانسو درہم کا عطیہ دیا (معارف القرآن) اور آخر میں جو فرمایا ہے حقا علی المحسنین۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ عطیہ دینا واجب ہے اور دوسرا مسئلہ یہ بیان فرمایا ہے کہ خاوند بیوی کو اگر جماع سے پہلے طلاق دے اور مہر مقرر کیا ہوا ہو تو اس صورت میں خاوند نے بیوی کو نصف مہر دینا ہو گا مگر کہ عورت معاف کر دے یعنی نصف بھی نہ لے یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ اگر خاوند نے مہر ادا کیا ہوا نہیں ہے تو اسے چاہیئے کہ نصف ادا کر دے اور اگر سارا ادا کیا ہوا ہے تو خاوند کو حق پہنچتا ہے کہ آدھا عورت کو چھوڑ دے اور آدھا واپس لے لے اور بہتر یہ ہے کہ واپس نہ لے معاف کر دے اور تیسرا یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ نکاح بحال رکھنا یا توڑنا خاوند کے اختیار میں ہے عورت کے اختیار میں نہیں ہے کیونکہ آیت میں بیدہ عقدۃ النکاح آیا ہے اور اس کی تشریح خود جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے وَلِیُّ عُقْدَۃِ النِّکَاحِ الزوج) نکاح کی گرہ کا مالک خاوند ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مرد میں عورت کی نسبت تدبر زیادہ ہوتا ہے اور عورت میں کم ہوتا ہے۔ عورت جذباتی زیادہ ہوتی ہے۔

چیئرمین، خاوند، اگر بیوی، ارکان کونسل کو اپنے اُوپر حرام قرار دیدے تو اس کا حکم

اس عنوان کی تفصیل سمجھنے کے لیے ایک شرعی ضابطہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں اور انہیں جو شرائع اور کتابیں عطا فرمائی گئی ہیں ان میں یہ ضابطہ تھا کہ ہر وہ عبادت جس کی ادائیگی اور تعمیل انسان پر لازم نہیں ہے اس کی مرضی ہے ادا کرے نہ کرے ادا کرے گا تو ثواب ہوگا نہ کرے گا تو گناہ گار نہیں ہوگا لیکن اگر اس کی نیت کرے تو پھر اس کی تکمیل ضروری ہے۔ یہ ہی حکم تھا پہلے انبیاء علیہم السلام کی شرائع میں اور یہ ہی حکم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے لا تبطلوا اعمالکم اپنے اعمال ضائع مت کرو اور اسی طرح ان انبیاء علیہم السلام کی شرائع میں یہ حکم بھی تھا کہ اگر کوئی شخص کسی حلال چیز کے بارے میں کہہ دے کہ میں اسے نہیں کھاؤں گا تو اس کے لیے بھی یہ ضروری تھا کہ وہ اس چیز کو اب نہ کھائے یہ چیز اس کے لیے اب حرام سمجھی جاتی تھی جس طرح یعقوب علیہ السلام نے اونٹ کا گوشت اپنے اوپر حرام کیا تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا ہے جیسا کہ سورۃ تحریم میں پروردگار نے آپ کو ارشاد فرمایا ہے۔

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ	اے نبی کیوں حرام قرار دیتے
تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ	ہو اس چیز کو جو اللہ نے تیرے
اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ	لیے حلال کی ہے تم اپنی بیویوں

اَزْوَاجِكَ ط وَاللّٰهُ	کی خوشنودی چاہتے ہو اللہ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ قَدْ	بخشنے والا مہربان ہے فرض
فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ	کیا ہے اللہ نے تمہارے
تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ	لیے توڑنا تمہاری قسموں کا۔

(سورۃ تحریم آیت ۱-۲)

اس آیت کریمہ کی تشریح اور تفسیر سے پہلے اس کا شان نزول معلوم کرنا بھی ضروری ہے۔ مفسرین نے جو لکھا ہے اس کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کے لیے جو نوبت مقرر کی ہوئی تھی اس کے علاوہ بھی جب آپ گھر میں تشریف فرما ہوتے تھے تو نماز عصر کے بعد ان کے تمام گھروں میں ان کی دیکھ بھال اور خبر گیری کے لیے اور ان کی ضروریات وغیرہ دریافت کرنے کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ ایک روز حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس کچھ دیر لگی۔ آپ معمول سے زیادہ ان کے ہاں ٹھہرے انہوں نے آپ کو شہد پلایا۔ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس پر رشک آیا اور دونوں نے مل کر باہم مشورہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے جس کے گھر میں پہلے تشریف لائیں، تو عرض کریں گے کہ آپ نے مغافیر نوش فرمایا ہے۔ مغافیر ایک قسم کی گوند ہے جس میں کچھ بدبو ہوتی ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تو شہد پیا ہے تو اس بیوی نے کہا کہ شاید کوئی مکھی مغافیر کے درخت پر بیٹھی ہوگی اور اس کا رس چوسا ہوگا اس وجہ سے شہد میں بھی بدبو آنے لگی اور جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بدبودار چیزوں سے انتہائی

نفرت تھی اور آپ ایسی چیزوں سے پرہیز کیا کرتے تھے تو آپ نے قسم کھالی کہ میں پھر شہد نہیں پیؤں گا اس پر قرآن کریم کی آیات نازل ہوئی ہیں ان میں ایسی قسم توڑنے کا حکم ہے تو آپ نے اپنی قسم توڑی اور کفارہ میں ایک غلام آزاد کیا۔ یہ مضمون تفسیرِ عثمانی اور معارف القرآن سے مُلَخَصًا نقل کیا گیا ہے۔

آیت نمبر 1 کے شروع میں جو لفظ لِمَ تُحَرِّمُ آیا ہے یہ تحریم سے بنا ہے اس کے معنی کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر دینے کے آتے ہیں اسکی تین صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے اگر کوئی شخص کسی قطعی حلال شے کو عقیدۃً حرام قرار دے تو یہ کفر ہے کیونکہ تحلیل و تحریم صرف اللہ کا کام ہے بندے کا کام اس کی تعمیل کرنا ہے۔ تحلیل و تحریم کا اختیار پروردگار نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں دیا جیسا کہ اس آیت تحریمیہ سے ظاہر ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اگر عقیدۃً حرام نہ سمجھے لیکن بلا کسی ضرورت اور مصلحت کے قسم کھا کر وہ چیز اپنے اوپر حرام کرے تو یہ گناہ ہے۔ اس قسم کو توڑنا اور کفارہ ادا کرنا اس پر واجب ہے جس کی تفصیل انشاء اللہ العزیز عنقریب ہم بیان کریں گے اور اگر کوئی ضرورت اور مصلحت ہو تو جائز ہے مگر خلاف اولیٰ ہے اور تیسری صُورت یہ ہے کہ اس چیز کو نہ تو عقیدۃً حرام سمجھے اور نہ قسم اٹھا کر اپنے اوپر حرام قرار دے مگر عملاً اس کو ہمیشہ ترک کرنے کا پختہ عزم کرے۔ یہ عزم اگر اس نیت سے ہو کہ اسے باعث ثواب سمجھے تو یہ گناہ ہے اور بدعت ہے اور اگر اس ترک کو ثواب نہ سمجھے بلکہ اپنے کسی جسمانی یا رُوحانی نقصان کی بنا پر ترک کرتا ہے تو یہ

بلا کراہت جائز ہے ۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص اپنی منکوحہ کو کہتا ہے کہ تو مجھ پر حرام ہے تو اس کے اندر بھی یہ تین ہی صورتیں متصور ہونگی یعنی اگر وہ عقیدۃً حرام سمجھے تو وہ کافر اور مرتد ہو جائے گا اور وہ عورت اس سے جدا ہو جائے گی اور اگر وہ اسے عقیدۃً حرام نہ سمجھے بلکہ قسم اُٹھائے کہ خُدا کی قسم تو مجھ پر حرام ہے تو یہ ایلا ہے اس سے طلاق بائن پڑے گی اور اس کو قسم کا کفارہ دینا ہوگا اس کی تفصیل بحث ایلا میں گزر چکی ہے اور اگر وہ اپنی اس بیوی کو عقیدۃ بھی حرام نہ سمجھے اور قسم سے بھی اس کو حرام نہ قرار دے بلکہ عملاً پختہ ارادہ کرے کہ اب اپنی بیوی کے قریب ہمیشہ نہیں جاؤنگا تو ترکِ قربان اگر ثواب کی نیت سے ہے تو یہ گناہ کبیرہ ہے یہ بدعت ہے یہ رہبانیت اسلام میں نہیں ہے ۔ اس سے عورت کی حق تلفی ہوگی جو کبیرہ گناہ ہے مگر ایسے عزم سے عورت طلاق نہیں ہوگی اور اگر یہ ترکِ قربان کسی مصلحت کی وجہ سے ہے مثلاً کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے تو اس میں کوئی حرج نہیں البتہ اگر وہ بیماری مرد میں ہے جس کی وجہ سے مرد نے عورت کا قرب ترک کیا ہوا ہے اور اس کی اصلاح کی کوئی امید بھی نہیں ہے تو پھر عورت کو حق حاصل ہے کہ اس سے طلاق حاصل کرے اور اگر اسی حالت میں وہ عورت اس کے پاس رہنا چاہے تو بھی اسے اختیار حاصل ہے ۔ مندرجہ ذیل احادیثِ طیبہ سے بھی اس آیت کریمہ کی مزید توضیح اور تشریح معلوم ہوتی ہے انہیں بھی ملاحظہ فرمالیں ۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ	اور حضرت ابن عباس رضؓ سے
قَالَ فِی الْحَرَامِ	روایت ہے انہوں نے

يُكَفِّرُ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (متفق علیہ)

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْكُثُ عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَشَرِبَ عِنْدَهَا عَسَلًا تَوَاصَيْتُ اَنَا وَحَفْصَةُ اَنَّ اَيَّتَنَا دَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْتَقُلْ اِنِّيْ اَجِدُ مِنْكَ رِيْحَ مَغَافِيْرَ اَكَلْتَ مَغَافِيْرَ فَدَخَلَ عَلٰى اِحْدٰهُمَا فَقَالَتْ لَهٗ ذٰلِكَ فَقَالَ

حرام کے بارے میں فرمایا کفارہ دے البتہ تحقیق ہے تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہترین نمونہ ہیں (اس حدیث پر امام بخاری اور امام مسلم کا اتفاق ہے)

اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ بے شک جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم زینب بنت جحش کے پاس رک جاتے تھے اور وہاں شہد نوش فرماتے تھے تو میں اور حفصہ نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے گھر میں جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں تو اسے یوں کہنا چاہیئے کہ میں آپ کے منہ مبارک سے مغافیر کی بدبو پا رہی ہوں کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے۔ پس آپ ان دونوں میں سے ایک کے گھر میں تشریف لائے تو

لَا بَاسَ شَرِبْتُ	اس نے وہ بات کہی آپ سے
عَسَلًا عِنْدَ	تو آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں
زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ	میں نے زینب بنت جحش
فَلَنْ أَعُوْدَ لَهُ	کے پاس شہد پیا ہے پس
وَقَدْ حَلَفْتُ	آئندہ ہرگز نہ پیوں گا اور میں
لَا تُخْبِرِيْ بِذٰلِكَ	نے قسم کھالی ہے تو کسی کو
أَحَدًا يَبْتَغِيْ مَرْضَاةَ	اس کی خبر نہ دینا آپ اپنی بیویوں
أَزْوَاجِهٖ فَنَزَلَتْ	کی خوشنودی چاہتے تھے تو
يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ	نازل ہوئی آیت اے نبی کیوں
لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ	حرام قرار دیتے ہو وہ چیز جو
اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ	اللہ نے تیرے لیے حلال
مَرْضَاةَ أَزْوَاجِكَ	کی تم اپنی بیویوں کی خوشی چاہتے ہو۔

(یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ کتاب الطلاق سے منقول ہیں)

آپ کی بیویوں نے یہ منصوبہ حضورؐ کے ساتھ فرطِ محبت کی وجہ سے بنایا نہ کہ حضرت زینب کے ساتھ عداوت کی۔

چیئرمین خاوند اگر اپنی بیوی (ارکان کونسل) کو اپنی محارم سے تشبیہہ دیدے تو اس کا حکم

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ	یقیناً اللہ نے اس بی بی کی بات
الَّتِيْ تُجَادِلُكَ	سُن لی ہے جو تجھ سے اپنے
فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ	خاوند کے بارے میں جھگڑتی
إِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ	تھی اور اللہ کی جناب میں

يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ط	ہیں شکایت کر رہی تھی اور اللہ
اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ۝	تم دونوں کے سوال جواب
اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ	کو سن رہا تھا یقیناً اللہ سننے
مِنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ	والا دیکھنے والا ہے اور جو
اُمَّهٰتِهِمْ ط اِنْ	لوگ تم میں سے اپنی بیویوں
اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓئِىْ	کو اپنی ماں کی پیٹھ سے تشبیہہ
وَلَدْنَهُمْ ط وَاِنَّهُمْ	دیتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں
لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا	ہیں یقیناً ان کی مائیں وہی ہیں
مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ط	جنہوں نے ان کو جنا ہے
وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ	اور بے شک وہ لوگ بری
غَفُوْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ	بات اور جھوٹ کہتے ہیں
يُظٰهِرُوْنَ مِنْ	اور یقیناً اللہ درگزر کرنے
نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ	والا معاف کرنے والا ہے
يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا	اور جو لوگ اپنی بیویوں کو اپنی
فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ	ماؤں کی پیٹھ سے تشبیہہ دیتے
مِّنْ قَبْلِ اَنْ	ہیں پھر اپنے مقولہ وہ واپس
يَّتَمَآسَّا ط ذٰلِكُمْ	کریں تو ان پر ایک غلام آزاد
تُوْعَظُوْنَ بِهٖ	کرنا ہے صحبت سے پہلے
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ	اس سے تمہیں نصیحت کی
خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ	جائے گی اور اللہ تمہارے
لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ	اعمال سے اچھی طرح باخبر ہے

شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ | اور جسے وہ نہ ملے تو اس پر
مِنْ قَبْلِ اَنْ | لگاتار دو ماہ کے روزے
يَّتَمَاسَّا ط فَمَنْ | ہیں صحبت سے پہلے پس
لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ | جو اس کی طاقت بھی نہ رکھے
سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ط | تو اس پر ساٹھ مساکین کو کھانا
ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا | کھلانا ہے یہ اس لیے تاکہ
بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ط | تم اللہ اور اس کے رسول
وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ط | پر یقین کر لو اور یہ اللہ کی حدود
وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ | ہیں اور کافروں کے لیے
اَلِيْمٌ ۝ (سورہ مجادلہ آیت ا تا ۴) | دردناک عذاب ہے۔

شانِ نزول

ان آیات کی تفسیر اور تفصیل سمجھنے کے لیے سب سے پہلے ان کا شانِ نزول سمجھنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے جناب رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے دورِ جاہلیت میں لوگوں نے اپنے پاس سے یہ دستور مقرر کیا ہوا تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کہہ دیتا کہ تو میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے تو اس عورت کو اس کے لیے ہمیشہ ہمیشہ حرام سمجھتے تھے اور پھر ان کے ملنے کے لیے کوئی صورت نہیں تھی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک واقعہ درپیش آیا آپ کے ایک صحابی اوس بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئی اور اس نے اپنے خاوند کے متعلق ذکر کیا کہ

اس نے مجھے اس طرح کہا ہے کہ انت علی کظہر امی کہ تو مجھ پر اس طرح ہے جس طرح میری ماں کی پیٹھ تو اس کے جواب میں جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں مجھ پہ کوئی وحی تو اتاری نہیں گئی اور میں تو یہ سمجھتا ہوں تو اب اس کے لیے حلال نہیں ہے وہ رونے لگی یا رسول اللہ میرا گھر ویران ہو گا میرے بچے پریشان ہوں گے اور کبھی جھگڑتی یارسول اللہ میرے خاوند نے تو لفظ استعمال ہی نہیں کیا میں کس طرح اس کے لیے حرام ہو گئی ہوں اور کبھی اللہ کے دربار میں فریاد کرتی اپنے نبی کی زبان پر میری یہ مشکل حل فرما دے چنانچہ اللہ تعالےٰ نے اس کی یہ فریاد سنی اور جبریل امین وحی لے کر حاضر ہوئے۔ ان آیات میں سب سے پہلے اس کی دُعا کی قبولیت کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی دُعا سُن لی ہے اور قبول کر لی ہے جو آپ سے اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جھگڑ رہی تھی اور اللہ کے حضور شکایت کر رہی تھی اس کے بعد ظہار کے مسائل بیان فرمائے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں جو لفظ یُظٰهِرُوْنَ آیا ہے یہ ظہار سے بنا ہے۔ ظہار کے معنے اپنی بیوی کو ماں بہن وغیرہ کے کسی ایسے عضو سے تشبیہہ دینا ہے جس کی طرف دیکھنا اس کو منع ہے مثلاً پیٹھ پیٹ وغیرہ اس کا حکم یہ ہے کہ اس طرح کہنے سے وہ عورت اس کی ماں یا بہن تو نہیں بن جاتی طلاق بھی نہیں ہوتی مگر چونکہ اس مرد نے یہ جھوٹ کہا ہے اور اس نے اس طرح کہہ کر اپنی محارم کی توہین کی ہے لہٰذا اس کی یہ سزا رکھی ہے کہ وہ اب اس بیوی کے قریب نہ جائے جب تک کہ وہ یہ سزا نہ بھگتنے اور وہ تین چیزیں ہیں ان میں سے ایک چیز ضرور اپنانا ہے اوّل یہ ہے کہ غلام آزاد کرے اگر وہ نہیں تو دو ماہ مسلسل روزے رکھے

اور اگر اس کی طاقت نہیں تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے اور جب تک یہ سزا نہ بھگتے وہ بیوی سے صحبت اور بوس وکنار نہ کرے اگر کوئی ایسا کرے گا توگناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوگا لیکن اس کے لیے اور نیا کفارہ نہیں ہے صرف پہلا ہی کفارہ ہے اسے استغفار کرنا چاہیئے اور یہ کفارہ اس صورت میں ہے جب اس نے بیوی کو تشبیہ دیتے وقت ظہار کی نیت کی ہو یعنی یوں کہے کہ تو مجھ پر اس طرح حرام ہے جس طرح میری ماں کی پیٹھ وغیرہ اور اگر اس کی نیت طلاق کی ہو تو اس سے طلاق بائن پڑتی ہے اور اگر اسکی نیت کسی چیز کی نہ ہو ویسے ہی یہ لفظ کہہ دیا ہو تو نہ طلاق ہے اور نہ ظہار کچھ بھی نہیں اور پھر کفارہ وغیرہ بھی کچھ نہیں چنانچہ آنے والی احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ	اور حضرت ابی سلمہ سے روایت ۔
اَنَّ سَلْمَانَ بْنِ صَخْرٍ	ہے کہ بے شک سلمان بن صخر
وَ یُقَالُ لَہٗ سَلَمَۃُ	(جسے سلمہ بن صخر بیاضی بھی کہا
بْنِ صَخْرِ الْبَیَاضِیْ	جاتا ہے) نے اپنی بیوی کو
جَعَلَ اِمْرَاَتَہٗ عَلَیْہِ	اپنے اوپر اپنی ماں کی پیٹھ
کَظَہْرِ اُمِّہٖ حَتّٰی	کی طرح قرار دیا ماہ رمضان گزرنے
یَمْضِیَ رَمَضَانُ فَلَمَّا	تک پس جب آدھا ماہِ رمضان
مَضٰی نِصْفٌ مِنْ	گزر گیا تو رات کے وقت اس
رَمَضَانَ وَقَعَ عَلَیْہَا	سے ہمبستر ہو گیا پھر رسول اللہ
لَیْلًا فَاَتٰی رَسُوْلُ	صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ	آیا اور آپ سے اس کا ذکر

وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَالِكَ لَهٗ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْتِقْ رَقَبَةً قَالَ لَا اَجِدُهَا قَالَ فَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا اَسْتَطِيْعُ قَالَ اَطْعِمْ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا قَالَ لَا اَجِدُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِفَرْوَةَ ابْنِ عَمْرٍو وَاَعْطِهٖ ذَالِكَ الْعَرَقَ وَهُوَ مِكْتَلٌ يَاْخُذُ خَمْسَةَ عَشَرَ صَاعًا اَوْ سِتَّةَ عَشَرَ صَاعًا لِيُطْعِمْ مِسْكِيْنًا۔

(رواہ الترمذی)

کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے اسے فرمایا کہ تو غلام آزاد کر اس نے کہا کہ میرے پاس غلام نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا دو ماہ مسلسل روزے رکھ اس نے کہا اس کی طاقت نہیں ہے آپ نے فرمایا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلا اس نے کہا میرے پاس نہیں ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عروہ ابن عمر سے فرمایا اسے وہ کھجوروں کا تھیلا دے دو (اور وہ ایک ماپ ہے جس میں پندرہ یا سولہ سیر کھجوریں سماتی ہیں) تاکہ مساکین کو کھلائے

(یہ حدیث ترمذی نے نقل کی ہے)

تفسیر

یہ حدیث پاک پہلی آیات کی تشریح ہے اور اس سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ کوئی شخص اگر اپنی بیوی سے ظہار کرے تو وہ اس کے

لیے ہمیشہ ہمیشہ حرام نہیں ہو جاتی بلکہ اس کی حرمت موقت ہے اور وہ یہ ہے کہ جب تک کفارہ ادا نہ کرے اس سے ہمبستر نہیں ہو سکتا اور کفارہ یہ ہے کہ یا تو غلام آزاد کرے اگر نہ ہو تو دو ماہ مسلسل روزہ رکھے اور اگر اس کی طاقت بھی نہ ہو تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے اور دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے اگر میاں بیوی سے ہمبستر ہو جائے تو اس پر دو کفارے نہیں ہیں بلکہ صرف وہی کفارہ ہے البتہ یہ گناہ کبیرہ ہے اسسے توبہ کرنا چاہیئے اور تیسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اگر آدمی غریب ہو تو اس کی غربت کی وجہ سے کفارہ ساقط نہیں ہوتا دوسرے مسلمانوں کو چاہیئے کہ کفارہ ادا کرنے میں اس کا تعاون کریں۔ اگر پبلک میں سے اسکا تعاون کوئی نہ کرے تو وقتی حکومت کو اس کا تعاون کرنا چاہیئے اور ان کا یہ تعاون صدقہ ہوگا۔

وَعَنْ سُلَيْمَانَ ابْنِ يَسَارٍ عَنْ سَلَمَةَ ابْنِ صَخْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمُظَاهِرِ يُوَاقِعُ قَبْلَ اَنْ يُّكَفِّرَ قَالَ كَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ	اور حضرت سلیمان بن یسار سے روایت ہے انہوں نے نقل کیا سلمہ بن صخر سے انہوں نے جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے ظہار کرنے والے کے لیے جو کفارہ سے پہلے اپنی بیوی سے ہمبستر ہو سوال کیا آپ نے فرمایا ایک کفارہ ہے۔
(رواہ الترمذی)	
وَعَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ	اور حضرت عکرمہ سے روایت

اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ	ہے انہوں نے روایت کی
رَجُلاً ظَاھَرَ	ہے ابن عباس سے کہ بیشک
مِنْ اِمْرَاَتِہٖ فَغَشِیَھَا	ایک آدمی نے ظہار کیا اپنی
قَبْلَ اَنْ یُّکَفِّرَ	بیوی سے پھر اس سے ہمبستر
فَاَتَی النَّبِیَّ صَلَّی	ہوا کفارہ ادا کرنے سے پہلے
اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	پھر آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے
فَذَکَرَ ذَالِکَ لَہٗ	پاس پھر ذکر کیا اس نے اس کا
فَقَالَ مَا حَمَلَکَ	پس فرمایا آپ نے کس نے
عَلٰی ذَالِکَ قَالَ	اُکسایا تجھے اس پر اس نے کہا
یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ	یا رسول اللہ کہ میں نے چاندنی
رَأَیْتُ بَیَاضَ	رات میں اس کے دونوں
حِجْلَیْھَا فِی الْقَمَرِ	جُوتوں کی سفیدی دیکھی پھر
فَلَمْ اَمْلِکْ نَفْسِیْ	میں اپنے نفس پر کنٹرول نہ
اَنْ وَقَعْتُ عَلَیْھَا	کر سکا کہ اس سے ہمبستر ہو گیا
فَضَحِکَ رَسُوْلُ	پس ہنس پڑے رسول اللہ صلی
اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ	اللہ علیہ وسلم اور اسے حکم دیا
وَسَلَّمَ وَاَمَرَہٗ	کہ اس کے قریب نہ جائے
اَنْ لَّا یَقْتَرِبَھَا	یہاں تک کہ کفارہ نہ ادا کرے
حَتّٰی یُکَفِّرَ	(یہ حدیث ابن ماجہ نے نقل کی ہے)

(یہ تینوں احادیث مشکوٰۃ کتاب الطلاق سے منقول ہیں)

رکنیت معطل ہونے کے بعد مطلقہ عورت سابق چیئرمین (خاوند) کی عدت گذارے گی
اور اس دوران اسی کے گھر میں رہے گی اسکے بعد کسی اور کونسل کی رکن بن سکتی ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا	اے نبی جب تم عورتوں کو
طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ	طلاق دو توان کی عدت کے
فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ	موقع پر طلاق دو اور عدت
وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ج	گنتے رہو اور اللہ سے ڈرتے
وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ج	رہو جو تمہارا رب ہے نہ تم
لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ	ان کو گھروں سے نکالو اور نہ
بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ	وہ خود نکلیں مگر جب کھلم کھلا
اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ط	کوئی بے حیائی کا کام کریں اور
وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ	یہ اللہ کی حدیں ہیں اور اللہ
وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ	کی حدوں سے جو بڑھا تو اس
اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ	نے اپنے نفس پر ظلم کیا آپ
نَفْسَهٗ ط لَا تَدْرِيْ	کو کیا معلوم شاید اللہ اس کے
لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ	بعد کوئی نئی بات پیدا کر دے
بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا	پس جب وہ اپنی عدت کو
فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ	پہنچ جائیں تو انہیں دستور سے
فَاَمْسِكُوْهُنَّ	رکھو یا انہیں دستور سے چھوڑ
بِمَعْرُوْفٍ اَوْ	دو۔ اور دو معتبر آدمی اپنے
فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ	میں سے گواہ کر لو اور اللہ کے
وَاَشْهِدُوْا ذَوَيْ	لیے گواہی پوری دو۔ یہ نصیحت

عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ وَاَقِيۡمُوا
الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمۡ
يُوۡعَظُ بِهٖ مَنۡ كَانَ
يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ
الۡاٰخِرِ ؕ وَمَنۡ يَّتَّقِ
اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا
وَّيَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ
لَا يَحۡتَسِبُ ؕ وَمَنۡ
يَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ
حَسۡبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ
اَمۡرِهٖ ؕ قَدۡ جَعَلَ
اللّٰهُ لِكُلِّ شَىۡءٍ قَدۡرًا ۝

(سورۃ طلاق آیت ۱-۲-۳

کی باتیں انہیں سمجھائی جاتی ہیں
جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے
ہیں اور جو اللہ سے ڈرتا ہے
اللہ اس کی لیے نجات کی صورت
نکال دیتا ہے اور اسے رزق
دیتا ہے جہاں سے گمان بھی نہ
ہو اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے
سو وہی اس کو کافی ہے بیشک
اللہ اپنا حکم پورا کرنے والا ہے
بے شک اللہ نے ہر چیز کے
لیے ایک انداز مقرر کر دیا ہے۔

ربط

اس سے پہلے ضوابط طلاق کا بیان گزرا ہے جن کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ کوشش یہ کی گئی ہے کہ خاوند بیوی کو طلاق نہ دے کیونکہ یہ فعل اللہ کے نزدیک پسندیدہ نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اَبۡغَضُ الۡحَلَالِ اِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ ۔ تمام حلال کاموں میں سے ناپسند کام اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔ اور اگر بامر مجبوری دینا ہی ہو تو اس کا طریقہ کار یہ رکھا ہے کہ پاکی کے زمانہ میں ایک طلاق دے اس کے بعد جب ایام ماہواری گزر

جائیں اور پاکی کا دوسرا دور آئے تو پھر ایک اور طلاق دے دے ۔ پہلی طلاق کے بعد یا دوسری طلاق کے بعد پاکی کے دو دن کے اندر اندر میاں بیوی اگر صلح کرنا چاہیں تو بلا نکاح صلح کر سکتے ہیں اور اگر پاکی کا دوسرا دور گزر جائے پھر بھی اگر صلح کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں اس میں حلالہ کی ضرورت نہیں اور دوسری طلاق کے بعد اگر تیسری طلاق بھی دے دے تو پھر سوائے حلالہ کے صلح کی اجازت نہیں اور یہ ضوابط اس لیے رکھے ہیں تاکہ میاں بیوی باہم مل کر رہنا چاہیں تو مل سکیں اور تین طلاق کے بعد صلح کی اجازت نہیں تاکہ عورت بازیچۂ اطفال نہ بنے کیونکہ یہ اس کے شرف کے منافی ہے کہ جب چاہیں طلاق دیں اور جب چاہیں رکھ لیں جیسا کہ دورِ جاہلیت میں ہوتا تھا کہ عورت کو سو دفعہ طلاق دے کر بھی رکھ لیتے تھے ۔ اسلام نے اس طرح عورت کی توہین و تذلیل کی اجازت نہیں دی ۔ بہرحال طلاق کی صورت میں ضابطہ یہ ہے کہ عورت کو فوراً کسی اور مرد سے نکاح کی اجازت نہیں بلکہ اس کے لیے ایک عرصہ رکھا ہے شریعت کی اصطلاح میں اس کو عدت کہتے ہیں جس کی تفصیل ان آیات میں اور بعد والی آیات میں آ رہی ہے

تفسیر

ان آیات میں بارہ چیزوں کا بیان ہے ۔ پہلی چیز یہ ہے اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت پر طلاق دو اس کی تشریح عنقریب انشاء اللہ العزیز بیان ہوگی اور دوسری چیز یہ ہے کہ عدت کو شمار کرتے رہو اور تیسری یہ چیز ہے کہ ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے ۔ یہ قرآن کریم کا طریقہ ہے کہ مکی سورتوں میں عقیدہ توحید،

قیامت اور رسالت کی تعلیم دی ہے اور مدنی سورتوں میں احکام کے ساتھ ساتھ عقیدہ اور قیامت کی طرف اشارہ ہوتا ہے جیسا کہ یہاں فرمایا ہے اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے یعنی اگر تم اس مذکورہ حکم کی خلاف ورزی کرو گے تو وہ تمہیں سخت سزا دے گا اور اس کی طاقت کا اندازہ یوں لگالو کہ تمہاری تخلیق حیات و بقا اور آب و دانہ اس کے ہاتھ میں ہے اس سے بچ کر تم کہاں جاؤ گے اور چوتھی چیز یہ ہے کہ جب تم عورتوں کو طلاق دے دو تو فوراً ان کو اپنے گھروں سے نہ نکالو اور وہ خود بھی نہ نکلیں جب تک کہ عدت مکمل نہ ہو جائے یعنی اس گھر میں اب رہنا صرف ان کا اپنا حق نہیں ہے کہ از سر خود چھوڑ دیں بلکہ یہ اللہ کا حق ہے یہ اس کو معاف نہیں کرسکتی اور نہ خاوند اس کو نکال سکتا ہے اور اس دوران کا نفقہ بھی خاوند پر لازم ہے اگر عورت حاملہ ہو اس نے اس گھر کو بے حیائی کا اڈا بنا لیا ہو یا مرد کے گھر کا سامان چوری کرتی ہو یا بدزبانی وغیرہ کرتی ہو تو ان صورتوں میں مرد اس کو گھر سے نکال سکتا ہے اور اگر وہ گھر سے از سر خود نکلے گی تو یہ صریح بے حیائی کا کام ہوگا اور پانچواں انتباہ یہ ہے اور اس کو ان الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

تلک حدود اللہ یہ اللہ کی حدیں ہیں اور تلک سے اشارہ ضابطہ طلاق کی خلاف ورزی کی طرف ہے یعنی حالت حیض میں طلاق دینا۔ عدت کو شمار نہ کرنا، مطلقہ کو اپنے گھر سے نکالنا یا از سر خود اس کا اس گھر سے نکلنا اور اس گھر میں بے حیائی وغیرہ کا ارتکاب کرنا مراد ہے اور ان ضوابط کو حدود اللہ اس لیے فرمایا ہے کہ یہ صرف حق عبد ہی نہیں بلکہ اللہ کا بھی حق ہے اور کسی ملک کی سرحد کو خلاف قانون عبور کرنے سے انسان جس طرح مستحق سزا کا ہوتا ہے اور یہ اپنے کیے کی سزا پاتا ہے اور پھر ایسا مجرم خود

اپنے قصور کا اعتراف کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے
کہ میری ان حدود کی جو خلاف ورزی کرے گا وہ اپنے کیئے کی سزا خود پائیگا
اور پھر اسے یہ ماننا پڑے گا کہ میں نے یہ ظلم کر کے خود غلطی کی ہے اور
چھٹی چیز یہ ہے کہ لَا تَدْرِىْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَالِكَ
اَمْرًا۔ تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دیں گے
یعنی مرد کو یہ حکم دیا ہے کہ اپنی مطلقہ عورت کو گھر سے مت نکالو اور وہ
خود بھی نہ نکلے اس کی حکمت کیا ہے فرمایا اس کی حکمت یہ ہے کہ شائد
اس کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی نئی بات پیدا کرے یعنی شاید کہ میاں
بیوی آپس میں رجُوع کر لیں اور ساتویں چیز یہ بیان فرمائی ہے کہ جب وہ
مطلقہ عورتیں اپنی مقررہ عدت کو پہنچ جائیں تو پھر خاوندوں کو دو اختیار
دیتے ہیں ایک یہ ہے کہ اگر تم اپنی مطلقہ بیوی کو رکھنا چاہو تو رکھ سکتے
ہو مگر دستور کے موافق رکھنا ہو گا یعنی ان کا نفقہ وغیرہ سابقہ دستور
کے موافق رکھنا ہو گا یعنی ان کا نفقہ وغیرہ سابقہ دستور کے موافق دینا
ہو گا اور اگر انہیں چھوڑنا چاہو تو چھوڑ سکتے ہو مگر دستور کے موافق یعنی
ان کا مہر وغیرہ ادا کریں اور آٹھویں چیز یہ بیان فرمائی کہ اگر تم اپنی مطلقہ بیویوں
سے رجُوع کرنا چاہو یا انہیں جدا کرنا چاہو تو دونوں صورتوں میں دو معتبر
آدمی گواہ مقرر کر لو اور نویں چیز یہ بیان فرمائی کہ جب گواہی کی ضرورت
پڑے تو گواہی صرف اللہ کی رضا کے لیے دینا ہے عصبیت سے کام
نہیں لینا اور دسویں چیز یہ بیان کی کہ یہ نصیحت کی باتیں ان کے لیے ہیں
جو اللہ اور آخرت کے دن کو مانیں اور جو نہ مانیں وہ ان احکامات کا
مخاطب ہی نہیں ہے اور گیارھویں چیز یہ بیان فرمائی کہ جو بھی شخص تقوےٰ

کے دائرہ میں رہ کر کام کرے گا خواہ یہ میاں بیوی ہوں یا کوئی اور ہو، تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کے لیے الجھنوں سے نکلنے کی صورت نکالیں گے یعنی میاں بیوی کو طلاق دے دے گا تو دونوں پریشانی سے دو چار ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے دونوں کو نصیحت فرمائی ہے کہ تم تقویٰ اور دیانت کا دامن نہ چھوڑنا۔ تمہاری تمام پریشانی میں دور کر دوں گا اور ایسی جگہ سے روزی مہیا کروں گا جہاں سے اس کا تمہیں گمان بھی نہیں ہوگا اور آخر میں میاں بیوی کو تعلیم دی ہے کہ صرف اللہ پر بھروسہ کرو۔ اس پر جو بھروسہ کرے گا وہ اس کے لیے کافی ہے کسی اور چوکھٹ پر اس کو سر جھکانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جو وعدہ فرماتے ہیں اسے ضرور پورا کر کے چھوڑتے ہیں اور بارھویں چیز یہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالےٰ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کیا ہوا ہے۔ اس کا ایک مقصد یہ ہے میاں بیوی کے درمیان جو جوڑ تھا وہ یہیں تک تھا اس کے آگے تقدیراً اس کا جوڑ ہی نہیں ہے اس لیے اس طلاق کی وجہ سے ان میں سے کسی کو کبیدہ خاطر نہیں ہونا چاہیئے اور دوسرا مقصد اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے متقین کے ساتھ جو عہد فرمایا ہے کہ بے گمان ان کی ضروریات کی کفالت فرمائیگا اس میں اگر تاخیر ہو جائے تو انہیں گھبرانا نہیں چاہیئے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے انسان کی اصلاح کے لیے غربت اور افلاس کا بھی ایک وقت مقرر کیا ہوا ہے اور غنی کا بھی ایک وقت مقرر کیا ہوا ہے اور ہر مقرر چیز اپنے وقت پر ضرور پہنچے گی۔

بُوڑھی عورت اور نابالغہ کی عِدّت تین ماہ اور حاملہ کی وضع حمل ہے

وَالّٰئِیْ یَئِسْنَ مِنَ	اور تمہاری عورتوں میں سے جن
الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَائِکُمْ	کو حیض کی امید نہیں رہی اگر
اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُھُنَّ	تمہیں شک ہو تو ان کی عدت
ثَلٰثَۃُ اَشْھُرٍ وَّالّٰئِیْ	تین مہینے ہے اور ان کی بھی
لَمْ یَحِضْنَ ط وَاُولَاتُ	جنہیں ابھی حیض نہیں آیا اور
الْاَحْمَالِ اَجَلُھُنَّ	حمل والیوں کی عدت ان کے
اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَھُنَّ ط	بچہ جلنے تک ہے اور جو اللہ
وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ	سے ڈرتا ہے وہ اس کے
یَجْعَلْ لَّہٗ مِنْ اَمْرِہٖ	کام آسان کر دیتا ہے۔ یہ اللہ
یُسْرًا ○ ذٰلِكَ	کا حکم ہے جو اس نے تمہاری
اَمْرُ اللّٰہِ اَنْزَلَہٗ اِلَیْکُمْ	طرف اتارا ہے اور جو اللہ
وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یُکَفِّرْ	سے ڈرتا ہے وہ اس سے
عَنْہُ سَیِّاٰتِہٖ	اس کی برائیاں دور کرتا ہے
وَیُعْظِمْ لَہٗ اَجْرًا ○	اور اس سے بڑا اجر بھی دیتا ہے۔

(سورۃ طلاق آیت ۴-۵)

ان آیتوں میں سات چیزوں کا بیان ہے پہلی چیز جو عورتیں حیض سے ناامید ہو چکی ہیں۔ ان کی عدت تین مہینے ہے اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ ہے کہ اس کی عمر زیادہ ہو گئی ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ کسی

بیماری کی وجہ سے اسے حیض آنا بند ہو گیا ہو۔ ان دونوں صورتوں میں اس کی عدت تین مہینے ہے۔ یہ دونوں صورتیں وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ الآیۃ میں آ گئی ہیں اور اسی طرح وہ لڑکی جس کا چھوٹی عمر میں نکاح ہوا ہو اور ابھی وہ نابالغہ ہی ہو اور اسے حیض نہ آتا ہو اور طلاق مل جائے تو اسکی عدت بھی تین مہینے ہے۔ یہ صورت وَالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ میں آ گئی ہے اور حاملہ کی عدت وضع حمل (ولادت) ہے یہ صورت واولات الاحمال الایۃ میں آ گئی ہے اور یہ عام ہے کہ وہ عورت مطلقہ ہو یا بیوہ دونوں صورتوں میں اس کی عدت وضع حمل ہی ہے۔ ذالک امر اللّٰہ انزلہ الیکم لگا کر بتا دیا کہ عدت کے یہ احکامات اللہ تبارک و تعالیٰ نے تم پر اتارے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے یہ احکامات تجویز نہیں کئے اور آگے تقویٰ کی برکات بیان فرمائی ہیں یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اس کے ان احکامات کی پیروی کرے گا اللہ تعالیٰ کے اس کے ساتھ تین وعدے ہیں۔ پہلا وعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے تمام کام آسان کر دے گا اور اس طلاق کی وجہ سے درپیش آنے والی مشکلات کو دور فرما دے گا۔ دوسرا وعدہ یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دیں گے اور تیسرا وعدہ یہ فرمایا کہ اس پیروی کی وجہ سے بہت اجر بھی دیں گے۔

اَسْکِنُوْھُنَّ مِنْ حَیْثُ	اور ان عورتوں کو وہیں رکھو
سَکَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِکُمْ	جہاں تم خود اپنے مقدور کے
وَلَا تُضَآرُّوْھُنَّ	موافق رہتے ہو اور انہیں ایذا
لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْھِنَّ ط	مت دو تاکہ انہیں تنگ کرو

وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ	اور اگر وہ حمل والیاں ہوں تو
فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ	ان پر خرچ بھی کرو جب تک
حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ	کہ وضع حمل نہ کریں پھر اگر وہ
فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ	تمہاری خاطر دودھ پلائیں تو
فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ	ان کو ان کی اُجرت دو اور آپس
وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ	میں دستور کے موافق مشورہ
بِمَعْرُوْفٍ وَاِنْ	کر لو اور اگر تم آپس میں تنگی
تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ	کرو تو اس کے لیے کوئی دُوسری
لَهٗٓ اُخْرٰى ۝ لِيُنْفِقْ	عورت دُودھ پلائے گی۔
ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ	مقدور والا اپنے مقدور کے
سَعَتِهٖ وَمَنْ	موافق خرچ کرے اور تنگدست
قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ	ہو تو جو کچھ اللہ نے اسے
فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ	دیا ہے اس میں سے خرچ
اٰتٰىهُ اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ	کرے اللہ کسی پر بوجھ نہیں ڈالتا
اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ	مگر اسی قدر جو اسے دے
اٰتٰىهَا سَيَجْعَلُ اللّٰهُ	رکھا ہے عنقریب اللہ تنگی
بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝	کے بعد آسانی کر دے گا۔

(سورہ طلاق آیت ۶-۷)

تفسیر

ان آیات میں سات چیزوں کا بیان ہے پہلی چیز یہ ہے کہ ہر مطلقہ

عدت کے ایام خاوند کے گھر میں گزارے گی خواہ مطلقہ رجعیہ ہو یا بائنہ یا مغلظہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ اور دوسری چیز یہ ہے کہ ان دنوں کا ان کا خرچ نان نفقہ وغیرہ بھی اس خاوند ہی کے ذمہ ہے۔ حاملہ کے بارے میں تو اس آیت میں صراحتہً آگیا ہے کہ اَنْفِقُوْا عَلَیْهِنَّ حَتّٰی یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ خرچ کرو ان پر یہاں تک کہ ان کا وضع حمل نہ ہو اور غیر حاملہ کے نفقہ کی صراحت تو موجود نہیں لیکن اشارۃً اور ضمناً معلوم ہوتا ہے کہ مطلقہ غیر حاملہ خواہ رجعیہ ہو بائنہ ہو یا مغلظہ ان تینوں کا نفقہ وغیرہ بھی خاوند کے ذمہ لازم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب ان کی رہائش خاوند کے ذمہ لازم رکھی ہے تو نفقہ کی ذمہ داری اشارۃً خود بخود معلوم ہو جاتی ہے کیونکہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ۔ ان عورتوں کو وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو اپنے مقدور کے موافق اور انہیں ایذا مت دو تاکہ ان پر تنگی کرو اور سب سے بڑی ایذا اور تنگی یہی ہے کہ انہیں خرچ نہ دیا جائے اب رہا یہ سوال کہ حاملہ کے نفقہ کی تصریح کیوں بیان فرمائی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مدت حمل کبھی طویل بھی ہو جاتی ہے اس لیے وضاحت فرما دی کہ جب تک وہ حاملہ جس کا نفقہ خاوند پر لازم ہے واللہ اعلم۔ اور تیسری چیز یہ بیان فرمائی کہ ولادت کے بعد اگر وہ ماں اپنے بچے یا بچی کو دودھ پلانا چاہے تو خاوند کے ذمہ لازم ہے کہ اس عورت کو دودھ پلانے کی مزدوری دے اور چوتھی چیز یہ بیان فرمائی کہ اس سلسلہ میں میاں اور بیوی کو باہم مشورہ کرنا چاہیے ضد اور ہٹ دھرمی سے کام نہیں لینا چاہیئے کیونکہ اولاد دونوں کی مشترکہ

ہے اس سلسلہ میں وہی کام کریں جو اولاد کے لیے مفید ہو اور ایسا قدم ہرگز نہ اُٹھائیں جو ان کے لیے نقصان دہ ثابت ہو اور پانچویں جزیہ بیان فرمائی کہ اگر میاں بیوی باہم تنگ ظرفی سے کام لیں تو پھر اس نومولود کو کسی اور عورت سے دُودھ پلوا دینا چاہیئے یعنی اگر خاوند کو بیوی پر اعتماد نہیں کہ وہ نومولود کی اچھی طرح نگہداشت کر سکے گی یا اس عورت نے اور شوہر کر لیا ہے اور وہ اجازت نہیں دیتا یا وہ عورت خرچ زیادہ مانگتی ہے اور خاوند اس کی استطاعت نہیں رکھتا تو ان صورتوں میں خاوند کو اجازت ہے کہ کسی اور عورت سے دُودھ پلوائے اور اگر یہ صورتیں درپیش نہیں ہیں تو پھر خاوند کے لیے قطعاً جائز نہیں ہے کہ بچے کی ماں کو چھوڑ کر کسی اور عورت سے دُودھ پلوائے چنانچہ سورۃ بقرہ میں یہ آیت گزر چکی ہے کہ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا نہ ضرر دیا جائے ماں کو بوجہ اس کے بچے کے اور بلا کسی وجہ کے بچہ ماں سے چھین لینا یہ اس کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہے اور چھٹی جزیہ بیان فرمائی کہ کسی اور عورت سے دودھ پلانے کی صورت میں باپ کو چاہیئے کہ مقدور بھر اس عورت کے اخراجات بھی برداشت کرے کیونکہ غیر کے بچے کو وہی عورت دودھ پلائے گی جو معاشی پریشانیوں سے دوچار ہو گی۔ اگر باپ اس کی پریشانیوں کو رفع نہیں کرے گا تو یہ بچے کی نگہداشت اور تربیت کی طرف پوری توجہ نہیں دے سکے گی نیز اگر اس کی خوراک اچھی ہو گی تو اس کا دُودھ بھی اچھا ہو گا بچے کی طبیعت پر اچھا اثر پڑے گا اور اگر اس کی خوراک اچھی نہیں ہو گی تو اس کا دودھ بھی اچھا نہیں ہو گا اس کا بچے کی طبیعت پر بُرا اثر پڑے گا لہٰذا باپ کو چاہیئے کہ دل کھول کر اسے خرچ دے تاکہ بچے

بچے کی تربیت اچھی ہوسکے اور ساتویں چیز یہ بیان فرمائی کہ اس خرچ کرنے کی وجہ سے باپ پر جو تنگی آئی ہے اس کی اسے فکر نہیں کرنا چاہیئے اللہ تعالٰی اس کی یہ تنگی خود دُور کر دیں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اولاد پر خرچ کرنے سے اللہ تعالٰی بھی انسان کو بہت روزی دیتا ہے اس میں باپ کو کنجوسی نہیں کرنا چاہیئے اللہ تعالےٰ اسے دُور کر دے گا۔

حیض والیوں کی عدّت تین حیض ہے اسکے بعد کسی اور کو نسل کی رکن بن سکتی ہیں،

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ	اور طلاق شدہ عورتیں تین
بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ	حیض تک اپنے آپ کو روکے
قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ	رکھیں اور ان کے لیے حلال
لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ	نہیں کہ وہ چھپائیں وہ چیز جو
مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ	اللہ نے ان کے پیٹوں میں
اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ	پیدا کی ہے اگر وہ اللہ اور
يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ	آخرت کے دن پر ایمان رکھتی
الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ	ہیں اور ان کے خاوند انہیں
اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ	لوٹا لینے کے زیادہ حق دار ہیں
ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا	اس مدت میں اگر وہ اصلاح
اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ	کا ارادہ رکھتے ہوں اور دستور
الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ	کے موافق ان عورتوں کا ویسا
وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ	ہی حق ہے جیسا ان پر ہے

دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝ ۔ اور مردوں کو ان پر فضیلت حاصل ہے اور اللہ سب پر غالب حکمت والا ہے ۔ (سورہ بقرہ آیت ۲۲۸)

تفسیر

ان آیات میں چھ چیزوں کا بیان ہے ۔ پہلی چیز یہ ہے کہ جن مطلقہ عورتوں کو حیض آتا ہے ان کی عدت تین حیض ہے یعنی وہ تین حیض گزرنے تک کسی اور جگہ نکاح نہیں کر سکتی اور دوسری چیز یہ بیان فرمائی کہ ان عورتوں کے پیٹ میں جو ہے وہ بتا دیں یعنی اگر انہیں حیض آتا ہو تو بتا دیں اور اگر حمل ہے تو بتا دیں ۔ اگر نہیں بتائیں گی تو یہ حرام ہے اور بہت بڑا گناہ ہے کیونکہ اگر حیض کی حالت نہیں بتائے گی تو حمل کے وہم کی وجہ سے اس سے کوئی شادی نہیں کرے گا ۔ رشتہ دار اس کی شادی نکاح کا بندوبست نہیں کریں گے حالانکہ بے نکاح کے نکاح میں تاخیر گناہِ کبیرہ ہے جیسا کہ سورۃ نور والی آیت میں ہے وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ اپنوں میں سے بے نکاحوں کا نکاح کراؤ اور اگر وہ مطلقہ عورت حالت حمل نہیں بتائے گی تو ہو سکتا ہے کہ مدت حمل طویل ہو جائے اور اس سے نومولود کی زندگی داغدار ہو گی اور پھر لوگ اس پہ بدگمانی کریں گے اور اگر اس کا نکاح ہو گیا تو یہ حمل نئے خاوند کا متصور ہو گا حالانکہ یہ پہلے خاوند کا ہے اور پھر اس سے وراثت اور حلال و حرام کے بہت سے اصول پامال ہوں گے اور ان سب کی ذمہ داری اس عورت پر عائد ہو گی جو گناہِ کبائر ہیں اور تیسری چیز یہ معلوم ہوئی کہ یہ عدت

کا حکم اس مطلقہ عورت کے لیے ہے جس کے ساتھ خاوند نے خلوت صحیحہ کی ہو اور اگر نہیں تو پھر عدت اس پر واجب نہیں کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے۔ ولا یحل لھن ان یکتمن ما خلق اللہ فی ارحامھن، ان کے لیے حلال نہیں کہ چھپائیں جو پیدا کیا ہے اللہ نے ان کے رحموں میں اور اس سے اصلی مقصود اس مرد کا حمل ظاہر کرنا ہے اور یہ اس وقت ہوگا جب میاں بیوی آپس میں خلوت صحیحہ کرلیں گے اور چوتھی چیز یہ معلوم ہوئی کہ اس عدت کے دوران خاوند اگر اپنی بیوی سے رجوع کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اور وہ خاوند اس کا زیادہ حقدار ہے۔ بیوی خواہ راضی ہو یا نہ ہو مگر اس سے مراد ایک یا دو طلاق والی عدت ہے تین والی نہیں کیونکہ دوسری جگہ آیت ۲۳۰ میں یہ واضح طور پر موجود ہے کہ تین طلاق کے بعد رجوع سوائے حلالہ کے جائز ہی نہیں نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ رجوع اس وقت جائز ہے جب خاوند کی نیت اصلاح کی ہو اور اگر اس کی نیت اصلاح کی نہ ہو بلکہ اس عورت کو کوئی تکلیف وغیرہ دینا مقصود ہو تو یہ رجوع جائز نہیں ہے اور پانچویں چیز ایک شبہ کا ازالہ ہے جو بعولتھن احق بردھن سے پیدا ہوتا ہے اور وہ یوں ہے کہ جب ایک یا دو مرتبہ والی عدت میں خاوند اگر رجوع کرنا چاہے تو وہی زیادہ حقدار ہے اس میں عورت کی رائے یا رضا کا کوئی دخل نہیں اس پر شبہ پیدا ہوا کہ شاید خاوند کو اس کے حقوق سلب کرنے کا بھی حق ہوگا تو اس کے جواب میں فرمایا ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف ترجمہ اور ان عورتوں کے لیے ہے مثل اس کے جو ان پر ہے۔ معروف طریقہ

ہے یعنی میاں بیوی دونوں کے حقوق ایک دوسرے پر حسب سابق ہی ہوں گے اور نیز خاوندوں کی فوقیت اور برتری بھی بدستور قائم ہے البتہ اگر طلاق سے بچنے کے لیے عورت اپنے بعض حقوق از سرِ خود اور اپنی مرضی سے چھوڑ سکتی ہے اور چھٹی چیز یہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ سب پر غالب حکمت والا ہے یعنی جو بھی شخص مذکورہ ضوابط کی خلاف ورزی کرے گا وہ اس کی گرفت سے بچ نہیں سکے گا کیونکہ اس کو سب پر ہر طرح کا غلبہ حاصل ہے ہاں اگر وہ گرفت میں تاخیر کرے تو وہ حکمت پر مبنی ہے اس کو اس سے کمزور نہ سمجھا جائے ۔

چیئرمین (خاوند) کے فوت ہونیکی صورت میں بیوہ عورت ارکان چار ماہ دس دن گزارنے کے بعد کسی اور ادارہ کی رکن بن سکتی ہے

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ	اور جو لوگ تم میں سے فوت
وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا	ہو جائیں اور چھوڑ جائیں ،
يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ	بیویاں روکیں وہ اپنے نفس
اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ج	کو چار مہینے اور دس دن بھر
فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ	جب وہ اپنی عدت پوری کر
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ	لیں تو پھر کوئی گناہ نہیں تم پر
فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْ	کہ جو وہ دستور کے مطابق
اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ط	اپنے حق میں کریں اور اللہ اس
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ	سے جو تم کرتے ہو باخبر ہے

خَبِيْرٌ ۝ وَلَا جُنَاحَ	اور کوئی گناہ نہیں تم پر اس
عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ	میں کہ عورتوں کو اشارہ سے
بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ	پیغام نکاح دو اور یا تم اسے
النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ	اپنے دل میں چھپاؤ اللہ جانتا
فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ	ہے کہ عنقریب تم ان کو یاد
اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ	کرو گے لیکن مخفی طور پر ان
وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ	سے نکاح کا وعدہ نہ کرو مگر
سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا	یہ کہ قاعدہ کے موافق کوئی بات
قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ وَلَا	کرو اور مت ارادہ کرو نکاح
تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ	کی گرہ کا جب تک کہ میعاد
حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ	نوشتہ پوری نہ ہو اور جان لو
اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ	کہ اللہ جانتا ہے جو تمہارے
اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِیْٓ	دلوں میں ہے پس اس سے
اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ	ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ	بڑا بخشنے والا تحمل کرنے والا ہے۔

حَلِيْمٌ ۝ (بقرہ ۲۳۵/۲۳۴)

تفسیر

ان آیتوں سے چند مسائل معلوم ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ بیوہ عورت کی عدت چار ماہ دس دن تک ہے یعنی وہ شادی نہیں کرسکتی مگر بشرطیکہ وہ حاملہ نہ ہو اگر وہ حاملہ ہوگی تو اس کی عدت وضع حمل

تک ہے اس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے اور اس دوران وہ اپنے اس خاوند کے گھر سے بھی نہیں نکل سکتی۔ اور دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ وہ مذکورہ عدت گزارنے کے بعد وہ بیوہ جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے وارث وغیرہ اس پر نکاح کرنے یا نہ کرنے کے سلسلہ میں جبر نہیں کر سکتے اس کی مزید تفصیل عنوان نمبر ۳۵ میں گزر چکی ہے۔ البتہ یہ شرط رکھی گئی ہے کہ نکاح معروف طریقہ پر ہونا چاہیئے یعنی یہ بیوہ عورت اگر اپنا نکاح اپنی مرضی سے کسی ایسے خاندان میں کرالے جو اس کے خاندان سے گھٹیا ہو دین کے لحاظ سے مال کے لحاظ سے قومیت وغیرہ کے لحاظ سے یا اپنا مہر اپنے خاندان کی عورتوں سے کم کرا دے تو ان صورتوں میں اس کے ورثاء کو حق حاصل ہے کہ وہ اس پر اعتراض کریں اور اگر وہ نکاح فسخ کرانا چاہیں تو کرا سکتے ہیں کیونکہ یہ نکاح ان کے لیے بدنامی کا باعث ہے اور مہر کی کمی سے خاندان کی بقیہ عورتیں متاثر ہوں گی کیونکہ یہ ضابطہ اور رواج بن جائے گا اور اگر وہ بیوہ کسی ایسی جگہ نکاح کرالے جہاں وارثوں کو اعتراض نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اس کو فلا جناح علیکم میں بیان فرمایا ہے کیونکہ ایسی عورت اب تجربہ کار ہو چکی ہے۔ اپنا نفع و نقصان اچھی طرح سمجھتی ہے یہ اب والدین اور بقیہ رشتہ داروں سے مشورہ کرنے کی محتاج نہیں ہے تاہم اقرباء سے مشورہ کر لینا اس کے لیے بہر حال بہتر ہے کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے امرھم شوریٰ بینھم۔ اور تیسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ عدت گزرنے کے بعد بیوہ عورت بناؤ سنگار کر سکتی ہے اچھا خوبصورت لباس پہن سکتی ہے خوشبو لگا سکتی ہے نکاح کی تیاری کر سکتی ہے کسی مرد سے بالواسطہ

یا بلاواسطہ اس سلسلہ میں بات چیت کر سکتی ہے اس وقت حجاب اس کے لیے ضروری نہیں ہے جیسا کہ اس آیت فیما فعلن فی انفسھن سے ظاہر ہے اور اس کی تائید رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے بھی ہوتی ہے۔ جو عنوان تحقیق صلاحیت قبل النکاح میں ذکر ہو چکے ہیں جو چاہے وہاں دیکھ لے مگر اتنی بات یاد رہے کہ شرعی حجاب جو فرض ہے وہ اس مقام پر بامر مجبوری اس لیے اٹھایا گیا ہے تاکہ شادی کا معاملہ جو زندگی بھر کا معاملہ ہوتا ہے اس کو طے کرتے وقت فریقین اچھی طرح تحقیق کر لیں اور ایک دوسرے کے اخلاق اعمال مزاج دیکھ لیں اور ایک دوسرے کی ذمہ داریوں کا تصفیہ کر لیں لیکن اس سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ یہ میاں بیوی بننے والے باہم ملاپ کر کے اور ہمبستر ہو کر ایک دوسرے کو ٹیسٹ کر لیں کیونکہ قرآن کریم نے یہاں لفظ معروف ذکر کیا ہے اور اس کا اطلاق قرآن کریم کی اصطلاح میں کسی اچھے اور نیک کام پر ہوتا ہے اور نکاح کے انعقاد سے پہلے یہ فعل اچھا نہیں بلکہ یہ برا فعل ہے اور قرآن کریم نے اس برائی کے انسداد کے لیے ہی تو ضابطہ نکاح رکھا ہے جو بے شمار برکات و فیوضات کا حامل ہے اب اس اچھے کام کی ابتدا اگر گندے کام سے ہوگی تو پھر انتہا بھی تو ایسی ہوگی بقول شاعر

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

اور نیز بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ خریدنے سے پہلے ان کا استعمال عرفاً بھی ممنوع ہوتا ہے کیونکہ ایسا کرنے سے اس چیز کی قدر و قیمت

گھٹ جاتی ہے اسی طرح یہ میاں بیوی بننے والے اگر ایک دوسرے کو استعمال کر کے مسترد کریں گے تو ان کا مقام معاشرہ میں گھٹ جائے گا اور جب ایک ادنیٰ چیز کو استعمال کر کے مسترد کرنا عقلاً اور عرفاً بھی بری بات ہے تو انسان جو اشرف المخلوقات ہے ان کا آپس میں ایک دوسرے کو استعمال کر کے مسترد کر دینا یقیناً بری بات ہے اور تاہم چونکہ یہ زندگی بھر کا معاملہ ہے اس لیے شارع نے وقتی طور پر حجاب کی پابندی اٹھائی تاکہ ظاہری طور پر یہ آپس میں ایک دوسرے کو دیکھ لیں پسند کر لیں اور اگر مزید اطمینان چاہیں تو مرد کا مرد ڈاکٹر سے اور عورت کا لیڈی ڈاکٹر سے معائنہ کرایا جا سکتا ہے اس میں شرعی طور پر کوئی قباحت نہیں ہے واللہ اعلم۔

اور چوتھا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ بیوہ عورت اپنا بناؤ سنگار زیبائش وغیرہ دوران عدت نہیں کر سکتی کیونکہ اس آیت میں عدت گزارنے کے بعد کی شرط لگائی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ بیوہ کے لیے دوران عدت زیبائش وغیرہ جائز نہیں جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین عالیہ سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔

وَعَنْ أُمِّ حَبِيْبَةَ وَزَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلَى

حضرت ام حبیبہؓ اور حضرت زینبؓ بنت جحش سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان منقول ہے کہ جو عورت اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے حلال نہیں کہ تین راتوں سے

مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلٰثِ لَيَالٍ	زیادہ سوگ کرے کسی میت
اِلَّا عَلٰی زَوْجٍ اَرْبَعَةَ	پر مگر خاوند پر چار مہینے دس
اَشْهُرٍ وَ عَشْرًا	دن سوگ کرے ۔
(متفق علیہ)	(بخاری اور مسلم کی اتفاقی حدیث ہے)

تفسیر

اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ اگر کسی ایمان دار عورت کا بھائی باپ بیٹا وغیرہ کوئی بھی برادری میں سے مرجائے تو اس پر صرف تین دن تک اس کے لیے سوگ کرنا جائز ہے اور اس سے زیادہ حرام ہے اور اگر اس کا خاوند مرجائے تو اس پر اس نے چار مہینے دس دن تک سوگ کرنا ہے اب سوگ کس چیز کا نام ہے اس کی تشریح انشاء اللہ العزیز بعد میں آنے والی حدیث پاک میں بیان ہوگی ۔

نوٹ : حدیث میں جو تین راتوں کا ذکر ہے اس سے مراد دن رات دونوں ہیں صرف رات مراد نہیں ۔

وَ عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ	اور حضرت ام عطیہ نے رسول
اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	نقل کیا ہے آپ نے فرمایا
قَالَ لَا تُحِدُّ اِمْرَاَةٌ	کوئی عورت کسی میت پر
عَلٰی مَيِّتٍ فَوْقَ	تین دن سے زیادہ سوگ
ثَلٰثٍ اِلَّا عَلٰی	نہ کرے مگر خاوند پر چار مہینے
زَوْجٍ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ	دس دن سوگ کرے نہ پہنے

وَّ عَشْرًا وَلَا تَلْبَسُ	رنگ دار کپڑا مگر کپڑا عصب
ثَوْبًا مَصْبُوْغًا	کا نہ سرمہ لگائے اور نہ
اِلَّا ثَوْبَ عَصَبٍ	خوشبو لگائے مگر جب پاک
وَلَا تَكْتَحِلُ وَلَا تَمَسُّ	ہو حیض سے کچھ قسط اور
طِيْبًا اِلَّا اِذَا طَهُرَتْ	اظفار استعمال کرنا درست ہے۔
نُبْذَةً مِنْ قُسْطٍ	(یہ بخاری اور مسلم نے
اَوْ اَظْفَارٍ (متفق علیہ)	نقل کی ہے۔
وَزَادَ اَبُوْ دَاوٗدَ	اور ابو داود نے زیادہ کیا
وَلَا تَخْتَضِبُ ۔	ہے نہ لگائے مہندی۔

تفسیر

یہ حدیث پہلی حدیث پاک کی تشریح ہے پہلی حدیث میں اتنا آیا ہے کہ صرف خاوند کی مرگ پر چار مہینے دس دن سوگ ہے اور اس حدیث میں تشریح ہے کہ بیوہ اس عرصہ میں رنگ دار کپڑا نہیں پہن سکتی اور اس سے مراد شوخ رنگ ہے البتہ سفید اور سرخ رنگ کی دھاری دار چادر اوڑھ سکتی ہے اور بیوہ سُرمہ نہیں لگا سکتی اور خوشبو نہیں لگا سکتی البتہ حیض سے جب پاک ہو تو بدبو دُور کرنے کے لیے قسط اور اظفار جو خوشبو کی قسمیں ہیں تھوڑی سی استعمال کر سکتی ہے اور نیز مہندی بھی نہیں لگا سکتی اور یہ مذکورہ بالا ممانعت اس وقت ہے۔ جب کوئی مجبوری نہ ہو اور اگر ہو تو پھر کوئی قباحت نہیں مثلاً اگر کپڑوں میں جوئیں پڑ گئی ہیں اور ان کے دُور کرنے کی کوئی صُورت نہیں تو ریشمی کپڑا پہن

سکتی ہے اور اسی طرح آنکھیں دُکھ گئی ہیں ان کا اور کوئی علاج نہیں سرمہ ہی مفید ہے تو سرمہ لگا سکتی ہے۔ اسی طرح مہندی اور خوشبو وغیرہ کو قیاس کر لیں۔

وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ	حضرت ام سلمہؓ سے روایت
قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ	ہے انہوں نے فرمایا میرے
رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى	پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ
اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	وسلم اس زمانہ میں تشریف
حِيْنَ تُوُفِّيَ أَبُوْ سَلَمَةَ	لائے جب ابوسلمہ فوت
وَقَدْ جَعَلْتُ عَلَيَّ	ہوئے تھے اور میں نے ایلوا
صَبِرًا فَقَالَ مَا	لگایا ہُوا تھا تو آپ نے فرمایا
هٰذَا يَا أُمَّ سَلَمَةَ	یہ کیا ہے ام سلمہ میں نے
قُلْتُ إِنَّمَا هُوَ	عرض کیا یہ ایلوا ہے اس میں
صَبِرٌ لَيْسَ فِيْهَا	خوشبو نہیں ہے تو آپ نے
طِيْبٌ فَقَالَ إِنَّهُ	فرمایا اس سے چہرہ جوان ہوتا
يَشُبُّ الْوَجْهَ فَلَا	ہے یہ مت لگاؤ مگر رات
تَجْعَلِيْهِ إِلَّا بِاللَّيْلِ	کو اور دن کو اسے چھٹا دو
وَتَنْزَعِيْهِ بِالنَّهَارِ	خوشبو اور مہندی آلود کنگھی بھی
وَلَا تَمْتَشِطِيْ بِالطِّيْبِ	نہ کرو کیونکہ یہ خضاب ہے
وَلَا بِالْحِنَّاءِ	میں نے کہا کس سے کنگھی کروں
فَإِنَّهُ خِضَابٌ	یارسول اللہؐ آپ نے فرمایا
قُلْتُ بِأَيِّ شَيْءٍ	بیری کے پتوں سے اپنے

اَمۡــتَشِطُ یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ قَالَ بِــالسِّــدۡرِ تُغَــلِّفِیۡنَ بِہٖ رَاۡسَكِ (رواہ ابُوۡ داوُدُ و النَّسآئِی)

سر کو ڈھانپ سے۔ (ابوداؤد اور نسائی نے یہ حدیث نقل کی ہے)

اس حدیث میں پہلی حدیث کی مزید تفصیل بیان فرمائی ہے یعنی بیوہ عورت ایلو بھی دن کو استعمال نہیں کر سکتی البتہ رات کو استعمال کر سکتی ہے نیز خوشبو آلود کنگھی اور مہندی بھی نہیں استعمال کر سکتی کیونکہ یہ خضاب ہے اس سے زینت پیدا ہوتی ہے اور بیوہ عورت کے لیے تزئین جائز نہیں۔

وَعَنۡھَا عَنِ النَّبِیِّ صَــلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَــلَّمَ قَــالَ الۡمُتَوَفّٰی عَنۡھَا زَوۡجُھَــا لَا تَلۡبَسُ الۡمُعَصۡــفَرَ مِنَ الثِّیَــابِ وَلَا الۡمُمَشَّــقَۃَ وَلَا الۡحُــلِیَّ وَلَا تَخۡتَضِبُ وَلَا تَــکۡتَحِلُ۔

حضرت ام سلمہؓ نے جناب صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے وہ کسنبا گیرو رنگ کا کپڑا اور زیور نہیں استعمال کر سکتی اور اسی طرح مہندی اور سُرمہ بھی نہیں لگا سکتی۔ (یہ حدیث ابوداود اور نسائی نے نقل کی ہے)

(یہ چاروں احادیث مشکوٰۃ باب العدۃ سے نقل کی گئی ہیں)

تفسیر

یہ حدیث بھی مضمون سابق کی تشریح ہے یعنی ام عطیہ والی حدیث

میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوہ عورت کو رنگ دار کپڑا پہننے سے منع فرمایا اور اس حدیث میں تشریح ہے کہ رنگ دار کپڑے سے مراد کسنبا اور گیرو رنگ کا کپڑا ہے پس معلوم ہوا کہ بیوہ عورت سیاہ اور خاکستری رنگ کا کپڑا پہن سکتی ہے اور پرانے کسنبے کو بھی جس سے خوشبو نہ آتی ہو پہننا جائز ہے اور نیز وہ عورت زیور بھی نہیں استعمال کر سکتی اور یہ عدت وغیرہ کے احکامات ان بیوہ عورتوں کے لیے ہیں جو بالغہ ہوں اور جو نابالغہ یا مجنونہ ہوں ان کے لیے یہ احکامات نہیں ہیں کیونکہ وہ احکامات شرعیہ کی مکلّف نہیں ہیں اور غیر مسلم بالغہ بھی اسی حکم میں شامل ہیں۔

اور پانچواں مسئلہ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ بیوہ عورت ایام عدت اپنے فوت شدہ خاوند کے گھر میں ہی گزارے گی کیونکہ آیت کریمہ میں یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِھِنَّ کا جملہ ہے اس کے معنے اپنے آپ کو روکنے کے ہیں اور اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ ہے کہ وہ بیوہ عورتیں اس مدت میں نکاح نہ کریں اس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے اور اس تربص کی دوسری صورت یہ ہے کہ وہ ایام عدت اپنے فوت شدہ خاوند کے گھر میں گزارے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے اس کی توضیح اور تشریح ہوتی ہے۔

عَنْ زَیْنَبَ بِنْتِ کَعْبٍ	زینب بنت کعب سے
اَنَّ الْفُرَیْعَۃَ بِنْتَ	نقل ہے کہ فریعہ بنت مالک
مَالِكِ ابْنِ سِنَانٍ ھِیَ	بن سنان یہ ابی سعید خدری
اُخْتُ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ	کی بہن ہیں اس نے خبر دی
اَخْبَرَتْھَا اَنَّھَا	کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

جَاءَتْ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ تَسْئَلُهُ أَنْ
تَرْجِعَ إِلَى أَهْلِهَا
فِيْ بَنِيْ خُدْرَةَ فَإِنَّ
زَوْجَهَا خَرَجَ فِيْ
طَلَبِ أَعْبُدٍ لَهُ
أَبَقُوْا فَقَتَلُوْهُ قَالَتْ
فَسَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَنْ أَرْجِعَ إِلَى أَهْلِيْ
فَإِنَّ زَوْجِيْ لَمْ
يَتْرُكْنِيْ فِيْ مَنْزِلٍ
يَمْلِكُهُ وَلَا نَفَقَةَ
فَقَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ
اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ نَعَمْ فَانْصَرَفْتُ
حَتَّى إِذَا كُنْتُ فِيْ
الْحُجْرَةِ أَوْ فِي الْمَسْجِدِ
دَعَانِيْ فَقَالَ امْكُثِيْ
فِيْ بَيْتِكِ حَتَّى يَبْلُغَ

وسلم کے پاس گئی وہ اپنی اہل
بنی خدرہ میں واپس جانے
کی اجازت پوچھ رہی تھی کیونکہ
اسکا خاوند اپنے بھاگے ہوئے
غلام کو ڈھونڈنے کے لیے
نکلا تھا تو انہوں نے اسے
قتل کر دیا اس نے کہا کہ پھر
میں نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں
اپنی اہل میں واپس چلی جاؤں
کیونکہ میرے خاوند نے
مجھے کسی ایسے گھر میں نہیں
چھوڑا جس کا وہ مالک ہو
اور خرچ بھی نہیں ہے پھر
اس نے کہا کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہاں پھر میں لوٹی یہاں تک
کہ حجرہ یا مسجد میں پہنچی تو
آپ نے مجھے بلایا پھر فرمایا
ٹھہر تو اپنے گھر میں یہاں تک
کہ پہنچے کتاب (عدت) اپنی

الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ قَالَتْ	وقت کو اس نے کہا پھر
فَاعْتَدَدْتُّ فِيْهِ	میں نے عدت گزاری اس
اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ	میں چار ماہ اور دس دن
عَشْرًا (رَوَاهُ مَالِكٌ	(یہ حدیث مالک ترمذی ابوداؤد
وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ	ونسائی ابن ماجہ اور دارمی نے
وَابْنُ مَاجَهْ وَالدَّارِمِیُّ)	نقل کی ہے)

(مشکوٰۃ باب العدۃ)

تفسیر

اس حدیث سے ایک یہ معلوم ہوا کہ بیوہ نے عدت اپنے فوت شدہ شدہ خاوند کے گھر میں گزارنا ہے اور اس حدیث میں جو آپ نے فرمایا ہے امکثی فی بیتک اس سے مراد عورت کا ذاتی مکان نہیں بلکہ وہ مکان مراد ہے جس میں وہ خاوند کی حیات میں زندگی بسر کرتی رہی ہے خواہ وہ مکان اس کا ذاتی ہو یا کرایہ پر لیا ہوا ہو یا عاریتاً ہو اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس عورت کی طرف مکان کی نسبت کی ہے یہ ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ عورت خاوند کی حیات میں شرعاً اس مکان میں رہنے کی حقدار تھی اور اب بھی ایام عدت گزارنے تک اس کا حق ہے اور اس حدیث پاک سے دوسرا یہ معلوم ہوا کہ بیوہ نے رہائش اس مکان میں رکھنا ہے اور ضروریات زندگی کے لیے وہ اس گھر سے اِدھر اُدھر جا سکتی ہے۔ کیونکہ فریعہ بنت مالک جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں جب مسئلہ پوچھنے کے لیے آئی تو آپ نے اسے ٹوکا نہیں کہ تو اپنا گھر چھوڑ کر میرے پاس کیوں آئی ہے تیرے لیے تو اپنے

گھر سے نکلنا جائز ہی نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ آپ نے گھر میں رہنے سے مراد عرفا رہنا ہے یعنی جس طرح ایک آدمی رات کو آکر ایک مکان میں سو جائے کپڑے وغیرہ وہیں تبدیل کرے اس کے کھانے پکانے کا وہیں بندوبست ہو اور باقی دن بھر وہ محنت مزدوری کہیں دوسری جگہ کرتا ہو تو عرفاً اس کو وہیں کا رہائشی اور مقیم کہا جاتا ہے جہاں وہ رات گزارتا ہے وہاں کا رہائشی اسے کوئی نہیں کہتا جہاں وہ مزدوری کرتا ہے اسی طرح یہاں اس مقام پر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امکثی فی بیتک اس سے مراد صرف رہائش رکھنا ہے اور بقیہ ضروریات زندگی کے لیے وہ اِدھر اُدھر جہاں جانا چاہے تو جا سکتی ہے مثلاً اگر اس کے پاس اگر خرچ نہیں ہے تو مزدوری کے لیے جا سکتی ہے اور اسی طرح وہ مکان اگر گرنے کا خطرہ ہے یا مستعار یا کرایہ پر لیا ہے اور مالک مکان خالی کرانا چاہتا ہے یا چوروں اور ڈاکوؤں کا خطرہ ہے تو ان صورتوں میں وہ بیوہ اس مکان سے جا سکتی ہے وغیرہ ذالک۔

چھٹا مسئلہ ان آیتوں سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شادی کرے اور فوت ہو جائے اور اس نے اس نو بیاہتی بیوی سے ہمبستری نہ کی ہو تو بھی اس بیوہ پر مذکورہ عدت واجب ہے اور اپنے فوت شدہ خاوند کے مال میں وراثت کی بھی حق دار ہے اور مہر کی بھی حق دار ہے اور نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ بیوہ عمر کے لحاظ سے چھوٹی ہو یا بڑی ہو عیسائی ہو یا مسلم سب کو یہ حکم شامل ہے اور اسی طرح بیوہ کا خاوند فوت ہونے والا چھوٹا ہو تو بھی یہی حکم ہے۔ کیونکہ آیت کریمہ میں والذین یتوفون الایۃ عام ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ اسی آیت کے تحت علامہ ابن کثیر نے ج ا صفحہ ۲۸۴ بحوالہ امام احمد اور ترمذی نقل کیا ہے اور طوالت سے بچنے کے لیے صرف ترجمہ ہی نقل کیا جاتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا ہے کہ جس نے ایک عورت سے شادی کی ہو اور بلا ہم بستری وہ مرگیا ہو اور اس کا مہر بھی مقرر نہ کر سکا ہو اور انہوں نے اس سلسلہ میں کئی بار تردد کا اظہار کیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا میں اس میں اپنی رائے پیش کرتا ہوں اگر وہ صحیح ہوئی تو اسے اللہ کی طرف سے سمجھنا اور وہ غلط ہوئی تو وہ میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے سمجھنا اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں۔ فرمایا کہ اس کے لیے پورا مہر ہوگا اور ایک جملہ یہ فرمایا کہ اس کے لیے مہر مثل ہے یہ کم بھی نہیں اور زیادہ بھی نہیں اور اس پر عدت بھی ہے اور اس کے لیے وراثت بھی ہے اس کے لیے معقل بن یسار اشجعی اُٹھ کر کھڑے ہوئے اور فرمایا میں نے خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے آپ نے بروع بنت واشق کے بارے میں ایسا ہی فیصلہ کیا تھا پھر عبداللہ بن مسعود اس پر بہت خوش ہوئے پس خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ قبل از ہم بستری اگر شوہر فوت ہو جائے تو اس کی بیوہ پر بھی عدت منصوصہ لازم ہے۔

عدّتِ وفات کی حکمت

صاحب شریعت نے بیوہ کی عدت کے لیے جو چار ماہ دس دن کا عرصہ مقرر کیا ہے اس کی ایک حکمت تو وہ ہے جو حافظ عماد الدین

نے اسی آیت کے تحت ابن کثیر ج ۱ صفحہ ۲۸۵ پر سعید بن مسیب اور ابو العالیہ سے نقل کی ہے کہ ممکن ہے کہ بیوہ کے رحم میں حمل ہو جب اتنا عرصہ وہ انتظار کرے گی تو حمل واضح ہو جائے گا چنانچہ اس کی تائید میں علامہ حافظ عماد الدین نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ کی ایک حدیث بحوالہ صحیحین نقل ہے۔

اِنَّ خَلْقَ اَحَدِكُمْ	بے شک تم سب کی پیدائش
يُجْمَعُ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ	اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس
اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا نُطْفَةً	دن تک نطفہ کی صورت میں
ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً	جمع رہتی ہے پھر اتنا ہی عرصہ
مِثْلَ ذَالِكَ ثُمَّ	ایک لوتھڑا کی صورت رہتی
يَكُوْنُ مُضْغَةً	ہے پھر اتنا ہی عرصہ بوٹی کی
مِثْلَ ذَالِكَ ثُمَّ	صورت رہتی ہے پھر اس
يُبْعَثُ اِلَيْهِ الْمَلَكُ	کی طرف فرشتہ بھیج دیا جاتا
فَيَنْفَخُ فِيْهِ الرُّوْحَ	ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے

(ابن کثیر ج ۱ صفحہ ۲۸۵)

اس حدیث کا مقصد یہ نظر آتا ہے کہ اکثر اوقات حمل قرار پاتے ہی عورت محسوس کر لیتی ہے کہ اسے حمل ٹھہر گیا ہے مگر ممکن ہے بعض عوارض اور احوال کی وجہ سے وہ محسوس نہ کر سکے لیکن روح پڑنے کے بعد وہ ضرور محسوس کرے گی اور پھر اس پر دس دن کا اضافہ بطور احتیاط ہے اب رہا یہ سوال کہ مطلقہ کے لیے پھر تین حیض یا تین ماہ کی عدت کیوں رکھی گئی ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ تین حیض یا تین ماہ کے بعد مطلقہ کے حمل کا احتمال تو منقطع ہو جاتا ہے لیکن بیوہ میں خاوند کے غم کی وجہ سے یہ احتمال باقی رہتا ہے اس لیے اس کی عدت چار ماہ دس دن رکھی گئی ہے واللہ اعلم ۔ اور اس کی دوسری حکمت خاوند کی جدائی کا غم اور سوگ ہے پس معلوم ہوا کہ عورت کے لیے دنیا میں شوہر سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں اس لیے صرف اس کی جدائی پر اتنے سوگ کا حکم ہے ۔

ازدواجی تعلقات استوار کرنے سے قبل ہی اگر خاوند بیوی کو طلاق دیدے تو اس کی عدت نہیں

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ	اے ایمان والو جب تم مومن
اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ	عورتوں سے نکاح کرو پھر
الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ	انہیں طلاق دے دو اس
طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ	سے پہلے کہ تم انہیں چھوؤ
قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ	تو تمہارے لیے ان پر کوئی
فَمَا لَكُمْ عَلَیْهِنَّ	عدت نہیں کہ تم اسے شمار
مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا	کرنے لگو پھر انہیں کچھ فائدہ
فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ	دے دو اور انہیں اچھی طرح
سَرَاحًا جَمِیْلًا ۝	رخصت کر دو ۔

(سورہ احزاب آیت ۴۹)

تفسیر

اس آیت کریمہ میں تین احکام ہیں۔ پہلا حکم یہ ہے کہ خلوت سے پہلے شوہر اگر بیوی کو طلاق دے دے تو اس پر عدت نہیں وہ جب چاہے نکاح کر سکتی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ عدت رحم صاف کرنے کی غرض ہوتی ہے تاکہ پہلے شوہر کا حمل موجود نہ ہو اور یہاں جب خلوت نہیں ہوئی تو حمل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور خلوت یہ ہے کہ دونوں میاں بیوی تنہائی میں ایک کمرہ میں جمع ہو جائیں اور دوسرا حکم یہ ہے کہ اس مطلقہ کو متعہ دو اس کی تشریح مفسرین نے یہ بیان فرمائی ہے کہ اسے ایک جوڑا کپڑے جوتا اور چادر دینی چاہیئے اور حکمت اس میں یہ ہے کہ نکاح سے سے دو خاندانوں کے درمیان جو اخوت پیدا ہوئی تھی وہ طلاق سے ختم ہو گئی تھی اور اب یہ ہدیہ اسے دے کر اس اخوت کو بحال کرنا مقصود ہے اور تیسرا حکم یہ ہے کہ اس مطلقہ کو خوش اخلاقی سے رخصت کیا جائے اس سے بدزبانی نہ کی جائے ۔ مقام غور ہے کہ خالق کائنات نے ایک طرف سے تو طلاق کی اجازت دی ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مرد میں کوئی خامی ہو جس کی وجہ سے وہ اس بیوی کی عزت کا تحفظ نہ کر سکتا ہو یا اس عورت میں کوئی خامی ہو جس کی وجہ سے مرد کے مقاصد پورے نہ ہو سکتے ہوں اس لیے طلاق کی اجازت بھی دے دی اور اس طلاق سے اگر برادری کی لڑکی ہوئی تو قطع رحمی ہو گی اور اگر غیر برادری کی ہوئی تو قطع اخوت ہو گی اس لڑکی کی اور اس کی برادری کی دل شکنی ہو گی اور یہ لڑکی بدنام ہو جائے گی اس لیے شریعت نے جانبین کا لحاظ رکھ کر ایسا ضابطہ

مقرر کیا ہے کہ اس پر عمل کرنے سے کسی پر حرف نہیں آتا۔ مقاصد بھی پورے ہو جاتے ہیں اخوت اور صلہ رحمی بھی قائم رہتی ہے مگر افسوس یہ ہے کہ آج کل موجودہ معاشرہ بالکل ہی بے خبر ہے اس لیے شادی کے بعد عموماً لڑکی پر خاوند کی طرف سے اور اسکے والدین وغیرہ کی طرف سے جو ظلم ہوتا ہے وہ ناگفتہ بہ ہے۔ اور پھر عورتوں کے ہاتھوں سے مردوں کی جو ذلت ہوتی ہے وہ بھی کسی سے مخفی نہیں ہے یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ دینی تعلیم نہیں ہے کالجوں میں جو تعلیم ہے اس سے تفریق کا سبق ہی ملتا ہے اور ہمدردی کا سبق نہیں ملتا اور اندھے پن کا حال یہ ہے کہ تفریق والی تعلیم پر کروڑوں روپیہ صرف کیا جا رہا ہے اور وحدت اور ہمدردی والی تعلیم مفت بھی حاصل کرنے کو تیار نہیں ہ

چیئرمین (باپ) کے فوت ہونیکی صورت میں یتیم بچوں کی تعلیم و تربیت ورثاء پر ہے،

وعلی الوارث مثل ذالك اور وارثوں پر بھی ایسا ہی ہے یعنی جس طرح والدین پر اپنی اولاد کی تربیت فرض ہے اسی

طرح وارثوں پر بھی فرض ہے مگر وارثوں پر یہ فریضہ کس وقت عائد ہوتا ہے اس کے بارے میں یہ آیت خاموش ہے اور قرآن کریم کی دوسری آیات اور احادیثِ نبویہ سے اس کی وضاحت ہوتی ہے ۔ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں ۔

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ
(سورۂ بنی اسرائیل آیت ۳۴)

اور یتیم کے مال کے قریب تک مت جاؤ مگر ایسے طریقہ سے جو بہتر ہو جب تک کہ وہ اپنی بلوغت کو نہ پہنچے

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ ۖ قُلْ إِصْلَاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ ۖ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ
(سورہ بقرہ آیت ۲۲۰)

وہ آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرما دیں کہ ان کی اصلاح بہتر ہے اگر تم انہیں ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ بگاڑنے والے سے اصلاح کرنے والے کو جانتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں تکلیف میں ڈالتا بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے ۔

وَآتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ ۖ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ ۖ وَلَا تَأْكُلُوا

اور یتیموں کو ان کے مال دے دو اور ردی کو عمدہ سے مت بدلو اور ان کے مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر مت کھاؤ بے شک یہ

اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى	یہ بڑا گناہ ہے۔
اَمْوَالِكُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ	
حُوْبًا كَبِيْرًا ٥	
وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا	اور اگر تم یتیم لڑکیوں سے ناانصافی
فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا	کرنے کا خدشہ محسوس کرتے
مَا طَابَ لَكُمْ	ہو پھر جو عورتیں تمہیں پسند
مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى	آئیں ان میں سے دو دو تین
وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (الآیۃ)	تین اور چار چار سے نکاح کر
وَلَا تُؤْتُوا	سکتے ہو اور بے وقوفوں کو
السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ	اپنا مال مت دو جو اللہ نے
الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ	تمہارے قیام کا ذریعہ بنایا ہے
لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ	اور انہیں ان مالوں میں سے
فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ	کھلاتے پلاتے اور پہناتے
وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا	رہو اور انہیں نصیحت کی بات
مَّعْرُوْفًا ٥ وَابْتَلُوا	کہتے رہو اور یتیموں کی آزمائش
الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا	کرتے رہو یہاں تک کہ وہ
النِّكَاحَ ج فَاِنْ اٰنَسْتُمْ	بلوغت کو پہنچیں پھر اگر تم ان
مِّنْهُمْ رُشْدًا	میں ہوشیاری دیکھو تو انکے
فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ	مال ان کے حوالے کر دو اور
اَمْوَالَهُمْ ج وَلَا تَاْكُلُوْا	انصاف کی حد سے تجاوز کرکے
هَا اِسْرَافًا وَّبِدَارًا	ان کے مال مت کھاؤ اور

اِنْ يَّكْبَرُوْا ط وَمَنْ
كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ج
وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا
فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ
فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ
اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا
عَلَيْهِمْ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ
حَسِيْبًا ۝ وَاِذَا
حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا
الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى
وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ
مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ
قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَلْيَخْشَ
الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا
مِنْ خَلْفِهِمْ
ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا
خَافُوْا عَلَيْهِمْ
فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ
وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا
سَدِيْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ
يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ

ان کے بڑے ہونے کے ڈر
سے ان کے مال جلدی نہ کھاؤ
اور جو امیر ہو اس کو یتیم کے
مال سے بچنا چاہیئے اور فقیر
مناسب مقدار کھالے پھر
جب ان کے مال ان کے
حوالے کرو تو اس پر گواہ بنا
لو اور حساب لینے کے لیے
اللہ کافی ہے اور جب تقسیم
کے وقت رشتہ دار یتیم
اور مسکین آئیں تو اس مال میں
سے انہیں بھی کچھ دے دو
اور ان سے معقول بات کرو
اور ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہیئے
کہ اگر اپنے بعد وہ چھوٹے
چھوٹے بچے چھوڑ جائیں جن
کی انہیں فکر ہو ان لوگوں کو
چاہیئے خدا سے ڈریں اور
سیدھی بات کہیں ۔ بیشک
جو لوگ یتیموں کا مال ناحق
کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ

الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا — آگ سے بھرتے ہیں اور
يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ — عنقریب بھڑکتی آگ میں
نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ — داخل ہوں گے۔
سَعِيْرًا ۝ (سورہ نساء آیت ۱۰)

تشریح

ان آیات میں سے پہلی بنی اسرائیل والی آیت میں تین ہدایات دی ہیں پہلی ہدایت یہ ہے کہ یتیموں کے مال کے قریب تک نہ جاؤ یعنی کھاؤ مت اور دوسری ہدایت یہ ہے کہ احسن طریقہ سے ان مال کے قریب جا سکتے ہو اور تیسری ہدایت یہ ہے کہ احسن طریقہ بھی صرف بلوغت تک روا ہے اور اس احسن طریقہ کی تشریح نہیں بیان کردہ کیا ہے اور بقرہ والی آیت اور اس کے بعد نساء والی آیات نے اس احسن طریقہ کی تفسیر اور توضیح بیان فرما دی ہے اور وہ یہ ہے کہ یتیموں کے مال کے قریب جانے کی دس صورتیں ہیں ان میں سے تین جائز ہیں اور پانچ ناجائز ہیں اور ان تین جائز میں سے پہلی صورت وہ ہے جو سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۲۰ میں بیان فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کی تربیت اور کفالت میں یتیم ہوں انہیں چاہیے کہ دقتی اور پر کھانے پینے میں انہیں شریک کرلیں۔ اس میں حرج نہیں ہے کیونکہ اگر یتیم کا کھانا الگ پکے تو اس میں کئی طرح کی مشکلات ہیں ایک مشکل تو لواحقین کے لیے ہے کہ ہر وقت گھر میں دو ہنڈی کون پکا سکتا ہے یہ بڑا مشکل کام ہے اور دوسری مشکل

خود یتیموں کے لیے ہے کہ الگ پکا ہوا کھانا کبھی وہ سارا کھائے گا اور کبھی نہیں کھائے گا اور جب نہیں کھائے گا تو وہ کھانا ضائع ہوگا اور تیسری مشکل بھی یتیموں کے لیے ہے کہ یتیموں کی کوئی کفالت نہیں کریگا اس لیے پروردگار نے وقتی طور پر یتیم کو کھانے پینے میں شریک کرنے کی اجازت دی ہے اور فرمایا ہے کہ اصلی مقصد یتیم کی مصلحت ہے جس بھی صورت میں اس کی بہتری ہو وہی اختیار کرنا چاہیے اور اس آیت کریمہ کے اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ایسی ہی مشکلات سے دوچار تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر ان کی ان مشکلات کو رفع فرمایا اور آخر میں واللہ یعلم المفسد من المصلح فرما کر یہ بتا دیا کہ یتیموں کو ساتھ شریک کرنے کے لیے اس ضابطے سے کوئی غلط فائدہ نہ اٹھائے یعنی یتیم جتنا کھا سکتا ہے اس سے زیادہ اس کا خرچ شامل نہ کیا جائے ورنہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تمہیں مشقت میں بھی ڈال سکتے تھے لیکن اس نے تم پر فضل فرمایا ہے اس نے ایسا نہیں کیا ہے اور آخر میں ان اللہ عزیز حکیم لگا کر بتا دیا ہے کہ اگر اس ضابطہ کی خلاف ورزی کروگے تو اس کی گرفت سے نہیں بچوگے ۔

اور دوسری صورت سورۃ نساء کی آیت نمبر ۵ میں بیان فرمائی ہے کہ اگر یتیم بیوقوف ہوں تو پھر مال انہیں دینا ہی نہیں چاہیے بلکہ وہ مال وارثوں کا ہے انہیں خود سنبھال لینا چاہیے اور اس بیوقوف یتیم کو خرچ وغیرہ دینا چاہیے اور ان وارثوں کو چاہیے کہ اسے نصیحت کرتے

رہیں تاکہ سفاہت اس سے نکل جائے اور بلوغت تک اسکی آزمائش کرتے رہیں تاکہ سمجھدار ہوں تو انہیں مال دینا چاہیئے ورنہ نہیں دینا چاہیئے۔ اور تیسری صورت آیت نمبر ۶ میں بیان فرمائی ہے کہ اگر یتیم کا کفیل فقیر تنگ دست ہو تو پھر وہ یتیم کے مال میں سے کھا سکتا ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ یتیم اگر امیر ہو اور اسکا کفیل غریب ہو اور ظاہر بات ہے وہ یتیم تو چھوٹا ہونے کی وجہ سے اپنا مال سنبھال نہیں سکے گا اور کفیل اگر اس کے مال کی طرف توجہ دے تو اپنی ضروریات اس کی پوری نہیں ہوسکیں گی اور اگر وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کی غرض سے کہیں اور مزدوری کرے گا تو ادھر یتیم کا مال ضائع ہو گا اس لیے پروردگار نے اس یتیم کی مصلحت کی خاطر اس غریب کفیل کو اجازت دی ہے اور حکم دیا ہے کہ وہ بقدر ضرورت یتیم کے مال میں سے کھا سکتا ہے یعنی جتنا معاوضہ اسے دوسری جگہ سے ملتا ہے اتنا معاوضہ وہ یتیم کے مال میں سے لے لے اور یتیم کے مال کا تحفظ کرے زمین ہے تو اس میں کاشت کرے کارخانہ یا دکان ہو تو اسے خود چلائے اس کی نگرانی کرے اور پانچ ناجائز صورتوں میں سے پہلی اور دوسری صورت سورۂ نساء آیت نمبر ۲ میں بیان فرمائی ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے واٰتوا الیتمٰی اموالھم ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب یتیموں کا مال انہیں دے دو اور ایسا مت کرو کہ تبدیل کرکے یتیم کا اچھا اچھا مال یا زمین وغیرہ خود رکھ لو اور اپنا ردی اور ناقص مال انہیں دے دو اور دوسری ناجائز صورت یہ ہے کہ یتیم کا کل مال اپنے مال میں شامل کر لیا جائے اس کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ ولا

تاکلوا اموالھم الی اموالکم اور مت کھاؤ ان کے
مالوں کو اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر بے شک یہ بڑا گناہ ہے اور تیسری
ناجائز ان الفاظ میں بیان فرمائی وان خفتم الا تقسطو
فی الیتمٰی الایۃ اگر تمہیں یتیم بچیوں میں ناانصافی کا اندیشہ
ہے تو ان کے بجائے اور عورتوں سے نکاح کر لو ان سے نکاح نہ کرو
دراصل دور جاہلیت میں اگر کسی کی کفالت میں یتیم بچیاں ہوتی تھیں تو وہ
بچیاں اگر خوبصورت ہوتیں تو ان سے ورثا نکاح تو کرتے تھے لیکن
انہیں مہر نہیں دیتے تھے اور اگر بدصورت ہوتی تھیں تو ان سے خود بھی
نکاح نہیں کرتے تھے اور کہیں اور بھی نکاح کرکے نہیں دیتے تھے تاکہ وہ
اس کا خاوند پھر اس کے مال کا مطالبہ نہ کرے بہرحال چونکہ یہ بھی یتیموں
کی حق تلفی کا ایک طریقہ ہے تو اللہ پاک نے اس سے بھی روکا ہے اور
چوتھی ناجائز صورت اس آیت میں بیان فرمائی ولا تاکلوا اسرافا
وبدارا ان یکبرو اور مت کھاؤ ان کا مال اسراف سے
اور جلدی جلدی کر وہ بڑے ہو جائیں گے یعنی پہلی جن تین صورتوں میں
یتیم کا مال کھانے کی اجازت دی ہے ان میں اسراف جائز نہیں
ہے اور پانچویں ناجائز صورت ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔ ومن
کان غنیا فلیستعفف جو غنی ہے وہ بچے اور یتیموں کا مال نہ
کھائے اور آیت نمبر ۶ کے آخر میں نواں حکم یہ فرمایا ہے فَاِذَا
دَفَعْتُمْ اِلَیْھِمْ اَمْوَالَھُمْ فَاَشْھِدُوْا عَلَیْھِمْ
جب یتیموں کو ان کا مال ان کے حوالے کرو تو اس پر گواہ بنا لو اور
آخر میں دسویں چیز یہ فرمایا ہے وکفی باللہ حسیبا۔ اللہ

حساب لینے والا کافی ہے یعنی تم نے پورا دیا یا کم اس کا حساب اللہ لے گا اور آیت نمبر ۸ اور نمبر ۹ میں غیر وارث یتیم کے ساتھ بھی حسن سلوک اور دل جوئی کی ترغیب ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی کی وراثت تقسیم ہو رہی ہو اور اس وقت کچھ ایسے لوگ یتیم وغیرہ بھی آجائیں جن کو اس وراثت میں سے حصہ نہیں ملتا تو انہیں بھی اس میں سے کچھ دینا چاہیے مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اس مرنے والے نے تیسرے حصے کی وصیت کی ہو یا بالغ ورثاء اپنے اپنے حصہ میں سے دیں اور اگر مشترکہ مال سے دیں گے جس میں نابالغ بھی ہوں یا بالغ بھی ہوں مگر موجود نہ ہو تو اس طرح دینا ناجائز اور حرام ہے اور آخر میں اولیاء یتیم کو بڑی جاذب نصیحت فرمائی ۔ فرمایا سوچو اگر تم مرجاؤ اور تمہارے چھوٹے بچے رہ جاتے تو تمہیں کتنا افسوس ہوتا اسی طرح تم میں سے ہی ایک بھائی مرگیا ہے اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے رہ گئے ہیں اس کو بھی تو افسوس ہوا ہو گا اور اس کے بچوں کے دل پر کیا گزر رہی ہو گی لہٰذا تمہیں چاہیئے کہ ان بچوں سے حسن سلوک کرو نہ کہ ان کا سارا مال بھی سمیٹ لو ۔

یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھانے کی اخروی سزا

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ	بے شک جو لوگ یتیموں کا
اَمۡوَالَ الۡیَتٰمٰی ظُلۡمًا	مال ظلم زیادتی سے کھاتے ہیں
اِنَّمَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ	بے شک وہ اپنے پیٹوں میں
بُطُوۡنِہِمۡ نَارًا وَسَیَصۡلَوۡنَ	آگ بھرتے ہیں اور عنقریب

سَعِیْرًا ٥ — وہ بھڑکنے والی آگ میں داخل ہوں گے

(سورۃ نساء آیت ۱۰)

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ ٥ فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ٥ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ ٥ فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ٥ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ٥ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ ٥ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ٥

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے پس وہ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا پس ایسے نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے جو اپنی نمازوں کے مقصد کو بھولے ہوئے ہیں اور جو دکھلاوے کے لیے پڑھتے ہیں اور لوگوں سے برتنے کی چیز بھی منع کرتے ہیں۔

(سورۃ الماعون)

تشریح

سورۃ نساء والی آیت میں یہ فرمایا ہے کہ جو لوگ یتیموں کا مال ظلم اور زیادتی سے کھاتے ہیں وہ درحقیقت اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور ایسے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور سورہ ماعون میں ایسے شخص کو قیامت کا منکر قرار دیا کیونکہ وہ یتیم کو دھکے دے کر نکال دیتا ہے۔ اگر اس کا قیامت پر یقین ہوتا تو ایسا کیوں کرتا فرمایا ایسے انسان

کے لیے بربادی ہے اگر وہ نمازیں پڑھتا ہے تو اس کی نمازیں دکھلاوے کی ہیں وہ مقصدِ نماز سے بھولا ہوا ہے کیونکہ مقصدِ نماز تو یہ ہے اللہ کی مرضی کے سوا کوئی لقمہ منہ میں نہ لے جائے اور جب یہ یتیم کا مال ہڑپ کر رہا ہے اس سے تو اس کی تمام عبادات برباد ہو جائیں گی، کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر ایک حرام لقمہ پیٹ میں چلا جائے تو چالیس دن تک اس کی نماز قبول ہوتی ہے اور نہ دعا مستجاب ہوتی ہے بہرحال ان آیات میں یتیموں کا مال کھانے والے کی سزا بیان فرمائی ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ وہ سزا کیسی ہوگی اور کتنے عرصے تک ہوگی اس کی تفصل جناب رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے فرامین اور ارشاداتِ عالیہ میں ملاحظہ فرمائیں جو عنقریب ہم ذکر کریں گے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ	حضرت ابوہریرہ سے روایت
اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ	ہے کہ بے شک رسول اللہ
عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ	سات ہلاک کرنے والی چیزوں
قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ	سے بچو عرض کیا گیا یارسول اللہ
وَمَا هُنَّ قَالَ	وہ کونسی ہیں آپ نے فرمایا
اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ	اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔ جادو
وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِیْ	کرنا۔ ناجائز قتل کرنا ۔ سود
حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ	کھانا۔ یتیم کا مال کھانا۔ میدانِ
وَاَكْلُ الرِّبَا وَاَكْلُ	جہاد سے فرار اختیار کرنا پاک

مَالَ الْيَتِيْمِ وَالتَّوَلِّيْ	دامن گناہ سے بے خبر مومنہ
يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ	عورتوں کو تہمت زنا لگانا۔
الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ	
الْمُؤْمِنَاتِ (ابن کثیر جزاول ص۴۵۶)	

تشریح

اس حدیث پاک میں جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزوں کو معاشرہ کی تباہی اور بربادی کا ذریعہ بتایا ہے ان میں سے یتیم کا مال کھانا بھی ہے اوران سب کی تفصیل بیان کرنے کی تو یہاں گنجائش نہیں ہے البتہ یتیم کا مال کھانے کی سزا کی تفصیل مزید آرہی ہے۔

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيْ	حضرت ابی سعید خدری سے
قَالَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ	روایت ہے انہوں نے فرمایا
اللّٰهِ مَا رَأَيْتَ لَيْلَةَ	ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ
اُسْرِيَ بِكَ قَالَ	کیا دیکھا آپ نے اس رات
اِنْطَلَقَ بِيْ اِلٰى	جس میں آپ کو معراج کرایا
خَلْقٍ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ	گیا آپ نے فرمایا لے گیا وہ
كَثِيْرٍ رِجَالٌ كُلُّ رَجُلٍ	مجھے طرف بہت سی مخلوق
مِنْهُمْ لَهٗ مِشْفَرٌ	کے اللہ کی مخلوق سے بہت
كَمِشْفَرِ الْبَعِيْرِ وَهُوَ	سے مرد ہیں ہر مرد کے ہونٹ
مُوَكَّلٌ بِهِمْ رِجَالٌ	اونٹ جیسے ہیں اوران پر
يَفُكُّوْنَ لِحَاءَ	کچھ لوگ مقرر ہیں جوان کے

اَحَدِهِمْ ثُمَّ يُجَاءُ
بِصَخْرَةٍ مِنْ
نَارٍ فَتُقْذَفُ
فِيْ فِيْ اَحَدِهِمْ
حتی یخرج من
اسفله ولهم جوار
وصرخ قلت یا
جبرائیل من هٰؤُلاءِ
قال هولاء الذین
یاکلون اموال الیتمی
ظلما انما یاکلون
فی بطونهم نارا و
سیصلون سعیرا
(ابن کثیر جز اول)

جبڑوں کو چیرتے ہیں پھر آگ
کا ایک پتھر لایا جاتا ہے جو
ان میں سے ہر ایک کے منہ
میں پھینک دیا جاتا ہے یہاں
تک کہ اس کے نیچے سے
نکل جاتا ہے اور وہ چیخ وپکار
رہے تھے۔ میں نے کہا
جبرائیل یہ کون لوگ ہیں تو
اس نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں
جو یتیموں کا مال ظلم و زیادتی
سے کھاتے ہیں یقیناً وہ
اپنے پیٹ میں آگ بھرتے
ہیں اور عنقریب وہ بھڑکتی
آگ میں داخل ہوں گے۔

تشریح

اس حدیث پاک میں یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھانے والوں کو جو سزا بیان ہوئی ہے شب معراج میں جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا عملی نمونہ دکھایا گیا تھا تاکہ آپ امت کو بتائیں اور پھر وہ عبرت حاصل کریں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نمونہ بیان فرمادیا۔

عَنْ اَبِیْ بُرْزَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یُبْعَثُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ الْقَوْمُ مِنْ قُبُوْرِھِمْ تَاَجَّجَ اَفْوَاھُہُمْ نَارًا قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَنْ ھُمْ قَالَ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ قَالَ اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ (الآیۃ) (ابن کثیر)

حضرت ابی برزہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ایک قوم اپنی قبروں سے اٹھائی جائے گی جن کے منہ آگ سے جلے ہوئے ہوں گے۔ کہا گیا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں آپ نے فرمایا تونے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے۔

تشریح

پہلی حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں قیامت کے دن ان کا منہ کھول کر اور اسے کشادہ کر کے اس میں آگ کے پتھر مارے جائیں گے جو پاخانہ کے راستے سے نکل جائینگے اور ابی برزہ والی حدیث میں آیا ہے کہ جب وہ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو ان کے منہ آگ سے جلے ہوتے ہوں گے پس معلوم ہوا کہ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھانے والے کو آخرت میں بھی عذاب ہوگا اور قبر میں بھی عذاب ہوگا لیکن قبر والے عذاب کی کیفیت یہ ہوگی

تشریح

ان آیتوں میں چار چیزوں کو زوالِ دولت و نعمت اور کاروباری پریشانی کا ذریعہ بتایا ہے۔ پہلی چیز یتیم کا اکرام نہ کرنا۔ دوسری چیز مساکین کے کھانے پر کسی کو ترغیب نہ دینا تیسری یتیمی وغیرہ کی وراثت ناجائز طور پر کھا جانا اور چوتھی چیز مال و دولت سے محبت رکھنا اور یہ آیات مجمل ہیں ان کی توضیح و تشریح جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد عالی میں ملاحظہ فرمائیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ	اور حضرت ابو ہریرہؓ سے
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ	روایت ہے انہوں نے
اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ	فرمایا کہ جناب رسول اللہ
عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَیْرُ	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
بَیْتٍ فِی الْمُسْلِمِیْنَ	مسلمانوں کے گھروں میں
بَیْتٌ فِیْهِ یَتِیْمٌ	سے بہترین گھر وہ ہے جس
یُحْسَنُ اِلَیْهِ	میں یتیم کے ساتھ حسنِ سلوک
وَشَرُّ بَیْتٍ فِی	کیا جائے اور مسلمانوں کے
الْمُسْلِمِیْنَ بَیْتٌ	گھروں میں سے بدترین گھر
فِیْهِ یَتِیْمٌ	وہ ہے جس میں یتیم کے
یُسَآءُ اِلَیْهِ	ساتھ بدسلوکی کی جائے۔

(رواہ ابن ماجہ)

کہ یتیم کا مال کھانے کی وجہ سے اس کے پیٹ میں جو آگ بھرے گی اس کا اثر منہ سے ظاہر ہوگا اور قیامت والے عذاب کی کیفیت یہ ہوگی کہ اس کا منہ کھول کر کے اس میں پتھر مارا جائے گا جو پاخانے کے راستے سے نکل جائے گا اور یہ طریقہ اختیار کرنے کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ اس پیٹ میں اس نے یتیم کا مال کھایا ہے اس لیے اسے یہ سزا دی جائے گی۔ واللہ اعلم۔

یتیم کا مال ناجائز طور پر کھانے کی دنیاوی سزا

وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ	بہرحال جب اللہ تعالیٰ اسے
فَقَدَرَ عَلَيْهِ	آزماتا ہے پھر اس پر اس
رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ	کی روزی تنگ کرتا ہے
رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ۝	پھر وہ کہتا ہے کہ میرے
كَلَّا بَلْ لَّا	رب نے مجھے ذلیل کر دیا
تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝	ہے ہرگز نہیں بلکہ تم یتیم
وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى	کی عزت نہیں کرتے تھے
طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝	اور مساکین کے کھانے پر کسی
وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ	کو ترغیب نہیں دیتے اور
اَكْلًا لَّمًّا ۝	مال وراثت کو سمیٹ کر کھا
وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ	جاتے تھے اور تم مال سے
حُبًّا جَمًّا ۝	بڑی محبت رکھتے تھے

(سورۃ الفجر آیت نمبر ۱۵ تا ۲۰)

تشریح

اس حدیث میں سورۃ فجر والی آیتوں کی تشریح و توضیح ہے کیونکہ فجر والی آیتوں میں فرمایا ہے کہ جو شخص یتیم کا اکرام نہ کرے اور اس کی وراثت ناجائز طور پر سمیٹ کر کھا جائے اللہ تعالیٰ اس کی روزی تنگ کر دیتے ہیں اور اس حدیث ایسے شخص کے گھر کو شر فرمایا یعنی اس گھر میں روزی تنگ ہونے کے علاوہ اور بھی طرح طرح کی شر ہوگی جھگڑا فتنہ فساد اور امراض وغیرہ پیدا ہوں گی بہرحال یتیم کا مال ناجائز طور پر کھانے سے انسان دنیا کے اندر بھی مختلف قسم کے عذابوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے سب کو پناہ عطا فرمائے

یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کے فضائل اور برکات

وَعَنْ سَهْلِ ابْنِ	حضرت سہل بن سعد سے
سَعْدٍ قَالَ قَالَ	روایت ہے انہوں نے
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی	فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اور
اَنَا وَكَافِلُ	یتیم کی کفالت کرنے والا
الْيَتِيْمِ لَهٗ وَ	خواہ اس کا رشتہ دار ہو
لِغَيْرِهٖ فِي	یا غیر جنت میں اس طرح ہونگے
الْجَنَّةِ هٰكَذَا	اور آپ نے اپنی انگشت
وَاَشَارَ بِالسَّبَابَةِ	شہادت اور درمیانی سے

وَاَوْمَأَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا

اشارہ فرمایا اور ان دونوں کے درمیان تھوڑا فاصلہ رکھا۔

(رواہ البخاری)

(امام بخاری نے یہ حدیث نقل کی ہے)

تشریح

اس حدیث میں جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیم کی تعلیم و تربیت اور کفالت کرنے والے کی فضیلت فوقیت اور درجات کو بیان فرمایا ہے اور یہ سمجھانے کے لیے آپؐ نے اپنی مبارک دو انگلیاں کھڑی کیں ایک انگشتِ شہادت جو سبابہ بھی کہلاتی ہے اور ایک درمیانی بڑی انگلی اور درمیان میں جگہ تھوڑی سی خالی چھوڑی اس میں ایک تو یہ اشارہ فرمایا کہ یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں میرا ساتھی ہوگا اور اس کا مرتبہ سب سے بلند ہوگا اور دوسرا یہ اشارہ فرمایا کہ وہ رتبہ میں برابر نہیں ہوگا کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ ساری مخلوق سے زیادہ ہے اور یہ بھی فرما دیا کہ یہ مرتبہ صرف اپنے رشتہ دار یتیم کی کفالت سے ہی نصیب نہیں ہوتا بلکہ کسی بھی یتیم کی کفالت سے نصیب ہو سکتا ہے خواہ وہ برادری کا ہو یا غیر برادری کا ہو۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ بَيْتٍ فِی الْمُسْلِمِيْنَ بَيْتٌ فِيْهِ

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں میں بہترین گھر وہ ہے جس میں

يَتِيْمٌ يُحْسَنُ اِلَيْهِ	یتیم ہو اور اس سے حسن سلوک
وَشَرُّ بَيْتٍ فِى	کیا جائے اور مسلمانوں میں
الْمُسْلِمِيْنَ بَيْتٌ	بدترین گھر وہ ہے جس میں
فِيْهِ يَتِيْمٌ يُسَآءُ اِلَيْهِ	یتیم ہو اور اس سے بدسلوکی
(یہ تینوں احادیث مشکوٰۃ باب الشفقۃ سے منقول ہیں)	کی جائے۔

تشریح

اس حدیث پاک کے دو حصے ہیں ایک حصے میں خیر کا ذکر ہے اور دوسرے میں شر کا ذکر ہے اور اس کی تشریح ابھی کچھ پہلے گزر گئی ہے اور خیر والی خبر کی تشریح یہ ہے کہ جس گھر میں یتیم ہو اور اہل خانہ اسکے ساتھ اچھے پیش آئیں اس کے ساتھ شفقت اور پیار کریں جس طرح کہ وہ اپنے بچوں کے ساتھ پیار کرتے ہیں اور اس کے مال و متاع کی اسی طرح حفاظت کریں جس طرح کہ وہ اپنے بچوں کے لیے مال کی حفاظت کرتے ہیں تو ایسے گھر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر و برکت اور رحمت نازل ہوگی اور آفات و بلیات سے محفوظ رہیں گے۔

وَعَنْ اَبِىْ اِمَامَةَ قَالَ	اور حضرت ابی امامہ سے
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى	روایت ہے انہوں نے فرمایا
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ	کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ
مَسَحَ رَأْسَ يَتِيْمٍ لَمْ	علیہ وسلم نے فرمایا جس نے
يَمْسَحْهُ اِلَّا لِلّٰهِ كَانَ	یتیم کے سر پہ ہاتھ پھیرا
بِكُلِّ شَعْرَةٍ يَمُرُّ	محض اللہ کی رضا کے لیے

عَلَيْهَا بِيَدِهٖ حَسَنَاتٍ
وَمَنْ أَحْسَنَ
إِلٰى يَتِيْمَةٍ أَوْ يَتِيْمٍ
عِنْدَهٗ كُنْتُ أَنَا
وَهُوَ فِي الْجَنَّةِ
كَهَاتَيْنِ
وَقَرَنَ بَيْنَ
أُصْبُعَيْهِ
(رواه احمد وانس مدنی)

کے لیے ہر بال کے بدلے
جو اس کے ہاتھ کے نیچے
آئے نیکیاں ہوں گی اور
جس کے پاس یتیم بچی یا بچہ
ہو اور وہ اس کے ساتھ
حسن سلوک کرے ہیں اور
وہ جنت میں ایسے ہونگے
اور آپ نے اپنی انگلیوں
کو ملایا۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَنْ أَوٰى يَتِيْمًا
إِلٰى طَعَامِهٖ وَشَرَابِهٖ
أَوْجَبَ اللهُ لَهُ
الْجَنَّةَ الْبَتَّةَ إِلَّا
أَنْ يَعْمَلَ ذَنْبًا
لَا يُغْفَرُ وَمَنْ
عَالَ ثَلٰثَ بَنَاتٍ
أَوْ مِثْلَهُنَّ مِنَ
الْأَخَوَاتِ فَأَدَّبَهُنَّ

اور حضرت ابن عباس سے
روایت ہے انہوں نے
فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس
نے یتیم کو اپنے کھانے پینے
کی طرف پناہ دی اللہ نے
اس کے لیے یقیناً جنت
واجب کر دی ہے مگر وہ
کوئی ایسا گناہ کرے جو قابلِ
معافی نہ ہو اور جس نے
تین بچیوں کی یا تین بہنوں
کی تربیت کی پھر انہیں ادب

وَرَحِمَهُنَّ حَتّٰى	سکھایا اور ان کے ساتھ شفقت
يُغْنِيَهُنَّ اللّٰهُ اَوْجَبَ	کی یہاں تک کہ اللہ انہیں
اللّٰهُ لَهُ الْجَنَّةَ فَقَالَ	غنی کرے اس کے لیے
رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ	جنت واجب ہو جاتی ہے
وَاثْنَيْنِ قَالَ اَوِ	ایک آدمی نے کہا یا رسول
اثْنَيْنِ حَتّٰى لَوْ قَالُوْا	اللہ اور دو۔ تو فرمایا یا دو
اَوْ وَاحِدَةً لَقَالَ	یہاں تک اگر وہ کہتے ایک
وَاحِدَةً وَمَنْ اَذْهَبَ	تو آپ فرماتے ایک اور
اللّٰهُ بِكَرِيْمَتَيْهِ	اللہ تعالیٰ جس کے دو کریم لے
وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ	جائے اس کے لیے جنت
قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ	واجب ہو جاتی ہے۔ آپ
وَمَا كَرِيْمَتَاهُ	سے پوچھا گیا اس کی دو کریم
قَالَ عَيْنَاهُ	کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا اس
(رواہ فی شرح السنۃ)	کی دو آنکھیں ہیں۔
وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ	اور حضرت ابی ہریرہ سے
اِنَّ رَجُلًا شَكَا	روایت ہے کہ بے شک
اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى	آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَسْوَةَ	کے سامنے اپنا دل سخت
قَلْبِهٖ فَقَالَ	ہونے کی شکایت کی آپ
اِمْسَحْ رَاْسَ الْيَتِيْمِ	نے فرمایا یتیم کے سر پر
وَاَطْعِمِ الْمِسْكِيْنَ	ہاتھ پھیرو اور مسکین کو کھانا کھلا

(یہ تینوں احادیث مشکوٰۃ باب الشفقۃ سے منقول ہیں)

انسداد زناکاری

مرد اور عورت کے اندر جو جنسی خواہشات ہیں در حقیقت یہ ہی ترقی کا ذریعہ اور سرمایہ ہیں۔ خالق کائنات مختلف اجزا اور عناصر کے نچوڑ کو جمع کر کے نطفہ کی شکل وصورت میں رحم مادر میں محفوظ کر لیتا ہے اور یہ میاں اور بیوی کی جو کھی حرکت کا نتیجہ ہے اور اس خالق کائنات نے اس نطفہ کو جس طرح رحم مادر کے تین پردوں میں محفوظ کیا ہے اسی طرح ان اجزا کے سلسلہ میں بھی چار ضابطے ہیں اولین یہ ہے کہ اس نطفہ کے اجزا پاکیزہ ہونے چاہئیں۔ گندے غلیظ اور ردی قسم کے اجزا نہیں ہونا چاہئیں اب کون سے اجزا پاکیزہ ہیں اور کون سے اجزا پاکیزہ نہیں ہیں اب اس سلسلہ میں میاں بیوی کی رائے اور صوابدید کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس خالق نے خود ہی نشاندہی فرما دی ہے۔ قرآن کریم میں اس کی تفصیل موجود ہے جو چیزیں حلال قرار دی ہیں وہ پاکیزہ ہیں اور جو چیزیں حرام قرار دی ہیں وہ گندی ہیں۔ یہ تفصیل انشاء اللہ اپنے مقام میں آئے گی اس کتاب میں اس کی گنجائش نہیں ہے اور پاکیزہ اور عمدہ اجزا سے تیار ہونے والا یہ انسان عمدہ نفع مند خلق خدا کو فائدہ پہنچانے والا ہوگا اور گندے اجزا سے جو انسان تیار ہوگا وہ نفع مند نہیں ہوگا کیونکہ جیسے ان اجزا کی تاثیرات ہوں گی ایسے ہی تاثیرات ان سے تیار ہونے والے مادہ میں بھی ہونگی بلکہ ان خبیث اور گندے اجزا کے جمع ہونے سے ان کی ضرررسانی میں کئی گنا اضافہ ہو جائے گا اور جب پورا معاشرہ ہی ایسا ہوگا تو پھر ان کی تباہی یقینی ہے اور

دوسرا ضابطہ یہ ہے کہ مرد اور عورت کا باہم نکاح ہو اس کی تفصیل گزشتہ ابواب میں بیان ہو چکی ہے اور ان مذکورہ نکاح کے اصولوں کو ملحوظ رکھ اگر نکاح کیا جائے گا اور اگر میاں بیوی ان ہی اصولوں پر گامزن رہیں گے تو ایسی شادی سے صلۂ رحمی کے رشتے قائم ہوں گے دونوں خاندانوں کے درمیان اتفاق واتحاد، اخوت اور محبت پیدا ہوگی اور اس ملاپ سے جو اولاد تولد ہوگی اس کے ساتھ ان والدین کو محبت ہوگی اور ایسی اولاد جوان ہو کر اپنے بوڑھے والدین کے ساتھ ہمدردی برتے گی لیکن اگر نکاح کے ذریعہ اولاد تولد نہیں کی جائے گی تو ایسی اولاد سے اس کے ماں باپ کو محبت نہیں ہوگی بلکہ اس کی ماں بننے کے لیے کوئی عورت تیار نہیں ہوگی اس کا باپ بننے کے لیے کوئی مرد تیار نہیں ہوگا اور اسی طرح بقیہ رشتہ داروں کو قیاس کر لیں، اس کا تایا، چچا، خالہ، پھوپھی، ماموں وغیرہ کون بننے کو تیار ہوگا۔ یہ تو نقصان ہے دوسرے ضابطہ کی خلاف ورزی یعنی زنا کے ذریعہ اولاد پیدا کرنے کا اور تیسرا ضابطہ یہ ہے کہ یہ نکاح تاحیات ہو یعنی متعہ اور نکاح موقت نہ ہو کیونکہ جو نقصان زنا کے ذریعہ اولاد پیدا کرنے سے ہوتا ہے، وہی نقصان متعہ اور نکاح موقت سے بھی ہے اگرچہ اس درجہ کا نقصان نہ سہی تاہم ہے تو سہی اور نومولود بچے کو شفقت تامہ کی ضرورت ہوتی ہے جو صرف اور صرف نکاح تاحیات سے ہی آسکتی ہے اور چوتھا ضابطہ یہ ہے کہ ایک عورت کا خاوند ایک ہی ہو بیک وقت متعدد خاوند نہیں ہونا چاہئیں اس کی تین وجہیں معلوم ہوتی ہیں۔ اوّلین یہ ہے کہ اصل مقصود اولاد کی صحیح تربیت ہے اور ان کے حقوق کی نگہداشت ہے اگر باپ ایک نہیں ہوگا تو اولاد کی تربیت کا مسئلہ الجھ جائے گا تقسیم ور

ہیں بڑی مشکلات درپیش آئے گی تو غرضیکہ ایک عورت کے متعدد خاوند ہونے کی صورت میں ایک تو وہی نقصان ہے کہ جو زنا کی صورت میں ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ایک عورت متعدد خاوندوں کی متحمل بھی نہیں ہوسکے گی اس کے اخراجات اور حقوق کے مسائل الجھ جائیں گے اور تیسری وجہ یہ ہے کہ متعدد خاوندوں کے مواد جمع ہونے سے بیک وقت متعدد بچے بھی پیدا ہوسکتے ہیں جس کی عورت متحمل نہیں ہے اور نیز مختلف مواد کی وجہ سے اولاد کے مزاج پر بھی بُرا اثر پڑے گا جو باعث فساد امراض وغیرہ ہوگا اس لیے شریعت نے مطلقہ اور بیوگان کی عدت رکھی ہے تاکہ مختلف مواد کے جمع ہونے سے مذکورہ نقصانات پیدا نہ ہوں الغرض مرد اور عورت کے اندر جو جنسی خواہشات ہیں ایک طرف تو یہ ترقی کا ذریعہ ہیں اور دوسری طرف زوال کا ذریعہ بھی ہیں اگر ان کو بالکل کھلی چھٹی دے دی جائے جس طرح چاہیں کریں تو اس طرح ترقی کے بجائے تنزل ہوگا لہٰذا ہر ذی عقل کے نزدیک ان پر کنٹرول ضروری ہے اسی لیے ہر ملک میں مرد اور عورت کو جوڑنے کے لیے کوئی نہ کوئی قانون موجود ہے مگر اس سلسلہ میں جو قانون اسلام نے رکھا ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے اور دنیا میں جو نظام مروج ہیں وہ مقاصد نکاح کو کماحقہٗ اور احسن طریقہ سے پورا نہیں کرسکتے اسی لیے وہاں ان ممالک میں برکات نکاح بھی سامنے نہیں آتی ہیں اور اسلام نے جو زریں اصول بتائے ہیں پندرہ سو سال گزر جانے کے باوجود آج بھی جو اس دستور پر عمل کرتا ہے تو اسلام کی برکات کو موجود پاتا ہے تو خلاصہ یہ نکلا کہ جنسی خواہشات پر کنٹرول کے لیے اسلامی دستور کے موافق نکاح اور اس پر عمل از بس ضروری

ہے اور اس کی خلاف ورزی درحقیقت انسانیت کے ساتھ دشمنی ہے اور جو لوگ اس کو ذاتی فعل سمجھتے ہیں وہ ان عظیم مقاصد سے بے خبر ہیں اسی لیے خالق کائنات نے انسداد زنا کاری کے لیے بڑی سخت سزائیں رکھی ہیں جن کی تفصیل انشاء اللہ العزیز ہم عنقریب بیان کریں گے مگر پہلے قرآن اور سنت کی روشنی میں زنا سے بچنے والوں کے اوصاف اور فضائل بیان ہوں گے اور پھر اس کے بعد زنا کی مذمت ممانعت اس کی دنیاوی اور اخروی سزا بیان ہوگی۔

زنا سے بچنے والوں کی دُنیاوی اور اُخروی کامیابی کا بیان

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝	تحقیق کامیاب ہو گئے وہ
اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ	مومن جو اپنی نمازوں میں
صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝	عاجزی کرتے ہیں اور جو
وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ	بے ہودہ کاموں سے منہ
اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝	پھیرتے ہیں۔
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ	اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں
فٰعِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ	اور جو اپنی شرمگاہوں کی
لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ	حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی
۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ	بیویوں پر یا ان باندیوں پر کہ
اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ	مالک ہوئے ان کے داہنے

فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝	ہاتھ پس بے شک وہ ملامت
فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ	کئے ہوئے نہیں ہیں پس جو
ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	اس کے سوا راستہ تلاش کریگا
الْعٰدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ	وہ زیادتی کرنے والے ہیں
هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ	اور جو اپنی امانتوں کی اور
رٰعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ	عہدوں کی رعایت رکھنے
عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝	والے ہیں اور جو اپنی
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝	نمازوں پر حفاظت کرتے
الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ	ہیں وہی وارث ہیں
هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝	جو وارث ہوں گے فردوس
(سورہ مومنون آیت ا تا ۱۱)	کے ۔ اس میں ہمیشہ رہیں
	گے ۔

تشریح

ان آیات میں سات صفات کے حامل ایمانداروں سے اللہ پاک نے دو وعدے فرمائے ہیں ایک دُنیاوی کامیابی اور ایک اُخروی کامیابی اور ان صفات میں سے ایک صفت یہ ہے جو اپنے آپ کو زنا سے بچاتے ہیں اور سورۃ فرقان میں ایسے بندوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ رحمان کے خاص بندے ہیں پس معلوم ہوا کہ جو لوگ زنا سے بچتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص بندے بھی اور ان کے لیے دنیا میں بھی کامیابی ہوگی اور آخرت میں بھی کامیابی ہوگی ۔

زنا کی مذمت کا بیان

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى	زنا کے قریب مت جاؤ بیشک
اِنَّهٗ فَاحِشَةً وَسَآءَ	وہ بے حیائی اور برا راستہ
سَبِيْلًا ۝ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۳۲)	ہے ۔
وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ	اور بے حیائیوں کے قریب
مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا	مت جاؤ خواہ ظاہری ہوں
بَطَنَ (انعام آیت ۱۵۹)	یا باطنی ۔
وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً	اور جب وہ بے حیائی کرتے
قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَا	ہیں تو کہتے ہیں ہم نے اسی
اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا	طریقے پر اپنے ابا کو پایا ہے
بِهَا قُلْ اِنَّ اللّٰهَ	اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم
لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ	دیا آپ فرما دیں اللہ بے حیائی
اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ	کا حکم نہیں دیتا تم اپنی ناسمجھی
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ	سے اللہ پر بہتان لگا رہے
۝ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ	ہو آپ فرما دیں بے شک
رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ	میرے رب نے بے حیائیوں
مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ	کو حرام کیا ہے خواہ ظاہری
(سورۃ الاعراف آیت ۲۸-۳۳)	ہوں یا باطنی ۔
وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ	اور ان لوگوں کو پاک دامن
لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا	رہنا چاہیئے جو نکاح کی توفیق

حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ	نہیں رکھتے یہاں تک کہ اللہ
مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَلَا تُكْرِهُوْا	تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے
فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ	غنی کر دے گا اور اپنی لونڈیوں
اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا	کو جو پاک دامن رہنا چاہتی
لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ	ہیں زنا پر مجبور مت کرو تاکہ
الدُّنْيَا وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ	دنیا کا فائدہ حاصل کر لو اور
فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْ بَعْدِ	جو انہیں مجبور کریگا تو بیشک
اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ	اللہ بعد ان کے مجبور ہونے
رَّحِيْمٌ (سورۃ النور آیت ۳۳)	کے بخشنے والا مہربان ہے۔

تشریح

ان آیات میں اللہ رب العزت نے زنا کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ بے حیائی ہے اور برا راستہ ہے یہ تم پر حرام ہے اس کے قریب تک نہ جانا، شادی کی توفیق نہیں ہے تو بھی بچ کر رہو اللہ تعالےٰ خود تمہاری یہ ضرورت پوری فرمائیں گے اور اپنی پاک دامن باندیوں کو بھی اس بے حیائی پر مجبور مت کرو۔ ہاں اگر کسی ظالم نے ان پر زبردستی کی تو پھر وہ باندیاں گناہ گار نہیں ہیں۔

یہ جو تشریح عرض کی ہے یہ صراحتاً معلوم ہو رہی ہے اور مندرجہ ذیل احادیث سے بھی ان آیات کی مزید توضیح و تشریح ملاحظہ فرمائیں۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ	حضرت ابن مسعود سے
اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ	روایت ہے اللہ ان سے

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا اَحَدًا اَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ مِنْ اَجْلِ ذَالِكَ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔

راضی ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت مند نہیں اس لیے اس نے بے حیائیوں کو حرام قرار دیا ہے خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی۔

عَنْ مَوْلَاةِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ قَالَ سَعْدُ ابْنُ عُبَادَةَ لَوْ رَئَيْتُ مَعَ اِمْرَاَتِیْ رَجُلًا لَضَرَبْتُهٗ بِالسَّيْفِ غَيْرَ مُصْفِحٍ فَبَلَغَ ذَالِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَعْجَبُوْنَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ فَوَاللّٰهِ لَاَنَا اَغْيَرُ مِنْ سَعْدٍ وَاللّٰهُ اَغْيَرُ مِنِّیْ مِنْ اَجْلِ ذَالِكَ

اور حضرت مغیرہ کے غلام سے نقل ہے انہوں نے فرمایا کہ سعد بن عبادہ نے فرمایا اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو دیکھوں تو اسے سوائے منہ پھیرنے کے قتل کردُونگا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا کیا تم سعد کی غیرت سے تعجب کرتے ہو قسم اللہ کی میں سعد سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ مجھ سے بھی زیادہ

حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ

(ابن کثیر جلد دوم ص ۱۸۸)

غیرت مند ہے اسی لیے اس نے بے حیائیوں کو حرام کہا ہے خواہ ظاہری ہوں یا باطنی ۔

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ فَتًی شَابًّا اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ائْذَنْ لِیْ بِالزِّنَا فَاَقْبَلَ الْقَوْمُ عَلَیْهِ فَزَجَرُوْهُ وَقَالُوْا مَهْ مَهْ فَقَالَ اُدْنُهْ فَدَنَا مِنْهُ قَرِیْبًا فَقَالَ اِجْلِسْ فَجَلَسَ فَقَالَ اَتُحِبُّهٗ لِاُمِّكَ قَالَ لَا وَاللّٰهِ جَعَلَنِیَ اللّٰهُ فِدَاكَ قَالَ وَلَا النَّاسُ یُحِبُّوْنَهٗ لِاُمَّهَاتِهِمْ قَالَ اَفَتُحِبُّهٗ

حضرت ابی امامہ سے نقل ہے کہ بے شک ایک نوجوان آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ مجھے زنا کی اجازت دیں پھر لوگوں نے اس کی طرف متوجہ ہو کر اسے ڈانٹا اور اسے کہا کہ اسے چھوڑ دو اسے چھوڑ دو پھر آپ نے اسے فرمایا میرے قریب ہو جاؤ تو آپ کے قریب ہوا آپ نے فرمایا بیٹھ جا تو وہ بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا کیا تو اس زنا کو اپنی ماں کے لیے پسند کرتا ہے اس نے کہا نہ اللہ کی قسم

لِابْنَتِكَ قَالَ	اللہ مجھے آپ پر قربان کر دے
لَا وَاللّٰهُ يَا رَسُوْلَ	آپ نے فرمایا باقی لوگ بھی
اللّٰهِ جَعَلَنِیْ	اسے اپنی ماؤں کے لیے پسند
اللّٰهُ فِدَاكَ	نہیں کرتے آپ نے فرمایا
قَالَ وَلَا النَّاسُ	کیا تو اسے اپنی بیٹی کے لیے
يُحِبُّوْنَهٗ لِبَنَاتِهِمْ	پسند کرتا ہے تو اس نے کہا
قَالَ اَفَتُحِبُّهٗ	نہ اللہ کی قسم اے رسول اللہ
لِاُخْتِكَ قَالَ	اللہ مجھے آپ پر قربان کر دے
لَا وَاللّٰهِ جَعَلَنِیْ	آپ نے فرمایا اور لوگ بھی
اللّٰهُ فِدَاكَ قَالَ	اسے اپنی بیٹیوں کے لیے
وَلَا النَّاسُ	پسند نہیں کرتے آپ نے
يُحِبُّوْنَهٗ لِاَخَوَاتِهِمْ	فرمایا کیا تو اسے اپنی بہن
قَالَ اَفَتُحِبُّهٗ	کے لیے پسند کرتا ہے اس
لِعَمَّتِكَ قَالَ	نے کہا نہ اللہ کی قسم اللہ مجھے
لَا وَاللّٰهُ جَعَلَنِیْ	آپ پر قربان کر دے آپ
اللّٰهُ فِدَاكَ	نے فرمایا اور لوگ بھی اسے
قَالَ وَلَا النَّاسُ	اپنی بہنوں کے لیے پسند نہیں
يُحِبُّوْنَهٗ لِعَمَّاتِهِمْ	کرتے آپ نے فرمایا کیا تو
قَالَ اَفَتُحِبُّهٗ	اسے اپنی پھوپھی کے لیے
لِخَالَتِكَ قَالَ	پسند کرتا ہے اس نے کہا نہ
لَا وَاللّٰهِ جَعَلَنِیْ	اللہ کی قسم اللہ مجھے آپ پر

اللّٰہُ فِدَاءَكَ قَالَ وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِخَالَاتِهِمْ قَالَ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهِ وَقَالَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ وَطَهِّرْ قَلْبَهُ وَاحْصِنْ فَرْجَهُ فَلَمْ يَكُنْ بَعْدَ ذَالِكَ الْفَتٰى يَلْتَفِتُ اِلٰى شَيْءٍ

(ابن کثیر صـ۲۸ ج ۳)

قربان کردے۔ آپ نے فرمایا اور لوگ بھی اسے اپنی پھوپھیوں کے لیے پسند نہیں کرتے آپ نے فرمایا کیا تو اسے اپنی خالہ کے لیے پسند کرتا ہے اس نے کہا نہ اللہ کی قسم اللہ مجھے آپ پر قربان کردے آپ نے فرمایا اور لوگ بھی اسے اپنی خالاؤں کے لیے پسند نہیں کرتے۔ راوی نے کہا پھر آپ نے اپنا ہاتھ اس پر رکھا اور دُعا کی اے اللہ اس کے گناہ معاف فرمادے اور اس کے دل کو پاک کر اور اسکی شرمگاہ کی حفاظت فرما راوی نے کہا اس کے بعد وہ جوان کسی بری چیز کی طرف توجہ نہیں کرتا تھا۔

زنا کی دنیاوی تباہ کاری

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ اور حضرت عمر بن عاص سے

الْعَاصِ قَالَ	روایت ہے انہوں نے
سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ	فرمایا کہ میں نے سنا رسول
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا	آپ فرماتے تھے جس بھی
مِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ	قوم میں زنا پیدا ہو جائے
فِيْهِمُ الزِّنَا اِلَّا	ان پر قحط سالی مسلط کی جاتی
اُخِذُوْا بِالسَّنَةِ	ہے اور جس میں رشوت
وَمَا مِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ	پیدا ہو جائے ان کے دلوں
فِيْهِمُ الرُّشَا اِلَّا	میں دُشمن کا رُعب ڈال
اُخِذُوْا بِالرُّعْبِ	دیا جاتا ہے ۔

(مشکوٰۃ کتاب الحدود صہ ۳۱۳)

تشریح

اس حدیث میں دو گناہوں کی سزا بیان ہوئی ہے ۔ ایک زنا اور دوسرا رشوت ۔ رشوت کی تفصیل تو انشاء اللہ العزیز اپنے مقام میں بیان ہو گی اور زنا کے متعلق پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ اس سے قطع رحمی ہوتی ہے ۔ اخوت اور بھائی چارے کے رشتے ختم ہوتے ہیں اور ظاہر بات ہے اور تجربات اور مشاہدات بھی ہیں کہ اس سے انسان بڑی بُری طرح متاثر ہوتے ہیں اور تمام انسانوں کو جو لوگ مصیبت میں ڈالتے ہیں ایسے لوگوں پر یقیناً اللہ کا قہر نازل ہوتا ہے اس کی ایک قسم قحط سالی ہے جس کا بیان اس حدیث میں ہے ۔ اعاذنا اللہ

عَنِ الْهَيْثَمِ ابْنِ	اور ھیثم بن مالک طائی سے
مَالِكٍ الطَّائِيِّ عَنِ	روایت ہے انہوں نے
النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	روایت کی جناب نبی صلی اللہ
وَسَلَّمَ قَالَ مَا	علیہ وسلم سے آپ نے فرمایا
مِنْ ذَنْبٍ بَعْدَ الشِّرْكِ	نہیں کوئی گناہ شرک کے بعد
اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ	بڑا اللہ کے نزدیک نطفہ
مِنْ نُطْفَةٍ وَضَعَهَا	سے کہ ڈالے آدمی اسے
رَجُلٌ فِيْ رَحِمٍ لَا يَحِلُّ لَهٗ	رحم میں جو اس کے لیے
(ابن کثیر جلد ۳ ص ۳۸ سے ۲۷۱ پہلے دیکھیں)	حلال نہیں۔

تشریح

زنا کی تباہ کاری اور بربادی کی تفصیل گزشتہ صفحات میں آچکی ہے اور کوئی بھی غیرت مند باپ۔ بیٹا بھائی وغیرہ ایسا نہیں ہے جو اپنے سامنے طاقت رکھتے ہوئے اپنی ماں بیٹی بہن وغیرہ کی ذلت رسوائی اوباشوں کے ہاتھوں سے برداشت کرے ہاں اگر کوئی دیوث ہو تو وہ الگ بات ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ صلہ رحمی کے رشتے ہیں یہ خون مشترکہ ہے ایک ۔ باغیرت انسان ان کی عزت کو اپنی عزت سمجھتا ہے اور ان کی ذلت کو اپنی ذلت سمجھتا ہے اور انسان کے ساتھ سب سے زیادہ تعلق خداوند پاک کا ہے اس سے زیادہ انسان پر کوئی مہربان نہیں اور اس سے بڑھ کر کوئی ہمدرد نہیں وہی اس کا خالق

وہ مالک مربّی و محسن ہے وہ اپنے بندوں اور بندیوں کی عزت کو اپنی عزت سمجھتا ہے اور ان کی ذلت کو اپنی ذلت تصور کرتا ہے اس لیے اس نے انہیں ازلی ابدی عزت دینے کے لیے دنیا اور آخرت کی ذلت سے انہیں بچانے کے لیے ضوابط مقرر فرمائے ہیں اور یہ ضوابط سمجھانے کے لیے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے ہیں ان میں سے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں باقی انبیاء کی طرح آپ بھی اللہ پاک کی رحمتوں اور شفقتوں کا مظہر اتم تھے آپ بھی انسانیت کی عزت کو اپنی عزت اور ان کی ذلت اور رسوائی کو اپنی رسوائی تصور کرتے تھے اس لیے رب العالمین کے ان ضوابط کو رحمۃ للعالمین نے انتہائی شفیقانہ انداز میں سمجھایا کہ جس کی نظیر پیش کرنا مشکل ہے مقام غور ہے کہ وہ ایک شخص آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے اور اس دو جہاں کے سردار سے بھری مجلس میں بلا جھجک بے دھڑک اور سوائے شرم و حیا کے آپ جیسی ہستی سے زنا جیسے خبیث فعل کی اجازت مانگتا ہے اور لوگ اس کو ڈانٹتے ہیں سرزنش کرتے ہیں ملامت کرتے ہیں مگر قربان جاؤں اس متاع دو عالم روح دو عالم جان دو عالم محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ سوائے کسی زجر و توبیخ کے اس کو اپنے پاس بلا کر دست شفقت پھیرتے ہیں حکمت اور دانائی سے بھرپور الفاظ کے موتی بکھیرتے ہوئے اسے فرماتے ہیں اور اسے نصیحت کرتے جاتے ہیں اور وہ اطاعت اور فرمانبرداری کا اظہار کرتا جاتا ہے ۔ آپ فرماتے ہیں کیا تو اپنی ماں سے زنا پسند کرے گا کہا نہیں اللہ مجھے آپ پر قربان کر دے تو آپ نے فرمایا اور لوگ بھی تو ایسا پسند نہیں کرتے اسی طرح

بیٹی، بہن، پھوپھی اور خالہ کا بھی آپ نے تذکرہ فرمایا تو اس نے ہر موقعہ پر یہی مذکورہ جوابات دیئے تو آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت بھرے لب و لہجے میں اللہ کے حضور میں اس کی مغفرت اور اصلاح کی دُعا مانگی اللہ پاک نے آپ کی دُعا قبول فرمائی تو اس کے دِل میں ایسا انقلاب آیا کہ آئندہ کے لیے یہ بُرا فعل اس کے خواب و خیال سے بھی نکل گیا۔ افسوس آج علمار کرام عوام الناس کو اس انداز بلیغ سے سمجھائیں تو بُرائی کا قلع قمع ہو مگر علمار نے یہ انداز تبلیغ چھوڑ دیا ہے اسی لیے علمار کرام کے وعظ و نصیحت میں اثر نہیں۔ خُفتہ را خُفتہ کے کند بیدار بہر حال بحث کا خلاصہ اور لب لباب یہ نکلا کہ زنا کا فعل انتہائی مذموم اور معاشرہ کے لیے زہر قاتل ہے۔ اخوت کی بنیادیں اس سے منہدم ہو جاتی ہیں اور ایسے عناصر درحقیقت انسانیت کے دشمن اور ناسور ہیں جن کا اپریشن ضروری ہے چنانچہ اس خالق کائنات نے ان لوگوں کے لیے بڑی سخت اور عبرت ناک سزائیں رکھی ہیں تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔ آنے والی آیات میں ان شار اللہ العزیز ہم وہ سزائیں بیان کریں گے۔

زنا کے ذریعہ انسانی شیرازہ بکھیرنے والوں کی دُنیاوی سزا اور اسکے ثبوت کا طریقہ

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ	اور تمہاری عورتوں میں کوئی
مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا	بدکاری کرے تو ان پر اپنوں

عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ
فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ
فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى
يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ
يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ
سَبِيْلًا ۝

(سورۃ نساء آیت ۱۵)

میں سے چار مرد گواہ لاؤ پھر
اگر وہ گواہی دے دیں تو
ان عورتوں کو گھروں میں بند
رکھو یہاں تک کہ انہیں موت
آجائے یا اللہ ان کے لیے
کوئی راستہ نکال دے۔

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ
فَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ
اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ
تَذَكَّرُوْنَ ۝ اَلزَّانِيَةُ
وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا
كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا
مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا
تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا
رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ
اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ
عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ (سورۃ نور آیت ۱-۲)

یہ ایک سورۃ ہے جس کو
ہم نے نازل کیا ہے اور
اسے فرض کیا ہے اور اس
میں ہم نے صاف صاف احکام
نازل کئے ہیں تاکہ تمہیں نصیحت
آئے۔ زانیہ عورت اور
مرد پس ہر ایک کو سو سو
درّے مارو
اور تمہیں ان پر اللہ کا حکم نافذ
کرنے میں شفقت نہ پکڑے
اگر تم اللہ اور آخرت کے
دن پر ایمان رکھتے ہو اور
انہیں سزا دیتے وقت ایمان
والوں کی ایک جماعت ہونا چاہیے۔

تشریح

ان آیتوں میں سے پہلی نساء والی آیت میں اجمال ہے تفصیل نہیں ہے اس میں صرف اتنا فرمایا ہے کہ زنا کی مرتکبات عورتوں کے خلاف اگر چار گواہ گواہی دے دیں تو انہیں گرفتار کر کے "تاحیات گھروں میں بند کر دو یا اللہ ان کے لیے کوئی اور سبیل نکالے گا اس میں یہ نہیں فرمایا کہ وہ عاقلہ ہوں یا غیر عاقلہ، بالغہ ہوں یا غیر بالغہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی بیوہ ہوں یا غیر بیوہ ہوں مجبورہ ہو یا غیر مجبورہ نیز گواہان کے بارے میں بھی کوئی تذکرہ نہیں ہے کہ وہ عادل ہوں یا غیر عادل وغیرہ ذالک اس کی کوئی تفصیل نہیں ہے اور اس میں صرف عورتوں کا ذکر ہے مردوں کا کوئی ذکر نہیں ہے اور یہ ذکر بھی نہیں ہے کہ اگر کوئی مرد ایسی حالت میں اس عورت کو رکھنا چاہے تو اسے رکھ سکتا ہے یا نہیں لہٰذا یہ آیت انتہائی مجمل ہے اور قرآن کا یہ دستور ہے القران یفسر بعضہ للبعض اس ضابطہ کے تحت کچھ تفصیل تو سورہ نور والی آیات میں بیان فرمائی ہیں اور کچھ تفصیل جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث میں بیان فرمائی ہیں اب سب سے پہلے سورہ نور والی آیات کی تشریح عرض کرتا ہوں۔ واللہ ھو الموفق والمعین۔ اس سورۃ میں سب سے پہلے یہ فرمایا ہے اللہ پاک نے کہ اس سورت کو میں نے خود اتارا ہے اس کے احکامات میں نے تم پر فرض کئے ہیں اور انہیں بالکل واضح اور کھول کر بیان کیا ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ احکامات بنا لیے ہیں اور فرمایا کہ یہ بھی نہ سمجھنا کہ یہ احکامات کوئی

معمولی نوعیت کے ہیں بلکہ ان کی تعمیل تمہارے فرائض میں شامل ہے ان کی اگر خلاف ورزی کروگے تو فریضہ میں کوتاہی ہوگی اور پھر فرمایا کہ ان احکامات کی تعمیل کروگے تو تمہارا اپنا ہی بھلا ہوگا اور خلاف ورزی کروگے تو تمہارا اپنا ہی نقصان ہوگا خدا کا اس میں فائدہ ہے نہ نقصان اس کے بعد یجعل اللہ لھن سبیلا کی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ اس جرم کا مرتکب مرد ہو یا عورت دونوں کو سو سو دُرّے مارنا ہے دوسرا یہ فرمایا کہ شفیقانہ انداز سے نہ مارے جائیں بلکہ بے رحمی اور بے دردی سے مارے جائیں کیونکہ انہوں نے صلۂ رحمی کے رشتے کو توڑ کر بے رحمی کی فضا پیدا کی ہے اور تیسرا یہ فرمایا کہ یہ سزا سرِ عام ہونا چاہیئے بہرحال سورہ نور والی آیت نے سورہ نساء والی آیت کی تفصیل تو بیان فرمائی مگر پھر بھی یہ تفصیل پوری نہیں ہے اور نیز اس آیت نے یتوفھن الموت والی سزا بھی منسوخ کر دی ہے کیونکہ جب سبیلا کی وضاحت آگئی تو یتوفھن والی سزا کی ضرورت خود ختم ہوگئی اور اب ہم آنے والی احادیث میں جناب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مجمل آیت کی جو تشریح اور توضیح بیان فرمائی ہے وہ عرض کرتے ہیں اور نیز آنے والی احادیث سے یہ بھی اندازہ ہوجائے گا کہ فاجلدوھم کل واحد الآیتہ سے مراد سخت سزا ہے اور یہ زانی افراد کی حیثیت پر موقوف ہے کہیں یہ سزا زیادہ سخت ہے اور کہیں بالکل نرم ہے اور کہیں بالکل نہیں ہے اور اس سے احادیث کی اہمیت بھی معلوم ہوگئی۔

زانیہ اور زانی کنوارے ہوں تو انکی سزا سَو سَو دُرّے ہے اور شادی شدہ کی رجم ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَزَیْدِ ابْنِ خَالِدٍ اِنَّ رَجُلَیْنِ اخْتَصَمَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحَدُهُمَا اقْضِ بَیْنَنَا بِکِتَابِ اللّٰهِ وَقَالَ الْاٰخَرُ اَجَلْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاقْضِ بَیْنَنَا بِکِتَابِ اللّٰهِ وَائْذَنْ لِیْ اَنْ اَتَکَلَّمَ قَالَ تَکَلَّمْ قَالَ اِنَّ ابْنِیْ کَانَ عَسِیْفًا عَلٰی هٰذَا فَزَنَا بِامْرَاَتِهٖ فَاَخْبَرُوْنِیْ اَنَّ عَلٰی ابْنِی الرَّجْمُ

اور حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت زیدؓ بن خالد سے روایت ہے کہ دو شخصوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں جھگڑا پیش کیا ان میں سے ایک نے کہا کہ آپ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کریں اور دوسرے نے کہا ہاں یا رسول اللہ آپ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کریں اور مجھے اجازت دیں کہ میں بات کروں آپ نے فرمایا بات کر تو اس نے کہا میرا بیٹا اس کا مزدور تھا پھر اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا پھر مجھے کچھ علماء نے

فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ	کہا کہ میرے بیٹے پر رجم ہے
بِمِائَةِ شَاةٍ وَبِجَارِيَةٍ	تو میں نے اس کی طرف سے
لِيْ ثُمَّ اِنِّيْ	ایک سو بکری اور ایک اپنی
سَاَلْتُ اَهْلَ الْعِلْمِ	کنیز فدیہ ادا کیا ہے پھر میں
فَاَخْبَرُوْنِيْ اَنَّ	نے اہل علم سے پوچھا، تو
عَلٰى اِبْنِيْ جَلْدَ مِائَةٍ	انہوں نے مجھے بتایا ہے
وَتَغْرِيْبَ عَامٍ وَ	کہ میرے بیٹے پر سو دُرّے
اِنَّمَا الرَّجْمُ عَلٰى	اور ایک سال کی جلا وطنی
اِمْرَاَتِهٖ فَقَالَ	ہے اور اس کی بیوی پر رجم
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى	ہے پس رسول اللہ صلی اللہ
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	علیہ وسلم نے فرمایا آگاہ رہو
اَمَا وَالَّذِيْ	قسم ہے اس ذات کی جس
نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَاَقْضِيَنَّ	کے دست پاک میں ہے
بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ	میری جان میں ضرور تمہارے
اللّٰهِ اَمَّا غَنَمُكَ	درمیان کتاب اللہ کے موافق
وَجَارِيَتُكَ فَرَدٌّ	فیصلہ کروں گا پھر تمہاری بکریاں
عَلَيْكَ وَاَمَّا	اور کنیز تجھے واپس دی جائیگی
اِبْنُكَ فَعَلَيْهِ جَلْدُ	اور تیرے بیٹے پر سو دُرّے
مِائَةٍ وَتَغْرِيْبُ	اور ایک سال کی جلا وطنی
عَامٍ وَاَمَّا	ہے اور بہرحال اے اُنیس
اَنْتَ يَا اُنَيْسُ	تو اس عورت کے پاس جا

فَاغْدُ اِلٰی اِمْرَاَةِ	اگر وہ اعتراف کرے تو
هٰذَا فَاِنْ	اسے رجم کردے (اس
اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا	حدیث پر بخاری و مسلم کا
(متفق علیہ)	اتفاق ہے)

تشریح

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دو شخصوں نے پہلے یہودی علماء سے فیصلہ کرایا اور یہ فیصلہ دو لحاظ سے غلط تھا اولاً اس لیے کہ اس زانی مرد پر رجم نہیں تھا رجم اس عورت زانیہ پر تھا اور انہوں نے زانی مرد پر رجم عائد کیا اور دوسرا اس لحاظ سے غلط تھا کہ رشوت لے کر اس سزا کو معاف کر دیا اور یہودی علماء کا یہ ہی معمول تھا اسی لیے اللہ پاک نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نئی شریعت دے کر مبعوث فرمایا چنانچہ آپ نے اس موقعہ پر وہ رشوت کی بکریاں اور کنیز واپس کرائی اور زانی مرد پر چونکہ شادی شدہ نہیں تھا تو سو دُرّوں کی سزا عائد کی اور عورت پر رجم کا فیصلہ دیا۔

وَعَنْ زَيْدِ ابْنِ	اور حضرت زید بن خالد سے
خَالِدٍ قَالَ سَمِعْتُ	روایت ہے انہوں نے
النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ	فرمایا میں نے جناب نبی صلی
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَامُرُ	اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے
فِيْمَنْ زَنٰى وَلَمْ	آپ حکم دیتے تھے اس شخص
يُحْصِنْ جَلْدُ	کے بارے میں جو زنا کرے

مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ (رواہ البخاری)

اور محصن نہ ہو کہ اس پر سَو درّے اور ایک سال جلاوطنی ہے (امام بخاریؒ نے یہ حدیث نقل کی ہے)

وَعَنْ عُبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خُذُوْا عَنِّيْ خُذُوْا عَنِّيْ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا اَلْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ الثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ وَالرَّجْمُ (مسلم)

اور حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لو مجھ سے لو مجھ سے یقیناً اللہ نے ان کے لیے راستہ نکال دیا ہے۔ کنوارہ کنواری لڑکی سے زنا کرے تو ان پر سَو سَو درّے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور شادی شدہ مرد شادی شدہ عورت سے زنا کرے تو ان پر سَو سَو درّے اور رجم ہے

(یہ تینوں احادیث مشکوٰۃ کتاب الحدود ص۳۰۹ سے منقول ہیں)

تشریح

ان دونوں احادیث میں جو دو دو سزاؤں کا ذکر ہے یعنی کنوارے مرد اور کنواری لڑکی کے لیے سَو سَو دُرّے اور ایک سال جلاوطنی

بھی اور شادی شدہ مرد اور عورت کے لیے سَو سَو دُرّے اور رجم بھی یہ درحقیقت ایک عدالتی ضابطے پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک مجرم جب دو سزاؤں کا مستحق ہوتا ہے تو حاکم وقت دونوں سزاؤں کا اعلان تو کرتا ہے مگر ان دونوں میں سے جو سنگین نوعیت کی سزا ہو وہ تو بہرحال نافذ ہی کی جاتی ہے وہ معاف نہیں کی جاتی اور وہ سزا جو ہلکی نوعیت کی ہے وہ حاکم وقت کی صوابدید پر موقوف ہے کہ چاہے تو وہ اسے اس مجرم پر نافذ کرے اور اگر نہ چاہے تو نہ نافذ کرے اسی طرح یہاں بھی ہے یعنی شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی یہ ہی دستور ہے کہ کنوارے زانی اور کنواری زانیہ کے لیے دو سزائیں ہیں ایک سخت اور دوسری نرم ۔ دُرّوں کی سزا سخت ہے اور جلا وطنی کی سزا نرم ہے اور دو سزاؤں کی وجہ یہ ہے کہ درحقیقت یہاں جرم دو ہیں ایک اللہ کے حکم کی خلاف ورزی اور دوسرا دوسرے کی حق تلفی ۔ اب کسی حاکم وقت کو یہ اختیار نہیں ہے کہ دُرّوں کی سزا معاف کر دے البتہ جلا وطنی والی سزا جو ہے اس کے سلسلہ میں حاکمِ وقت کو اختیار ہے کہ مجرم پر اسے نافذ کرے یا معاف کرے اور اس طرح زانی اور زانیہ شادی شدہ ہوں تو ان کی بھی دو سزائیں ہیں ایک سَو سَو دُرّے اور ایک رجم ان دونوں میں اوّل الذکر جو ہے یہ بھی حاکم وقت کی صوابدید پر موقوف ہے چاہے تو نافذ کرے اور اگر نہ چاہے تو نافذ کرے کیونکہ یہ سزا ان دونوں کے حق میں ہلکی ہے اور دُوسری سزا ان کی رجم ہے اور یہ سزا ان کے حق میں سخت ہے کسی بھی حاکم وقت کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ معاف کر دے اور ان احادیث میں ان دونوں سزاؤں کو بیان

تو کیا ہے مگر یہ کہیں بھی ذکر نہیں ہے کہ آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا آپ کے خلفائے راشدین نے بیک وقت یہ دونوں سزائیں نافذ کی ہوں چنانچہ آنے والی احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ الْيَهُوْدَ جَاءُوْا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرُوْا لَهٗ اَنَّ رَجُلًا مِّنْهُمْ وَامْرَاَةً زَنَيَا فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَجِدُوْنَ فِي التَّوْرَاةِ فِيْ شَاْنِ الرَّجْمِ فَقَالُوْا نَفْضَحُهُمْ وَيُجْلَدُوْنَ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ سَلَامٍ كَذَبْتُمْ اِنَّ فِيْهَا الرَّجْمَ فَاَتَوْا بِالتَّوْرٰةِ فَنَشَرُوْهَا فَوَضَعَ

اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ بیشک یہودی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے پھر انہوں نے آپ کے سامنے ذکر کیا کہ ان میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے باہم زنا کیا ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کیا تم تورات میں رجم کے بارے میں کچھ نہیں پاتے انہوں نے کہا کہ انہیں رُسوا کرتے ہیں اور انہیں دُرّے مارے جاتے ہیں عبد اللہ ابن سلام نے کہا کہ تم نے جھوٹ کہا ہے یقیناً تورات میں رجم ہے پھر انہوں نے تورات لائی پھر اسے کھولا

أَحَدُهُمْ يَدَهُ عَلَى آيَةِ الرَّجْمِ فَقَرَأَ مَا قَبْلَهَا وَمَا بَعْدَهَا فَقَالَ عَبْدُ اللهِ ابْنُ سَلَامٍ ارْفَعْ يَدَكَ فَرَفَعَ فَإِذَا فِيهَا آيَةُ الرَّجْمِ فَقَالُوا صَدَقَ يَا مُحَمَّدُ فِيهَا آيَةُ الرَّجْمِ فَأَمَرَ بِهِمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُجِمَا وَفِي رِوَايَةٍ فَقَالَ ارْفَعْ يَدَكَ فَرَفَعَ فَإِذَا فِيهَا آيَةُ الرَّجْمِ تَلُوحُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ

تو ان میں سے ایک نے اپنا ہاتھ رجم والی آیت پر رکھ دیا پھر اس نے اس آیت کا ماقبل اور مابعد پڑھا پھر عبداللہ ابن سلام نے کہا اپنا ہاتھ ہٹا پھر اس نے اپنا ہاتھ ہٹایا تو اس تورات میں رجم کی آیت تھی پھر انہوں نے کہا کہ عبداللہ بن سلام نے سچ کہا ہے اے محمد اس میں آیت رجم ہے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے بارے میں رجم کا حکم دیا تو انہیں رجم کیا گیا اور ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ ابن سلام نے کہا کہ اپنا ہاتھ ہٹا پھر اس نے ہٹایا تو اس تورات میں آیت رجم چمک رہی تھی پھر ان میں سے ایک نے کہا کہ محمد اس میں آیت

فِيهَا اٰيَةُ الرَّجْمِ	رجم ہے لیکن ہم نے اسے
وَلٰكِنَّهَا نُكَاتِمُهٗ	اپنے مابین چھپایا ہوا ہے
بَيْنَنَا فَاَمَرَ	پھر آپ نے ان دونوں
بِهِمَا فَرُجِمَا	کے بارے میں حکم دیا پھر
(متفق علیہ)	انہیں رجم کیا گیا۔

تشریح

اس حدیث پاک کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی جو آپ کے پاس زنا کا قضیہ لائے تھے اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں ان کے دین کی بہ نسبت آسان سزا ہو مگر بارش سے بھاگے پرنالے کے نیچے آگئے جس سخت سزا کو انہوں نے مدتوں سے چھپایا ہوا تھا وہی بھگتنی پڑی اور انہوں نے اس موقعہ پر بھی اس سزا کو چھپانے کی بہتیری کوشش کی مگر اللہ تعالےٰ نے حق کو ظاہر کیا اور حضرت عبداللہ ابن سلام کی زبان سے اس کی گواہی دلا دی اور حضرت عبداللہ ابن سلام دراصل یہود کے بڑے بلند پایہ عالم تھے اور بہ مشرف باسلام ہو چکے تھے اس لیے یہ آیت رجم ان کو انہوں نے چھپانے نہیں دی جس کا بعد میں انہوں نے خود اعتراف کیا بہرحال اس سے یہ معلوم ہوا کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں شادی شدہ زانی اور زانیہ کی سزا رجم ہے اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی یہ ہی حکم تھا۔

وَعَنْ عُمَرَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ وَاَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ فَكَانَ مِمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى اٰيَةُ الرَّجْمِ رَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَمْنَا بَعْدَهٗ وَالرَّجْمُ فِيْ كِتَابِ حَقٌّ عَلٰى مَنْ زَنَا اِذَا اَحْصَنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ اِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ اَوْكَانَ الْحَبَلُ اَوِ الْاِعْتِرَافُ (متفق علیہ)	اور حضرت عمرؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدؐ کو حق دے کر بھیجا ہے اور ان پر کتاب اتاری ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اتارا ہے اس میں آیت رجم بھی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی رجم کیا ہے اور آپ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا ہے اور رجم اللہ کی کتاب میں برحق ہے ہر اس شخص پر جو زنا کرے جب کہ محصن ہو خواہ مرد ہو یا عورت جب کہ گواہ قائم ہوں یا زنا کا حمل ہو یا اعتراف ہو (یہ حدیث بخاری اور مسلم کی اتفاقی ہے)

تشریح

اس حدیث پاک میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو فرمایا

وَعَنْ عُمَرَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ وَاَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ فَكَانَ مِمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى اٰيَةُ الرَّجْمِ رَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَمْنَا بَعْدَهٗ وَالرَّجْمُ فِىْ كِتَابِ حَقٌّ عَلٰى مَنْ زَنَا اِذَا اَحْصَنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ اِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ اَوْكَانَ الْحَبَلُ اَوِالْاِعْتِرَافُ

(یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ کتاب الحدود سے منقول ہیں)

اور حضرت عمرؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدؐ کو حق دے کر بھیجا ہے اور ان پر کتاب اتاری ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اتارا ہے اس میں آیت رجم بھی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی رجم کیا ہے اور آپ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا ہے اور رجم اللہ کی کتاب میں برحق ہے ہر اس شخص پر جو زنا کرے جب کہ محصن ہو خواہ مرد ہو یا عورت جب کہ گواہ قائم ہوں یا زنا کا حمل ہو یا اعتراف ہو (یہ حدیث بخاری اور مسلم کی اتفاقی ہے)

تشریح

اس حدیث پاک میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو فرمایا

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب نازل فرمائی ہے اس میں رجم کی آیت ہے اور وہ برحق ہے اس کے متعلق محدثین کی رائے گرامی تو یہ ہے کہ اصل تو آیت کریمہ یہ تھی اَلشَّیْخُ وَالشَّیْخَۃُ اِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْھُمَا اَلْبَتَّۃَ نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم یعنی بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جب باہم زنا کریں تو ان کو ضرور رجم کرو اللہ کی طرف سے یہ عبرت ہے اللہ سب پر غالب حکمت والا ہے لیکن اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی ہے مگر اس کا حکم باقی ہے اس پر خود جناب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل موجود ہے اور اسی طرح آپ کے خلفار کا عمل بھی موجود ہے اور یہ تواتر سے ثابت ہے اور بوقت تحریر احقر کے ناقص ذہن میں یہ توجیہہ بھی آئی ہے کہ چونکہ قرآن کریم پہلی انبیار علیہم السلام پر اتاری ہوئی کتابوں کا مُصَدِّق ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ توحید رسالت قیامت یہ تو تینوں عقائد تمام انبیار علیہم السلام کے اتفاقی ہیں اور اسی طرح نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ یہ اصول دین بھی اتفاقی ہیں اور جو اصول اتفاقی ہیں ان پر عمل کرنا ضروری ہے اور جن کو منسوخ کر دیا ہے ان پر عمل کرنے کی اس امت کو اجازت نہیں اور رجم کے متعلق اس حدیث سے پہلی حدیث میں گزر چکا ہے کہ آیت رجم تورات میں تھی جس کی تصدیق یہود کے جید علمار نے کی اور اس کے منسوخ ہونے کی کوئی آیت قرآن میں نہیں اتاری گئی اور قرآن میں یہ تعلیم بھی دی گئی ہے کہ وَالَّذِیْنَ یؤمنون بما انزل الیك وما انزل من قبلك یعنی ایمان دار وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر جو آپ کی طرف اتاری گئی ہے اور ان کتابوں

پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپ سے قبل اتاری گئی ہیں اور اس طرح کی اور بھی کئی آیات ہیں۔ پس ان آیات سے معلوم ہوا کہ پہلی کتابوں کے وہ تمام احکامات جو قرآن نے منسوخ نہیں کئے ان پر ایمان لانا اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے اور آیت رجم کو چونکہ منسوخ تو نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کے بموجب حکم رجم باقی ہے اور اس پر ایمان لانا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے بہرحال جمہور محدثین کی رائے گرامی اور اس ناچیز کی اس توجیہہ کو بھی اگر شامل کر لیا جائے تو حکم رجم کی قطعیت میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ واللہ اعلم

بہرحال یہ مذکورہ سزا اس صورت میں ہے کہ جب چار گواہ گواہی دے دیں کہ فلاں آدمی اور عورت نے زنا کیا ہے اور اگر چار گواہ نہ ہوں ایک دو یا تین ہوں تو ان کی گواہی سے یہ مذکورہ حد نہیں لگائی جائے گی اس کے علاوہ اور جو سزا حکومت مناسب سمجھے دے سکتی ہے۔

زانی مرد یا عورت چار مرتبہ زنا کا ازسرِ خود اعتراف کریں تب بھی ان پر حد نافذ ہو گی

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ	اور حضرت ابوہریرہؓ سے
قَالَ اَتَى النَّبِیَّ صَلَّى	روایت ہے انہوں نے
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	فرمایا کہ جناب نبی صلی اللہ
رَجُلٌ وَّهُوَ فِیْ	علیہ وسلم کے پاس ایک
الْمَسْجِدِ فَنَادَاهُ يَا	آدمی آیا اور وہ مسجد میں تھے

رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ زَنَیْتُ
فَاَعْرَضَ عَنْهُ النَّبِیُّ
صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
فَتَنَحّٰی لِشِقِّ وَجْهِهٖ
الَّذِیْ اَعْرَضَ
قِبَلَهٗ فَقَالَ اِنِّیْ
زَنَیْتُ فَاَعْرَضَ عَنْهُ
النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ
عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا
شَهِدَ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ
دَعَاهُ النَّبِیُّ صَلَّی
اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
فَقَالَ اَبِكَ جُنُوْنٌ
قَالَ لَا فَقَالَ اَحْصَنْتَ
قَالَ نَعَمْ یَا
رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ
اِذْهَبُوْا بِهٖ
فَارْجُمُوْهُ قَالَ ابْنُ
شِهَابٍ فَاَخْبَرَنِیْ
مَنْ سَمِعَ جَابِرَ ابْنَ
عَبْدِ اللّٰهِ یَقُوْلُ

پھر اس نے انہیں بلایا یا
رسول اللہ بے شک میں نے
زنا کیا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے اس کی طرف سے
منہ پھیرا پھر آیا وہ اس کی
طرف جدھر آنحضرت کا چہرہ
تھا پھر کہا بے شک میں نے
زنا کیا ہے پس پھیرا جناب
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
اس کی طرف سے اپنا منہ
پھر جب اس نے چار مرتبہ
گواہی دی تو نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے اسے بلایا پس فرمایا
کیا تو پاگل ہے اس نے کہا
نہیں پھر آپ نے فرمایا کیا تو
شادی شدہ ہے اس نے کہا ہاں
یا رسول اللہ فرمایا آپ نے
لے جاؤ اسے پھر اس کو رجم
کرو کہا ابن شہاب نے خبر دی
مجھے اس نے جس نے سنا
جابر بن عبد اللہ سے وہ فرماتے

فَرَجَمْنَاهُ بِالْمَدِیْنَةِ	تھے پھر رجم کیا ہم نے اسے
فَلَمَّا اَذْلَقَتْهُ	مدینہ میں پس جب اسے
الْحِجَارَةُ هَرَبَ	پتھر لگے تو بھاگا یہاں تک
حَتّٰی اَدْرَكْنَاهُ بِالْحَرَّةِ	کہ پایا ہم نے اس کو سنگستان
فَرَجَمْنَاهُ حَتّٰی	میں پھر ہم نے اس کو رجم
مَاتَ -	کیا یہاں تک کہ مرگیا (یہ
(متفق علیہ)	حدیث بخاری و مسلم کی اتفاقی
	ہے)
وَفِیْ رِوَایَةٍ لِلْبُخَارِیْ	اور بخاری کی ایک روایت
عَنْ جَابِرٍ بَعْدَ	میں ہے جو جابر سے ہے
قَوْلِهٖ نَعَمْ فَاَمَرَ	بعد اس کے قول کے ہاں
بِهٖ فَرُجِمَ بِالْمُصَلّٰی	پھر حکم دیا آپ نے اس
فَلَمَّا اَذْلَقَتْهُ	کے بارے میں پھر اس کو
الْحِجَارَةُ فَرَّ فَاُدْرِكَ	جنازگاہ میں رجم کیا گیا پھر
فَرُجِمَ حَتّٰی	جب اس کو پتھر لگے تو
مَاتَ فَقَالَ	بھاگا پھر وہ پکڑا گیا پھر رجم
لَهُ النَّبِیُّ صَلَّی	کیا گیا یہاں تک کہ مرگیا پھر
اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ	اس کے متعلق نبی صلی اللہ
خَیْرًا وَصَلّٰی	علیہ وسلم نے اچھا فرمایا
عَلَیْهِ	اور اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔
وعن بریدة قال	اور حضرت بریدہ سے

جَاءَ مَاعِزُ ابْنُ
مَالِكٍ اِلَى النَّبِيِّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَقَالَ
يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ طَهِّرْنِيْ
فَقَالَ ارْجِعْ
فَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ
وَتُبْ اِلَيْهِ قَالَ
فَرَجَعَ غَيْرَ بَعِيْدٍ
ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ يَا
رَسُوْلَ اللّٰهِ طَهِّرْنِيْ
فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مِثْلَ ذٰلِكَ حَتّٰى اِذَا
كَانَتِ الرَّابِعَةُ قَالَ
لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فِيْمَ اُطَهِّرُكَ قَالَ
مِنَ الزِّنَا قَالَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

روایت ہے انہوں نے
فرمایا کہ ماعز بن مالک جناب
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے
پاس آئے پھر عرض کیا یا
رسول اللہ مجھے پاک کر دیں
پھر فرمایا آپ نے افسوس
تجھ پر واپس جا اللہ سے
معافی مانگ اور اس کی
طرف توبہ کر۔ راوی نے
کہا پھر وہ تھوڑی دور تک گیا
پھر آیا پس عرض کیا یا رسول اللہ
آپ مجھے پاک کر دیں پھر
فرمایا جناب نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے اسی طرح یہاں تک
جب چوتھی بار آیا تو فرمایا اسے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے کس جرم میں پاک کروں میں
تجھے اس نے کہا زنا سے،
فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے کیا یہ مجنوں ہے پھر
آپ کو بتایا گیا کہ وہ مجنوں نہیں

اَبِهٖ جُنُوْنٌ فَاُخْبِرَ — ہے پس فرمایا آپ نے کیا
اَنَّهٗ لَيْسَ بِمَجْنُوْنٍ — اس نے شراب پی ہے
فَقَالَ اَشَرِبَ خَمْرًا — پس اُٹھا ایک آدمی پھر اس
فَقَامَ رَجُلٌ — کے مُنہ کو سونگھا پس نہ پائی
فَاسْتَنْكَهَهٗ فَلَمْ — اس نے بُو شراب کی پھر
يَجِدْ مِنْهُ رِيْحَ — فرمایا آپ نے کہا تو نے
خَمْرٍ فَقَالَ اَزَنَيْتَ — زنا کیا ہے اس نے کہا ہاں
قَالَ نَعَمْ فَاَمَرَ — پھر حکم دیا آپ نے اس
بِهٖ فَرُجِمَ فَلَبِثُوْا — کے بارے میں پھر اسے رجم
يَوْمَيْنِ اَوْ ثَلَاثَةً — کیا گیا پھر ٹھہرے وہ لوگ دو
ثُمَّ جَاءَ رَسُوْلُ — دن یا تین دن پھر آئے جناب
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ — پھر فرمایا آپ نے معافی مانگو
فَقَالَ اِسْتَغْفِرُوْا لِمَا — تم اللہ سے واسطے ماعز بن
عِزِ ابْنِ مَالِكٍ لَقَدْ — مالک کے تحقیق اس نے
تَابَ تَوْبَةً لَوْ — اتنی بڑی توبہ کی ہے اگر
قُسِمَتْ بَيْنَ اُمَّةٍ — اسے امت کے درمیان تقسیم
لَوَسِعَتْهُمْ ثُمَّ — کر دیا جائے تو اسے پوری
جَاءَتْهُ امْرَاَةٌ — ہو جائے پھر آئی آپ کے
مِنْ غَامِدٍ — پاس ایک عورت غامدی قبیلہ
مِنَ الْاَزْدِ فَقَالَتْ — ازد کی پھر اس نے کہا اے

يَا رَسُوْلَ اللهِ طَهِّرْنِيْ
فَقَالَ وَيْحَكِ اِرْجِعِيْ
فَاسْتَغْفِرِيْ اللهَ
وَتُوْبِيْ اِلَيْهِ
فَقَالَتْ تُرِيْدُ اَنْ
تَرُدَّنِيْ كَمَا رَدَدْتَ
مَاعِزَ بْنَ مَالِكٍ
اَنَّهَا حُبْلٰى مِنَ
الزِّنَا فَقَالَ اَنْتِ
قَالَتْ نَعَمْ قَالَ
لَهَا حَتّٰى تَضَعِيْ مَا
فِيْ بَطْنِكِ
قَالَ فَكَفَلَهَا رَجُلٌ
مِنَ الْاَنْصَارِ
حَتّٰى وَضَعَتْ فَاَتَى
النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَقَالَ قَدْ وَضَعَتِ
الْغَامِدِيَّةُ فَقَالَ
اِذًا لَا نَرْجُمُهَا
وَنَدَعُ وَلَدَهَا

اللہ کے رسول آپ مجھے
پاک کریں پھر آپ نے فرمایا تجھ
پر افسوس ہے واپس جا اللہ
سے معافی مانگ اور اس کے
دربار میں توبہ کر پھر اس نے
کہا کیا آپ مجھے لوٹانا چاہتے
ہیں جس طرح آپ نے ماعز
بن مالک کو لوٹایا ہے بیشک
وہ تو زنا سے حاملہ ہے پھر
آپ نے فرمایا تو اس نے
کہا ہاں آپ نے اسے فرمایا
یہاں تک کہ جنے تو وہ جو
تیرے پیٹ میں ہے راوی
نے کہا پھر کفیل بنا اس کا ایک
آدمی انصار میں سے یہاں
تک کہ جنا اس نے پھر آیا
وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے
پاس پھر کہا اس نے تحقیق جنا
ہے غامدیہ نے پس کہا آپ
نے اس وقت ہم اسے رجم
نہیں کریں گے اور چھوڑیں

ضَعِيْرًا لَيْسَ لَهٗ مَنْ	گے ہم اس کا بچہ چھوٹا نہیں
يُرْضِعُهٗ فَتَمَا مَ	ہے کوئی جو اس کو دودھ
رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ	پلائے پھر کھڑا ہوا ایک
فَقَالَ اِلَیَّ رِضَاعُهٗ	آدمی انصار میں سے پھر اس
يَا نَبِيَّ اللّٰهِ قَالَ	نے کہا مجھ پر ہے اسے
فَرَجَمَهَا وَفِيْ	دودھ پلانا اے اللہ کے
رِوَايَةٍ اَنَّهٗ قَالَ	نبی پھر اسے رجم کیا گیا اور
لَهَا اِذْهَبِيْ حَتّٰی	ایک روایت ہے کہ آپ
تَلِدِيْ فَلَمَّا وَلَدَتْ	نے اسے فرمایا چلی جا یہاں
قَالَ اِذْهَبِيْ فَاَرْضِعِيْهِ	تک کہ تو جنے پس جب
حَتّٰی تُفْطِمِيْهِ	اس نے جنا آپ نے فرمایا
فَلَمَّا فَطَمَتْهُ	چلی جا اسے دودھ پلا یہاں
اَتَتْهُ بِالصَّبِيِّ	تک کہ اس کا دودھ چھڑائے
فِيْ يَدِهٖ كِسْرَةُ	پس جب اس نے اس
خُبْزٍ فَقَالَتْ هٰذَا	کا دودھ چھڑایا لائی آپ کے
يَا نَبِيَّ اللّٰهِ قَدْ	پاس بچہ اس کے ہاتھ میں
فَطَمْتُهٗ وَقَدْ	روٹی کا ٹکڑا تھا پس کہا اس
اَكَلَ الطَّعَامَ	نے یہ ہے اے اللہ کے
فَدَفَعَ الصَّبِيَّ	نبی تحقیق میں نے اس کا
اِلٰی رَجُلٍ	دودھ چھڑا دیا ہے اور یقیناً
مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ	وہ کھانا کھاتا ہے پس دیا

ثُمَّ اَمَرَ بِهَا	آپ نے وہ بچہ ایک آدمی
فَحُفِرَ اِلٰی	کو مسلمانوں میں سے پھر حکم
صَدْرِ هَا وَاَمَرَ	دیا اس کے بارے میں پھر
النَّاسَ فَرَجَمُوْهَا	گڑھا کھودا گیا اس کے سینے
فَيُقْبِلُ خَالِدُ بْنُ	تک اور حکم دیا آپ نے
الْوَلِيْدِ بِحَجَرٍ	لوگوں کو پھر انہوں نے اس
فَرَمَا رَأْسَهَا	کو رجم کیا پس آگے بڑھے
فَتَنَضَّحَ الدَّمُ	خالد بن ولید ساتھ پتھر کے
عَلٰی وَجْهِ	پھر مارا اس کے سر پر پس
خَالِدٍ فَسَبَّهَا	چھینٹے پڑے خون کے خالد
فَقَالَ النَّبِيُّ	کے چہرے پر پھر اس نے
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	اس عورت کو بُرا کہا پس
وَسَلَّمَ مَهْلًا	فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم
يَا خَالِدُ فَوَالَّذِيْ	نے خالد اسے مہلت دو (بُرا
نَفْسِيْ بِيَدِهٖ	نہ کہو) پس قسم ہے اس
لَقَدْ تَابَتْ	ذات کی میری جان اسکے
تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا	ہاتھ میں ہے اس نے یقیناً
صَاحِبُ مَكْسٍ	ایسی توبہ کی ہے کہ اگر توبہ
لَغُفِرَ لَهٗ ثُمَّ	کرے محصول لینے والا تو
اَمَرَ بِهَا فَصَلّٰى	اس کی بخشش کی جائے پھر
عَلَيْهَا وَدُفِنَتْ	حکم دیا اس کے بارے میں

(یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ کتاب الحدود سے منقول ہیں) پھر نماز جنازہ پڑھائی اس کی اور دفن کر دی گئی۔

تشریح

حدیث ابی ہریرہ اور بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مجموعی طور پر تیرہ[۱۳] مسائل معلوم ہوتے ہیں۔ پہلا[۱] مسئلہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور حضرت غامدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دُرّوں کی سزا نہیں دی انہیں صرف رجم ہی کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی حدیث میں ایسے مجرمین کے لیے جو رجم اور دُرّوں کی دو سزاؤں کا ذکر ہے وہ دونوں ضروری نہیں ہیں صرف رجم ہی ضروری ہے اگر رجم کے ساتھ دُرّوں کی سزا بھی ضروری ہوتی، تو جناب کریم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں نافذ کرتے یا اگر دُرّوں کی سزا ضروری ہوتی اور رجم کی ضروری نہ ہوتی تو صرف دُرّوں کی نافذ کرتے پس معلوم ہوا کہ ضروری جو ہے وہ صرف رجم کی ہے اس لیے اسے نافذ کیا اور۔ دوسرا[۲] مسئلہ ان دونوں احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی ایسے جرم کا مرتکب از سر خود قاضی کے سامنے اپنے اس جرم سیاہ کا اعتراف کرے تو نفس اعتراف سے اس پر یہ حد جاری نہیں کی جائیگی جب تک کہ وہ چار دفعہ اعتراف نہ کرے اور یہ چار دفعہ کا اعتراف جو ہے یہ درحقیقت چار گواہوں کی گواہی کے قائم مقام ہے جو اس باب میں شرط ہے اور تیسرا[۳] مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ جب کوئی ایسے جرم کا اعتراف کرے تو قاضی پہلے اس کو ٹالنے کی کوشش کرے

اس سے روگردانی کرے جیسا جناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعزؓ کے ساتھ کیا اور چوتھا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص قاضی کی اتنی روگردانی کے باوجود اپنے آپ کو اس سنگین سزا کے لیے پیش کرے تو پھر بھی قاضی اس کے حالات دریافت کرے ڈاکٹر سے اس کا دماغی معائنہ کرائے اس کے گھر کے حالات معلوم کرائے کیا گھریلو حالات سے تنگ آکر خودکشی تو نہیں کرنا چاہتا یا کیا وہ منشیات کا عادی تو نہیں ہے اگر اس میں یہ مذکورہ خامیاں ہوں تو پھر اس کو رجم نہیں کیا جائے گا اور اگر یہ نہ ہوں تو پھر اسے رجم کر دیا جائے گا۔ اور پانچواںؒ مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ اگر زانیہ عورت حاملہ ہو تو جب تک اس کا بچہ پیدا ہو کر کھانے پینے کے قابل نہ ہو جائے تب تک اس کو رجم نہیں کیا جائے گا کیونکہ اگر بچہ پیٹ میں ہوتے ہوئے اسے رجم کیا جائے تو اس کے ساتھ اس بے قصور بچے کا قتل ہو گا جو ظلم ہے اور پیدائش کے بعد اگر اسے رجم کر دیا جائے تو بھی اس بچے کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے اس لیے جب تک یہ بچہ کھانا کھانے کے قابل نہ ہو اس وقت تک اس کی اس ماں کو رجم نہیں کیا جائے گا۔ اور چھٹا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ عورت مزنیہ کو سر عام کھڑا کر کے رجم نہیں کرنا بلکہ اس کے لیے زمین میں ایک گہرا گڑھا کھود کر اس میں اسے بٹھا کر رجم کیا جائے گا کیونکہ اس طریق کار سے اس کا ستر کھل جانے کا اندیشہ نہیں ہے اور اگر سر عام اس کو سزا دی جائے تو اس کا ستر کھل جانے کا خطرہ ہے اس لیے اسکی بے حرمتی ہو گی جو شرعاً ممنوع ہے اور ساتواںؒ مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ رجم کے لیے زانی مرد یا زانیہ عورت کا محصن ہونا ضروری ہے اگر وہ محصن نہیں

ہو دل۔ گے تو انہیں رجم نہیں کیا جائے گا اور محصن اسے کہتے ہیں کہ وہ آزاد ہو عاقل بالغ ہو مسلمان ہو اور آزاد مسلمان عورت سے نکاح کیا ہو اور وہ نکاح صحیح بھی ہو فاسد نہ ہو اور میاں بیوی ہم بستری بھی کر چکے ہوں اور آٹھواں^۸ مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے آپ کو قاضی کے سامنے آکر از سرِ خود پیش کرے اور اپنے اس جرم سیاہ کا اعتراف کرے اور یوں کہے کہ آپ مجھے پاک کریں مجھ پہ یہ سزا شرعی نافذ کریں تو یہ اس شخص کی توبہ ہے اور یہ سب سے اونچی توبہ ہے اور نواں^۹ مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ اس شخص کے دل میں خدا کا ڈر ہے خوف ہے تب ہی تو وہ اپنے آپ کو اتنی سنگین سزا کے لیے پیش کرتا ہے اور دسواں^۱۰ مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ اس کی نماز جنازہ بھی مسلمانوں کو پڑھنا چاہیئے یہ نہیں کہ اس جرم کی وجہ سے اس کی نماز جنازہ ترک کر دیں اور خصوصاً جب کہ اس نے اتنی عظیم توبہ بھی کی ہے اور گیارھواں^۱۱ مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے علاوہ بھی اس کے لیے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا چاہیئے اور بارھواں^۱۲ مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ تمام مسلمانوں کو اب اپنی مجالس میں اس کی مذمت نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ ایسا برا تھا زنا کار تھا وغیرہ وغیرہ اور تیرھواں^۱۳ مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ اب مسلمانوں کو اپنی مجالس میں اس کی تعریف کرنا چاہیئے کہ اس کا یہ عظیم کارنامہ ہے بڑی اونچی قربانی ہے اس نے صدقِ دل سے توبہ کی ہے اللہ تعالیٰ سب کو ایسی سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

اگر زنا کا معترف حد قائم ہونے سے پہلے یا درمیان میں منحرف ہو جائے تو حد ساقط ہو جائیگی

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ قَالَ جَآءَ مَاعِزُ الْاَسْلَمِیُّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّهُ قَدْ زَنَا فَاَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَآءَ مِنْ شِقِّهِ الْاٰخَرِ فَقَالَ اِنَّهُ قَدْ زَنَا فَاَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَآءَ مِنْ شِقِّهِ الْاٰخَرِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهُ قَدْ زَنَا فَاَمَرَ بِهٖ فِی الرَّابِعَةِ فَاُخْرِجَ اِلَی الْحَرَّةِ فَرُجِمَ بِالْحِجَارَةِ

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ماعز اسلمی جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے پھر کہا کہ بے شک اس نے زنا کیا ہے پھر آپ نے اس سے منہ پھیر لیا پھر آیا وہ دوسری جانب سے پس کہا بے شک اس نے زنا کیا ہے پھر آپ نے اس سے منہ پھیرا پھر آیا وہ دوسری جانب سے پس کہا یا رسول اللہ بے شک اس نے زنا کیا ہے پھر حکم دیا آپ نے اس کے بارے میں چوتھی مرتبہ پس نکالا گیا طرف سنگستان کے پھر اسے رجم کیا

فَلَمَّا وَجَدَ
مَسَّ الْحِجَارَةِ فَرَّ
يَشْتَدُّ حَتّٰى مَرَّ
بِرَجُلٍ مَعَهٗ لَحْيُ
جَمَلٍ فَضَرَبَهٗ
بِهٖ وَضَرَبَهُ
النَّاسُ حَتّٰى مَاتَ
فَذَكَرُوْا ذَالِكَ
لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اَنَّهٗ فَرَّ حِيْنَ
وَجَدَ مَسَّ
الْحِجَارَةِ وَمَسَّ
الْمَوْتِ فَقَالَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
هَلَّا تَرَكْتُمُوْهُ
(رواہ الترمذی و ابن ماجہ)
وَفِيْ رِوَايَةٍ هَلَّا
تَرَكْتُمُوْهُ لَعَلَّهٗ
اَنْ يَّتُوْبَ فَيَتُوْبُ

گیا ساتھ پتھروں کے پس
جب لگے اس کو پتھر تو
بھاگا تیزی سے یہاں تک
کہ گزرا ایک آدمی کے پاس
سے اور اس کے پاس اونٹ
کے جبڑے کی ہڈی تھی پس
مارا اس نے اسے اس سے
اور مارا اسے لوگوں نے بھی
یہاں تک کہ مر گیا پھر ذکر کیا انہوں
نے اس کا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے سامنے کہ
بے شک وہ بھاگا جب پایا
اس نے چھونا پتھروں کا
اور چھونا موت کا پس فرمایا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے کیوں نہیں چھوڑ دیا تم
نے اس کو ! یہ روایت
ترمذی اور ابن ماجہ کی ہے)
اور ایک روایت میں ہے
کیوں نہیں چھوڑا تم نے اس
کو شاید کہ وہ توبہ کرتا پس اللہ

اللہ علیہ اس کی توبہ قبول فرماتا۔

(یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ کتاب الحدود سے منقول ہیں)

تشریح

اس حدیث میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ تم نے اس کو کیوں نہیں چھوڑ دیا اس کا مقصد یہ ہے کہ جس شخص نے قاضی کے سامنے اپنے جرم زنا کا اعتراف کیا ہو اور قاضی نے پھر اسے رجم کرنے کا فیصلہ دے دیا ہو اور جلادوں نے اسے رجم کرنا شروع کر دیا ہو اور وہ مجرم اس سزا کی تکلیف محسوس کر کے اس سزا سے اگر بھاگے تو پھر اسے بقیہ سزا نہیں دینا چاہیئے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زنا کا معترف اگر حد جاری ہونے سے قبل ہی رجوع کر لے مثلاً یوں کہے کہ میں نے جھوٹ کہا تھا وغیرہ ذالک تو پھر بھی اس سے یہ حد ساقط ہو جائے گی کیونکہ جب دوران سزا رجوع کرنے سے اس کی بقیہ سزا جاری کرنے کی اجازت نہیں تو حد جاری ہونے سے پہلے اگر رجوع کرے تو پھر یقیناً یہ سزا اس پر جاری نہیں ہونا چاہیئے اور صحابہؓ نے جو رجوع کرنے کے بعد اس پر بقیہ سزا جاری کی جس کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوئی یہ ان کی لاعلمی کی وجہ سے تھا اس لیے انہیں قاتل نہیں کہا جا سکتا ہے بہرحال اس حد کے ساقط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حدود کے سلسلہ میں یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ حدود کسی بھی شبہ کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں اسی لیے زانی کے اعتراف کے وقت بھی اسے ٹالنے کی کوشش کی جاتی ہے اس کا ذہنی توازن وغیرہ دیکھا جاتا ہے اور یہاں حد جاری ہونے سے

قبل یا دورانِ حد اگر وہ رجوع کرتا ہے تو اس میں بھی ایک طرح کا شبہ تو ہو سکتا ہے کہ شاید اس نے کسی اور جذبے کے تحت ایسا اعتراف کیا ہو اس لیے رجُوع کی صورت میں اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔

زانی اور زانیہ جماع کریں تب حد لازم ہو گی

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا اَتٰی مَاعِزُ ابْنُ مَالِكِ النَّبِيَّ صَلَّی اللّٰهُ فَقَالَ لَهٗ لَعَلَّكَ قَبَّلْتَ اَوْ غَمَزْتَ اَوْ نَظَرْتَ قَالَ لَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَنِكْتَهَا لَا يَكْنِیْ قَالَ نَعَمْ فَعِنْدَ ذَالِكَ اَمَرَ بِرَجْمِهٖ (بخاری)

اور حضرت عباس سے روایت ہے انہوں نے فرمایا جب ماعز ابن مالک جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے اسے فرمایا شاید کہ تُو نے اسے بوسہ دیا ہو گا یا اسے چھُوا ہو گا یا دیکھا ہو گا اس نے کہا نہیں یا رسُول اللہ پھر آپ نے فرمایا کیا تو نے اس سے جماع کیا ہے آپ نے کنایہ نہیں استعمال کیا اس نے کہا ہاں پھر اس وقت آپ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔ (بخاری)

تشریح

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی مرد کسی غیر محرم عورت کو صرف بوسہ دے دے یا صرف ہاتھ لگا دے یا صرف دیکھ لے خواہ برہنگی کی حالت کیوں نہ ہو اس سے اس پر حد جاری نہیں ہوگی کیونکہ یہ اسباب زنا ہیں زنا نہیں ہے اگرچہ مجازی طور پر ان اسباب پر بھی زنا کا اطلاق ہوتا ہے مگر حقیقی زنا نہیں اور حد کے لیے حقیقی زنا ہونا ضروری ہے۔

وَعَنْ يَزِيدَ ابْنِ	حضرت یزید بن نعیم بن ھزال
نُعَيْمِ ابْنِ هَزَّالٍ عَنْ	سے روایت ہے انہوں نے
أَبِيهِ قَالَ كَانَ	اپنے دادا سے نقل کیا ہے
مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ	انہوں نے فرمایا ماعز بن مالک
يَتِيمًا فِي حِجْرِ	یتیم تھے میرے باپ کی پرورش
أَبِي فَأَصَابَ جَارِيَةً	میں تھے پھر زنا کیا اس نے
مِنَ الْحَيِّ فَقَالَ لَهُ	قبیلہ کی ایک لڑکی سے پھر
أَبِي ائْتِ رَسُولَ اللّٰهِ	اسے میرے باپ نے کہا کہ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وَسَلَّمَ فَأَخْبِرْهُ	وسلم کے پاس جاؤ انہیں بتاؤ
بِمَا صَنَعْتَ لَعَلَّهُ	جو تم نے کیا ہے شاید وہ
يَسْتَغْفِرُ لَكَ	تمہارے لیے معافی مانگ
وَإِنَّمَا يُرِيدُ	لیں اور بے شک انکی اس

بِذَالِكَ رِجَاءً اَنْ	سے یہ امید تھی کہ اس کے
يَكُوْنَ لَهٗ مَخْرَجًا	لیے کوئی راہ نکل آئے گی
فَاَتَاهُ فَقَالَ يَا	پھر وہ آپ کے پاس آیا اور
رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ	کہا یارسول اللہ میں نے زنا
زَنَيْتُ فَاَقِمْ عَلَىَّ	کیا ہے آپ مجھ پر اللہ کی
كِتَابَ اللّٰهِ فَاَعْرَضَ	کتاب کا حکم قائم کریں تو آپ
عَنْهُ فَعَادَ فَقَالَ	نے اس سے منہ پھیرا وہ پھر
يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ	لوٹا اور کہا یارسول اللہ میں
زَنَيْتُ فَاَقِمْ	نے زنا کیا ہے آپ مجھ پر
عَلَىَّ كِتَابَ اللّٰهِ	اللہ کی کتاب کا حکم قائم کریں
حَتّٰى قَالَهَا اَرْبَعَ	یہاں تک کہ اس نے چار
مَرَّاتٍ قَالَ رَسُوْلُ	مرتبہ ایسا کہا رسول اللہ صلی
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک
وَسَلَّمَ اِنَّكَ قَدْ	تو نے چار مرتبہ کہا ہے بتا
قُلْتَهَا اَرْبَعَ مَرَّاتٍ	کس سے زنا کیا ہے اس نے
فِيْمَنْ قَالَ بِفُلَانَةٍ	کہا کہ فلاں عورت سے آپ
قَالَ هَلْ ضَاجَعْتَهَا	نے فرمایا اس کے ساتھ تم
قَالَ نَعَمْ قَالَ	لیٹے تھے اس نے کہا ہاں
هَلْ بَاشَرْتَهَا	آپ نے فرمایا اس کے بدن
قَالَ نَعَمْ قَالَ	سے تم نے اپنا بدن ملایا تھا
هَلْ جَامَعْتَهَا	اس نے کہا ہاں آپ نے

فَقَالَ نَعَمْ فَقَالَ	فرمایا تو نے اس سے جماع
فَأَمَرَ بِهٖ أَنْ	کیا تھا اس نے کہا ہاں راوی
يُرْجَمَ فَأُخْرِجَ	نے کہا پھر آپ نے حکم دیا اس
بِهٖ إِلَى الْحَرَّةِ	کو رجم کرنے کا پھر اسے نکالا
فَلَمَّا رُجِمَ فَوَجَدَ	گیا طرف سنگستان کے
مَسَّ الْحِجَارَةِ فَجَزِعَ	پس جب اسے رجم کیا گیا پس
فَخَرَجَ يَشْتَدُّ	پائی اس نے تکلیف پتھروں
فَلَقِيَهُ عَبْدُ اللّٰهِ	کی تو گھبرایا اور بڑی تیزی کے
ابْنُ أُنَيْسٍ وَقَدْ عَجَزَ	ساتھ وہاں سے بھاگا پھر
أَصْحَابُهُ فَنَزَعَ	ملے اس کو عبد اللہ بن انیس
لَهُ بِوَظِيفِ بَعِيرٍ	اور اس کے ساتھی عاجز آ
فَرَمَاهُ بِهٖ فَقَتَلَهُ	گئے تھے پھر اس نے اس
ثُمَّ أَتَى	کے لیے اونٹ کی ہڈی نکالی
النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ	اس سے اس کو مارا پھر اسے
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	قتل کر دیا پھر آئے نبی صلی اللہ
فَذَكَرَ ذَالِكَ	علیہ وسلم پھر ذکر کیا گیا آپ
فَقَالَ هَلَّا تَرَكْتُمُوهُ	کے سامنے اس کا تو آپ
لَعَلَّهُ أَنْ يَتُوبَ	نے فرمایا تم نے کیوں نہیں
فَيَتُوبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ	اسے چھوڑا شاید وہ توبہ کرتا
(یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ کتاب الحدود سے منقول ہیں)	اللہ اس کی توبہ قبول کرتا۔

(ابوداؤد)

تشریح

اس حدیث پاک سے پہلی حدیث کے مضمون کی تائید ہو رہی ہے کیونکہ جب حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رُوبرو چار مرتبہ زنا کا اعتراف کیا تو آپ نے فوراً اس پر حد نافذ کرنے کا حکم صادر نہیں فرمایا بلکہ پہلے اس سے تفصیل پوچھی ہے کہ تُو نے کِس سے زنا کیا ہے اس کے ساتھ تم لیٹے بھی تھے س کے بدن سے اپنا بدن ملایا تھا اور آخر میں پوچھا کہ کیا تم نے اس سے جماع بھی کیا تھا یعنی اس کی شرمگاہ میں اپنا آلۂ تناسل داخل کیا تھا جب اس کا بھی اعتراف کیا تب آپ نے اسے رجم کرنے کا حکم صادر فرمایا معلوم ہوا کہ صرف عورت کو دیکھنے سے یا اس کے بدن کو چھُونے سے یا اس کے ساتھ لیٹ جانے سے اگر حد واجب ہو جاتی تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جماع کے بارے میں اس سے نہ پوچھتے جب اس نے اس کے ساتھ لیٹنے کا جب اعتراف کیا تھا فوراً اس پر حد نافذ فرما دیتے تھے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ جماع کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا کہ شرعی حد کے لیے یہ ضروری ہے کہ زانی نے اس سے جماع بھی کیا ہو۔

غلط فہمی میں دُرّوں کی حد لگ جانے سے رجم ساقط نہیں ہوتی

ۦ عَنْ جَابِرٍ اٰ تٰ   اور حضرت جابرؓ سے روایت

رَجُلاً زَنَا	ہے کہ بے شک ایک آدمی
بِامْرَاۃٍ فَاَمَرَ	نے ایک عورت سے زنا
بِهِ النَّبِیُّ صَلَّی	کیا پھر جناب نبی صلی اللہ علیہ
اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	وسلم نے اس کے بارے
فَجُلِدَ الْحَدَّ ثُمَّ	میں حکم دیا تو اسے دُرّے
اُخْبِرَ اَنَّہٗ	مارے گئے پھر پتہ چلا کہ وہ
مُحْصَنٌ فَاَمَرَ	شادی شدہ ہے پھر آپ
بِهِ فَرُجِمَ	نے حکم دیا تو اسے رجم کیا گیا
(مشکوٰۃ کتاب الحدود)	(ابوداؤد)

تشریح

اس حدیث میں جس شخص پر دُرّوں کی سزا نافذ کرنے کا ذکر ہے اس میں یہ تو نہیں کہ آپ نے اس کے معاملہ میں تحقیق بھی کی تھی یا نہ لیکن دوسری احادیث میں ایسے کیسوں میں جب تحقیقات کا ذکر ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی تحقیق کی ہوگی۔ تب ہی تو اس پر درّوں کی سزا نافذ فرمائی ہوگی مگر باوثوق ذرائع سے پتہ چلا ہوگا کہ پہلی تحقیق میں غلطی ہوگئی ہے تو پھر آپ نے اس پر رجم کی حد جاری کی تو معلوم ہوا کہ غلط فہمی کی وجہ سے اگر کوئی حاکم کم درجہ کی سزا نافذ کر دے اور بعد میں پتہ چلا کہ پہلی تحقیق غلط ہے دوسری صحیح ہے جو اہم ہے اور وجوب کا درجہ رکھتی ہے تو اسے بھی نافذ کر دے سابقہ غلطی کی وجہ سے یہ حد ساقط نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم بمرادہ۔

زنا بالجبر سے حد لازم نہیں ہوتی

وَعَنْ وَائِلِ ابْنِ	اور حضرت وائل بن حجر سے
حُجْرٍ قَالَ اُسْتُكْرِهَتْ	روایت ہے انہوں نے فرمایا
اِمْرَاَةٌ عَلٰى عَهْدِ	کہ جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم
النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ	کے زمانہ میں ایک عورت سے
وَعَلَيْهِ وَسَلَّمَ	زبردستی زنا کیا گیا تو آپ نے
فَدَرَاَ عَنْهَا	اس سے حد ہٹا دی تھی اور اس
الْحَدَّ وَاَقَامَهٗ	پر حد قائم کی جس نے اس سے
عَلَى الَّذِيْ	زنا کیا تھا اور راوی نے یہ
اَصَابَهَا وَلَمْ يَذْكُرْ	ذکر نہیں کیا کہ آپ نے اس
اَنَّهٗ جَعَلَ لَهَا	عورت کے لیے مہر مقرر کیا
مَهْرًا (رواه الترمذی)	تھا (ترمذی)
وَعَنْهُ اَنَّ امْرَاَةً	اور ان ہی سے نقل ہے کہ
خَرَجَتْ عَلٰى	بے شک ایک عورت جناب
عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	میں نماز کے ارادہ سے نکلی
تُرِيْدُ الصَّلٰوةَ	تو اس کو ایک آدمی ملا پھر
فَتَلَقَّاهَا رَجُلٌ	اس نے اس کو ڈھانپ لیا
فَتَجَلَّلَهَا فَقَضٰى	پھر اس نے اپنی حاجت پوری
حَاجَتَهٗ مِنْهَا	کی اس سے پھر وہ چلائی اور

فَصَاخَتْ وَانْطَلَقَ	وہ چلا گیا اور گزری ایک
وَمَرَّتْ عِصَابَةٌ	جماعت مہاجرین میں سے
مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ	پس کہا اس عورت نے
فَقَالَتْ اِنَّ ذَالِكَ	بے شک اس فلاں آدمی
الرَّجُلَ فَعَلَ بِیْ	نے میرے ساتھ ایسا کیا
كَذَا وَكَذَا فَاَخَذُوْ	پھر انہوں نے اس آدمی کو
الرَّجُلَ فَاَتَوْابِهٖ	پکڑ لیا پھر وہ اسے رسول اللہ
رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى	صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	لائے پس آپ نے فرمایا اس
فَقَالَ لَهَا اِذْهَبِیْ	عورت کو تو چلی جا بے شک
فَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ	اللہ نے تجھے معاف کر دیا
لَكِ وَقَالَ لِلرَّجُلِ	ہے اور اس شخص کے بارے
الَّذِیْ وَقَعَ عَلَيْهَا	میں فرمایا جس نے اس سے
اُرْجُمُوْهُ وَقَالَ	زنا کیا کہ اس کو رجم کر دو اور
لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً	آپ نے فرمایا یقیناً اس نے
لَوْتَابَهَا اَهْلُ	ایسی توبہ کی ہے اگر مدینہ
الْمَدِيْنَةِ لَقُبِلَ مِنْهُمْ	والے توبہ کرتے تو ان کی
(یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ کتاب الحدود سے منقول ہیں)	طرف قبول کی جاتی (ترمذی، ابو داؤد)

تشریح

ان دونوں احادیث کا ماحصل اور لب لباب یہ ہے کہ اگر کسی

عورت سے جبراً زنا کیا گیا ہو تو اس پر حد واجب نہیں ہوگی اور نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر مرد کو کوئی زنا پر مجبور کرے یعنی قتل وغیرہ کی اس کو دھمکی دے اور وہ جان بچانے کے لیے اگر زنا کا ارتکاب کر بیٹھے تو اسی پر بھی حد واجب نہیں ہوگی۔

لوطی کی سزا کا بیان

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا	اور جب ہمارے بھیجے ہوئے
لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ	لُوط کے پاس پہنچے تو ان کے آنے
بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ	سے وہ غمگین ہوا اور دل میں تنگ
هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ۝	ہوا اور کہا کہ آج کا دن بڑا سخت
وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ	ہے۔ اور اس کی قوم اس کے
يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ	پاس بے اختیار دوڑتی ہوئی آئی۔
قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	اور یہ لوگ اس سے پہلے بھی بُرے
السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ	کام کیا کرتے تھے۔ اس نے کہا
هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ	اے میری قوم یہ میری بیٹیاں ہیں
اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا	وہ تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہیں
اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ	پس اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے
ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ	مہمانوں میں رُسوا نہ کرو کیا تم میں
رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ۝ قَالُوْا	سے کوئی بھلے مانس آدمی نہیں ہیں
لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ	انہوں نے کہا کہ یقیناً تجھے پتہ
بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ	ہے کہ تیری بیٹیوں سے ہمیں کوئی

لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ٥
قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ
بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ
اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ٥ قَالُوْا
يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ
لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ
بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ
الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ
مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ط
اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ
اَصَابَهُمْ ط اِنَّ
مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ط
اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ٥
فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا
جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا
وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا
حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ
مَّنْضُوْدٍ ٥ مُّسَوَّمَةً
عِنْدَ رَبِّكَ وَمَا
هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ
بِبَعِيْدٍ (سورۂ ہود آیت ۷۷ تا ۸۳)

غرض نہیں ہے اور یقیناً تو ہمارے
ارادوں کو جانتا ہے اس نے کہا
افسوس تمہارے مقابلے کے
لیے میرے پاس کوئی طاقت ہوتی
یا میں کسی زبردست سہارے کی
پناہ میں چلا جاتا ۔ ان رسولوں نے
کہا اے لوط بے شک ہم تیرے
رب کے بھیجے ہوئے ہیں یہ لوگ
ہرگز تجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے
نکل جاؤ تم اپنی اہل لے کر رات
کے کچھ حصہ میں اور تم میں کوئی
مڑ کر نہ دیکھے مگر تیری بیوی بیشک
اس پر بھی وہی مصیبت آنے والی
ہے جو ان پر آئے گی ان کے
وعدہ کا وقت صبح ہے کیا صبح
قریب نہیں پس جب ہمارا حکم
آگیا ہم نے وہ بستیاں الٹا دیں
اور اس زمین پر کھنگر کے پتھر برسانا
شروع کیے جو لگاتار گر رہے
تھے جن کا خاص نشان تھا تیرے
رب کی طرف سے اور وہ پتھر

(سورہ ھود)	ظالموں سے دور نہیں ۔
وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ	اور لوط کو جب اس نے اپنی
اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ	قوم سے کہا : کیا تم بے حیائی
وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ٥	کرتے ہو حالانکہ تم سمجھدار ہو کیا
اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ	تم آتے ہو مردوں کے پاس
شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ	شہوت سے سوائے عورتوں
النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ	کے بلکہ تم حماقت کر رہے ہو
تَجْهَلُوْنَ ٥ فَمَا	پھر اس کی قوم کا سوائے اس
كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ	کے اور کوئی جواب نہیں تھا مگر
اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا	کہا انہوں نے کہ نکال دو آلِ لوط
اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ	کو اپنی آبادی سے بے شک وہ
اِنَّهُمْ اُنَاسٌ	پاک بنتے پھرتے ہیں ۔ پھر ہم نے
يَّتَطَهَّرُوْنَ ٥ فَاَنْجَيْنٰهُ	اس لوط کو اور اس کی آل کو نجات
وَ اَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ	دی مگر اس کی بیوی اس کے بارے
قَدَّرْنٰهَا مِنَ	میں فیصلہ کر چکے تھے کہ وہ پیچھے
الْغٰبِرِيْنَ ٥ وَاَمْطَرْنَا	رہنے والوں سے ہوگی ۔ اور ہم
عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ	نے ان پر بارش برسا دی ۔ پس
مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ٥ (سورۃ نمل آیت ۵۴ تا ۵۸)	ڈرائی ہوئی قوم کی بری بارش تھی ۔
وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ	اور لوط کو بھیجا ۔ جب اس نے
اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ	اپنی قوم سے کہا کہ بے شک تم
مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ	ایسی بے حیائی کرتے ہو جو تم

أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِيْنَ ﴿	سے پہلے کسی نے نہیں کی ۔ کیا
أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُوْنَ الرِّجَالَ	تم مردوں کے پاس جاتے ہو
وَ تَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۵	اور ڈاکے ڈالتے ہو اور بھری
وَتَأْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ	مجلس میں برائیاں کرتے ہو پھر اس
الْمُنْكَرَ فَمَا كَانَ	کی قوم کے پاس اس کے سوا اور
جَوَابَ قَوْمِهٖ إِلَّآ أَنْ	کوئی جواب نہیں تھا مگر انہوں نے
قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ	کہا کہ لے آؤ تم اللہ کا عذاب
اللّٰهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿	اگر تم سچوں سے ہو ۔ اس نے
قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ	کہا میرے رب میری نصرت فرما
عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ۵	فساد کرنے والی قوم پر ۔

(سورۂ عنکبوت آیت ۲۸ تا ۳۰)

تفسیر

ان آیات میں سے بعض آیات سورہ ہود کی ہیں بعض سورہ نمل کی ہیں اور اور بعض عنکبوت کی ہیں ۔ ان میں حضرت لوط کی قوم کے واقعہ کی تفصیل بیان ہوئی ہے ۔ ہود والی آیات میں عذاب الہٰی کے نزول سے چند گھنٹے پہلے اس قوم پر جو اتمام حجت کیا گیا اس کا بیان ہے مگر وہ قوم اپنے جرائم میں اندھی ہو چکی تھی اس لیے انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی اس آخری وارننگ سے بھی فائدہ نہ اٹھایا تو صبح کے قریب اس قوم پر عذاب اترا اور سرزمین کو تہ و بالا کر دیا گیا اور ان پر پتھروں کا مینہ برسایا گیا ۔ اور اس سورہ ہود والی آیات میں ان کے جرائم کی تفصیل مذکور نہیں ہے کہ وہ کیا تھے صرف اتنا فرمایا ومن

قبل کانوا یعملون السیّئات کہ وہ اس سے پہلے بُرے کام کرتے تھے ۔ بہرحال اس سے اتنا پتہ چل گیا کہ وہ لوگ بہت سے جرائم میں مبتلا تھے اور سورہ نمل والی آیات میں ان کے صرف ایک جرم کا بیان ہے کہ وہ لوگ اغلام بازی کرتے تھے اور سورہ عنکبوت والی آیات میں اس کی مزید تفصیل بیان فرمائی گئی ہے ایک تو وہی ہے جو سورہ نمل والی آیات میں اغلام بازی کا ذکر آیا ہے اور دوسرا یہ بیان فرمایا کہ وہ لوگ اس جرم کے موجد تھے اس سے پہلے جتنی اقوام گزری ہیں ان میں اس کا تصور نہیں تھا اور تیسرا یہ بیان فرمایا کہ وہ لوگ ڈاکو اور رہزن بھی تھے اور چوتھا یہ بیان فرمایا کہ وہ لوگ ایسی برائیاں اور جرائم چھپ کر اور پس پردہ نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اس کے لیے سرِعام اور بڑی بڑی محافل و مجالس منعقد کرتے تھے در اصل یہ لوگ بہت ہی آسودہ حال اور امیر تھے ۔ قوم صدوم کا یہ علاقہ برلب دریا ہونے کی وجہ سے مصر کی طرح بہت ہی سرسبز و شاداب تھا اور اچھے کھاتے پیتے لوگ تھے اور جب انسان کے پاس دولت آجائے تو پھر اسے ایسی برائیاں سوجھتی ہیں اور پھر شیطان انسان کو ایسے جرائم پر اکساتا ہے چنانچہ اس قوم کے مردوں نے مردوں سے اور عورتوں نے عورتوں سے ہم جنسی اور شادیاں رچانے کا سلسلہ شروع کیا جیسا کہ آج کل مغربی ممالک میں ہو رہا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لیے حضرت لُوط علیہ السلام کو ان کی طرف مبعوث فرمایا ۔ حضرت لُوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے ۔ آپ نے اس قوم کی اصلاح کی خاطر بڑی کوشش فرمائی مگر وہ لوگ باز نہ آئے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس پیغمبر کو اس ملک سے نکالنے پر تیار ہو گئے تو پھر حضرت لُوط علیہ السلام نے ان کی تباہی اور بربادی کے لیے بد دُعا فرمائی تو اللہ تعالےٰ

نے وہ بد دعا قبول فرمائی اور اس قوم کو تباہ کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے انکی تباہی کے لیے جو طریقہ اختیار فرمایا ہے ایسا طریقہ اس سے پہلے کسی قوم کی تباہی کے لیے نہیں اختیار کیا گیا کیونکہ اس سے پہلے کسی قوم نے ایسا فعل اختیار ہی نہیں کیا تھا۔ یہ بد معاشی صرف اسی قوم کو سوجھی تھی تو پھر اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں غارت کرنے کے لیے انوکھا ہی طریقہ کیا کہ پہلے تو انہیں پتھروں سے ہلاک اور سنگسار کیا جو قریب ہی گندک کی پہاڑی سے اُڑ اُڑ کر ان پر پڑ رہے تھے اور پھر اس سرزمین کو ہی ان پر اُلٹا دیا گیا کیونکہ یہ کام اُلٹا اور فطرت کے خلاف تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ فعل زنا سے بھی برا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو دُگنا سزا دی ہے کیونکہ انسان اگر شادی شدہ ہو تو اس کے لیے شریعت میں صرف رجم کی سزا ہے اور اگر شادی شدہ نہ ہو تو اس کے لیے صرف دُرّوں کی سزا ہے دو اکٹھی سزائیں نہیں ہیں اور قوم لُوط کے لیے دونوں سزاؤں کو جمع کیا گیا ہے پس معلوم ہوا کہ یہ گناہ عند اللہ زنا سے بھی زیادہ برا اور سخت ہے اور آج کل ایسے جرائم کے مرتکبین کے لیے اللہ نے جو سزا مقرر فرمائی ہے وہ ایڈز کی شکل میں پوری دُنیا میں ظاہر ہو چکی ہے اور یہ سزا قوم لوط والی سزا سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ بہرحال اس سلسلہ میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مطہرہ میں مندرجہ ذیل احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

وَعَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَجَدْتُمُوْهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ بِهٖ ۔

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

حضرت عکرمہ سے روایت ہے اور اس نے ابن عباس سے نقل کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو تم قوم لوط کا عمل کرنے والا پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔ (یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَاَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی رحمت سے

مَلْعُوْنٌ مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ رواه رزین وَفِی رِوَایَۃٍ لَہٗ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ عَلِیًّا اَحْرَقَھُمَا وَاَبَابَکْرٍ ھَدَمَ عَلَیْھِمَا حَائِطًا

دُور ہے وہ شخص جو قوم لوط والا عمل کرے اور انکی ایک روایت میں ہے جو ابن عباس سے کہ بے شک حضرت علی نے ان دونوں کو جلایا تھا اور حضرت ابوبکر نے ان پر دیوار گرائی تھی۔

تشریح

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم لوط کا عمل کرنے والوں کو سزا ضرور دینا ہے عند اللہ یہ گناہ کبیرہ ہے مگر ان کی سزا متعین نہیں ہے۔ حاکم کی صوابدید پر موقوف ہے خواہ انہیں قتل کر دے یا انہیں جلا دے یا انہیں کھڑا کر کے ان کے اوپر دیوار گرا دی جائے اور آنے والی احادیث سے اس فعل خبیث کی مزید مذمت معلوم ہوتی ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِیْ عَمَلَ

اور حضرت جابر سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ ڈر قوم لوط والے کام کا ہے اس

قَوْمِ لُوْطٍ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

حدیث کو ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔

وَعَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَنْظُرُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ اِلٰی رَجُلٍ اَتٰی رَجُلاً اَوْ اِمْرَاَۃً فِیْ دُبُرِھَا۔

اور ان ہی سے روایت ہے کہ بے شک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ عزّ وجل نہیں دیکھیں گے قیامت کے دن اس آدمی کو جو کسی مرد یا عورت کا پاخانہ والا حصہ استعمال کرے۔

(یہ پانچوں احادیث مشکوٰۃ کتاب الحدود سے منقول ہیں)

تشریح

ان دونوں حدیثوں سے قوم لوط والے فعل کی مذمت معلوم ہوتی ہے اور جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت میں اس فعل کے پائے جانے کے خطرے کا اظہار فرمایا ہے اور ظاہر بات ہے کہ جس قوم میں یہ فعل پایا جائے گا اس قوم پر قوم لوط والا عذاب بھی تو یقیناً ہوگا۔ اعاذنا اللہ

عوام حدود معاف کرسکتی ہے حکومت معاف نہیں کرسکتی

وَعَنْ عَمْرِو ابْنِ

اور عمر بن شعیب سے روایت

شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ	ہے انہوں نے اس کے باپ
عَنْ جَدِّہٖ عَبْدِ اللّٰہِ	سے انہوں نے اس کے دادا
ابْنِ عَمْرِ ابْنِ الْعَاصِ	عبداللہ بن عمرو بن العاص سے
اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی	روایت کی کہ بے شک جناب
اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قَالَ تَعَافُوْا الْحُدُوْدَ	نے فرمایا کہ تم آپس میں اپنے
فِیْمَا بَیْنَکُمْ	مابین حدود معاف کرو پس
فَمَا بَلَغَنِیْ مِنْ	مجھ تک جو حد پہنچے پس تحقیق
حَدٍّ فَقَدْ وَجَبَ ۔	وہ واجب ہوئی ۔
(رواہ ابوداؤد والنسائی)	(ابو داؤد ونسائی)

تشریح

اس حدیث پاک سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص زنا، چوری، شراب نوشی اور زنا میں ملوث پایا جائے لوگوں کے لیے مناسب یہ ہے کہ انہیں معاف کر دیں اور حکومت تک اس کی شکایت نہ پہنچائیں اور دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ حکومت تک جب ان مجرمین کی شکایت پہنچائے تو پھر حکام انہیں معاف نہ کریں اور ان پر شرعی حد نافذ کریں اگر حکام ایسا نہیں کریں گے تو مجرم ہوں گے۔

وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ	اور حضرت عائشہ سے روایت
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ	ہے انہوں نے فرمایا کہ جناب

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِدْرَؤُا الْحُدُوْدَ عَنِ الْمُسْلِمِيْنَ مَا اسْتَطَعْتُمْ فَاِنْ كَانَ لَهٗ مَخْرَجٌ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهٗ فَاِنَّ الْاِمَامَ اَنْ يُّخْطِئَ فِي الْعَفْوِ خَيْرٌ مِنْ اَنْ يُّخْطِئَ فِي الْعُقُوْبَةِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دفع کرو مسلمانوں سے ضرور جہاں تک تمہاری طاقت ہو پس اگر اس کے لیے فلاح کی کوئی صورت ہو تو اسے چھوڑ دو پس بے شک امام کا معاف کرنے میں خطا کرنا بہتر ہے سزا میں خطا کرنے سے۔

(یہ دونوں احادیث مشکوٰۃ کتاب الحدود سے منقول ہیں)

تشریح

اس حدیث سے پہلی حدیث کی تائید معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم۔

عزت والوں کی حدود معاف نہیں ہو سکتی

وَعَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَقِيْلُوْا ذَوِي الْهَيْئَاتِ عَثَرَاتِهِمْ اِلَّا الْحُدُوْدَ (رواہ ابوداؤد)

اور ان ہی سے روایت ہے کہ بے شک جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معاف کرو عزت والوں کی لغزشیں مگر حدود معاف نہیں۔

تشریح

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معاشرہ میں جو اونچا طبقہ ہے ان سے اگر کوئی معمولی غلطی ہو جائے تو انہیں معاف کر دینا چاہیئے۔ حکام کو چاہیئے کہ ان کی گرفت نہ کریں انہیں کوئی سزا نہ دیں لیکن چوری شراب نوشی اور تہمتِ زنا وغیرہ کی حد انہیں بھی معاف نہیں ہے۔

حکام اپنے اقربا پر بھی حدود نافذ کریں

وَعَنْ عُبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقِيْمُوْا حُدُوْدَ اللّٰهِ فِى الْقَرِيْبِ وَالْبَعِيْدِ وَلَا تَاْخُذْكُمْ فِى اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ (رواہ ابن ماجہ)	اور عبادہ بن صامت سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قائم کرو حدود اللہ اپنے قریبی اور دُور والے پر اور نہ پکڑے تمہیں اللہ کے دین میں ملامت، ملامت کرنے والے کی۔ (ابن ماجہ)

تشریح

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حکام حدود اللہ کے معاملہ میں اپنے کسی رشتہ دار کی رعایت نہیں کر سکتے

نفاذ حدود اللہ کی برکات

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ	اور ابن عمر سے روایت ہے
رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ	کہ بے شک رسول اللہ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
اِقَامَةُ حَدٍّ	اللہ کے شہروں میں حدود اللہ
مِنْ حُدُوْدِ خَيْرٌ مِنْ	قائم کرنا چالیس راتوں کی
مَطَرِ اَرْبَعِيْنَ	بارانِ رحمت سے بہتر ہے
لَيْلَةً فِي بِلَادِ اللّٰهِ	(ابن ماجہ)

(یہ تینوں احادیث مشکوٰۃ کتاب الحدود سے منقول ہیں۔)

تشریح

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ حدود اللہ کا نفاذ بارانِ رحمت سے بھی بہتر ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ زنا چوری شراب نوشی اور تہمتِ زنا ایسے جرائم ہیں جن سے رحمتِ خداوندی بند ہو جاتی ہے ملک میں فتنہ و فساد برپا ہو جاتا ہے۔ کوئی انسان امن اور چین سے نہیں رہ سکتا یہاں تک کہ بارانِ رحمت بھی بند ہو جاتی ہے اور یہ حدود قائم کرنے سے لوگ جرائم چھوڑ دیتے ہیں ملک میں امن و امان پیدا ہوتا ہے پھر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے اس لیے حدود اللہ کا نفاذ بارانِ رحمت سے بھی بہتر ہے۔

تہمتِ زنا کی دنیوی سزائیں

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ	اور جو لوگ پاک دامن عورتوں
ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ	پر تہمت لگاتے ہیں پھر نہیں
شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ	لاتے چار گواہ پھر انہیں اسّی
ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا	درے مارو اور ان کی گواہی
لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا	کبھی قبول نہ کرو اور وہی لوگ
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ	فاسق ہیں مگر جن لوگوں نے
اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ	توبہ کر لی اس کے بعد اور
بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ج	اصلاح کر لی تو بے شک اللہ
فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ	بخشنے والا مہربان ہے ۔

(سورۃ نور آیت ۴ - ۵)

تشریح

آیت نمبر ۴ میں جو لفظ مُحْصَنٰت آیا ہے یہ محصنۃ کی جمع ہے جو حِصْن سے مشتق ہے اس کے معنے پارسا اور پاکدامن عورت کے آتے ہیں ۔ احصان بھی اسی مادے سے ہے اصطلاح شرع میں احصان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کا حد زنا میں اعتبار کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جس پر زنا کا ثبوت ہو جائے وہ عاقل بالغ آزاد مسلمان ہو اور کسی عورت کے ساتھ نکاح صحیح کر چکا اور اس سے مباشرت بھی ہو چکی ہو تو اس پر سزائے رجم و سنگساری جاری ہوگی اور دوسری قسم

وہ ہے جس کا اعتبار حدِ قذف یعنی تہمت زنا میں کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جس پر زنا کا الزام لگایا گیا ہے وہ عاقل بالغ آزاد مسلمان ہو اور عفیف ہو یعنی پہلے کبھی اس پر زنا کا ثبوت نہ ہوا ہو اس آیت میں یہی معنے محصنت کے ہیں (معارف القرآن) اب آیت کا معنے یہ ہوا کہ جو لوگ ایسی عورتوں کو زنی کا الزام دیتے ہیں جو عاقلہ بالغہ حُرّہ ہوں اور اس سے قبل ان پر زنی کا ثبوت نہ ہوا ہو تو ان الزام دینے والوں پر حدقذف جاری کی جائے یعنی ان کو اسّی دُرّے مارے جائیں گے اور یہ پہلی دنیوی سزا ہے۔ شانِ نزول کے لحاظ سے اگرچہ یہ حکم خاص نظر آتا ہے کہ تہمت لگانے والے مرد ہوں اور ملزمہ مذکورہ صفات والی ہوں تب ان الزام لگانے والوں پر شرعی حد جاری ہوگی لیکن مشہور ضابطہ تفسیریہ العبرۃ لعموم الالفاظ لا لخصوص المعانی کے تحت یعنی اشتراک علت کے پیشِ نظر یہ حکم عام ہے کہ کوئی بھی مرد یا عورت کسی بھی مرد یا عورت پر یہ الزام لگائے تو الزام لگانے والا یا تو چار گواہ پیش کرے ورنہ اس پر یہ شرعی حد قائم کی جائے گی اور یہ حد تب جاری ہوگی کہ جس پر یہ الزام لگایا گیا ہے وہ عدالت میں جاکر اس کے خلاف چارہ جوئی کرے اس کے خلاف رپورٹ دے کہ فلاں آدمی نے مجھ پر ایسا الزام لگایا ہے اس سے میری توہین ہوئی ہے اس پر حد جاری کی جائے کیونکہ یہ اس کا حق بھی ہے اور اللہ کا حق بھی ہے بخلاف حدِ زنا کے کہ وہ خالصتاً اللہ کا حق ہے کوئی مطالبہ کرے یا نہ کرے حدِ زنا جرم ثابت ہونے پر جاری کی جائے گی (معارف القرآن) یہ مذکورہ سزا وقتی ہے اور دوسری دائمی، دنیاوی

سزا یہ ہے کہ آئندہ کے لیے کسی بھی معاملہ میں اس کی شہادت قبول نہ کی جائے جب تک کہ توبہ نہ کرے اور اس کی توبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بھی ندامت کے ساتھ معافی مانگے اور جس پر تہمت لگائی ہے اس سے بھی معافی مانگے یہ مسئلہ حد شرعی جو تہمت زنا پر ذکر کی گئی ہے اسی درے اسی تہمت کے ساتھ مخصوص ہے کسی دوسرے جرم کی تہمت کسی پر لگائی جائے تو یہ حد شرعی اس پر جاری نہیں ہوگی ہاں تعزیری سزا حاکم کی صوابدید کے مطابق ہر مجرم کو دی جاسکتی ہے الفاظ قرآن میں اگرچہ صراحتہ حد کا تہمت زنا کے ساتھ مخصوص ہونا ذکر نہیں مگر چار گواہوں کی شہادت کا ذکر اس خصوصیت کی دلیل ہے کیونکہ چار کی شرط صرف ثبوت زنا کے لیے مخصوص ہے۔ (جصاص و ہدایۃ بحوالہ معارف القرآن)

تہمتِ زنا کی اخروی سزا

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ	جو لوگ پاک دامنوں بے خبر
الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ	ایماں والیوں پر تہمتِ زنا
الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا	لگاتے ہیں ان پر دنیا اور
فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ	آخرت میں لعنت بھیج دی
وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ	گئی ہے اور ان کے لیے
(سورہ نور آیت ۲۳)	بڑا عذاب ہے۔

تشریح

اس آیت کریمہ میں کسی پر تہمتِ زنا لگانے کی دو سزائیں بیان

ہوئی ہیں ایک دنیوی اور دوسری اُخروی اللہ رب العزت نے ان دونوں سزاؤں کو لعنت سے تعبیر فرمایا ہے دنیوی سزا کی تفصیل تو آیت نمبر ۴ اور ۵ میں گزر چکی ہے اور اُخروی سزا اس آیت میں بیان فرمائی ہے اور وہ ہے عذاب عظیم مگر یہ مجمل ہے اس کی تفصیل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیان فرمائی ہے چنانچہ مندرجہ احادیث میں ملاحظہ فرمائیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ	حضرت ابی ہریرہ سے
اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی	روایت ہے کہ بے شک
اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	جناب رسول اللہ صلی اللہ
قَالَ اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ	علیہ وسلم نے فرمایا۔ سات
الْمُوْبِقَاتِ قِیْلَ	ہلاک کرنے والی چیزوں سے
وَمَا هُنَّ یَا رَسُوْلَ	بچو کہا گیا وہ کون سی چیزیں
اللّٰہِ قَالَ اَلشِّرْكُ	یا رسول اللہ آپ نے فرمایا
بِاللّٰہِ وَالسِّحْرُ	اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو
وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِیْ	کرنا ناجائز قتل کرنا مگر کہ
حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ	جس کا قتل شرعاً روا ہو، سود
وَاَکْلُ الرِّبَا	کھانا، یتیم کا مال کھانا میدان
وَاَکْلُ مَالِ الْیَتِیْمِ	جہاد سے فرار اختیار کرنا پاک
وَالتَّوَلِّیْ یَوْمَ الزَّحْفِ	دامنوں بے خبر ایمان والیوں
وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ	کو تہمت زنا لگانا۔
الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ	(ابن کثیر جلد سوم صفحہ ۲۷۷)

تشریح

اس حدیث میں جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزوں کو معاشرہ کی تباہی بربادی اور ہلاکت کا باعث بتایا ہے اللہ کے ساتھ شرک کرنا، کسی پر جادو کرنا، کسی کو ناحق قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جہاد سے فرار اختیار کرنا، پاک دامن عورتوں کو زنا کی تہمت لگانا۔ اس وقت پہلی چھ چیزیں ہمارے موضوع سے خارج ہیں اس لیے ان کی تفصیل سے تعرض نہیں کریں گے اس وقت ہمارے زیر بحث ساتویں چیز ہے یعنی کسی پاک دامن اور پارسا عورت کو تہمت زنا لگانا ہے اس کو بھی جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرہ کی ہلاکت کا ذریعہ بتایا ہے اب سوال یہ ہے کہ یہ کیسے ہلاکت کا ذریعہ ہے تو اس کا سہل جواب یہ ہے کہ جب کوئی آدمی کسی کی ماں بہن، بہو، بیٹی پر زنا کی تہمت لگائے گا تو وہ اس کو معاف تو نہیں کریں گے یا تو اس پر بھی ایسا ہی الزام لگائیں گے یا اسے قتل کریں گے اور یہ پھر انہیں قتل کریں گے تو یہ ایک خونریزی اور سفاکی کا بازار گرم ہو گا جس کا سدباب مشکل ہو گا اور پھر ہزاروں گناہ کبائر کا ذریعہ بنے گا جن میں قتل ناحق تو بہرحال دائمی داخلہ جہنم کا ذریعہ تو ہے ہی اس لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شروع سے ہی اپنی زبانوں کو بند رکھو کسی کی ماں بہن بہو بیٹی پر یہ الزام نہ لگاؤ ورنہ اس کے برے نتائج کے لیے تیار ہو جاؤ اور ان نتائج میں سے ایک نتیجہ داخلہ جہنم ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ ‏ ‏ ‏ ‏ اور حضرت حذیفہؓ سے روایت

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَذْفُ الْمُحْصَنَةِ يَهْدِمُ عَمَلَ مِائَةِ سَنَةٍ	ہے انہوں نے روایت کی ہے۔ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے فرمایا پاک دامن عورت کو تہمت زنا لگانے سے سو سال کے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔
(ابن کثیر ج ۳ صفحہ ۲۷۷)	

تشریح

اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پاک دامن عورت پر تہمت زنا لگانے کا دوسرا نقصان بتایا ہے کہ اس سے الزام لگانے والے کے سو سال کے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں جب نیک اعمال ہی ضائع ہو جائیں گے تو دوزخ میں داخلہ یقینی ہے اس لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پر ایسی تہمت لگانے سے بچنے کی تعلیم دی ہے اب ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک ایسا شخص جو متقی اور پرہیز گار ہو اور سو سال تک وہ نماز، روزہ، حج زکوٰۃ وغیرہ تمام نیک اعمال کرتا رہا ہو اگر ایسا شخص اپنی زبان سے صرف ایک مرتبہ کسی نیک اور پارسا عورت پر زنا کا الزام لگا دیتا ہے تو اس کے اس ایک جرم کی وجہ سے اس کی سو سالہ نیکیوں کو ضائع کر دیا جاتا ہے۔ آخر کار ایسا کیوں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ نیک متقی پرہیز گار پارسا اور پاک دامن عورت انسانی ترقی اور عروج کا پہلا

زینت ہے ایسی عورت ہزاروں علماء اولیاء صلحا اور مجاہدین کی پیدائش کا ذریعہ ہے اور کارخانۂ قدرت میں ایسی عورت کا بہت بلند مقام ہے اور ایسی عورتوں کی عفت اور عصمت کو داغدار بنانا عند اللہ بہت بڑا جرم ہے اس لیے اللہ رب العزت نے ایسے لوگوں کی دنیاوی ایک سزا تو اسی درے رکھی ہے اور دوسری سزا یہ ہے کہ کسی بھی مجلس میں اور کسی بھی معاملہ میں اس کی شہادت قبول کرنے کی اجازت نہیں دی اور اخروی سزا یہ رکھی ہے کہ اس کے سارے نیک اعمال اکارت کر کے جہنم رسید ہونے کی دھمکی سُنا دی ہے کیونکہ اس نے عورت کو داغدار بنا دیا ہے سارے معاشرہ میں اسے بدنام کر دیا ہے اب پہلے تو اس سے کوئی شادی ہی نہیں کرے گا اگر کوئی کر بھی لے گا تو وہ عورت خود بھی اور اس سے پیدا ہونے والی اس کی اولاد بھی معاشرہ میں بدنام ہوگی اور نسل در نسل یہ ہی چلتا رہے گا اگر ایسی عورت سے پیدا ہونے والا کوئی ولی اللہ اور بہت بڑا عالم دین علامہ ہی کیوں نہ بن جائے اس کی بات پر کبھی بھی اعتماد نہیں ہوگا کہنے والے یوں کہیں گے کہ یہ اس کی فلانی کا ہی تو لڑکا ہے اس کا دادا ایسا تھا اس کی دادی ایسی تھی اور ایسے پارسا لوگوں کی آبرو ریزی اللہ پاک برداشت نہیں کر سکتے اس لیے ایسی ہستیوں کو جو لوگ بدنام کرتے ہیں اللہ تعالیٰ خود انہیں ذلیل کرتے ہیں۔

بنیادی کونسل کے ارکان کی ریٹائرمنٹ (ضعیف) ہونے کے بعد انکے اخراجات اور خدمت اولاد پر ہے

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا
تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ
وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ط
اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ
الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ
كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ
لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا
تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ
لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ہ
وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ
الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ
وَقُلْ رَّبِّ
ارْحَمْهُمَا كَمَا
رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ط
(بنی اسرائیل ع ۳)
وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ
بِوَالِدَيْهِ ج حَمَلَتْهُ
اُمُّهٗ وَهْنًا
عَلٰى وَهْنٍ

اور تیرے رب نے فیصلہ
کیا ہے کہ اس کے سوا کسی
کی عبادت مت کرو اور
والدین کے ساتھ نیکی کرو اگر
تیرے سامنے ان میں سے
ایک یا دونوں بڑھاپے کو
پہنچ جائیں تو انہیں اُف بھی
نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو اور
ان سے نرمی کے ساتھ بات
کرو اور ان کے سامنے شفقت
اور عاجزی کے ساتھ جھکے
رہو اور کہو اے میرے
رب جس طرح انہوں نے
مجھے بچپن میں پالا ہے اسی
طرح تو بھی ان پر رحم فرما۔
اور ہم نے انسان کو اس
کے ماں باپ کے متعلق
تاکید کی ہے اس کی ماں نے
ضعف پر ضعف اٹھا کر

وَّ فِصَالُهٗ فِیْ	اسے پیٹ میں رکھا اور
عَامَیْنِ اَنِ	دو برس اس کا دودھ چھڑانا
اشْکُرْ لِیْ	ہے کہ میری اور اپنے ماں
وَلِوَالِدَیْكَ اِلَیَّ	باپ کی شکرگزاری کرے
الْمَصِیْرُ ○ وَاِنْ	میرے پاس ہی لوٹ کر آنا
جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ	ہے اور اگر تجھ پر اس بات
تُشْرِكَ بِیْ	کا زور ڈالے کہ تو میرے اس
مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ	کو شریک بنائے جس کو تو
عِلْمٌ فَلَا	جانتا بھی نہ ہو تو ان کا کہنا نہ
تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا	مان اور دنیا میں اس کے ساتھ
فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا	نیکی سے پیش آ۔

(لقمان ع ۲)

ان آیات میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا حق بیان فرمایا گیا ہے کہ جب اللہ ہی درحقیقت سب کا خالق مالک مُربّی و محسن ہے تو پھر انسان کو چاہیئے کہ صرف اور صرف اس کی بندگی اور عبادت کرے اس کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے حتیٰ کہ ماں باپ جیسے محسن بھی اگر اسے شرک پر مجبور کریں تو اسے چاہیئے کہ اس سلسلہ میں ان کا حکم بھی نہ مانے اور دوسرے نمبر پر اطاعت والدین ہے ان کا ادب و احترام اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے۔ ان کے سامنے عاجزی انکساری اور شریفانہ گفتگو کی تعلیم ہے انہیں جھڑکنے ستانے اور تنگ کرنے سے منع فرمایا گیا ہے

اور ان کے آگے ایسا لفظ بولنے کی اجازت نہیں ہے جس سے اُن کا دِل آزردہ ہو بلکہ یہ تعلیم دی کہ اے انسان جس طرح تیرے والدین نے تیری تربیت، نگاہ داشت، تحفظ اور خدمت گزاری میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی تھی۔ تیرے لیے محنت مزدوری اور سخت مشقت اُٹھا کر بھی تجھے روزی اور آب و دانہ پہنچایا ہے تیری صحت بہبود اور ترقی کے لیے شب و روز دعائیں مانگ کر اپنے آپ کو انہوں نے تھکا دیا تھا۔ اے انسان اب تیرے اوپر بھی فرض ہے کہ اسی جذبہ اور محبت کے ساتھ ایسی ہی محنت اور مشقت اُٹھا کر ان کی خدمت کر اور اللہ پاک سے شب و روز ان کے لیے دعائیں مانگ اور خصوصی طور پر ماں کا تذکرہ فرمایا ہے کہ اس نے ایام حمل اور شیر خوارگی میں انتہائی ضعف کی حالت میں تیری جو خدمات کی ہیں انہیں کبھی بھی تجھے بھولنا نہیں چاہیئے یہاں تک ان آیات قرآنیہ سے جو مفہوم ظاہری اور سرسری طور پر معلوم ہوا۔ عرض کیا گیا ہے

اب آئندہ انشاء اللہ العزیز ترجمان وحی محسنِ انسانیت محبوب کبریا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطاعت والدین کے جو فوائد اور طریقے ارشاد فرمائے ہیں ان کا بیان ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ	ابی ہریرہ سے کہا ایک
قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ	آدمی نے اے اللہ کے
اللّٰہِ مَنْ اَحَقُّ	رسولؐ میرے احسان کا کون
بِحُسْنِ صِحَابَتِیْ قَالَ	زیادہ مستحق ہے فرمایا تیری
اُمُّکَ قَالَ ثُمَّ	ماں پھر کہا اور کون۔ فرمایا

مَنْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ	تیری ماں پھر کہا اور کون کہا
ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمُّكَ	تیری ماں پھر کہا اور کون فرمایا
قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ	تیرا باپ ۔
اَبُوْكَ ۔ (متفق علیہ بحوالہ	

مشکوٰۃ صفحہ ۴۱۸ باب البر والصلۃ)

تشریح

اس حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کے تین سوالوں کے جواب میں تین مرتبہ صرف ماں کا ذکر فرمایا اور چوتھی دفعہ کے سوال کے جواب میں باپ کا ذکر فرمایا ہے اس کا مقصد تاکید در تاکید ہے یعنی قرآن کریم میں جو والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے اس میں ماں مقدم ہے اور اس کا حق پہلے ہے اور باپ کا حق بعد میں ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ماں بحیثیت عورت ہونے کے فطرتی طور پر کمزور ہوتی ہے اور بڑھاپا آنے کی وجہ سے اس پر ضعف در ضعف آجاتا ہے اس لیے اس کا حق مقدم ہے اور باپ بحیثیت مرد ہونے کے فطرتی طور پر قوی اور توانا ہوتا ہے اور اگر ضعیف بھی ہو جائے تب بھی فطرتی توانائی اس میں کچھ نہ کچھ موجود ہوتی ہے اس لیے اس کا حق مؤخر ہے نیز ماں کی خدمات اور احسانات اولاد پر بہ نسبت باپ کے زیادہ ہیں کیونکہ ماں کم از کم چھ ماہ تک بچے کو اپنے پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے اور ولادت کے وقت اسے انتہائی تکلیف ہوتی ہے اور بعد از ولادت اس کی گندگی اور پاخانہ تک صاف کرتی ہے اور اس کی خاطر اپنی رات کی نیند بھی حرام کر دیتی ہے اور اس

کی بہ نسبت باپ کی خدمات کم ہیں لہٰذا خدمات کے سلسلہ میں ماں کا حق مقدم ہے اور باپ کا مؤخر۔

عَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ اَبِیْ	اسماء بنت ابی بکر سے کہا
بَکْرٍ قَالَتْ قَدِمَتْ	میری والدہ میرے پاس آئی
عَلَیَّ اُمِّیْ وَهِیَ	اور وہ دور قریش میں مشرکہ تھی
مُشْرِکَةٌ فِیْ عَهْدِ	میں نے کہا اے اللہ کے رسول
قُرَیْشٍ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ	میری والدہ آئی ہے اور اسے
اللّٰهِ اِنَّ اُمِّیْ قَدِمَتْ	دین سے رغبت نہیں ہے
عَلَیَّ وَهِیَ رَاغِبَةٌ	کیا میں اس سے صلہ رحمی
اَفَاَصِلُهَا قَالَ نَعَمْ	کروں۔ آپ نے فرمایا ہاں
صِلِیْهَا ۔	اس سے صلہ رحمی کر۔

(متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ باب البر والصلۃ صفحہ ۴۱۹)

اس حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین اگر غیر مسلم بھی ہوں تب بھی ان کے ساتھ احسان کرنا ہے اصل میں اسلام کی تعلیمات کا خلاصہ اور لب لباب یہی ہے کہ ہر حق دار کو اس کا حق پہنچا دیا جائے اس میں مسلم اور غیر مسلم کا کوئی امتیاز نہیں ہے تو پھر مذہب کی بنا پر اتنے بڑے محسنین ماں اور باپ کا حق کس طرح روکا جا سکتا ہے اس لیے آپ نے فرمایا کہ اس کے مشرکہ ہونے کے باوجود اس سے صلہ رحمی کرو۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ	عبد اللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ انہوں
عَمْرٍو قَالَ قَالَ	نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ	اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین

عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ مِنَ	کو گالی دینا بڑا گناہ ہے انہوں
الۡكَبَائِرِ شَتۡمُ الرَّجُلِ	نے کہا اے اللہ کے رسول
وَالِدَيۡهِ قَالُوۡا يَا	کیا اپنے والدین کو کوئی گالی دیگا
رَسُوۡلَ اللهِ وَهَلۡ	فرمایا ہاں کوئی آدمی کسی کے
يَشۡتُمُ الرَّجُلُ وَالِدَيۡهِ	باپ کو گالی دے تو وہ
قَالَ نَعَمۡ يَسُبُّ	اس کے باپ کو گالی دے
الرَّجُلُ اَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ	گا وہ اس کی ماں کو گالی دے
اَبَاهُ وَيَسُبُّ اُمَّهٗ	گا تو وہ اس کی ماں کو گالی دیگا۔
فَيَسُبُّ اُمَّهٗ	

(متفق علیہ) بحوالہ مشکوٰۃ باب البر والصلۃ صفحہ ۴۱۹)

اس حدیث پاک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو اپنے والدین کے علاوہ دوسروں کے والدین کا ادب و احترام اور تعظیم کرنے کی تعلیم دی ہے اور ان کی شان میں گستاخی کرنے سے منع فرمایا ہے فرمایا اگر ایسا کرو گے تو وہ تمہارے والدین کے ساتھ ایسا کریں گے تو جو چیز اپنے والدین کی توہین یا بے ادبی کا باعث بنے اس سے بھی بچنے کی ترغیب دی ہے۔

عَنۡ ابۡنِ عُمَرَ قَالَ	حضرت ابن عمر سے نقل ہے
قَالَ رَسُوۡلُ اللهِ صَلَّى	انہوں نے کہا فرمایا رسول اللہ
اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ	صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشک
اِنَّ مِنۡ اَبَرِّ	نیکیوں میں بڑی نیکی اپنے
الۡبِرِّ صِلَةُ الرَّجُلِ	باپ کے دوستوں کے ساتھ

اَهْلَ وُدِّ اَبِيْهِ بَعْدَ اَنْ يُّوَلِّيَ (رواہ مسلم) — اس کی عدم موجودگی میں صلہ رحمی کرنا ہے۔

(بحوالہ مشکوٰۃ صد ۴۱۹)

تشریح

اس حدیث پاک میں باپ کی قید احترازی نہیں بلکہ اتفاقی ہے یعنی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد صرف باپ کے دوستوں کی تعظیم و تکریم بیان کرنا نہیں بلکہ ماں کے تعلق داروں کی بھی تعظیم کرانا مقصود ہے۔ باپ کا ذکر اتفاقی طور پر ہوا اور ان کے دوستوں کی تعظیم اور صلہ رحمی کا حکم اس لیے دیا کہ اگر اولاد ایسا نہیں کرے گی تو ماں باپ کو کوفت ہو گی گویا کہ یہ توہین اور قطع رحمی بالواسطہ طور پر والدین کی ہو رہی ہے جو گناہ کبیرہ ہے اس سے بھی انسان کو بچنا چاہیئے اور والدین کے اقارب اور دوستوں کے ساتھ بدستور تعلقات صلہ رحمی اور احسانات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے سب سے بڑی نیکی کا اجراء اور ثواب پانا چاہیئے کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سب سے بڑی نیکی قرار دیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان یہ سلسلہ جاری رکھے گا تو ایک طرف سے اس کے والدین کو صدقہ جاریہ اور باقیات الصالحات کا ثواب ملے گا اور دوسری طرف سے خود یہ اجر پائے گا لہٰذا انسان کو چاہیئے نہ خود اس عبادت سے محروم رہے اور نہ اپنے والدین کو محروم کرے۔

عَنْ اَبِيْ اُسَيْدٍ — ابی اسید ساعدی سے

الساعدی قال بینما	انہوں نے کہا اس دوران کہ
نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ	ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	وسلم کے پاس تھے ۔ جب
اِذْ جَاءَهٗ رَجُلٌ مِّنْ	ایک آدمی آپ کے پاس
بَنِیْ سَلِمَةَ فَقَالَ	بنی سلمہ میں سے آیا اور کہا
يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ	اے اللہ کے رسول کیا باقی
بَقِیَ مِنْ بِرِّ اَبَوَیَّ	ہے میرے والدین کی نیکی میں
شَیْءٌ اَبَرُّهُمَا بِهٖ	سے کچھ کروں میں وہ نیکی ان
بَعْدَ مَوْتِهِمَا قَالَ	کے ساتھ بعد ان کے مرنے
نَعَمْ اَلصَّلٰوةُ عَلَيْهِمَا	کے فرمایا ہاں ان کے لیے
وَالْاِسْتِغْفَارُ لَهُمَا	دعا ، استغفار ان کے کیے
وَاِنْفَاذُ عَهْدِهِمَا	ہوئے عہد کا ایفا صلہ رحمی
مِنْ بَعْدِهِمَا وَصِلَةُ	جو ان کے ذریعہ ہوتی تھی ۔
الرَّحِمِ الَّتِیْ لَا تُوْصَلُ	اور ان کے دوستوں کا اکرام ۔
اِلَّا بِهِمَا وَاِكْرَامُ	
صَدِيْقِهِمَا (رواہ ابوداؤد	

وابن ماجہ بحوالہ مشکوٰۃ باب البر والصلۃ صفحہ ۴۲۰)

اس حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ والدین کے فوت ہونے کے بعد بھی اولاد پر ان کے پانچ حقوق ہوتے ہیں پہلا حق یہ ہے کہ انسان ان کے لیے بلندی درجات کی ہر وقت اللہ تعالٰے سے دعا مانگتا رہے ۔

دوسرا حق یہ ہے کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے ان کے گناہوں کی معافی مانگتا رہے۔

تیسرا حق یہ ہے کہ انہوں نے اگر اپنی زندگی میں کسی کے ساتھ کوئی وعدہ کیا ہو مثلاً مال میں سے تیسرے حصہ کی وصیت کوئی ھبہ کوئی صدقہ جاریہ وغیرہ تو اولاد کو چاہیئے کہ وہ ان کو پورا کریں۔

چوتھا حق یہ ہے کہ ماں باپ اپنی زندگی میں اپنی برادری میں سے جس جس کے ساتھ صلہ رحمی رکھتے تھے وہ اسے بدستور اب جاری رکھیں۔

پانچواں حق یہ ہے کہ اولاد کو چاہیئے ان کے دوستوں اور احباب درفقاء کا اسی طرح اکرام اور تعظیم کریں جس طرح وہ خود کیا کرتے تھے۔ ان پانچ چیزوں کے اپنانے سے ماں باپ کو بھی اجر ملتا رہے گا اور ان کے ساتھ نیکی ہوگی۔

عَنْ اَبِی الطُّفَیْلِ قَالَ	نقل ہے ابی طفیل سے کہا
رَئَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی	دیکھا میں نے نبی صلی اللہ
اللّٰہُ یُقَسِّمُ لَحْمًا	علیہ وسلم کو جعرانہ میں گوشت
بِالْجِعِرَّانَةِ اِذْ	تقسیم کرتے ہوئے۔ ایک
اَقْبَلَتْ اِمْرَاَۃٌ	عورت آئی یہاں تک کہ
حَتّٰی دَنَتْ اِلَی	وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے
النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ	قریب ہوئی تو آپ نے اس
عَلَیْہِ فَبَسَطَ لَھَا	کے لیے چادر بچھائی تو وہ
دَرَاءَهٗ فَجَلَسَتْ	اس پر بیٹھی۔ میں نے کہا یہ
عَلَیْہِ فَقُلْتُ مَنْ	کون ہے۔ انہوں نے کہا

هِیَ فَقَالُوْا هِیَ اُمُّہٗ — یہ ان کی وہ ماں ہے جس نے

الَّتِیْ اَرْضَعَتْہٗ — انہیں دودھ پلایا۔

(رواہ ابوداود بحوالہ مشکوٰۃ باب البر والصلۃ صفحہ ۴۲۰)

اس حدیث پاک میں عورت کا ذکر ہے وہ حلیمہ ہیں انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا آپ نے ان کا بھی اتنا احترام کیا کہ ان کے لیے چادر بچھائی اور اس پر انہیں بٹھایا اور بعض احادیث میں ہے کہ آپ پہلے تعظیماً اٹھ کر کھڑے ہو گئے پھر چادر بچھائی اور اس پر بٹھایا اس کے اندر تعلیم ہے کہ جو عورت دودھ پلائے اس کی بھی تعظیم کرنا چاہیئے۔

اطاعتِ والدین کی دُنیاوی برکات

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ — انس سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ — صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پسند

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ — کرتا ہے کہ اس کی روزی

اَحَبَّ اَنْ یُّبْسَطَ لَہٗ — کشادہ کی جائے اور عمر بڑھا

فِیْ رِزْقِہٖ وَیُنْسَأَ لَہٗ — دی جائے تو اسے چاہیئے

فِیْ اَثَرِہٖ فَلْیَصِلْ رَحِمَہٗ — کہ صلہ کرے۔

(متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ باب البر والصلۃ ص ۴۱۹)

اس حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلہ رحمی کی دو دُنیاوی برکتیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک روزی میں وسعت، فراوانی اور دوسری عمر میں برکت یعنی صلہ رحمی کرنے والا انسان اپنی عمر میں اتنے

عظیم کارنامے سرانجام دینا ہے کہ اس کے مقابلے میں لاکھوں افراد مل کر بھی ایسا کام نہیں کر سکتے اور اس کے لیے مرنے کے بعد بھی یہ کارنامے صدقہ جاریہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام اقارب کے ساتھ صلہ رحمی کے یہ فوائد بیان فرمائے ہیں اور اس سلسلہ میں والدین اور خصوصًا والدہ تو سب سے مقدم ہے جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ معلوم ہوا کہ جب عام اقارب کے ساتھ صلہ رحمی کا یہ انعام ہے تو والدین کے ساتھ اور خصوصًا والدہ کے ساتھ احسان کرنے کا یقینًا یقینًا یہ صلہ اور انعام ملے گا تو انسان کو چاہیئے کہ مقدور بھر والدین کی خدمت پر کمربستہ رہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ	ترجمہ نقل ہے ابن عمر سے اور انہوں نے نقل کیا
النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے
وَسَلَّمَ قَالَ بَیْنَمَا	فرمایا کہ اس دوران کہ چلتے تین
ثَلَاثَۃُ نَفَرٍ یَتَمَاشَوْنَ	آدمی پھر پکڑ لیا ان کو بارش
اَخَذَھُمُ	نے پس مائل ہوئے طرف
الْمَطَرُ فَمَالُوْا اِلٰی	غار کے پہاڑ میں پس گر
غَارٍ فِی الْجَبَلِ	پڑی ان کی غار کے منہ
فَانْحَطَّتْ عَلٰی فَمِ	پر ایک چٹان پہاڑ سے
غَارِھِمْ صَخْرَۃٌ مِّنَ	پس برابر مضبوط ہو گئی وہ
الْجَبَلِ فَاَطْبَقَتْ	ان پر پس کہا انہوں نے
عَلَیْھِمْ فَقَالَ	ایک دوسرے کو غور کرو
بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ اُنْظُرُوْا	تم اپنے نیک اعمال جو

اَعْمَالًا عَمِلْتُمُوْهَا	کئے تم نے رضائے الٰہی
لِلّٰهِ صَالِحَةً فَادْعُوا	کے لیے دُعا کرو ان کے
اللّٰهَ بِهَا لَعَلَّهٗ يُفَرِّجُهَا	وسیلہ سے شائد کہ
فَقَالَ اَحَدُهُمْ اَللّٰهُمَّ	دور کرے اللہ ان سے
اِنَّهٗ كَانَ لِيْ وَالِدَانِ	اس کو پس کہا ان میں
شَيْخَانِ كَبِيْرَانِ	سے ایک نے اے
وَلِيْ صِبْيَةٌ صِغَارٌ	اللہ یقیناً میرے والدین
كُنْتُ اَرْعٰى عَلَيْهِمْ	بہت بوڑھے تھے اور
فَاِذَا رُحْتُ عَلَيْهِمْ	میری شیرخوار بچی تھی میں
فَحَلَبْتُ بَدَاْتُ	ان کے بکریاں چراتا تھا جب
بِوَالِدَيَّ اَسْقِيْهِمَا	شام کو ان کے پاس واپس
قَبْلَ وَلَدِيْ وَاِنَّهٗ	آتا تو دُودھ نکال کر پہلے
قَدْ نَاٰى بِيْ	ان والدین کو پلاتا اپنے بچوں
الشَّجَرُ فَمَا اَتَيْتُ	سے دور رکھا مجھے درختوں
حَتّٰى اَمْسَيْتُ	نے پس نہ آیا میں یہاں تک
فَوَجَدْتُهُمَا قَدْ نَامَا	کہ شام کی میں نے پس پایا
فَحَلَبْتُ كَمَا كُنْتُ	میں نے ان کو سو چکے تھے
اَحْلُبُ فَجِئْتُ	پس نکالا میں نے دودھ جیسا
بِالْحِلَابِ فَقُمْتُ	کہ نکالتا تھا پس لایا میں دودھ
عِنْدَ رُءُوْسِهِمَا	پس کھڑا ہو گیا پاس اُن کے
اَكْرَهُ اَنْ اُوْقِظَهُمَا	سر کے مکروہ جانا کہ بیدار

وَاَكْرَهُ اَنْ اَبْدَاَ	کروں اور مکروہ جانا کہ پہلے
بِالصَّبِيَّةِ قَبْلَهُمَا	پلاؤں دودھ بچی کو قبل ان
وَالصِّبْيَةُ يَتَضَاغَوْنَ	کے اور بچی بلک رہی تھی
عِنْدَ قَدَمَيَّ فَلَمْ	میرے قدموں کے پاس
يَزَلْ ذَالِكَ دَاْبِيْ	پس مسلسل یہی حالت رہی
وَدَاْبُهُمْ حَتّٰى طَلَعَ	میری اور ان کی یہاں تک
الْفَجْرُ فَاِنْ كُنْتَ	کہ صبح ہوئی پس اگر تو جانتا
تَعْلَمُ اَنِّيْ فَعَلْتُ	ہے کہ بے شک میں نے
ذَالِكَ اِبْتِغَاءَ وَجْهِكَ	یہ کیا تیری رضا کے لیے
فَافْرُجْ لَنَا	تو کھول دے ہمارے لیے
فُرْجَةً نَرٰى مِنْهَا	ایک سوراخ دیکھ لیں ہم
السَّمَاءَ فَفَرَّجَ اللّٰهُ	اس سے آسمان کو پس کھولا
لَهُمْ حَتّٰى يَرَوْنَ	اللہ نے ان سے یہاں تک

السَّمَاءَ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۰ باب البر والصلۃ) دیکھنے لگے ۔

یہ حدیث کافی مفصل ہے صرف مدعا کا مضمون ہی نقل کیا ہے کہ خلاصہ یہ ہے کہ اگر اللہ پاک کسی انسان پر مصیبت اتار دے تو ماں باپ کی خدمت کی برکت سے اس مصیبت کو دور بھی فرما دیتے ہیں جیساکہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ زمانہ میں تین آدمیوں نے پہاڑی سفر اختیار کیا بارش ہوئی تو اس کی وجہ سے انہوں نے ایک غار میں پناہ لی اوپر سے ایک بڑی چٹان گری جس نے غار کا منہ بند کر دیا ان آدمیوں کو ہلاکت کا خطرہ لاحق ہوا انہوں نے باہم مشورہ کر کے اپنی

اپنی نیکیوں کا وسیلہ پیش کیا جن میں سے ایک نے اپنے والدین کی خدمت کا وسیلہ پیش کیا تو اللہ پاک نے ان پر اُتری ہوئی مصیبت ٹال دی اور ان کو اس ہلاکت سے نجات بخشی

اطاعتِ والدین کی اُخروی برکات

عن عائشۃ قالت	ترجمہ نقل ہے حضرت عائشہؓ
قال رسول اللہ صلی	سے کہا فرمایا رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم	اللہ علیہ وسلم نے میں جنت
دخلت الجنۃ فَسَمِعْتُ	میں داخل ہوا تو میں نے
فیھا قراءۃً فقلت	قرائت کی آواز سنی میں نے
من ھذا قالوا حارثۃ	کہا یہ کون ہے انہوں نے
ابن النعمان کذالکم	کہا حارثہ بن نعمان ہیں۔ تمہیں
البر کان ابر	بھی ایسی نیکی کرنا چاہیے تمہیں
الناس بامہ	ایسی نیکی کرنا چاہیئے وہ اپنی
(بحوالہ مشکوٰۃ صـ۴۱۹)	ماں کے ساتھ سب لوگوں
	سے زیادہ نیکی کرنے والا تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں اور باپ کے ساتھ نیکی کرنے سے اس کے بقیہ اعمال صالحہ بھی بارگاہ ایزدی درجہ قبولیت پاتے ہیں جیسا کہ حارثہ بن نعمان زمین پر جو قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تھے تو اللہ پاک نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب کی حالت میں جنت کی سیر کرائی تو ان کی تلاوت بھی جنت میں سنائی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

دریافت فرمانے پر بتایا کہ یہ تمہارے فلاں صحابی حارثہ بن نعمان کی تلاوت ہے تو آپ نے صحابہ کو فرمایا تمہیں بھی یوں نیکی کرنا چاہیئے جس طرح اس نے کی فرمایا یہ شرف اسے اپنی ماں سے نیکی کی بدولت نصیب ہوا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِضَى الرَّبِّ فِىْ رِضَى الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِىْ سَخَطِ الْوَالِدِ۔	ترجمہ نقل ہے عبداللہ بن عمر سے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کی رضا والد کی رضا میں ہے اور رب کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے۔

(رواہ الترمذی بحوالہ مشکوٰۃ ص۴۱۹)

تشریح

اس حدیث میں صرف والد کا ذکر خصوصیت کے طور پر اہتمام کے لیے ہے کہ والد کا بھی احترام کرنا چاہیئے یہ مقصد نہیں کہ والدہ کا احترام نہ ہو بلکہ بعض احادیث میں والدہ کے احترام کو مقدم رکھا گیا ہے اس میں والد کا ذکر فرما کر اس کی تعظیم کا بھی حکم دے دیا۔ خلاصہ یہ ہے جو خدا کی رضا چاہتا ہے وہ والدین کو راضی کرے جس پر والدین ناراض ہوں گے اس پر خدا بھی ناراض ہو گا اور دوسری آیات اور احادیث سے یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ اطاعت والدین اللہ کی تابعداری میں ہے نافرمانی میں نہیں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا اَتَى النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اَصَبْتُ ذَنْبًا عَظِيْمًا فَهَلْ لِیْ مِنْ تَوْبَةٍ قَالَ هَلْ لَكَ مِنْ اُمٍّ قَالَ لَا قَالَ وَهَلْ لَكَ مِنْ خَالَةٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَبِرَّهَا

ترجمہ نقل ہے ابن عمرؓ سے کہ بے شک ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا پس کہا اے اللہ کے رسول میں نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے کیا میری توبہ ہے فرمایا کیا تیری ماں ہے کہا نہیں فرمایا کیا تیری خالہ ہے کہا ہاں فرمایا پھر اس کے ساتھ نیکی کر۔

(رواہ الترمذی بحوالہ مشکوۃ صنا۴۲)

تشریح

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر انسان اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرے تو وہ اس کے گناہوں کا کفارہ بنتا ہے اور اگر ماں باپ بحیات نہ ہوں تو ان کے اقارب کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کرنے سے بھی یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے ۔ خلاصہ یہ نکلا کہ یہ رشتے اُخروی برکات کا بھی باعث ہیں۔

عَنْ مُعٰوِيَةَ بْنِ جَاهِمَةَ اَنَّ جَاهِمَةَ جَاءَ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى

ترجمہ نقل ہے معٰویہ بن جاہمہ سے کہ بے شک جاہمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ	آیا پس کہا اے اللہ کے رسول
يَا رَسُوْلَ اللهِ اَرَدْتُّ	میں چاہتا ہوں کہ جہاد کروں
اَنْ اَغْزُوَ وَقَدْ	اور آپ کے پاس مشورہ کرنے
جِئْتُ اَسْتَشِيْرُكَ	آیا ہوں پس فرمایا کیا تیری ماں
فَقَالَ هَلْ لَكَ مِنْ	ہے کہا ہاں فرمایا پس اسی کے
اُمٍّ قَالَ نَعَمْ قَالَ	ساتھ چمٹ جاؤ پس بیشک
تَلْزِمْهَا فَاِنَّ الْجَنَّةَ	جنت اس کے قدموں کے
عِنْدَ رِجْلِهَا ۔	پاس ہے۔

(فی شعب الایمان بحوالہ مشکوٰۃ ص ۴۲۱)

اس حدیث پاک سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ماں باپ کی خدمت جہاد جیسے مقدس فریضہ سے بھی مقدم اور بہتر ہے تب ہی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہمہ صحابی کو اپنے ساتھ جہاد پر جانے کی اجازت مرحمت نہ فرمائی اور اسے والدہ کی خدمت پر مامور فرمایا۔

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ	ترجمہ ابی امامہ سے نقل ہے
اَنَّ رَجُلًا قَالَ	کہ بے شک ایک آدمی نے
يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا	کہا اے اللہ کے رسول والدین
حَقُّ الْوَالِدَيْنِ	کا اولاد پر کیا حق ہے فرمایا
عَلٰى وَلَدِهِمَا قَالَ	وہ دونوں تیری جنّت اور
هُمَا جَنَّتُكَ	دوزخ ہیں۔
وَنَارُكَ	

(رواہ ابن ماجہ بحوالہ مشکوٰۃ مذکورہ)

تشریح

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک انسان ہزاروں نیکیاں کرے لیکن وہ والدین کا نافرمان ہو تو وہ جنت میں نہیں بلکہ دوزخ میں جائے گا اور اگر بڑا نافرمان ہو مگر ماں باپ کا تابعدار ہو تو وہ جنت میں جائے گا لہٰذا انسان کو چاہیئے کہ بہرحال ماں باپ کی تابعداری کرے اور نافرمانی سے بچے اور مقدور بھر ان کی خدمت کرے تاکہ وہ اس سے ناراض ہو کر دنیا سے نہ جائیں۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ	ترجمہ انسؓ سے نقل ہے
رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ	کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ	وسلم نے بے شک آدمی کے
الْعَبْدَ لَیَمُوْتُ وَالِدَاہُ	والدین یا ایک مرجائے اور
اَوْ اَحَدُھُمَا وَ اِنَّہٗ	وہ ان کا نافرمان ہو اور پھر
لَھُمَا لَعَاقٌ فَلَا	مسلسل ان کے لیے دُعا اور
یَزَالُ یَدْعُوْا لَھُمَا	استغفار کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ
وَیَسْتَغْفِرُ لَھُمَا حَتّٰی	اس کو والدین کے ساتھ نیکی
یَکْتُبَہُ اللّٰہُ بَارًّا	کرنے والا لکھتے ہیں۔

اس حدیث میں یہ بتایا ہے کہ اگر کسی کے والدین ناراض فوت ہو جائیں اور پھر اولاد ان کے لیے دعا استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو فرمانبرداروں میں لکھتے ہیں۔

وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ	ترجمہ نقل ہے ابن عباس سے

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ
اَصْبَحَ مُطِيْعًا لِلّٰهِ
فِيْ وَالِدَيْهِ اَصْبَحَ
لَهٗ بَابَانِ مَفْتُوْحَانِ
مِنَ الْجَنَّةِ
وَاِنْ كَانَ وَاحِدًا
فَوَاحِدًا وَمَنْ
اَصْبَحَ عَاصِيًا
لِلّٰهِ فِيْ وَالِدَيْهِ
اَصْبَحَ لَهٗ بَابَانِ
مَفْتُوْحَانِ
مِنَ النَّارِ اِنْ
وَاحِدًا فَوَاحِدًا
قَالَ رَجُلٌ وَاِنْ
ظَلَمَاهُ قَالَ
وَاِنْ ظَلَمَاهُ وَاِنْ
ظَلَمَاهُ وَاِنْ
ظَلَمَاهُ۔

(بحوالہ مشکوٰۃ ص۴۲۱)

وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ

انہوں نے کہا فرمایا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص
صبح کرے دراں حالیکہ
والدین کے بارے میں اللہ کا
مطیع ہو تو صبح کے وقت اس
کے لیے جنت کے دو
دروازے کھول دئیے جاتے
ہیں اور اگر ایک ہو تو ایک
کھول دیا جاتا ہے اور جو
صبح کرے دراں حالیکہ والدین
کے بارے میں اللہ کی نافرمانی
کرنے والا ہو تو صبح کے وقت
اس کے لیے دوزخ کے
دو دروازے کھول دئیے
جاتے ہیں اور اگر ایک ہو
تو ایک کھول دیا جاتا ہے۔
ایک آدمی نے کہا اگرچہ وہ
زیادتی کریں فرمایا ہاں اگرچہ وہ
زیادتی کریں اگرچہ وہ زیادتی
کریں اگرچہ وہ زیادتی کریں۔
ترجمہ انہیں سے نقل ہے

اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ وَلَدٍ بَارٍّ یَنْظُرُ اِلیٰ وَالِدَیْہِ نَظْرَۃَ رَحْمَۃٍ اِلَّا کَتَبَ اللہُ لَہٗ بِکُلِّ نَظْرَۃٍ حَجَّۃً مَبْرُوْرَۃً قَالُوْا وَاِنْ نَظَرَ کُلَّ یَوْمٍ مِائَۃَ مَرَّۃٍ قَالَ نَعَمْ اللہُ اَکْبَرُ وَاَطْیَبُ (حوالہ مذکورہ)

کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں کوئی نیک لڑکا جو اپنے والدین کی طرف ایک دفعہ شفقت سے نظر کرے مگر اللہ تعالےٰ نے ہر نظر کے بدلے اس کے لیے حج مقبول کا ثواب لکھتے ہیں انہوں نے کہا اگرچہ روزانہ سو دفعہ دیکھے فرمایا ہاں اللہ بہت بڑا ہے بہت پاکیزہ ہے۔

یہ دونوں حدیثیں پہلی حدیثوں کی تفصیل ہیں۔

والدین کی نافرمانی کی دُنیاوی نحوست

عَنْ عَبْدِ اللہِ بْنِ اَبِیْ اَوْفیٰ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا تَنْزِلُ الرَّحْمَۃُ عَلیٰ قَوْمٍ فِیْھِمْ قَاطِعُ رَحِمٍ

ترجمہ نقل ہے عبداللہ بن اوفیٰ سے انہوں نے کہا سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ فرماتے تھے نہیں اترتی رحمت اس قوم پر جس میں قطع رحمی کرنے والا ہو۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

تشریح

اس حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نسل انسانی کو ایک بہت بڑے عذاب سے آگاہ فرمایا ہے اور وہ قطع رحمی ہے اور اس میں بنیادی حیثیت ماں اور باپ کی ہے باقی رشتے اپنے مقام پر ہیں انہیں کے طفیل سے فرمایا جس قوم میں قطعی رحمی کرنے والا ہوگا وہاں رحمتِ خداوندی نہیں اترے گی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ جتنے بھی رشتے ہیں مثلاً ماں باپ بھائی بہن تایا چچا ماموں خالہ پھوپھی دادی دادا، نانی نانا وغیرہ ۔ اللہ پاک نے ان کو اپنی رحمت کے نزول کا ذریعہ بنایا ہے ۔ ماں باپ کے دل میں اپنی اولاد کی جو محبت موجزن ہوتی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے اور پھر ان کے واسطے سے باقی انسان خویش واقارب کی محبت کا مرکز بنتا ہے اور جب انسان پر تکلیف آتی ہے تو اس وقت ماں باپ اور بقیہ رشتے داروں کے دل سے جو گزرتی ہے وہ وہی جانتے ہیں لیکن جو شخص ان رحیمانہ رشتوں کو توڑتا ہے تو وہ درحقیقت رحمتِ خداوندی کا دروازہ اسے وہ خود بند کرتا ہے اور اس سے وہ اکیلا متاثر نہیں ہوتا بلکہ پوری قوم اور برادری متاثر ہوتی ہے مثلاً اگر وہ اپنی ماں کو کوئی تکلیف یا اذیت پہنچائے گا تو ماں کی طرف کے سارے رشتے اس سے کٹ جائیں گے اسی طرح اگر وہ اپنے باپ کو تکلیف دے گا تو باپ کی طرف کے سارے رشتے اس سے کٹ جائیں گے ۔ خون ریزی جنگ وجدل تک نوبت آئے گی ۔ بیسیوں بلکہ بسا اوقات سینکڑوں آدمی اس فساد کی زد میں آتے ہیں اور قتل ناحق سے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہیں اور قطع رحمی

کے اس ایک گناہ کی وجہ سے ہزاروں گناہ ہوتے ہیں اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بنیادی گناہ سے بچنے کی تعلیم دی ہے اور اس کے اندر جو خطرات مضمر ہیں ان سے آگاہ فرمایا یہی وجہ ہے کہ آج وہ تو میں یا ممالک جہاں ان رشتوں کا پاس نہیں ہے ان میں درندگی وحشت اور بربریت پائی جاتی ہے۔ ان کے دلوں میں اور انسان تو کجا اپنے والدین کے ساتھ بھی کوئی الفت اور محبت نہیں ہے وہ باہم انسانوں کو اس طرح چیر اور پھاڑ رہے ہیں جس طرح ایک جنگل کا درندہ شکار کو پکڑ کر پھاڑتا ہے اور جہاں ان رشتوں کا پاس ہے وہاں انسان تو کجا حیوانات پر بھی شفقت اور رحم کے مظاہرے ہیں۔ خلاصہ یہ نکلا کہ صلہ رحمی انسانی ترقی اور عروج کی بنیاد اور ستون ہے اگر اس کا تحفظ ہوگا تو انسان ترقی کریگا ورنہ ترقی نہیں کر سکتا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سب سے زیادہ زور دیا۔

عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ	ترجمہ نقل ہے کعب بن عجرہ
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ	سے کہا فرمایا رسول اللہ صلی
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	اللہ علیہ وسلم نے سارے
وَسَلَّمَ اُحْضُرُوْا	جمع ہو جاؤ منبر کے پاس پس
الْمِنْبَرَ فَحَضَرْنَا فَلَمَّا	ہم جمع ہو گئے جب چڑھے
ارْتَقٰى دَرَجَةً قَالَ	وہ سیڑھی پر فرمایا آمین پس
اٰمِيْنَ فَلَمَّا ارْتَقَى	جب چڑھے وہ دوسری
الدَّرَجَةَ الثَّانِيَةَ	سیڑھی پر فرمایا آمین جب
قَالَ اٰمِيْنَ فَلَمَّا	چڑھے وہ تیسری سیڑھی پر فرمایا

ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّالِثَةَ
قَالَ آمِيْنَ وَلَمَّا
نَزَلَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ
اللهِ لَقَدْ سَمِعْنَا مِنْكَ
الْيَوْمَ شَيْئًا مَا كُنَّا
نَسْمَعُهٗ قَالَ اِنَّ
جِبْرِيْلَ عَرَضَ لِيْ
فَقَالَ بَعُدَ مَنْ
اَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ
يُغْفَرْ لَهٗ قُلْتُ
اٰمِيْنَ فَلَمَّا رَقِيْتُ
الثَّانِيَةَ قَالَ
بَعُدَ مَنْ ذُكِرْتَ
عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ
عَلَيْكَ قُلْتُ اٰمِيْنَ
فَلَمَّا رَقِيْتُ الثَّالِثَةَ
قَالَ بَعُدَ مَنْ
اَدْرَكَ اَبَوَيْهِ الْكِبَرُ
عِنْدَهٗ اَوْ اَحَدَهُمَا
فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ
قُلْتُ اٰمِيْنَ۔

آمین پس جب اترے ہم نے
کہا اے اللہ کے رسول تحقیق
سنی ہم نے آپ سے آج
ایک ایسی چیز نہیں سنتے
تھے فرمایا جبریل آئے میرے
پاس پس کہا دور ہو وہ جو
پائے رمضان پس نہ بخشش
کی جائے اس کی۔ میں نے
کہا آمین جب چڑھا میں دوسری
سیڑھی پر کہا دور ہو وہ ذکر
کیا جائے تیرا پاس اس کے
پس نہ درود پڑھے آپ
پر میں نے کہا امین جب
چڑھ گیا میں تیسری سیڑھی پر
کہا دور ہو وہ پائے اس
کے والدین کو بڑھاپا اس کی
موجودگی میں یا ایک کو پس
نہ داخل کرائیں وہ اسے
جنت میں، میں نے کہا امین۔

تشریح

اس حدیث پاک میں تین آدمیوں پر جبرئیل امین کی بدعا کا ذکر ہے اور اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمین فرمانے کا ذکر ہے۔ آمین کے معنی ہیں اے اللہ اس بد دُعا کو قبول فرما۔ وہ تین آدمی یہ ہیں تارک روزہ، تارک درود اور والدین کا نافرمان۔ ہمیں اس وقت پہلے دو کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے اس وقت صرف تیسرے کے بارے میں غور کرنا ہے کہ اس کے خلاف اتنی اونچی دو ہستیوں کی بد دُعا کیوں ہے حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام فرشتے بشمول جبرئیل امین کے سارے شفیع المذنبین ہیں ان کے کام تو گناہ گاروں کی شفاعت کرنا اور ان کے لیے معافی مانگ کر انہیں تباہی، بربادی اور ہلاکت سے بچانا ہے نہ کہ ان کی ہلاکت کے لیے بددعائیں کرنا۔ اسی لیے مقام طائف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کے لیے بد دُعا نہیں فرمائی حالانکہ ان درندہ خصلت کافروں کی سنگ باری سے آپ کا جسم اطہر زخموں سے چور چور ہو چکا تھا اور آپ سے کہا گیا کہ آپ ان کے لیے بد دُعا مانگیں تو آپ نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے زحمت بنا کر مبعوث نہیں فرمایا اور دُعا فرمائی اے اللہ میری اس قوم کو ہدایت عطا فرما یہ ناسمجھ ہیں تو والدین کے نافرمان کے لیے بد دُعا کیوں فرمائی۔ بات اصل میں یہ ہے کہ یہ جو رشتے ہیں ترقی اور تعمیر انسانی میں ان کی حیثیت بنیادی اجزاء اور عناصر کی ہے اور ماں باپ ان کا محور ہیں ان رشتوں کے باہم تعاون سے ہی معاشرہ اور قوم ترقی پذیر ہوتی ہے اور ان میں خامی

اور کمزوری آنے سے پوری قوم تباہی کا شکار ہوتی ہے اور ماں باپ سے قطع رحمی کرنے والا پوری قوم کو تباہی کے گڑھے میں دھکیلنے والا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام اقوام عالم کی نجات کے لیے مبعوث فرمائے گئے تھے اور آپؐ نے ان بنیادی اجزا عناصر اور رشتوں کو جوڑ کر نسلِ انسانی کو ترقی کی راہ پر گامزن کر دیا تھا اور لوگ ملتِ اسلامیہ کی ضیاء پاشیوں سے محظوظ و مستفید ہو رہے تھے اور صدیوں سے اُن ٹوٹے ہوئے رشتوں کو از سرِ نو جوڑ رہے تھے۔ اخوت، بھائی چارے اور ہمدردی کی نمونہ ایک ایسی جماعت تیار ہو چکی تھی جو تا قیامت آنے والی نسل انسانی کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی تھی مگر آپ کو اندیشہ تھا کہ شاید کوئی ایسا منچلہ عنصر پیدا ہو کر ان بنیادی اجزاء میں رخنہ نہ ڈالے اور لوگ اس کی اہمیت کو نہ سمجھتے ہوں اور اس کی طرف عدم توجہ سے پھر تباہی کا شکار نہ ہو جائیں اس لیے جبریل امین اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بد دُعا دے کر بتا دیا کہ ایسا انسان صرف اپنے ماں باپ کا ہی دشمن نہیں بلکہ پُوری انسانیت کا دشمن ہے اور ایسا انسان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم مشن کا دُشمن ہے اور آپ کی محنت پر پانی پھیرنے والا ہے اور ایسا آدمی کافروں سے بھی بد تر ہے اس لیے آپ نے اور جبریل امین نے اس کے لیے بد دُعا فرمائی ہے کیونکہ کافر اور مشرک تو انسانیت کی اس عمارت کے بنانے میں رکاوٹ پیدا کر رہے تھے اور ایسا آدمی بنی ہوئی عمارت کو زمین بوس کرتا ہے اور یہ یقیناً کافر سے بد تر ہے غرضیکہ ماں باپ کی نافرمانی کے رُجحان سے دنیا میں ایسی نحوست پڑتی ہے اس لیے آج وہ ممالک جہاں یہ رجحان ہے وہاں ماں باپ اولاد کی ہمدردیوں اور

اولاد ان کی شفقتوں سے محروم ہے اور آج وہ پوری انسانیت کے لیے تباہی کا باعث بنے ہوئے ہیں۔

والدین کی نافرمانی کی اخروی سزا

وَعَنْہُ (ابی ہریرہ) قَالَ	ترجمہ ابی ہریرہ سے نقل ہے
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی	کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ
اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	علیہ وسلم نے خاک آلود ہو
رَغِمَ اَنْفُہٗ رَغِمَ	ناک اس کی خاک آلود ہو ناک
اَنْفُہٗ رَغِمَ اَنْفُہٗ	اس کی خاک آلود ہو ناک اس
قِیْلَ مَنْ یَا رَسُوْلَ	کی کہا گیا کس کی یا رسول اللہ
اللّٰہِ قَالَ مَنْ	فرمایا جو پائے اپنے والدین
اَدْرَكَ وَالِدَیْہِ عِنْدَ	کو بڑھاپے میں ایک کو یا
الکبر احدھما	دونوں کو پھر نہ داخل ہو جنت
او کلاھما ثم لم	میں۔
یدخل الجنۃ	

(رواہ مسلم بحوالہ مشکوٰۃ صہ ۴۱۸)

اس حدیث پاک کا خلاصہ مطلب یہ ہے جو ماں باپ کی اطاعت کرے گا وہ جنت میں داخل ہو گا اور جو نہیں کرے گا وہ دوزخ میں داخل ہو گا گویا کہ ماں باپ انسان کی جنت بھی ہے اور دوزخ بھی جس کا جی چاہے ان کی خدمت کر کے جنت اختیار کرے اور جس کا جی چاہے ان کی نافرمانی کر کے دوزخ اختیار کرے۔

یہاں تک جو اصول و ضوابط اور قواعد بیان ہوئے ہیں۔ یہ تو وہ ہیں جن پر عمل کرنے سے ایک مضبوط خاندان، قبیلہ اور برادری کی بنیاد پڑتی ہے۔ جو آپس میں اخوت اور محبت کا پیکر ہوتے ہیں۔ تمام شعبہ ہائے زندگی میں یک دل اور یک جان ہو کر کام کرتے ہیں۔ اگر برادری کے کسی فرد کو تکلیف اور زحمت پہنچے تو ایک جسم کی مانند سارے افراد اسے محسوس کرتے ہیں۔ اور حسب استطاعت و توفیق اور اس کی ضرورت کے مطابق اس کی مدد کرتے ہیں۔ اور اس برادری اور خاندان کے قیام کا منشا بھی یہی ہے کہ یہ آپس میں یک جان ہونے کا ثبوت دیں اور ایک دوسرے کے لئے اپنا آرام راحت قربان کریں۔ مگر یہ اصول تو بالکل ابتدائی باڈی کے لئے ہیں جو گھر کے ایک دائرہ تک محدود ہوتی ہے اور جو ایک فرد واحد چیئرمین (باپ کے نام سے شہرت حاصل کرتی ہے)۔

اور ظاہر بات یہ ہے کہ ایسی برادری خاندان، قوم اور قبیلہ ہی دنیا میں ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ہو سکتا ہے اور جن میں بغض و عناد سرایت کر جائے وہ کبھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتے اور اسی خاندان میں سے کہ جب یہ ترقی کی راہ پہ گامزن ہونا شروع کرتا ہے اور گھر کی چار دیواری سے نکل کر شہر یا باقی ملک میں پھیلتا ہے) ایک فرد اٹھتا ہے جو اس جذبہ ایثار کے ساتھ اپنی وسعت اختیار کرنے والی برادری کی خدمات سرانجام دیتا ہے۔ اور اس کے دل میں ماں باپ کی طرح برادری کی محبت موجزن ہوتی ہے تو برادری کے وسعت اختیار کرنے والے اور پھیلنے والے افراد اسے اپنی جائے پناہ سمجھ کر اس کے ساتھ اپنا تعلق جوڑتے ہیں اور اسی کے نام پر یہ قبیلہ اور قوم مشہور ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ سید پٹھان، قریشی، ہاشمی وغیرہ۔ ان کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے اصول رکھے ہیں جو عنقریب بیان ہوں گے۔

خاندان اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کے تعارف کا ذریعہ ہے

وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا
وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ○ (سورۃ الفرقان آیت 54)

اور وہ وہی ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا۔ پھر اس کے رشتہ نسب اور دامادی قائم کیا اور تیرا رب ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر: یہاں دو چیزوں کا بیان ہے ایک یہ ہے کہ خاندان، قبیلہ اور برادری اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ نعمت کا معنی نرم و نازک ہے اور عرف میں نعمت ہر چیز اس کا نام ہے جس سے انسان کی نشوونما اور ترقی اور عروج ہوتا ہے۔ جیسا کہ اربعہ عناصر اور خاندان اور برادی اس لئے نعمت ہے کہ اس کا بھی انسان کی پیدائش اور حیات و بقاء میں عمل دخل ہوتا ہے اور قدم قدم پر خاندان کے افراد ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور دوسری چیز یہ ہے کہ یہ خاندان اللہ تعالیٰ کے

تعارف کا نمونہ بھی ہے۔ کیونکہ اس نے پانی سے انسان کو بنایا ہے اور دوسری جگہ ہے کہ انسان کی تخلیق میں پانی کے ساتھ مٹی بھی شامل ہے اور آگ اور ہوا بھی شامل ہے۔ پس معلوم ہوا کہ انسان کی پیدائش ان چاروں عناصر سے ہے۔ اور یہ کام خدا کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ نہ کوئی اربع عناصر بنا سکتا ہے۔ اور نہ ان سے کوئی ایسا انسان بنا سکتا ہے لیکن مقام غور ہے کہ ان چاروں عناصر کو جو مختلف التاثیرات ہیں) یکجا کر کے جو انسان بنایا ہے اس میں کیا حکمت ہے؟ بنظر غائر دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی اصل میں اکائی اور وحدت ہی مقصود ہے۔ کیونکہ آگ' پانی' مٹی اور ہوا چاروں الگ الگ افراد ہیں۔ انہیں جوڑ کر ایک انسان بنایا گیا ہے اور ان مختلف التاثیرات اور متضاد عناصر اور اجزاء کو ایک قالب میں جمع کیا گیا ہے کیونکہ ان اجزاء سے انفرادی طور پورا فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا جو ان کی اجتماعی شکل میں حاصل ہو رہا ہے اور اسی طرح ان اجزاء اور عناصر سے جو انسان تیار ہوتا ہے۔ اس کی انفرادیت سے بھی وہ فوائد حاصل نہیں ہو سکتے جو اس کی اجتماعی' خاندانی اور قبائلی صورت میں حاصل ہوتے ہیں۔ جس کی تفصیل پہلے آچکی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان اصولوں کو اپنانے سے انسانوں کی خود بخود آپس میں کشش اور محبت پیدا ہوتی ہے۔ اور پھر وہ آپس میں ایک دوسرے کے قریب لگتے ہیں اور جڑ جاتے ہیں۔

خاندانی نظام انسانی معاشرہ کے لئے باعث سکون اور محبت ہے

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا
اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○ (سورۃ الروم آیت 21)

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تمہارے لئے تمہیں میں سے بیویاں پیدا کیں تاکہ ان کے پاس چین سے رہو۔ اور تمہارے درمیان محبت اور مہربانی پیدا کر دی جو لوگ

غور کرتے ہیں ان کے لئے اس میں نشانیاں ہیں۔

تشریح : یہ سورۃ الروم کی آیت اکیس ہے۔ اس میں دو مضمون ہیں۔ ایک یہ ہے کہ عورت کی تخلیق بحیثیت بیوی مرد کی تسکین اور سکون کی خاطر ہے۔ اور دوسرا اس میں یہ بتایا ہے کہ یہ آپس میں دوستی اور محبت کا ذریعہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیق کا یہ جو نظام اختیار فرمایا ہے کہ مرد سے عورت کو اور عورت سے مرد کو پیدا کرتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مرد کے دل میں عورت کی محبت پیدا ہوتی ہے اور عورت کے دل میں مرد کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ باہم ملنے کے سوا بے چین اور مضطرب ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اصلاً ان کا خمیر ایک ہوتا ہے۔ اگرچہ قالب مختلف ہوتے ہیں۔

سوال : قرآن مجید کی اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرد اور عورت کو اللہ تعالیٰ نے آپس کی تسکین اور محبت کے لئے پیدا فرمایا ہے مگر بہت سے گھرانے ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں شادیوں کے بعد بربادیاں ہو جاتی ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

اس کا جواب : یہ ہے کہ اس اللہ تعالیٰ نے شادیوں کے لئے کچھ اصول بھی بیان فرمائے ہیں جن کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔ پس ان اصولوں کے تحت جہاں شادیاں ہوتی ہیں وہاں محبت ہوتی ہے۔ اور جہاں ان اصولوں کی خلاف ورزی ہوتی ہے وہاں محبت نہیں ہوتی۔ پس خلاصہ یہ ہے کہ یہ خاندانی نظام معاشرہ کے لئے باعث سکون اور محبت ہے۔

خاندانی نظام کے قیام کا مقصد باہم تعارف اور نیکی پھیلانا ہے

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ (سورۃ الحجرات آیت 13)

اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے۔ اور تمہارے خاندان اور قومیں جو بنائی ہیں تا کہ تمیں آپس میں پہچان ہو۔

تشریح : یہ سورۃ الحجرات کی آیت تیرہ کے دو حصے ہیں۔ پہلے جملے میں فرمایا ہے کہ تمام انسانوں کو ہم نے ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اس سے مراد حضرت آدم اور حضرت حوّا علیہما السلام ہیں۔ کہ انہیں سے یہ پوری نسل انسانی دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور یا اس سے مراد ہر میاں بیوی بھی ہو سکتے ہیں کہ ان سے باقی نسل دنیا میں پھیلی ہے اور پھیل رہی ہے۔ اور دوسرے جملے میں یہ بتایا ہے کہ انسانوں کے جتنے خاندان' قومیں اور قبائل ہیں۔ سب اللہ تعالیٰ نے خود بنائے ہیں۔ اور ان کے بنانے کا مقصد بھی بیان فرمایا ہے کہ لتعارفو کہ تمہیں آپس میں پہچان ہو شعوب شعب کی جمع ہے بڑے خاندان کو کہتے ہیں۔ اور قبائل قبیلہ کی جمع ہے۔ یہ شعب سے چھوٹا ہوتا ہے۔ ایک باپ کی اولاد کو کہتے ہیں۔ تعارفو جمع حاضر مضارع کا صیغہ ہے۔ باب تفاعل سے ہے۔ یہ باب مشارکت کے لئے آتا ہے۔ یعنی دو آدمی مل کر جو کام کرنا چاہیں تو ان کے اس فعل کو بتانے کے لئے جو لفظ ہوتا ہے اسے اس باب سے لاتے ہیں تاکہ ان کی شرکت واضح ہو جائے اور یہ صیغہ عرف سے ہے۔ اس کے تین معنی آتے ہیں۔ نیک' بلندی' اور پہچان۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہاں کسی ایک معنی کو متعین نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تینوں مقصود ہیں۔ اب معنی یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو خاندان قومیں اور قبائل بنایا ہے۔ اس کا مقصود یہ ہے کہ تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو' مل جل کر نیکی کرو اور بلندی حاصل کرو۔ پس خلاصہ یہ نکلا کہ خاندان بنانے سے مقصد تین چیزیں ہیں آپس میں تعارف' اجتماعی نیکی اور اجتماعی ترقی۔

اور یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ انسان اگر اس دنیاوی دوڑ میں اپنے عصروں سے آگے نکلنا چاہے تو اسے ہمدرد رفقاء اور احباب کی ضرورت ہوتی ہے ان کے

سوا وہ آگے نہیں نکل سکتا۔ بلکہ ترقی کرنا تو کجا اس کے لئے اس دنیا میں رہنا سہنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ اب اس کے لئے ایسے ہمدرد کون لوگ ہو سکتے ہیں؟ بس ایک تو ہمدرد بیوی ہو سکتی ہے جس کی تفصیلات پہلے آچکی ہیں اور اس طرح ماں اور باپ' خاندان' برادری اور قبیلہ ہو سکتا ہے۔ اگر انسان کے ایسے معاونین ہوں تو پھر دنیا میں اس کا تعارف بھی ہوتا ہے اور پھر وہ اجتماعی نیکی اور ترقی بھی کرتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ انسان کے لئے قبیلہ اور برادری کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ خاندان اور قبیلے بنائے ہیں۔ اور انہیں انسان کے لئے اپنی نعمت قرار دیا ہے اور اس قبائلی زندگی میں انسانوں کو جڑنے کی تعلیم دی ہے۔ اور اس انتظام کی مخالفت کرنے والے کو انسانی دشمن قرار دیا ہے۔

خاندان کا سردار سب سے زیادہ متقی ہونا چاہئے

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ○

(سورۃ الحجرات آیت 13)

بے شک زیادہ عزت والا تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

تشریح : سورۃ الحجرات کی آیت تیرہ کے دو جملے ہیں۔ پہلے میں فرمایا ہے کہ بنی آدم میں سب سے زیادہ باعزت وہ آدمی ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو۔ یعنی قوم اور خاندان کا سردار ایسا آدمی ہونا چاہیے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ مقام غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں لفظ اتقی استعمال فرمایا ہے۔ یہ صیغہ اسم تفضیل ہے۔ اور اسم تفضیل میں تناسب اور درجات کا لحاظ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہاں جب یہ لفظ استعمال فرمایا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاندان اور برادری کی سیادت و قیادت کے لئے تناسب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور اس سلسلہ میں ادنیٰ درجے کا متقی تو وہ ہے جو توحید پرست ہو

مشرک نہ ہو اور اعلیٰ درجے کا متقی وہ ہے جو مشتبہ چیز سے بھی بچے۔

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَا لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ۔

نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان شبہ والی چیز بھی ہیں جنہیں بہت سے لوگ نہیں جانتے پس جو شبہ والی چیزوں سے بچ گیا اس نے اپنا دین اور عزت بچالی۔ اور جو شبہ والی چیزوں میں پڑ گیا وہ حرام میں پڑ گیا۔

عَنْ عَطِيَّةَ السَّعْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ اَنْ يَكُوْنَ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ حَتّٰى يَدَعَ مَا لَا بَأْسَ بِهٖ حَذَرًا لِمَا بِهٖ بَأْسٌ (مشکوۃ باب الکسب وطلب الحلال صفحہ 24)

عطیہ سعدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اس وقت تک متقی لوگوں میں سے نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس چیز کو نہ چھوڑے جس میں حرج نہ ہو۔ اس سے بچنے کے لئے جس میں حرج ہو۔

عَنْ دُرَّةَ بِنْتِ اَبِيْ لَهَبٍ قَالَتْ قَامَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ قَالَ خَيْرُ النَّاسِ اَقْرَاُهُمْ وَاَتْقَاهُمْ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَاٰمَرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ

وَانۡهٰهُمۡ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَاَوۡصَلُهُمۡ لِلرَّحِمِ (ابن کثیر جلد چہارم صفحہ 216 مطبوعہ مصر)

درہ بنت ابی لہب سے روایت ہے کہ جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھے تو ایک آدمی کھڑا ہوا اور آپ سے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سے سب سے بہتر کون ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ لوگوں میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو سب سے زیادہ قاری قرآن ہو اور سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو۔ اور سب سے زیادہ نیکی کا امر کرنے والا اور برائی سے روکنے والا ہو اور جو سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا ہو۔

تشریح: یہاں اس بحث میں تین احادیث نقل کی گئی ہیں اور یہ تینوں قرآن مجید کی اس آیت ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم کی تفسیر ہے۔ پہلی حدیث تو نعمان بن بشیر سے مروی ہے۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔ یعنی قرآن و حدیث میں ان کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے اور ان کے درمیان شبہ والی چیزیں ہیں بہت سے لوگوں کو ان کا پتہ نہیں ہے بس جو آدمی ان شبہ والی چیزوں سے بچ گیا تو وہ اپنی عزت بھی بچالے گا اور دین بھی بچالے گا اور جو ان سے نہ بچا تو وہ حرام میں پڑ جائے گا اور دوسرے حدیث عقبہ والی ہے۔ اس میں آپ نے فرمایا ہے کہ آدمی اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک کہ مباح چیزیں بھی نہ چھوڑے۔ اور تیسری حدیث درہ بنت ابی لہب والی ہے۔ اس میں جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ آدمیوں کو سب سے بہتر فرمایا ہے۔ پہلا قاری قرآن اور دوسرا اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا۔ اور تیسرا سب سے زیادہ نیکی کا امر کرنے والا اور چوتھا سب سے زیادہ برائی سے روکنے والا اور پانچواں سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا ہے۔ پس ان احادیث کو سورہ حجرات کی مذکورہ آیت سے تطبیق دینے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لوگوں کو چاہیئے کہ ایسے آدمی کو اپنا سردار بنائیں کیونکہ

یہ مانا ہوا اصول ہے کہ ماتحت طبقہ ہمیشہ بڑوں کی نقالی کرتا ہے۔ اور جب ایک قبیلہ کا سردار اس درجہ کا متقی پرہیزگار اور قومی ہمدرد ہوگا تو ماتحت اسے دیکھ کر کے وہ بھی ایسا ہی نمونہ اختیار کریں گے اور اگر قبیلہ کا سردار بدعنوان اور برکردار قسم کا آدمی ہوگا تو ماتحت بھی ایسے ہی ہو جائیں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے سورہ حجرات کی آیت میں فرمایا ہے کہ تمہارا سب سے زیادہ عزت والا سب سے زیادہ متقی ہونا چاہئے۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صیغہ اتقی استعمال فرمایا ہے جو اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور اس میں تناسب کا لحاظ ہوتا ہے۔ تو اس کا مقصد یہ ہے کہ اگر اعلیٰ درجے کا متقی اگر نہ ہو تو اس سے کم درجے یا اس سے کم درجے کا سہی بہرحال قبیلہ سردار نیک آدمی چاہئے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ النَّاسِ اَکْرَمُ۔ قَالَ اَکْرَمُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰهُمْ قَالُوْا لَیْسَ عَنْ ذَالِکَ نَسْئَلُکَ۔ قَالَ فَاَکْرَمُ النَّاسِ یُوْسُفُ نَبِیُّ اللّٰهِ اِبْنُ نَبِیِّ اللّٰهِ اِبْنُ نَبِیِّ اللّٰهِ اِبْنُ خَلِیْلِ اللّٰهِ۔ قَالُوْا لَیْسَ عَنْ ذَالِکَ نَسْئَلُکَ قَالَ فَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْئَلُوْنِیْ قَالُوْا نَعَمْ۔ قَالَ فَخِیَارُکُمْ فِی الْجَاهِلِیَّۃِ خِیَارُکُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقُهُوْا (مشکوٰۃ صفحہ 417 باب المفاخرہ والعصبیۃ)

ابی هریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سے زیادہ عزت والا کون ہے تو آپ نے فرمایا کہ لوگوں میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو ان میں سے سب سے زیادہ متقی ہے انہوں نے کہا کہ ہم اس کے بارے میں نہیں پوچھتے تو آپ نے فرمایا کہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ عزت والا یوسف اللہ کا نبی۔ اللہ کے نبی کا بیٹا اللہ کے نبی کا بیٹا خلیل اللہ کا بیٹا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم اس سے نہیں پوچھتے۔ تو

آپ نے فرمایا کہ عرب کے کانوں کے بارے میں پوچھتے ہو تو انہوں نے کہا کہ ہاں۔ تو آپ نے فرمایا کہ دور جاہلیہ میں تم میں سے جو بہتر تھے اسلام میں بھی وہ بہتر ہی ہوں گے جب وہ دین میں سمجھ حاصل کرلیں۔

تشریح: اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے استفسار پر فرمایا کہ دور جاہلیت میں جو لوگ بہتر سمجھے جاتے تھے اسلام کے اندر بھی وہ بہتر ہوں گے یعنی دور جاہلیت میں جن لوگوں کو سردار مانا جاتا تھا اسلام کے اندر بھی انہیں سردار ہی مانا جائے گا۔ جبکہ وہ دین کی سمجھ حاصل کرلیں اور یہ تشریح پہلے آچکی ہے کہ اسلام میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی، پرہیزگار، امربالمعروف، نہی عن المنکر کرنے والا ہو اور اس سے زیادہ وہ جو صلہ رحمی کرنے والا ہو۔

عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِکِ بْنِ جُعْشُمٍ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ خَیْرُکُمُ الْمُدَافِعُ عَنْ عَشِیْرَتِہٖ (مشکوۃ صفحہ 418 باب المفاخرۃ والعصبیۃ)

سراقہ بن مالک بن جعشم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میں بہتر وہ ہے جو خاندان کی طرف سے دفاع کرے۔

تشریح: اس حدیث میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے برادری کے سردار کی ایک اور ذمہ داری بتائی ہے کہ ان پر کوئی مصیبت آئے تو ان سے دفاع کرے۔ یعنی ان پر اگر کوئی ظلم کرتا ہے تو انہیں ظلم سے بچائے۔ اگر کوئی ان کی حق تلفی کرتا ہے تو انہیں ان کا حق دلائے۔ بس خلاصہ یہ ہوا کہ برادری کا سردار وہ ہونا چاہیئے جو خود متقی ہو اور دوسروں کو بھی تقویٰ کی تعلیم دے۔ امربالمعروف اور نہی عن المنکر کرے۔ صلہ رحمی کرے اور مصیبت میں انکا ساتھ دے۔

خاندان والوں کو اپنے سردار کا اکرام کرنا چاہئے

عَنْ اَبِی سَعِیْدِ الْخُدْرِیِ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ بَنُوا قُرَیْظَةِ عَلٰی حُکْمِ سَعْدٍ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَیْہِ وَکَانَ قَرِیْبًا مِنْہُ فَجَاءَ عَلٰی حِمَارٍ فَلَمَّا دَنَا مِنَ الْمَسْجِدِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِلْاَنْصَارِ قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ (مشکوۃ باب القیام صفحہ 403)

ابی سعید خدری نے فرمایا کہ جب بنو قریظہ سعد کو حکم ماننے پر اترے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف پیغام بھیجا اور وہ ان کے قریب ہی تھے۔ تو وہ گدھے پر سوار ہو کر آئے جب مسجد کے قریب پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو فرمایا کہ اپنے سردار کی طرف اٹھ کھڑے ہو۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَنْزِلُوْا النَّاسَ مَنَازِلَھُمْ (مشکوۃ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق صفحہ 424)

اور عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کو اپنے مراتب پر اتارو۔

تشریح : اس سے پہلے جو احادیث بیان ہوئی ہیں ان میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ کے سردار کی ذمہ داریوں کو بیان فرمایا ہے اور لوگوں کو تعلیم دی ہے کہ متقی پرہیز گار، امربالمعروف، نہی عن المنکر کرنے والے۔ صلہ رحمی کرنے والے، مصیبت میں کام آنے والے کو اپنا سردار مانو۔ اور ان احادیث میں لوگوں کو تعلیم دی ہے کہ ان سرداروں کی عزت کرو۔

چنانچہ ابی سعید خدریؓ والی روایت میں آپ نے انصار کو حکم دیا تھا کہ اپنے سردار کی عزت کی خاطر اٹھو۔ اور یہ اس دور کا واقعہ ہے کہ جب قبیلہ بنو قریظہ

کے ساتھ آپ کی جنگ ہوئی تھی۔ اور اس جنگ میں انہیں شکست ہوئی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے اور ان کے ساتھ یہ معاہدہ ہوا تھا کہ سعد بن معاذ ان کے بارے میں جو فیصلہ کرے۔ وہ فریقین کو منظور ہوگا۔ اور سعد بن معاذ انصار کے ایک قبیلہ کے سردار تھے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اطلاع بھیجی تو وہ آئے۔ جب قریب پہنچے تو آپ نے ان کی برادری کے اور خاندان کے لوگوں کو فرمایا کہ ان کی طرف تم اٹھ کھڑے ہو اور دوسری حدیث میں جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے اس میں آپ نے فرمایا ہے کہ لوگوں کو اپنے اپنے مراتب پر اتارو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سعد بن معاذ والا واقعہ خصوصی نہیں ہے۔ بلکہ تمام مسلمانوں کو حکم ہے کہ اپنے بڑوں کی عزت کریں اور خصوصاً جب کہ سردار ہو اور قوم کی خدمت گزار بھی ہو تو اس کے ماتحتوں اور چھوٹوں کو اس کی عزت کرنا چاہیے۔

سردار کے اکرام و احترام میں مبالغہ نہیں ہونا چاہیے

عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی ابْنَ مَرْیَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُہٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ (مشکوٰۃ باب المفاخرۃ والعصبیۃ صفحہ 417)

عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری تعریف میں مبالغہ نہ کرو۔ جیسا کہ نصاریٰ نے ابن مریم کے بارے میں مبالغہ کیا تھا۔ میں اس اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے اس کا بندہ اور رسول کہو۔

تشریح: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سوائے باپ کے اپنی طاقت اور قدرت سے پیدا فرمایا۔ اور پھر ان کو اپنا رسول بنایا تھا مگر ان کی عیسائی امت نے آپ کے بارے میں مبالغہ کیا اور ان کو خدا کا بیٹا کہنا شروع کیا۔ اور گمراہ ہو گئے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں امت کو

گمراہی سے بچانے کے لئے نصیحت فرمائی کہ میرے بارے میں تم ایسا مبالغہ نہ کرنا ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اللہ کا بندہ اور رسول کہو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حد سے بڑھ کر اکرام اور احترام جائز نہیں تو پھر کسی اور لیڈر یا سردار کا یقینی جائز نہیں۔

خاندان کے سردار کو اپنے اس عہدہ پر فخر نہیں کرنا چاہیئے

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا فَخْرَ وَبِیَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَبِیٍّ یَوْمَئِذٍ اٰدَمُ فَمَنْ سِوَاہُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِیْ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْہُ الْاَرْضُ وَلَا فَخْرَ (مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین صفحہ 513)

ابی سعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔ میں فخر نہیں کرتا۔ اور حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا۔ میں فخر نہیں کرتا۔ اور حضرت آدم سے لیکر تمام انبیاء میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور سب سے پہلے مجھ سے زمین کھولی جائے گی اور میں فخر نہیں کرتا۔

تشریح : اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہدوں کی تفصیل بیان فرمائی ہے جو اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے دن عطا فرمائیں گے پہلا یہ کہ قیامت کے دن تمام اولاد آدم کی سیادت اور قیادت آپ کے پاس ہوگی اور دوسرا یہ ہے کہ حمد کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں ہوگا اور تمام انبیاء آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور تیسرا یہ ہے کہ سب سے پہلے آپ قبر سے اٹھائے جائیں گے اور آپ نے فرمایا کہ اس میں فخر نہیں کرتا۔ اس میں تعلیم ہے کہ کسی کو بھی اپنے عہدے پر فخر نہیں کرنا چاہیے۔ کہ سردار اپنے آپ کو اعلیٰ سمجھے اور دوسروں کو حقیر جانے۔

فخر کرنے والے سردار کی سزا دوزخ ہے

عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئًا عَلَى عَصًا فَقُمْنَا لَهُ قَالَ لَا تَقُومُوا كَمَا تَقُومُ الْأَعَاجِمُ يُعَظِّمُ بَعْضُهَا بَعْضًا

(مشکوۃ باب القیام صفحہ 403)

حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو یہ بات اچھی لگے کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے ہو جائیں تو اسے اپنا ٹھکانا آگ میں تلاش کرنا چاہیے۔ ابی امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاٹھی کے سہارے گھر سے نکلے تو ہم آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے تو آپ نے فرمایا کھڑے نہ ہوا کرو جیسا کہ عجمی بعض بعض کی تعظیم کی خاطر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

تشریح: یہاں اس بحث میں دو حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ پہلی حضرت معاویہؓ سے مروی ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگ جس کے سامنے کھڑے ہوں اور وہ اس پر خوشی محسوس کرے تو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہو گا۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ اگر وہ خوشی محسوس نہیں کرتا تو حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو حضرت معاذ کے سامنے کھڑا ہونے کا حکم دیا تھا۔ اور دوسری حدیث میں آپ نے اپنے صحابہ کو اپنے سامنے کھڑا ہونے سے منع فرمایا تھا۔ آپ میں تو تکبر آ نہیں سکتی تھی مگر آپ کا مقصد تعلیم دینا تھا۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ فَقَالَ رَجُلٌ اِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ اَنْ يَكُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا وَنَعْلُهٗ حَسَنًا قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ (مشکوۃ باب الغضب وا لکبر صفحہ 433)

ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ آدمی جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہو تو ایک آدمی نے عرض کیا آدمی پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور جوتا اچھا ہو۔ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ جمیل ہے وہ جمال کو پسند کرتا ہے۔ تکبری حق کو ٹھکرانے اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کا نام ہے۔

تشریح : اس حدیث میں پہل حدیثوں کی تفصیل آگئی ہے۔ کہ تکبر کس چیز کا نام ہے۔ یعنی اگر لوگ اپنے سردار کی عزت کریں اور اس کے سامنے کھڑے ہوں۔ اور اس کے دل میں خوشی پیدا ہو اور ان اپنی تعظیم کرنے والوں کو حقیر جانے تب تو یہ تکبر ہے اور اس کی یہ مذکورہ سزا ہوگی اور اگر لوگوں کو اپنی تعظیم و تکریم کی وجہ سے حقیر نہ سمجھے اور اس کے دل میں فخر غرور نہ آتا ہو تو پھر اس کی ایسی تعظیم کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر وہ خود لوگوں کو اپنی تعظیم کی تعلیم دیتا ہو اور اس کے دل میں فخر و غرور بھی آتا ہو تو پھر ایسے سردار کے سامنے کھڑا ہونا حرام ہے۔

بوقت شجاعت اپنے آباء و اجداد کا نام لینا تکبری نہیں ہے

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ فِيْ يَوْمِ حُنَيْنٍ كَانَ اَبُوْسُفْيَانُ ابْنُ الْحَارِثِ اٰخِذٌ بِعِنَانِ بَغْلَتِهٖ يَعْنِيْ بَغْلَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا غَشِيَهُ

اَلْمُشْرِكُوْنَ نَزَلَ فَجَعَلَ يَقُوْلُ اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ اَنَا ابْنُ عَبْدُالْمُطَّلِبْ۔ قَالَ فَمَا رُاِيَ مِنَ النَّاسِ يُوْمَئِذٍ اَشَدَّ مِنْهُ (مشکوۃ باب المفاخرۃ والعصبیۃ صفحہ 417)

براء بن عازب نے کہا کہ (جنگ) حنین کے دن ابو سفیان بن حارث نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خچر کی لگام پکڑی ہوئی تھی۔ جب آپ پر مشرکین کا ہجوم ہوا تو اترے اور یہ کہنا شروع کیا کہ میں نبی ہوں جھوٹا نہیں ہوں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ اس دن آپ کی بنسبت لوگوں میں سے کوئی بھی زیادہ بہادر دکھائی نہیں دیا گیا۔

تشریح : اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عملی نمونہ بیان فرمایا گیا ہے۔ اور آپ نے اس موقعہ پر اپنے مرتبہ نبوت اور اپنے دادا عبدالمطلب کا نام لیا تھا۔ واقعہ اصل میں یہ ہے کہ ہجری آٹھ میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو حنین والوں نے از خود آپ پر حملہ کرنے کی تیاری کی۔ مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ ہے اس کو حنین کہتے ہیں۔

اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تیاری کا علم ہوا تو ان کے مقابلہ کے لئے حنین بھی تشریف لے گئے اور جب مقابلہ شروع ہوا تو پہلے حملے میں مسلمانوں کو شکست ہو گئی اور آپ کے صحابہؓ تتر بتر ہو گئے اور آپ کے ساتھ صرف چند آدمی رہ گئے تھے تو اس وقت آپ اپنے خچر سے اترے اور یہ کلام منظوم پڑھا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ میں اللہ کا سچا نبی ہوں جھوٹا نہیں ہوں۔ اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے میرے اندر دو صفتیں رکھی ہیں۔ ایک نبی والی صفت ہے۔ اور نبی بزدل نہیں ہوتا بہادر ہوتا ہے۔ اور دوسری صفت یہ ہے کہ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں اور عرب میں اس وقت یہ خاندان شریف اور بہادر مشہور تھا۔ تو مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب میرے اندر یہ دو صفتیں رکھی ہیں تو میں اکیلا بھی تم سے جنگ لڑوں گا۔ پس خلاصہ مقصد یہ ہوا

کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شجاعت دکھانے کے موقع پر یہ کلام منظوم جو آپ نے خود بالبدیہ بنایا تھا) پڑھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسے شجاعت کے موقع پر اپنے مرتبہ اور اپنے آباء و اجداد کا ذکر کرنا اور ان کا نام لینا تفاخر اور عصبیت نہیں ہے۔ بلکہ یہ اپنی بہادری اور جرات کا اظہار ہے تاکہ دشمن کو مرعوب کیا جاسکے۔

اس باب میں اور بھی آیات اور احادیث بکثرت موجود ہیں جن سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انسانی معاشرہ کے لئے خاندانی اور قبائلی نظام بہت ضروری ہے۔ مگر اختصار کی خاطر ان کو نظر انداز کر دیا ہے اور بقدر ضرورت آیات اور احادیث یہاں نقل کر دی گئی ہیں۔ ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ خاندانی نظام انسانی ترقی کی خاطر اہم ہے۔ اس کے سوا انسان ترقی نہیں کر سکتا۔ مگر بعض لوگ اس زرّیں اصول سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں کہ قبائل اور خاندان اس کو برتری کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ اور بعض قبائل اپنے آپ کو اعلیٰ اور دوسروں کو ادنیٰ سمجھتے ہیں۔ اور اس اونچ اور نیچ سے دنیا میں دنگا فساد ہوتا ہے اور دنیا میں آج تک جتنی لڑائیاں ہوئی ہیں وہ تقریباً انہیں بنیادوں پر ہوئی ہیں اور آج بھی پوری دنیا میں فساد ہے وہ اسی وجہ سے ہے۔ اور یہ قومی تعصب اور فخر و غرور اتنا سخت ہوتا ہے کہ انسان دوسروں کو مٹانے کے درپے ہو جاتے ہیں اور دوزخ میں جانا تو پسند کرتے ہیں مگر اس قومی بت کو چھوڑنا گوارا نہیں کرتے۔ مگر اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر راضی نہیں ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں چند آیات قرآنی ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے خاص مواقع میں ان نظریات کی تردید کے لئے اتاری ہیں۔

غرور عصبیت ختم کرنیکا واقعہ اول

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ
يُرِيدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَمَا مِنْ

حِسَابِکَ عَلَیۡھِمۡ مِنۡ شَیۡءٍ فَتَطۡرُدَھُمۡ فَتَکُوۡنَ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ۝ (سورۃ الانعام آیت 52)

اور جو لوگ اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں انہیں اپنے سے دور نہ کر وہ اللہ کی رضا چاہتے ہیں۔ تیرے ذمہ ان کا حساب نہیں ہے۔ اور نہ تیرا کوئی حساب ان کے ذمہ اگر تو نے انہیں دور ہٹایا پس تو بے انصافوں میں سے ہوگا۔

وَاصۡبِرۡ نَفۡسَکَ مَعَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّھُمۡ بِالۡغَدٰوۃِ وَالۡعَشِیِّ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡھَہٗ وَلَا تَعۡدُ عَیۡنٰکَ عَنۡھُمۡ تُرِیۡدُ زِیۡنَۃَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَلَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَہٗ عَنۡ ذِکۡرِنَا وَاتَّبَعَ ھَوٰىہُ وَکَانَ اَمۡرُہٗ فُرُطًا۝ (سورۃ الکہف آیت 28)

تو ان لوگوں کی صحبت میں رہ جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ اس کی رضامندی چاہتے ہیں۔ اور نہ ہٹیں تیری آنکھیں ان کی طرف سے۔ تو دنیا کی زینت چاہتا ہے اور ان کا کہانہ مان جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کرایا ہے اور وہ اپنی خواہش کے تابع ہو گیا ہے۔ اور اس کا معاملہ حد سے گزرا ہوا ہے۔

تشریح : یہاں دو آیتیں نقل کی گئی ہیں ان دونوں میں قومی عصبیت سے روکا گیا ہے۔ اور اس کی مذمت بیان فرمائی گئی ہے۔ پہلی آیت میں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ جو لوگ رضا الٰہی کے لئے تیرے پاس آئیں آپ کو ان کو ہٹائیں نہ ان کے باطن کا حساب آپ پر نہیں اور آپ کے باطن کا حساب ان پر نہیں۔ اگر آپ انہیں ہٹادیں گے تو یہ ظلم ہوگا۔

اور دوسری آیت میں آپؐ کو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ آپ خود بھی ان سے نہ ہٹیں جو لوگ اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد کرتے ہیں۔ اور دوسرا حکم یہ ہے کہ آپ کی نگاہیں بھی ان سے نہ ہٹیں۔ یعنی ان کی طرف پوری توجہ دیں۔ اور اس

آیت کے آخری جملوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس سے ایمان والوں کو ہٹانے کی جو ممانعت فرمائی ہے۔ یہ ایک مطالبہ کی وجہ سے فرمائی ہے۔ ترید زینۃ الحیوۃ الدنیا سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مطالب کرنے والے بڑے مخیر اور امیر قسم کے لوگ تھے۔ اور ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کے بارے میں غافل تھے۔ اور واتبع ھَوٰاہُ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ مشرک بھی تھے اور دکان امرہ فرطا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ جرائم پیشہ تھے۔

شان نزول اور تشریح : حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمتہ اللہ علیہ نے علامہ ابن کثیر کے حوالہ سے ان آیات کا شان نزول یہ نقل کیا ہے کہ قریش کے سرکردہ سردار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ ہم تمہارے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سننے کو اور ماننے کو تیار ہیں مگر ہمارے لئے ایک رکاوٹ یہ بھی ہے کہ ان کی مجلس میں یا تو ہمارے آزاد کردہ غلام ہوتے ہیں یا وہ لوگ ہوتے ہیں جو ہمارے ہی رحم و کرم پر زندگی گزار رہے تھے۔ ان ذلیلوں کے ہوتے ہوئے ہم ان کی مجلس میں شریک نہیں ہو سکتے۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ وہ ہمارے آنے کے وقت اگر ان کو ہٹا دیں تو ان کی مجلس میں بیٹھیں گے اور ان کی بات سنیں گے اور غور کریں گے آپ کے چچا ابوطالب نے ان کا مطالبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا اور آپ کے صحابی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی یہ عرض کیا کہ اس میں حرج کیا ہے؟ کچھ دنوں کے لئے آپ یہ بھی کر کے دیکھ لیں۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔ کیونکہ یہ دو جماعتوں کی تشکیل اعلیٰ اور ادنیٰ کی بنا پر تھی اور اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہیں ہے۔

غرور عصبیت ختم کرنے کا واقعہ دوم

عَبَسَ وَتَوَلّٰیٓ○ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی○ وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّهٗ
یَزَّکّٰیٓ○ اَوْ یَذَّکَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّکْرٰی○ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی○
فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی○ وَمَا عَلَیْکَ اَلَّا یَزَّکّٰی○ وَاَمَّا مَنْ
جَآءَکَ یَسْعٰی○ وَهُوَ یَخْشٰی○ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی○ کَلَّآ
اِنَّهَا تَذْکِرَةٌ○ فَمَنْ شَآءَ ذَکَرَهٗ○ (سورة عبس آیت 12)

پیغمبر چین بجبیں ہوئے۔ اور منہ موڑ لیا کہ ان کے پاس ایک اندھا آیا۔ اور آپ کو کیا معلوم کہ شاید وہ پاک ہو جائے۔ یا وہ نصیحت پکڑ لے تو اس کو نصیحت نفع دے۔ لیکن وہ جو پرواہ نہیں کرتا تو آپ اس کے لئے توجہ کرتے ہیں۔ حالانکہ آپ پر اس کے نہ سدھرنے کا کوئی الزام نہیں۔ لیکن جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا۔ اور وہ ڈر رہا ہے تو آپ اس سے بے پروائی کرتے ہیں۔ خبردار ایسا نہیں چاہئے۔ بے شک یہ (قرآن) تو نصیحت ہے پس جو چاہے اس کو یاد کرے۔

تشریح : ان آیات کا شان نزول ایک خاص واقعہ ہے۔ جو مفسری نے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ اتفاقاً" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں کچھ سرکردہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے تو اس دوران عبداللہ بن ام مکتوم ایک صحابی آئے اور انہوں نے آپؐ سے قرآن کریم کی ایک آیت کے بارے میں استفسار کیا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دوران گفتگو یہ سوال ناگوار معلوم ہوا۔ آپؐ کے چہرہ انور پر اس کے آثار بھی نمودار ہوئے۔ اور خیال مبارک یہ تھا کہ یہ مخلص ہے اس کو تو بعد میں بھی سمجھایا جا سکتا ہے۔ اور یہ جو بیٹھے ہوئے ہیں پہلے ان کو سمجھا دینا چاہئے۔ اس وقت یہ آیتیں اتری ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تعلیم دی ہے کہ اس نابینا کو بھی اس مجلس میں بیٹھا دیتے تاکہ ادنیٰ و اعلیٰ کا امتیاز نہ پیدا ہوتا۔ اور آپ کے طرز عمل سے ایسا ہو گیا ہے۔ آئندہ ایسا

نہیں چاہئے۔ قرآن مجید ایک نصیحت ہے۔ اس کی تعلیم بلا امتیاز ہونا چاہئے۔ اس تعلیم کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین ملاحظہ فرمائیں۔

ظلم پر کسی کی حمایت کرنے کا نام عصبیت ہے اور ایسا آدمی مسلمان نہیں ہے

عَنْ عَيَّاضِ بْنِ حِمَارِ الْمُجَاشِعِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَوْحٰى اِلَيَّ اَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰى لَا يَفْخَرُ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ وَلَا يَبْغِيْ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ

عیاض بن حمار مجاشعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل فرمائی ہے کہ آپس میں عاجزی کرو یہاں تک کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور کوئی کسی پر بدزبانی نہ کرے۔

عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْعَصَبِيَّةُ قَالَ اَنْ تُعِيْنَ قَوْمَكَ عَلَى الظُّلْمِ

واثلہ بن اسقع نے کہا کہ میں نے کہا یارسول اللہ عصبیت کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا کہ تو ظلم پر اپنی قوم کی مدد کرے۔

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰى عَصَبِيَّةٍ وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصَبِيَّةً وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلٰى عَصَبِيَّةٍ

(مشکوۃ باب المفاخرۃ والعصبیۃ صفحہ 417-416)

جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ آدمی ہم میں سے نہیں جو عصبیۃ کی دعوت دے وہ ہم میں سے نہیں ہو عصبیۃ کی خاطر آپس میں لڑیں وہ آدمی ہم میں سے نہیں جو عصبیۃ پر مرے۔

تشریح : یہاں اس بحث میں تین احادیث نقل کی گئی ہیں۔ پہلی عیاضؓ والی اور دوسری واثلہؓ والی اور تیسری جبیرؓ والی ہے۔ یہ تینوں حدیثیں سورۃ عبس کی مذکورہ آیات کی تفسیر ہیں۔ پہلی حدیث میں عاجزی کی تعلیم ہے اور فخر کرنے اور ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی سے منع فرمایا ہے اور دوسری حدیث میں آپ نے ظلم کی ایک مثال اور صورت بیان فرمائی ہے۔ کہ ظلم اور زیادتی پر کسی کی مدد اور حمایت کرنا عصبیت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مظلوم کی حمایت کرنا عصبیت نہیں ہے اور تیسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ جو آدمی کسی دوسرے آدمی کو عصبیت کی دعوت دے یا عصبیت کی خاطر کسی سے جنگ لڑے۔ اور اسی سلسلہ میں مر جائے تو وہ رسول اللہ ﷺ کا امتی نہیں ہے کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ تو ان طبقاتی نفرتوں کو ختم کرنے کے لئے تشریف لائے تھے۔ اور یہ ان کو فروغ دے رہا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کے دین اور مشن کے خلاف کام کر رہا ہے۔ اس لئے وہ رسول اللہ ﷺ کا امتی اور مسلمان نہیں ہو سکتا لیکن یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ احادیث سورۃ عبس کی آیات کی تفسیر ہے۔ اور آپ ﷺ نے یہ کہاں سے اور کیسے معلوم کیا؟ اور عصبیت کی خاطر لڑنے کو ظلم قرار دے دیا اور ایسے آدمی کو اپنی امت سے خارج کردیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب نبی ﷺ اتفاقاً" ایک دفعہ سرکردہ لوگوں کو دعوت دے رہے تھے اور اس وقت اس مجلس میں ایک نابینا آگیا تھا اور اس کے سوال پر آپ چین بجبیں ہوئے تھے اور اس سے قبل آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی واضح ہدایت بھی اس سلسلہ میں ملی ہوئی نہیں تھی تاکہ اس کی خلاف ورزی مان لی جائے مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا تو اس سے یہ بات خود بخود معلوم ہو گئی کہ جو آدمی قصداً" اور بالارادہ عصبیت برتے اس کو فروغ دے اور اس کی خاطر لڑے تو وہ یقیناً" عنداللہ بہت بڑا جرم ہے کیونکہ جس طرح والدین اپنی ساری اولاد کو ایک آنکھ سے دیکھتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنے سب بندوں کو ایک ہی نگاہ سے دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ قرآن اور احادیث میں درحقیقت کوئی تضاد نہیں ہے اور جو لوگ تضاد سمجھتے ہیں یہ ان کی کوتاہ فہمی ہے۔ احادیث تو قرآن مجید کی تفسیر ہیں۔

تمام جانوروں میں اور پرندوں میں خاندانی نظام ہے

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طٰئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ (سورۃ انعام آیت 38)

اور نہیں ہے کوئی چلنے والا زمین میں اور نہ کوئی پرندہ کہ اڑتا ہے اپنے دو بازوؤں سے مگر ہر ایک امت ہے تمہاری طرح ہم نے نہیں چھوڑی لکھنے میں کوئی چیز پھر سب اپنے رب کی سامنے جمع ہوں گے۔

تفسیر: یہ آیت بڑی جامع ہے۔ اس کے تین حصے ہیں۔ پہلا حصہ وما من دابۃ سے لیکر امثالکم تک ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ تمام حیوانات میں اور پرندوں میں بھی خاندانی طرز نظام ہے۔ اور اس آیت کا دوسرا حصہ ما فرطنا فی الکتب من شئی ہے یہاں کتاب سے مراد کتاب تقدیر لی گئی ہے۔ اور فرطنا جمع متکلم ماضی ہے۔ فرط سے بنا ہے۔ اسکے بعد اگر لفظ فی ہو تو پھر یہ لفظ بے غم خوار چھوڑنے کے معنی میں آتا ہے۔ اب آیت کا معنی یہ ہوگا کہ ہم نے ان حیوانات اور چرند و پرند کو تقدیر میں بے غم نہیں چھوڑا۔ بس خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ ہم نے یہ جو خاندانی نظام رکھا ہے۔ یہ ایک دوسرے کی غم خواری پر مبنی ہے۔

اور آیت کا تیسرا حصہ ثم الی ربھم یحشرون ہے۔ اس سے مراد روز قیامت ہے۔ یعنی قیامت میں یہ نظام ختم کر دیا جائے گا۔ اور یہ تمام اجناس اور انواع اللہ تعالیٰ کے ہاں جمع کئے جائیں گے۔ اور ہر ایک کا حساب ہو گا۔ جس نے اس نظام کی خلاف ورزی کی ہوگی وہ دوزخ میں جائے گا۔ اور جس نے اس کے موافق عمل کیا ہوگا وہ جنت جائے گا۔ اور جنت میں چونکہ انسان کو ایک دوسرے کی ہمدردی اور غم کی ضرورت ہی نہیں رہے گی اس لئے وہاں یہ نظام

ختم کر دیا جائے گا اور دوزخ میں چونکہ کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا اس لئے اسے ختم کیا جائے گا۔ اور پہلے جو آچکا ہے۔ ایمان والوں کو اولاد مل جائے گی۔ یہ ضرورت کی وجہ سے نہیں ہوگا بلکہ ان کی خواہش پوری کی جائے گی۔

اب ہم اس سلسلہ میں ذیل میں امثلہ پیش کریں گے۔

مثال اول کوا برادری کی آپس میں ہمدردی

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنِّىْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْۗاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۝ (سورۃ مائدہ آیت 27تا31)

اور سنا ان کو حال واقعہ آدم کے دو بیٹوں کا جب نیاز کی دونوں نے کچھ نیاز اور مقبول ہوئی ایک کی اور نہ مقبول ہوئی دوسرے کی۔ کہا میں تجھ کو مار ڈالوں گا وہ بولا اللہ قبول کرتا ہے تو پرہیزگاروں سے' اگر تو ہاتھ چلادے گا مجھ پر مارنے کو میں نہ ہاتھ چلاؤں گا تجھ پر مارنے کو میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو پروردگار ہے سب جہان کا میں چاہتا ہوں کہ تو حاصل کرے

میرا گناہ اور اپنا گناہ پھر ہو جاوے تو دوزخ والوں میں اور یہی ہے سزا ظالموں کی' پھر اس کو راضی کیا اس کے نفس نے خون پر اپنے بھائی کے پھر اس کو مارڈالا سو ہو گیا نقصان اٹھانے والوں میں' پھر بھیجا اللہ نے ایک کوا جو کرید تا تھا زمین کو تاکہ اس کو دکھال دے کس طرح چھپاتا ہے لاش اپنی بھائی کی بولا اے افسوس مجھ سے اتنا نہ ہو سکا کہ ہوں برابر اس کوے کی کہ میں چھپاؤں لاش اپنے بھائی کی پھر لگا پچھتانے۔

قصہ ہابیل و قابیل : ان آیات میں حق تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ آپؐ اہل کتاب پوری امت کو حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح صحیح سنا دیجئے۔

قرآن مجید پر نظر کرنے والے جانتے ہیں کہ قرآن کریم کوئی قصہ کہانی یا تاریخ کی کتاب نہیں جس کا مقصد کسی واقعہ کو اول سے آخر تک بیان کرتا ہو لیکن واقعات ماضیہ اور گزشتہ اقوام کی سرگزشت اپنے دامن میں بہت سی عبرتیں اور نصیحتیں رکھتی ہے۔ وہی تاریخ کی اصلی روح ہے اور ان میں بہت سے حالات و واقعات ایسے بھی ہوتے ہیں جن پر مختلف احکام شرعیہ کی بنیاد ہوتی ہے۔ انہی فوائد کے پیش نظر قرآن کریم کا اسلوب ہر جگہ یہ ہے کہ موقع بہ موقع کوئی واقع بیان کرتا ہے اور اکثر پورا واقعہ بھی ایک جگہ بیان نہیں کرتا بلکہ اس کے جتنے حصہ سے اس جگہ کوئی مقصد متعلق ہوتا ہے اس کا وہی ٹکڑا یہاں بیان کر دیا جاتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا یہ قصہ بھی اسی اسلوب حکیم پر نقل کیا جا رہا ہے' اس میں موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لئے بہت سی عبرتیں اور مواعظ ہیں اور اس کے ضمن میں بہت سے احکام شرعیہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اب پہلے الفاظ قرآن کی تشریح اور اس کے تحت میں اصل قصہ دیکھئے اس کے بعد اس کے متعلقہ احکام و مسائل کا بیان ہو گا۔

اس سے پہلی آیات میں بنی اسرائیل کو حکم جہاد اور اس میں ان کی کم ہمتی اور بزدلی کا ذکر تھا۔ اس قصہ میں اس کے بالمقابل قتل ناحق کی برائی اور اس کی تباہ کاری کا بیان کر کے قوم کو اس اعتدال پر لانا مقصود ہے کہ جس طرح حق کی حمایت اور باطل کو مٹانے میں قتل و قتال سے دم چرانا غلطی ہے۔ اسی طرح ناحق قتل و قتال پر اقدام دین و دنیا کی تباہی ہے۔

پہلی آیت میں ابنی ادم کا لفظ مذکور ہے' یوں تو ہر انسان آدمی اور آدم کی اولاد ہے' ہر ایک کو ابن آدم کہا جا سکتا ہے' لیکن جمہور علماء تفسیر کے نزدیک اس جگہ ابنی ادم حضرت آدم علیہ السلام کے دو صلبی اور حقیقی بیٹے مراد ہیں۔ یعنی ہابیل و قابیل' ان دونوں کا قصہ بیان کرنے کے لئے ارشاد ہوا۔

تاریخی روایات کی نقل میں احتیاط اور سچائی واجب ہے

واتل علیھم نبا ابنی ادم بالحق "یعنی ان لوگوں کو آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح واقعہ کے مطابق سنا دیجئے۔ اس میں بالحق کے لفظ سے تاریخی روایات کی نقل میں ایک اہم اصول کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ تاریخی روایات کی نقل میں بڑی احتیاط لازم ہے جس میں نہ کوئی جھوٹ ہو نہ کوئی تلبیس اور دھوکہ اور نہ اصل واقعہ میں کسی قسم کی تبدیلی یا کمی زیادتی۔ (ابن کثیر)

قرآن کریم نے صرف اسی جگہ نہیں بلکہ دوسرے مواقع میں بھی اس اصول پر قائم رہنے کی ہدایات دی ہیں۔ ایک جگہ ارشاد ہے ان ھذا الھوا القصص الحق دوسری جگہ ارشاد ہے نحن نقص علیک نبا ھم بالحق ان تمام مواقع میں تاریخی واقعات کے ساتھ لفظ حق لا کر اس بات کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے کہ نقل واقعات میں حق و صدق کی رعایت لازمی ہے' روایات و حکایات کی بنا پر جس قدر مفاسد دنیا میں ہوتے ہیں ان سب کی بنیاد عام طور پر نقل واقعات میں بے احتیاطی ہوتی ہے۔ ذرا سا لفظ اور عنوان بدل دینے

سے واقعہ کی حقیقت مسخ ہو جاتی ہے۔ پچھلی اقوام کے مذاہب و شرائع اسی بے احتیاطی کی راہ سے ضائع ہو گئے۔ اور ان کی مذہبی کتابیں چند بے سند و بے تحقیق کہانیوں کا مجموعہ بن کر رہ گئیں اس جگہ ایک لفظ بالحق کا اضافہ کر کے اس اہم مقصد کی طرف اشارہ فرمایا گیا۔

اس کے علاوہ اسی لفظ میں قرآن کریم کے مخاطبین کو اس طرف بھی رہنمائی کرنا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو امی محض ہیں' اور ہزاروں سال پہلے کے واقعات بالکل سچے اور صحیح بیان فرما رہے ہیں تو اس کا سبب بجز وحی الٰہی اور نبوت کے کیا ہو سکتا ہے۔

اس تمہید کے بعد ان دونوں بیٹوں کا واقعہ قرآن کریم نے یہ بیان فرمایا: اذا قربا قربانا فتقبل من احدھما ولم یتقبل من الاخر یعنی ان دونوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی اپنی قربانی پیش کی' مگر ایک کی قربانی قبول ہو گئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی۔

لفظ قربان' عربی لغت کے اعتبار سے اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کو کسی کے قرب کا ذریعہ بنایا جائے' اور اصطلاح شرع میں اس ذبیحہ وغیرہ کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے کیا جائے۔

اس قربانی کے پیش کرنے کا واقعہ جو صحیح اور قوی سندوں کے ساتھ منقول ہے اور ابن کثیر نے اس کو علماء سلف و خلف کا متفقہ قول قرار دیا ہے۔ یہ ہے کہ جب حضرت آدم و حوا علیہما السلام دنیا میں آئے اور توالد و تناسل کا سلسلہ شروع ہوا تو ہر ایک حمل سے ان کے دو بچے توام پیدا ہوئے ایک لڑکا اور دوسری لڑکی اس وقت جبکہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں بجز بہن بھائیوں کی کوئی اور نہ تھا۔ اور بھائی بہن کا آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا تو اللہ جل شانہ نے اس وقت کی ضرورت کے لحاظ سے شریعت آدم علیہ السلام میں یہ خصوصی حکم جاری فرما دیا تھا کہ ایک حمل سے جو لڑکا اور لڑکی پیدا ہو وہ تو آپس میں حقیقی بہن بھائی سمجھے

جائیں اور ان کے درمیان نکاح حرام قرار پائے۔ لیکن دوسرے حمل سے پیدا ہونے والے لڑکے کے لیے پہلے حمل سے پیدا ہونے والی لڑکی حقیقی بہن کے حکم میں نہیں ہوگی۔ بلکہ ان کے درمیان رشتہ ازدواج و مناکحت جائز ہوگا۔

لیکن ہوا یہ کہ پہلے لڑکے قابیل کی ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی۔ وہ حسین و جمیل تھی اور دوسرے لڑکے ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی بدشکل تھی۔ جب نکاح کا وقت آیا تو حسب ضابطہ ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بدشکل لڑکی قابیل کے حصہ میں آئی۔ اس پر قابیل ناراض ہو کر ہابیل کا دشمن ہو گیا اور اس پر اصرار کرنے لگا کہ میرے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی ہے وہی میرے نکاح میں دی جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے شرعی قاعدہ کے موافق اس کو قبول نہ فرمایا۔ اور ہابیل و قابیل کے درمیان رفع اختلاف کے لئے یہ صورت تجویز فرمائی کہ تم دونوں اپنی اپنی قربانی اللہ کے لئے پیش کرو جس کی قربانی قبول ہو جائے گی یہ لڑکی اس کو دی جائے گی۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو یقین تھا کہ قربانی اسی کی قبول ہوگی جس کا حق ہے' یعنی ہابیل کی۔

اس زمانہ میں قربانی قبول ہونے کی ایک واضح اور کھلی ہوئی علامت یہ تھی کہ آسمان سے ایک آگ آتی اور قربانی کو کھا جاتی تھی اور جس قربانی کو آگ کھائے تو یہ علامت اس کے مقبول ہونے کی ہوتی تھی۔

اب صورت یہ پیش آئی کہ ہابیل کے پاس بھیڑ بکریاں تھیں' اس نے ایک عمدہ دنبہ کی قربانی کی' قابیل کاشتکار آدمی تھا اس نے کچھ غلہ' گندم وغیرہ قربانی کے لئے پیش کیا اور ہوا یہ کہ حسب دستور آسمان سے آگ آئی ہابیل کی قربانی کو کھا گئی اور قابیل کی قربانی جوں کی توں ہی پڑی رہ گئی اس پر قابیل کو اپنی ناکامی کے ساتھ رسوائی کا غم و غصہ اور بڑھ گیا تو اس سے رہا نہ گیا اور کھلے طور پر اپنے بھائی سے کہہ دیا لا قتلنک یعنی میں تجھے قتل کر ڈالوں گا۔

ہابیل نے اس وقت بھی غصہ کی بات کا جواب غصہ کے ساتھ دینے کے

بجائے ایک ٹھنڈی اور اصولی بات کہی جس میں اس کی ہمدردی و خیر خواہی بھی تھی کہ انما یتقبل اللہ من المتقین یعنی اللہ تعالیٰ کا دستور یہی ہے کہ متقی پرہیزگار کا عمل قبول فرمایا کرتے ہیں"۔ اگر تم تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرتے تو تمہاری قربانی بھی قبول ہوتی، تم نے ایسا نہیں کیا تو قربانی قبول نہ ہوئی اس میں میرا کیا قصور ہے؟

اس کلام میں حاسد کے حسد کا علاج بھی ذکر کر دیا گیا ہے کہ حاسد کو جب یہ نظر آئے کہ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے کوئی خاص نعمت عطا فرمائی ہے جو اس کو حاصل نہیں تو اس کو چاہیے کہ اپنی محرومی کو اپنے عملی کوتاہی اور گناہوں کے سبب سے سمجھ کر ان سے تائب ہونے کی فکر کرے نہ یہ کہ دوسرے سے اس نعمت کے زوال کی فکر میں پڑ جائے۔ کیونکہ یہ اس کے فائدہ کے بجائے ضرر کا سبب ہے کیونکہ مقبولیت عند اللہ کا مدار تقویٰ پر ہے۔ (مظہری)

قبولیت عمل کا مدار اخلاص و تقویٰ پر ہے

یہاں ہابیل و قابیل کی باہمی گفتگو میں ایک ایسا جملہ آگیا جو ایک اہم اصول کی حیثیت رکھتا ہے کہ اعمال و عبادات کی قبولیت تقویٰ اور خوف خدا پر موقوف ہے۔ جس میں تقویٰ نہین اس کا عمل مقبول نہیں۔ اسی وجہ سے علمائے سلف نے فرمایا ہے کہ یہ آیت عبادت گزاروں اور عمل کرنے والوں کے لئے بڑا تازیانہ ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عامر بن عبداللہ اپنی وفات کے وقت رو رہے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ تو عمر بھر اعمال صالحہ اور عبادات میں مشغول رہے۔ پھر رونے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا تم یہ کہتے ہو اور میرے کانوں میں اللہ کا یہ ارشاد گونج رہا ہے۔ انما یتقبل اللہ من المتین مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میری کوئی عبادت قبول بھی ہوگی یا نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ میرا عمل

اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا لیا تو یہ وہ نعمت ہے کہ ساری زمین کا سونا بن کر اپنے قبضہ میں آجائے تو بھی اس کے مقابلہ میں کچھ نہ سمجھوں۔

اسی طرح حضرت ابوالدرداؓ نے فرمایا کہ اگر یہ بات یقینی طور پر طے ہو جائے کہ میری ایک نماز اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول ہو گئی تو میرے لئے وہ ساری دنیا اور اس کی نعمتوں سے زیادہ ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک شخص کو خط میں یہ نصائح لکھیں کہ:

"میں تجھے تقویٰ کی تاکید کرتا ہوں جس کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا اور اہل تقویٰ کے سوا کسی پر رحم نہیں کیا جاتا' اور اس کے بغیر کسی چیز پر ثواب نہیں ملتا' اس بات کا وعظ کہنے والے تو بہت ہیں مگر عمل کرنے والے بہت کم ہیں"۔

اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تقویٰ کے ساتھ کوئی چھوٹا سا عمل بھی چھوٹا نہیں ہے اور جو عمل مقبول ہو جائے وہ چھوٹا کیسے کہا جا سکتا ہے۔ (ابن کثیر)

معارف۔ القرآن ان آیات کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے نے جب اس برادری مشن کی خلاف ورزی کی اور اپنے حقیقی بھائی کو ایک لڑکی کی خاطر مار ڈالا اور اس کی لاش بے گوروکفن پڑی ہوئی تھی تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا اور اس کوے کے پاس ایک مردہ کوے کی لاش تھی۔ تو اس نے زمین کو کریدا۔ اور مٹی ہٹا کر اس مردہ کوے کو اس میں دفنایا تب اسے ہوش آئی اور نادم ہوا کہ میں تو اس حقیر سے کوے سے بھی گیا گزرا ہوں۔ کہ وہ تو اپنی برادری کا محافظ ہے۔ اور میں نے اپنے حقیقی بھائی کی جان لے لی۔ اور اب میں اسے دفنانے کا طریقہ نہیں جانتا تاکہ اس کی لاش چھپاؤں معلوم ہوتا ہے کہ کوا اپنی برادری کا بڑا خیر خواہ اور ہمدرد ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کے سامنے اس کا نمونہ پیش فرمایا۔

اور نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قوم اور برادری کا خیر خواہ رنگ وغیرہ کے لحاظ سے کالا ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی حرکات و سکنات اور اس کے اقوال و افعال سب پسند ہیں تب ایک کوے کے کردار کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش فرمایا کہ تمہیں بھی چاہئے کہ اپنی قوم کی اس طرح خیرخواہی اور ہمدردی کرو۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ ہمدردی کا سلسلہ صرف اپنی قوم اور برادری سے ہی نہیں ہونا چاہیے بلکہ دوسری قوموں اور برادریوں سے بھی ایسی ہی ہمدردی ہونا چاہیے جیسا کہ ایک کوے نے اپنی مخالف جنس انسان کی خیر خواہی کی۔ اور اسے مردہ دفنانے کا طریقہ بتایا۔ جس کا نمونہ آج پوری دنیا میں موجود ہے۔

قیامت میں اہل ایمان کی دوستی اور برادری قائم رہے گی

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ○ ذٰلِکَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَکَفٰی بِاللّٰهِ عَلِیْمًا ○ (سورۃ نساء آیت 69-70)

اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا سو وہ ان کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا کہ وہ نبی اور صدیق اور شہید اور نیک بخت ہیں اور اچھی ہے ان کی رفاقت یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کافی ہے جاننے والا۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ کُلُّ امْرِیٍٔ بِمَا کَسَبَ رَهِیْنٌ ○ (سورۃ طور آیت 21)

اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم نے ان کی اولاد

ان سے ملا دی اور ان کے عمل میں انہیں کچھ کمی نہ دی سب آدمی اپنے کیے میں گرفتار ہیں۔

تفسیر : یہاں تین آیتیں نقل کی گئی ہیں۔ پہلی دو 69-70 سورہ النساء کی ہیں۔ ان کا مفہوم سمجھنے کے لیے ان کا شان نزول عرض کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ مفتی محمد شفیع رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں علامہ ابن کثیر سے ان آیات کا جو شان نزول اور تفسیر نقل کی ہے وہ ذیل میں ہدیہ ناظرین کرتے ہیں جس سے یہ واضح معلوم ہوجاتا ہے کہ قیامت میں اہل ایمان کی دوستی اور رفاقت قائم رہے گی اور ان کی یہ دوستی لازوال ہے اور یہ نظام رفاقت اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے۔ اس لئے قیامت میں بلاضرورت بھی اسے قائم اور دائم رکھیں گے۔

معارف و مسائل منقول از معارف القرآن ج صفحہ 465 تا 470 یہاں تک تو سورہ النساء کی آیت 69 اور 70 کی تشریح بیان ہوئی ہے۔ اس کے بعد سورہ الطور کی آیت 21 ہے۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ اہل ایمان کی اولاد جو ایمان کامل میں اپنے والدین کے متبع ہوں گے ان کا آپس میں الحاق ہوگا۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں مومنوں کی ہر خواہش پوری کریں گے۔ اور نیک اولاد چونکہ مومن کی کمائی ہے اور انسان اپنی کمائی پر خوش ہوتا ہے۔ اور خصوصی طور پر جب کہ کوئی خوشی کا موقعہ ہو تو انسان کی دلی تمنا یہ ہوتی ہے کہ میری اولاد بھی اس میں شریک ہو اور جنت کا داخلہ بہت بڑا خوشی کا مقام ہے بس اللہ تعالیٰ ہر مومن کی یہ خواہش پوری فرمائیں اور ان کی اولاد کو بھی اس میں شریک کریں گے۔ اور آگے فرمایا ہے کہ یہ الحاق ان کے اعمال میں کمی کے لیے نہیں ہوگا۔ بلکہ انہیں اپنے اپنے اعمال کے مطابق اور درجات پر رکھتے ہوئے یہ الحاق ہوگا۔ اور آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ ہر ایک نفس اپنے اپنے کسب کے مطابق گروی ہوگا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد کافر ہیں۔ یہاں اختصار کی

خاطر تین مثالوں پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔ اس بحث میں اور بھی متعدد آیات ہیں۔

جنت کے درجات اعمال کے اعتبار سے ہوں گے

جو لوگ ان تمام چیزوں پر عمل کریں جن کے کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے' اور ان تمام چیزوں سے پرہیز کریں جن کے کرنے سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے عمل اور حسن عمل کے اعتبار سے ان کے مختلف درجات ہوں گے اول درجہ کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جنت کے مقامات عالیہ میں جگہ عطا فرمائیں گے' اور دوسرے درجہ کے لوگوں کو ان کے ساتھ جگہ عطا فرمائیں گے جو انبیاء کے بعد ہیں۔ جن کو صدیقین کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ اجلہ صحابہ جنہوں نے بغیر کسی جھجک اور مخالفت کے اول ہی ایمان قبول کر لیا۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ' پھر تیسرے درجہ کے حضرات شہداء کے ساتھ ہوں گے۔ شہداء وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال قربان کر دیا پھر چوتھے درجہ کے حضرات صلحاء کے ساتھ ہوں گے اور صلحاء وہ لوگ ہیں جو اپنے ظاہر و باطن میں اعمال صالح کے پابند ہیں۔

خلاصہ : یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اطاعت کرنے والے ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز اور مقبول ہیں جن کے چار درجے بتلائے گئے ہیں۔ انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین۔

شان نزول : یہ آیت ایک خاص واقعہ کی بناء پر نازل ہوئی ہے جس کو امام تفسیر حافظ ابن کثیر نے متعدد اسانید سے نقل کیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز ایک صحابی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض

کیا یارسول اللہ میرے دل میں آپ کی محبت اپنی جان سے بھی زیادہ ہے' اپنی بیوی سے بھی اپنی اولاد سے بھی' بعض اوقات میں اپنے گھر میں بے چین رہتا ہوں یہاں تک کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی زیارت کرلوں تب سکون ہوتا ہے۔ اب مجھے فکر ہے کہ جب اس دنیا سے آپ کی وفات ہو جائے اور مجھے بھی موت آجائے گی تو میں جانتا ہوں کہ آپ جنت میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ درجات عالیہ میں ہوں گے اور مجھے اول تو یہ معلوم نہیں کہ میں جنت میں پہنچوں گا بھی یا نہیں' اگر پہنچ بھی گیا تو میرا درجہ آپ سے بہت نیچے ہوگا' میں وہاں آپ کی زیارت نہ کرسکوں گا تو مجھے کیسے صبر آئے گا؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا کلام سن کر کچھ جواب نہ دیا یہاں تک کہ یہ آیت مذکورہ نازل ہو گئی ومن یطع اللہ ورسولہ فاولئک مع النبیین والصدیقین والشھداء والصلحین۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بشارت سنا دی کہ اطاعت گزاروں کو جنت میں انبیاء علیہم السلام اور صدیقین' شہداء اور صالحین کے ساتھ ملاقات کا موقع ملتا رہے گا یعنی درجات جنت میں تفاضل اور اعلیٰ ادنیٰ..... ہونے کے باوجود باہم ملاقات و مجالست کے مواقع ملیں گے۔

جنت میں ملاقات کی چند صورتیں

جس کی ایک صورت یہ بھی ہوگی کہ اپنی اپنی جگہ سے ایک دوسرے کو دیکھیں گے جیسا کہ موطاء امام مالکؒ میں بروایت ابوسعید خدریؓ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت اپنی کھڑکیوں میں اپنے سے اوپر کے طبقات والوں کو دیکھیں گے جیسے دنیا میں تم ستاروں کو دیکھتے ہو۔

اور یہ بھی صورت ہوگی کہ درجات میں ملاقات کے لئے آیا کریں گے جیسا کہ ابن جریر نے بروایت ربیع نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس آیت کی تفسیر میں یہ ارشاد فرمایا کہ اونچے درجات والے نیچے درجات کی طرف اتر کر آیا کریں گے اور ان کے ساتھ ملاقات اور مجالست ہوا کرے گی۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ نیچے کے درجات والوں کی ملاقات کے لئے اعلیٰ درجات میں جانے کی اجازت ہو' اس آیت کی بناء پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے لوگوں کو جنت میں اپنے ساتھ رہنے کی بشارت دی۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت کعب بن اسلمیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات گزارتے تھے۔ ایک رات تہجد کے وقت کعب اسلمیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وضو کا پانی اور مسواک وغیرہ ضروریات لا کر رکھی تو آپؐ نے خوش ہو کر فرمایا: مانگو کیا مانگتے ہو' کعب اسلمیؓ نے عرض کیا' میں جنّت میں آپؐ کی صحبت چاہتا ہوں آپؐ نے فرمایا اور کچھ؟ تو انہوں نے عرض کیا اور کچھ نہیں' اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم جنت میں میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو "اعنی علی نفسک بکثرة السجود" یعنی تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا لیکن اس میں تم بھی میری مدد اس طرح کرو کہ کثرت سے سجدے کرو' یعنی نوافل کی کثرت کرو۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا یا رسول اللہؐ میں اس بات کی شہادت دے چکا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ آپؐ اللہ کے سچے رسول ہیں اور میں پانچ وقت کی نماز کا بھی پابند ہوں اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہوں' اور رمضان کے روزے بھی رکھتا ہوں' یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس حالت میں مر جائے۔ وہ انبیاء' صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہو گا۔ بشرطیکہ اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرے۔

اسی طرح ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے فرمایا:

التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشهداء "یعنی وہ بیوپاری جو سچا اور ایماندار ہو وہ انبیاء اور صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہوگا"۔

قرب کی شرط محبت ہے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور رفاقت آپؐ کے ساتھ محبت کرنے سے حاصل ہوگی چنانچہ صحیح بخاری میں طرق متواترہ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اس شخص کا کیا درجہ ہوگا جو کسی جماعت سے محبت اور تعلق رکھتا ہے مگر عمل میں ان کے درجہ کو نہیں پہنچا۔ آپؐ نے فرمایا: "المراء مع من احب" یعنی محشر میں ہر شخص اس کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہے"۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کو دنیا میں کسی چیز سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی اس حدیث سے' کیونکہ اس حدیث نے ان کو بشارت دے دی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کرنے والے محشر اور جنت میں بھی حضورؐ کے ساتھ ہوں گے۔

رسول ﷺ کی رفاقت کسی رنگ و نسل پر موقوف نہیں

طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص حبشی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہم سے حسن صورت اور حسین رنگ میں بھی ممتاز ہیں' اور نبوت و رسالت میں بھی' اب اگر میں بھی اس چیز پر ایمان لے آؤں جس پر آپؐ ایمان رکھتے ہیں اور وہی عمل کروں جو آپؐ کرتے ہیں تو کیا میں بھی جنت میں آپؐ کے ساتھ ہو سکتا ہوں؟۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں ضرور (تم اپنی حبشیانہ بدصورت سے نہ گھبراؤ) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جنت میں کالے رنگ کے حبشی سفید اور حسین ہو جائیں گے اور ایک ہزار سال کی مسافت سے چمکیں گے اور جو شخص لا الہ الا اللہ کا قائل ہو اس کی فلاح و نجات اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو جاتی ہے اور جو شخص سبحان اللہ وبحمدہ پڑھتا ہے اس کا نامہ اعمال میں ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

یہ سن کر مجلس میں سے ایک شخص نے عرض کیا' یارسول اللہؐ جب اللہ تعالیٰ کے دربار میں حسنات کی اتنی سخاوت ہے تو ہم پھر کیسے ہلاک ہو سکتے ہیں؟ یا عذاب میں کیسے گرفتار ہو سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا (یہ بات نہیں) حقیقت یہ ہے کہ قیامت میں بعض آدمی اتنا عمل اور حسنات لے کر آئیں گے کہ اگر ان کو پہاڑ پر رکھ دیا جائے تو پہاڑ بھی ان کے بوجھ کا تحمل نہ کر سکے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں جب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں آتی ہیں اور ان سے موازنہ کیا جاتا ہے تو انسان کا عمل ان کے مقابلہ میں ختم ہو جاتا ہے۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کو اپنی رحمت سے نوازیں۔

اس حبشی کے سوال و جواب پر ہی سورہ دہر کی یہ آیت نازل ہوئی۔ ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئا مذکورا حبشی نے حیرت سے سوال کیا یارسول اللہؐ میری آنکھیں بھی ان نعمتوں کو دیکھیں گی جن کو آپؐ کی مبارک آنکھیں مشاہدہ کریں گی؟۔

آپؐ نے فرمایا: "ضرور' یہ سن کر حبشی نومسلم نے رونا شروع کیا' یہاں تک کہ روتے روتے وہیں جان دے دی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اس کی تجہیز و تکفین فرمائی۔

درجات کی تفصیل

آیت کی تفسیر مع شان نزول اور متعلقہ تشریحات کے بیان ہو چکی' اب ایک

بات قابل غور باقی رہ گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جن لوگوں پر انعام ہے ان کے چار درجے بیان فرمائے گئے ہیں یہ درجے کس اعتبار سے ہیں' اور ان چار درجوں میں باہمی نسبت اور فرق کیا ہے' اور کیا یہ چاروں درجے کسی ایک شخص میں جمع ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں؟۔

حضرات مفسرین نے اس بارے میں مختلف اقوال اور طویل تفصیل لکھی ہے' بعض نے فرمایا کہ یہ چاروں درجے ایک شخص میں بھی جمع ہو سکتے ہیں اور یہ سب صفات متداخلہ کی طرح ہیں' کیونکہ قران کریم میں جس کو نبی فرمایا گیا ہے اس کو صدیق وغیرہ کے القاب بھی دیئے گئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے: انه کان صدیقا نبیا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے: ونبیا من الصلحین اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق وکھلا من الصلحین آیا ہے۔

اس کا اصل یہ ہے کہ اگرچہ مفہوم و معنی کے اعتبار سے یہ چار صفات اور درجات الگ الگ ہیں لیکن یہ سب صفات ایک شخص میں بھی جمع ہو سکتی ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے مفسر' محدث' فقیہہ' مورخ اور متکلم مختلف صفات علماء کی ہیں' لیکن بعض علماء ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو مفسر بھی ہوں' محدث بھی' فقیہہ بھی اور مورخ و متکلم بھی' یا جس طرح ڈاکٹر' انجنیئر' پائلٹ مختلف صفات ہیں' مگر یہ سب کسی ایک شخص میں بھی جمع ہو سکتی ہیں۔

البتہ عرف عام میں قاعدہ ہے کہ جس شخص پر جس صفت کا غلبہ ہوا ہے اسی کے نام سے وہ معروف ہو جاتا ہے' طبقات پر کتابیں لکھنے والے اس کو اسی طبقہ میں شمار کرتے ہیں' اسی وجہ سے عامہ مفسرین نے فرمایا کہ "صدیقین" سے مراد اجلہ صحابہ اور "شہداء" سے شہداء احد اور "صالحین" سے عام نیک مسلمان مراد ہیں۔

امام راغب اصفہانی نے ان چاروں درجات کو مختلف درجات قرار دیا ہے۔

تفسیر بحر محیط، روح المعانی اور مظہری میں بھی یہی مذکور ہے۔ یعنی یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو چار قسموں میں تقسیم کر کے ہر ایک کے لئے درجات اعلیٰ و ادنیٰ مقرر فرمائے ہیں اور عام مسلمانوں کو اس کی ترغیب دی ہے کہ وہ ان میں سے کسی کے درجہ سے پیچھے نہ رہیں، علمی اور عملی جدوجہد کے ذریعہ ان درجات تک پہنچنے کی کوشش کریں، ان میں نبوت ایک ایسا مقام ہے جو جدوجہد سے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا؛ لیکن انبیاء کی معیت پھر بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ امام راغبؒ نے فرمایا کہ ان درجات میں سب سے پہلا درجہ انبیاء علیہم السلام کا ہے جب قوت الہیہ کی امداد حاصل ہے، اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی چیز کو قریب سے دیکھ رہا ہو، اسی لئے حق تعالیٰ نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا۔ "افتمارونہ علی ما یری"۔

صدیقین کی تعریف : دوسرا درجہ صدیقین کا ہے، اور وہ وہ لوگ ہیں جو معرفت میں انبیاء علیہم السلام کے قریب ہیں اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی چیز کو دور سے دیکھ رہا ہو، حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا میں کسی ایسی چیز کی عبادت نہیں کر سکتا جو کو نہ دیکھا ہو، پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو لوگوں نے آنکھوں سے تو نہیں دیکھا، لیکن ان کے قلوب نے حقائق ایمان کے ذریعہ دیکھ لیا ہے۔ اس دیکھنے سے حضرت علیؓ کی مراد اسی قسم کی رویت ہے کہ ان کی معرفت علمی مثل دیکھنے کے ہے۔

شہداء کی تعریف : تیسرا درجہ شہداء کا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو مقصود کو دلائل و براہین کے ذریعہ جانتے ہیں، مشاہدہ نہیں ہے، ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی چیز میں آئینہ میں قریب سے دیکھ رہا ہو، جیسے حضرت حارثہ نے فرمایا کہ مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ میں اپنے رب کریم کے عرش کو دیکھ رہا

ہوں۔

اور حدیث اعبد اللہ کانک تراہ میں بھی اسی قسم کی رویت مراد ہو سکتی ہے۔

صالحین کی تعریف : چوتھا درجہ صالحین کا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو مقصود کو تقلید و اتباع کے ذریعہ پہچانتے ہیں' ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کسی چیز کو آئینہ میں دور سے دیکھے اور حدیث میں فان لم تکن تراہ فانہ یراک وارد ہوا ہے اس میں بھی رویت کا یہی درجہ مراد ہو سکتا ہے۔ امام راغب اصفہانی کی اس تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ یہ درجات معرفت کے درجات ہیں اور معرفت کے مختلف درجات کی بنا پر مختلف مدارج ہیں------- بہرحال آیت کا مضمون صاف ہے کہ اس میں مسلمانوں کو یہ بشارت دی گئی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اطاعت کرنے والے درجات عالیہ کے رہنے والوں کے ساتھ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ یہ محبت ہم سب کو نصیب کرے۔ آمین۔

مثال دوم شہد کی مکھی کا قومی کردار

وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ○ ثُمَّ کُلِیْ مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُکِیْ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا یَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِھَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُہٗ فِیْہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ○ (سورۃ نحل آیت 68-69)

اور حکم دیا تیرے رب نے شہد کی مکھی کو کہ بنائے پہاڑوں میں گھر اور درختوں میں اور جہاں ٹٹیاں باندھتے ہیں پھر کھا ہر طرح کے میووں سے پھر چل راستوں میں اپنے رب کے صاف پڑے ہیں نکلتی ہیں ان کے پیٹ میں سے پینے کی چیز جس کے مختلف رنگ ہیں اس میں مرض اچھے ہوتے ہیں لوگوں کے' اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو دھیان

کرتے ہیں۔

تفسیر: اوحی' وحی یہاں اپنے اصطلاحی مفہوم میں نہیں ہے بلکہ لغوی معنی میں ہے' وہ یہ کہ متکلم مخاطب کو کوئی خاص بات مخفی طور پر اس طرح سمجھا دے کہ دوسرا شخص اس بات کو نہ سمجھ سکے۔

النحل' شہد کی مکھی اپنی عقل و فراست اور حسن تدبیر کے لحاظ سے تمام حیوانات میں ممتاز جانور ہے' اسی لئے اللہ تعالیٰ نےاس کو خطاب بھی امتیازی شان کا کیا ہے' باقی حیوانات کے بارے میں تو قانون کلی کے طریقہ پر اعطی کل شی کلقه ثم هدی فرمایا لیکن اس ننھی سی مخلوق کے بارے میں خاص کر اوحی ربک فرمایا جس سے اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ یہ دوسرے حیوانات سے بہ نسبت عقل و شعور اور سوجھ بوجھ میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔

شہد کی مکھیوں کی فہم و فراست کا اندازہ ان کے نظام حکومت سے بخوبی ہوتا ہے اس ضعیف جانور کا نظام زندگی انسانی سیاست و حکمرانی کے اصول پر چلتا ہے۔ تمام نظم و نسق ایک بڑی مکھی کے ہاتھ میں ہوتا ہے' جو تمام مکھیوں کی حکمران ہوتی ہے۔ اس کی تنظیم اور تقسیم کار کی وجہ سے پورا نظام صحیح سالم چلتا رہتا ہے۔ اس کے عجیب و غریب نظام اور مستحکم قوانین و ضوابط کو دیکھ کر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ خود یہ "ملکہ" تین ہفتوں کے عرصہ میں چھ ہزار سے بارہ ہزار تک انڈے دیتی ہے یہ اپنی قدو قامت اور وضع و قطع کے لحاظ سے دوسری مکھیوں سے ممتاز ہوتی ہے یہ ملکہ تقسیم کار کے اصول پر اپنی رعایا کو مختلف امور پر مامور کرتی ہے۔ ان میں سے بعض دربانی کے فرائض انجام دیتی ہیں' اور کسی نامعلوم اور خارجی فرد کو اندر داخل نہیں ہونے دیتی۔ بعض انڈوں کی حفاظت کرتی ہیں۔ بعض نابالغ بچوں کی تربیت کرتی ہیں۔ بعض معماری اور انجینئرنگ کے فرائض ادا کرتی ہیں۔ ان کے تیار کردہ اکثر چھتوں کے خانے بیس ہزار سے

تیس ہزار تک ہوتے ہیں۔ بعض موم جمع کر کے معماروں کے پاس پہنچاتی رہتی ہیں جن سے وہ اپنے مکانات تعمیر کرتے ہیں۔ یہ موم نباتات پر جمے ہوئے سفید قسم کے سفوف سے حاصل کرتی ہیں۔ گنے پر یہ مادہ بکثرت نظر آتا ہے ان میں سے بعض مختلف قسم کے پھولوں اور پھلوں میں بیٹھ کر اس کو چوستی ہیں جو ان کے پیٹ میں شہد میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ شہد ان کی اور ان کے بچوں کی غذا ہے اور یہی ہم سب کے لئے بھی لذت و غذا کا جوہر اور دواء و شفاء کا نسخہ ہے۔ یہ مختلف پارٹیاں نہایت سرگرمی سے اپنے اپنے فرائض سرانجام دیتی ہیں اور اپنی "ملکہ" کے حکم کو دل و جان سے قبول کرتی ہیں۔ ان میں سے اگر کوئی گندگی پر بیٹھ جائے تو چھتے کے دربان اسے باہر روک لیتے ہیں اور ملکہ اس کو قتل کر دیتی ہے' ان کے اس حیرت انگیز نظام اور حسن کارکردگی کو دیکھ کر انسان حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ (از الجواہر)

بیوتا۔ اوحی ربک سے جو ہدایت دی گئی ہے ان میں سے یہ پہلی ہدایت ہے جس میں گھر بنانے کا ذکر ہے یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ ہر جانور اپنے رہنے سہنے کے لئے گھر تو بناتا ہی ہے۔ پھر اس اہتمام سے "گھروں" کی تعمیر کا حکم مکھیوں کو دینے میں کیا خصوصیت ہے۔ پھر یہاں لفظ بھی "بیوت" کا استعمال فرمایا جو عموماً" انسانی رہائش گاہوں کے لئے بولا جاتا ہے اس سے اشارہ ایک تو اس طرف کر دیا کہ مکھیوں کو چونکہ شہد تیار کرنا ہے اس کے لئے پہلے سے ایک محفوظ گھر بنالیں دوسرا اس طرف اشارہ کر دیا کہ جو گھر یہ بنائیں گی وہ عام جانوروں کے گھروں کی طرح نہیں ہوں گے۔ بلکہ ان کی ساخت و بناوٹ غیر معمولی قسم کی ہوگی چنانچہ ان کے گھر عام جانوروں کے گھر سے ممتاز ہوتے ہیں۔ جن کو دیکھ کر انسانی عقل بھی ششدر رہ جاتی ہے۔ ان کے گھر مسدس شکل کے ہوتے ہیں۔ پرکار اور مسطر سے بھی اگر ان کی پیمائش کی جائے تو بال برابر بھی فرق نہیں رہتا۔ مسدس شکل کے علاوہ دو دوسری کسی شکل مثلاً" مربع اور مخمس

وغیرہ کو اس لئے اختیار نہیں کرتیں کہ ان کے بعض کونے بیکار رہ جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مکھیوں کو محض گھر بنانے کا حکم نہیں دیا بلکہ اس کا محل وقوع بھی بتلا دیا کہ وہ کسی بلندی پر ہونا چاہئے کیونکہ ایسے مقامات پر شہد کو تازہ اور صاف چھنی ہوئی ہوا پہنچتی رہتی ہے وہ گندی ہوا سے بچتا رہتا ہے اور توڑ پھوڑ سے بھی محفوظ رہتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

من الجبال ومن الشجر ومما یعرشون یعنی ان گھروں کی تعمیر پہاڑوں، درختوں اور بلند عمارتوں پر ہونی چاہئے تاکہ شہد بالکل محفوظ طریقہ سے تیار ہو سکے۔

ثم کلی من کل الثمرات یہ دوسری ہدایت ہے جس میں مکھی کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنی رغبت اور پسند کے مطابق پھل پھول سے رس چوسے، یہاں من کل الثمرت فرمایا۔ لیکن بظاہر یہاں لفظ "کل" سے دنیا بھر کے پھل پھول مراد نہیں ہیں بلکہ جن تک آسانی سے اس کی رسائی ہو سکے اور مطلب حاصل ہو سکے۔ "کل" کا یہ لفظ ملکہ سبا کے واقعہ میں بھی وارد ہوا ہے واوتیت من کل شی اور ظاہر ہے کہ وہاں بھی استغراق کلی مراد نہیں ہے کہ ملکہ سباء کے پاس ہوائی جہاز اور ریل موٹر ہونا بھی لازم آئے۔ بلکہ اس وقت کی تمام ضروریات و مناسبات مراد ہیں یہاں بھی من کل الثمرات سے یہی مراد ہے۔--- یہ مکھی ایسے ایسے لطیف اور قیمتی اجزاء چوستی ہے کہ آج کے سائنسی دور میں مشینوں سے بھی وہ جوہر نہیں نکالا جا سکتا۔

فاسلکی سبل ربک ذللا یہ مکھی کو تیسری ہدایت دی جا رہی ہے کہ اپنے رب کے ہموار کئے ہوئے راستوں پر چل پڑ۔ یہ جب گھر سے دور دراز مقامات پر پھل پھول کا رس چوسنے کے لئے کہیں جاتی ہے تو بظاہر اس کا اپنے گھر میں واپس آنا مشکل ہونا چاہئے تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے راہوں کو آسان بنا دیا ہے۔ چنانچہ وہ میلوں دور جاتی ہے اور بغیر بھولے بھٹکے اپنے گھر

واپس پہنچ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فضاء میں اس کے لئے راستے بنا دیئے ہیں کیونکہ زمین کے پیچ دار راستوں میں بھٹکنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فضاء کو اس حقیر و ناتواں مکھی کے لئے مسخر کر دیا تاکہ وہ کسی روک ٹوک کے بغیر اپنے گھر آسانی سے آجاسکے۔

اس کے بعد وحی کے اس حکم کا جو حقیقی ثمرہ تھا اس کو بیان فرمایا یخرج من بطونها شراب مختلف الوانه فیه شفاء للناس "کہ اس کے پیٹ میں سے مختلف رنگ کا مشروب نکلتا ہے۔ جس میں تمہارے لئے شفاء ہے" رنگ کا اختلاف غذاء اور موسم کے اختلاف کی بناء پر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کسی خاص علاقے مین کسی خاص پھل پھول کی کثرت ہو تو اس علاقہ کے شہد میں اس کا اثر و ذائقہ ضرور ہوتا ہے۔ شہد عموماً چونکہ سیال مادہ کی شکل میں ہوتا ہے اس لئے اس کو شراب (پینے کی چیز) فرمایا۔ اس جملے میں بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت کاملہ کی قاطع دلیل موجود ہے کہ چھوٹے سے جانور کے پیٹ سے کیسا منفع بخش اور لذیذ مشروب نکلتا ہے۔ حالانکہ وہ جانور خود زہریلا ہے۔ زہر میں سے یہ تریاق واقعی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی عجیب مثال ہے پھر قدرت کی یہ بھی عجیب صنعت گری ہے کہ دودھ دینےوالے حیوانات کا دودھ موسم اور غذا کے اختلاف سے سرخ و زرد نہیں ہوتا اور مکھی کا شہد مختلف رنگوں کا ہو جاتا ہے۔

فیه شفاء للناس شہد جہاں قوت بخش غذا اور لذت و طعم کا ذریعہ ہے وہاں امراض کے لئے نسخہ شفاء بھی ہے اور کیوں نہ ہو خالق کائنات کی یہ لطیف گشتی مشین جو ہر قسم کے پھل پھول سے مقوی عرق اور پاکیزہ جوہر کشید کر کے اپنے محفوظ گھروں میں ذخیرہ کرتی ہے اگر جڑی بوٹیوں میں شفاء و دوا کا سامان ہے تو ان کے جوہر میں کیوں نہ ہوگا۔ بلغمی امراض میں بلاواسطہ اور دوسرے امراض میں دوسرے اجزاء کی ساتھ مل کر بطور دوا شہد کا استعمال ہوتا ہے۔ اطباء معجونوں

میں بطور خاص اس کو شامل کرتے ہیں۔ اس کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ خود بھی خراب نہیں ہوتا اور دوسری اشاء کی بھی طویل عرصہ تک حفاظت کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہزارہا سال سے اطباء اس کو الکحل کی جگہ استعمال کرتے آئے ہیں۔ شہد مسہل ہے اور پیٹ سے فاسد مادہ نکالنے میں بہت مفید ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک صحابی نے اپنے بھائی کی بیماری کا حال بیان کیا تو آپؐ نے اسے شہد پلانے کا مشورہ دیا۔ دوسرے دن پھر آکر اس نے بتلایا کہ بیماری بدستور ہے۔ آپؐ نے پھر وہی مشورہ دیا۔ تیسرے دن جب اس نے پھر کہا کہ اب بھی کوئی فرق نہیں ہے تو آپؐ نے فرمایا صدق اللہ وکذب بطن اخیک "یعنی اللہ کا قول بلاریب سچا ہے۔ تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے"۔ مراد یہ ہے کہ دوا کا قصور نہیں مریض کے مزاج خاص کی وجہ سے جلدی اثر ظاہر نہیں ہوا اس کے بعد پھر پلایا تو بیمار تندرست ہو گیا!

یہاں قرآن کریم میں شفاء نکرہ.... تحت الاثبات ہے جس سے اس کا ہر مرض کے لئے تو شفاء ہونا معلوم نہیں ہوتا لیکن شِفَاءٌ کی تنوین جو تعظیم کے لئے ہے اس بات پر ضرور دلالت کرتی ہے کہ شہد کی شفاء عظیم اور ممتاز نوعیت کی ہے ----- اور اللہ تعالیٰ کے بعض اہل دل بندے وہ بھی ہیں جن کو شہد کے کسی بھی مرض کے لئے شفاء ہونے میں کوئی شبہ نہیں ان کو اپنے رب کے قول کے اس ظاہر ہی پر اس قدر مستحکم یقین اور مضبوط اعتقاد ہے کہ وہ پھوڑے اور آنکھ کا علاج بھی شہد سے..... کرتے ہیں اور جسم کے دوسرے امراض کا بھی ----- حضرت ابن عمرؓ کے متعلق روایات میں ہے کہ انکے بدن پر اگر پھوڑا بھی نکل آتا تو اس پر شہد کا لیپ کر کے..... علاج کرتے۔ بعض لوگوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو جواب میں فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کے متعلق یہ نہیں فرمایا فیہ شفاء للناس (قرطبی)۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتے ہیں جیسا ان بندوں کا

اپنے رب کے متعلق اعتقاد ہوتا ہے۔ حدیث قدسی میں فرمایا انا عند ظن عبدی بی یعنی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ بندہ جو کچھ مجھ سے گمان رکھتا ہے میں اس کے پاس ہوتا ہوں (یعنی اس کے مطابق کردیتا ہوں)۔

ان فی ذلک لا یۃ لقوم یتفکرون○ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کی مذکورہ بالا مثالیں بیان فرمانے کے بعد انسان کو پھر غوروفکر کی دعوت دی ہے۔ کہ قدرت کی ان مثالوں میں غوروفکر کرکے تو دیکھ لو۔ اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو پانی برسا کر زندہ کردیتا ہے۔ وہ غلاظت و نجاست کے درمیان سے تمہارے لئے صاف و شفاف اور خوشگوار دودھ کی نالیاں بہاتا ہے۔ وہ انگور و کھجور کے درختوں پر شیریں پھل پیدا کرتا ہے جن سے تم لذیذ شربتیں اور مزے دار مربے بناتے ہو وہ ایک چھوٹے سے زہریلے جاندار کے ذریعہ تمہارے لئے لذت و طعم اور غذاء و شفاء کا بہترین سامان مہیا کرتا ہے——— کیا اب بھی تم دیوی' دیوتاؤں کو پکارو گے؟ کیا اب بھی تمہاری عبادت و وفا اپنے خالق و مالک کے بجائے پتھر اور لکڑی کی بے جان مورتیوں کے لئے ہوگی؟ اور خوب سمجھ لو! کیا یہ بھی تمہاری عقل میں آسکتا ہے کہ یہ سب کچھ اندھے' بہرے اور بے شعور مادے کی کرشمہ سازی ہو؟ صنعت و کاریگری کے یہ بے شمار شاہکار' حکمت و تدبیر کے یہ حیرت انگیز کارنامے اور عقل و دانش کے یہ بہترین فیصلے اپنی زبان حال سے پکار پکار کر گویا ہیں کہ ہمارا ایک خالق ہے' یکتا و حکمت والا خالق' وہی عبادت و وفا کا مستحق ہے۔ وہی مشکل کشاء ہے اور شکر و حمد اسی کو سزاوار ہے۔

فوائد : (۱) آیت سے معلوم ہوا کہ عقل و شعور انسانوں کے علاوہ دوسرے جانداروں میں بھی ہے وان من شیٔ الا یسبح بحمدہ البتہ عقل کے درجات مختلف ہیں۔ انسانوں کی عقل تمام ذی حیات اشیاء کی عقول سے زیادہ کامل ہے۔ اسی وجہ سے وہ احکام شرعیہ کا مکلف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر جنون کی وجہ سے انسان کی عقل میں فتور آجائے تو دوسری مخلوقات کی طرح وہ بھی

مکلف نہیں رہتا۔

(2) شہد کی مکھی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی فضیلت میں حدیث وارد ہوئی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الذِّبَّانُ کلہا فی النار یجعلہا عنابا لا ھل النار الا النحل (نوادر الاصول بحوالہ قرطبی)

"یعنی دوسری ایذا رساں جانداروں کی طرح مکھیوں کی بھی تمام قسمیں جہنم میں جائیں گی۔ جو وہاں جہنمیوں پر بطور عذاب مسلط کر دی جائیں گی۔ مگر شہد کی مکھی جہنم میں نہیں جائیں گی"۔

نیز ایک اور حدیث میں آپؐ نے اس کو مارنے سے منع فرمایا (ابوداؤد)

(3) اطباء کا اس میں کلام ہے کہ شہد مکھی کا فضلہ ہے' یا اس کا لعاب ہے' ارسطاطالیس نے شیشے کا ایک نفیس چھتہ بنا کر مکھیوں کو اس میں بند کر دیا تھا وہ ان کے نظام کار کو جاننا چاہتا تھا لیکن ان مکھیوں نے سب سے پہلے برتن کے اندرونی حصہ پر موم اور کیچڑ کا پردہ چڑھا دیا اور جب تک پوری طرح پردہ پوش نہیں ہو گئیں اس وقت تک کام شروع نہیں کیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دنیا کی حقارت کی مثال دیتے ہوئے فرمایا:

اشرف لباس بنی ادم فیہ لعاب دودۃ واشرف شرابہ رجیع نَحلَۃ

"انسان کا بہترین ریشمی لباس اس کائنات کے ایک چھوٹے سے کیڑے کا لعاب ہے اور اس کا نفیس لذت بخش مشروب مکھی کا فضلہ ہے"۔

(4) فیہ شفاء للناس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دواء سے مرض کا علاج کرنا جائز ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بطور انعام ذکر کیا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے وننزل من القران ما ھوا شفاء وَرَحْمَۃٌ

للمومنین' حدیث میں دواء استعمال کرنے اور علاج کرنے کی ترغیب آئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض حضرات نے سوال کیا کہ کیا ہم دواء استعمال کریں؟ آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں' علاج کر لیا کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی مرض پیدا کیا ہے اس کے لئے دواء بھی پیدا فرمائی ہے مگر ایک مرض کا علاج نہیں۔ انہوں نے سوال کیا وہ مرض کونسا ہے؟ آپؐ نے فرمایا بڑھاپا (ابوداؤد' والترمذی بحوالہ قرطبی)

حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یہ جو ہم جھاڑ پھونک کا عمل کرتے ہیں یا دواء سے اپنا علاج کرتے ہیں اسی طرح بچاؤ اور حفاظت کے جو انتظامات کرتے ہیں کیا یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو بدل سکتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا یہ بھی تو تقدیر الٰہی ہی کی صورتیں ہیں۔

غرض یہ کہ علاج کرنے اور دواء استعمال کرنے کے جواز پر تمام علماء متفق ہیں۔ اور اس سلسلے میں بے شمار احادیث و آثار وارد ہوئے ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ کی اولاد میں اگر کسی کو بچھو کاٹ لیتا تھا تو اسے تریاق پلاتے تھے' اور جھاڑ پھونک سے اس کا علاج فرماتے' آپ نے لقوہ کے مریض پر داغ لگا کر اس کا علاج کیا۔ (قرطبی)

بعض صوفیاء کے متعلق منقول ہے کہ وہ علاج کو پسند نہیں کرتے تھے اور حضرات صحابہ میں سے بھی بعض کے عمل سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً" روایت.... ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور ان سے پوچھا آپ کو کیا شکایت ہے؟ انہوں نے جواب دیا مجھے اپنے گناہوں کی فکر ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا پھر کس چیز کی خواہش ہے؟ فرمایا میں اپنے رب کی رحمت کا طلبگار ہوں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا آپ پسند کریں تو میں طبیب کو بلوا لیتا ہوں؟ انہوں

نے جواب دیا۔ طبیب ہی نے تو مجھے لٹایا ہے (یہاں مجازی طور پر طبیب سے مراد اللہ تعالیٰ شانہ ہیں)۔

لیکن اس قسم کے واقعات اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ حضرات علاج کو مکروہ سمجھتے تھے ہو سکتا ہے کہ اس وقت ان کے ذوق کو گوارہ نہیں تھا۔ اس لئے طبیعت کے قبول نہ کرنے کی وجہ سے انہوں نے پسند نہیں کیا۔ یہ وقتی طور پر غلبہ حال کی ایک کیفیت ہوتی ہے جس کو علاج کے ناجائز یا مکروہ ہونے کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ حضرت عثمانؓ کا حضرت ابن مسعودؓ سے درخواست کرنا کہ میں آپ کے لئے طبیب لے آتا ہوں خود اس بات کی دلیل ہے کہ علاج جائز ہے۔ بلکہ بعض صورتوں میں یہ دوا واجب بھی ہو جاتا ہے۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیعؒ

پس ان آیات کا خلاصہ اور لب لباب یہ نکلا کہ انسان بھی اگر شہد کی مکھی کی طرح قومی اور انسانی خدمات کا کردار ادا کرے اور اپنے رب کے احکامات کی تعمیل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی بلندی اور سرفرازی عطا فرمائیں گے۔ جس طرح شہد کی مکھی کو عطا فرمائی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں شہد کی مکھی کو تین حکم دیئے ہیں۔ پہلا حکم یہ ہے کہ رہائشی مکان صرف تین جگہ بنانا ہے۔ پہاڑوں میں' درختوں میں اور ان چھتوں میں جو لوگ ان کے لئے بناتے ہیں۔ اور دوسرا حکم یہ ہے کہ صرف درختوں کا پھل کھانا ہے۔ اور انہیں تیسرا حکم یہ ہے کہ اپنے رب کے تجویز کردہ راستوں پر چلنا ہے۔ اور تجربات شاہد ہیں کہ شہد کی مکھی کی قوم۔ اللہ تعالےٰ کے ان احکامات پر پوری طرح عمل پرا ہے (جن کی تفصیل پہلے آچکی ہے) پس اس کے نتیجہ میں اس کے پیٹ سے جو برکتیں نکلتی ہیں۔ ان سے وہ مکھی برادری خود بھی استفادہ کرتی ہے اور باقی انسانی خاندان بھی شفایاب ہوتا ہے۔ پس انسان بھی اگر اسی نمونے کو سامنے رکھ کر اپنے رب کی پیروی کرے اور ہر معاملہ دیانت داری برتے تو اس کا وجود بھی اسی طرح باعث برکت ہوگا اور شہد کی مانند ایک ایک بات قابل قدر ہوگی۔ چنانچہ

حضرات انبیاء علیہم السلام نے اور ان کے سچے پیرو کاروں نے ایسا ہی کیا ہے۔ تو ان کی سرفرازی اور ان کے ارشادات عالیہ کی قدر و قیمت سب پر عیاں ہے۔

مثال سوم چیونٹی کا قومی کردار

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ۝ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۝ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ۝ (سورۃ النمل آیت 17-19)

اور سلیمان کے لئے ان کا لشکر جمع کیا گیا جن بھی اور انسان بھی اور پرندے بھی اور انہیں (صف بندی کے لئے) روکا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ جب چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے ایک چیونٹی نے کہا کہ اے چیونٹیو اپنے سوراخوں میں جا گھسو کہیں سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں روند نہ ڈالیں۔ اور انہیں خبر بھی نہ ہو (سلیمان) اس بات پر مسکرا کر ہنس پڑے۔ اور کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھے اس پر مداومت دے کہ میں تیری نعمتوں کا شکر ادا کیا کروں۔ جو تو نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا کی ہیں۔ اور اس پر بھی کہ میں نیک کام کیا کروں جس سے تو راضی ہو۔ اور مجھے اپنی رحمت سے داخل رکھ اپنے نیک بندوں میں۔

چیونٹی : (روزنامہ رہبر دکن حیدر آباد کے سائنسی کالموں سے)

چیونٹی بظاہر بڑی حقیر اور بڑی غیر اہم معلوم ہوتی ہے لیکن، محنت اور ذہانت

کے لحاظ سے ایک ایسا نادر نمونہ ہے جس کی مثال ملنی دشوار ہے۔ نہ کبھی نچلی بیٹھتی ہے نہ کبھی بیکار' ہر وقت مصروف' ہر وقت مشغول' اس کی زندگی کے مختلف ادوار اور اس کے رہنے سہنے کے طریقوں کا حال سنایا جائے تو آپ ششدر رہ جائیں۔ تنظیم اور تقسیم کلر کے لحاظ سے ہو یا ذہانت اور ذکاوت کی بنا پر چیونٹی کی زندگی ہر طرح مکمل اور مربوط ہوتی ہے!

حقیقت افسانہ سے زیادہ تعجب خیز ہوتی ہے چیونٹی کسی طرح اشرف المخلوقات حضرت انسان سے کمتر نہیں ہے۔ یہ جانور پالتی ہے ان کو اپنے فائدے کے لئے استعمال کرتی ہے۔ فوج رکھتی ہے۔ دشمن پر حملہ کرتی ہے اسے کھیتی باڑی کا سلیقہ بھی آتا ہے!!—— کھیتوں میں ناگر چلاتی ہے۔ بیج بوتی ہے کاشت تیار ہوتی ہے تو اسے دور کرتی ہے اور احتیاط کے ساتھ تہ خانوں میں محفوظ اور منتقل کر دیتی ہے۔ مدارج کے فرق البتہ اس میں بھی پائے جاتے ہیں—— اس قوم میں بھی حیدر آباد کا نظام جاگیرداری موجود ہے۔ ان کے جاگیردار ہمارے جاگیرداروں کی طرح مطلبی' آرام پسند' قومی فرائض سے غافل' خود پسند اور تن آسان ہوتے ہیں۔ ان کو کسی کام سے کوئے غرض نہیں ہوتی دن بھر کھاتے اور پڑے اینڈھا کرتے ہیں!

اب تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ اپنی نوع سے ہٹ کر دوسری نوع کے جانوروں کو پالنا' ان سے فائدہ اٹھانا صرف اشرف المخلوقات کا حصہ ہے لیکن تجربات نے اب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچادی ہے کہ چیونٹی جیسی حقیر خلقت بھی اس خصوص میں انسان کی رقیب ہے۔ چیونٹی کی گائے بھینس ایک قسم کے کیڑے ہوتے ہیں جن کو (Aphiads) افائیڈس کہا جاتا ہے۔ ان کے شکم میں شہد بھرا رہتا ہے۔ چیونٹیاں اپنے چھوٹے چھوٹے ڈنکوں کی مدد سے ان کیڑوں سے شہد حاصل کرلیتی ہیں۔ بعض مرتبہ چیونٹیاں ان دودھیلے جانوروں کو اپنے چھتوں میں اٹھالاتی ہیں اور ان کے انڈے بچوں کی بڑی سخت نگہداشت کی جاتی

ہے۔

چیونٹی کی ایک قسم وہ بھی ہوتی ہے جو خود دودھ دیتی ہے۔ یہ میکسیکو اور آسٹریلیا کے بعض حصوں میں بکثرت سے پائی جاتی ہے۔ ان کی زندگی کا مقصد اپنے دیگر ہم قوموں کو آرام اور غذا پہنچانا ہوتا ہے۔ ابتداء میں قومی مزدور اور رضاکار ان کو گائے بھینسوں کی طرح اچھی اچھی غذا مہیا کرتے ہیں۔ یعنی خوب چارہ ڈال کر ان کو دودھ حاصل کرنے کی غرض سے پالا اور پرورش کیا جاتا ہے جس طرح کبوتر اپنے بچوں کو غذا بھراتا ہے۔

رضاکار چیونٹیاں ان گائے بھینسوں کو شہد بھرایا کرتی ہیں۔ جوں جوں یہ عمل جاری رہے گائے بھینسوں کا جثہ بڑھتا جاتا ہے...... یہاں تک کہ ان کے لئے چلنا پھرنا حتیٰ کہ سرکنا بھی دوبھر ہو جاتا ہے۔ یوں بھی ان کو چلنے پھرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی اور یہ اپنے لئے بنے ہوئے مخصوص خانوں کی دیواروں سے چمٹ جاتی ہیں یہ خاص کمرہ تقریباً" تین انچ لمبا اور ایک انچ چوڑا ہوتا ہے۔ اس کی شکل کروی یعنی گول ہوتی ہے---- یہ کمرے دراصل چوپال کا کام دیتے ہیں جہاں گائے بھینس باندھی جاتی ہیں!! ان کی دیواروں سے شہد بھری چیونٹیاں اس طرح لٹکتی رہتی ہیں جیسے انگور کے خوشے لٹک رہے ہوں۔ مزدوروں اور رضاکاروں کو جب بھی بھوک ستائے وہ ان زندہ مرتبانوں کے پاس آکر اپنی غذا لیتے اور پھر کام میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یوں تو عموماً" چیونٹیوں کی یہ گائیں چل پھر سکنے سے معذور ہوتی ہیں لیکن اگر ان کے شکم میں بھرا ہوا شہد کم ہو جائے تو ان کو چلتے پھرتے بھی دیکھا گیا ہے۔ آیئے اب چیونٹیوں کے جاگیرداروں اور نوابین کا حال سن لیجئے۔ یہ دراصل مفت خورے ہوتے ہیں اور اپنی زندگی میں ایک آدھ مرتبہ مزدوروں رضاکاروں کے محلوں پر دھاوا بول کر ان کے انڈے اپنے پاس اٹھا لاتے ہیں۔ اور جب ان سے بچے نکلتے ہیں تو ان سے ملازمین کا سا کام لیتے ہیں۔ گھربار کی نگہداشت' صفائی' تعمیر ترمیم بچوں کی نگرانی'

غذا کی فراہمی یہ سب ان ہی رضاکاروں کے ذمہ ہوتی ہے۔ مشہور فرانسیسی سائنس داں ہیوبر نے اس خصوص میں ایک بڑا دلچسپ تجربہ دہرایا ہے۔ اس نے تقریباً (30) جاگیردار چیونٹیوں کو ان کے رضاکاروں سے علیحدہ کر کے ایک ڈبہ میں علیحدہ کر دیا۔ ہاتھ پیر ہلانے کی توفیق تو خدا نے ان کو دی نہ تھی دو دن کے اندر نصف سے زیادہ جاگیردار دوسری دنیا کو سدھار چکے تھے۔ وہ بھی لب گور' سکت جواب دے چکی تھی۔ چہرے زرد' موت آنکھوں کو سامنے کھیل رہی تھی۔ ہیوبر کو ان کی حالت پر رحم آگیا۔ اس نے صندوق میں ایک رضاکار کو بھی منتقل کر دیا۔ اس رضاکار نے تن تنہا بغیر کسی دوسرے کی مدد کے سب کے رہنے کے لیے زمین میں ایک گھر بنالیا سب کو اس میں منتقل کیا۔ غذا مہیا کی بیماروں کی تیمارداری کی۔ ان کو بھلا چنگا بنایا اور دیکھتے دیکھتے اس چھوٹی سی جگہ میں زندگی کی ہماہمی پھر سے پیدا ہو گئی!!

شہد کی مکھیوں کی طرح چیونٹیوں کی بھی تین گروہوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ نر اور مادہ اور غیر نمونہ یافتہ مادہ یا رضاکار---- یہ امر تو ہمیں بہت قدیم سے معلوم ہے کہ چیونٹیاں کفایت شعار اور گرہستی بھی ہوتی ہیں۔ غذائی دانے محفوظ کرلینا ان کا ایک عام وطیرہ ہے لیکن یہ حالیہ انکشاف بے حد تعجب خیز ہے کہ چیونٹیوں کی بعض انواع نہ صرف یہ کہ آئندہ کے استعمال کے لئے اپنی غذا محفوظ کرتی ہیں بلکہ ان کو باضابطہ طریقہ سے اور خوش سلیقگی سے کاشت کرنا بھی آتا ہے!

ان کسان چیونٹیوں کا رنگ بھورا ہوتا ہے یہ جسامت میں بھی دوسری چیونٹیوں کے مقابلہ میں بڑی ہوتی ہیں اور مناسب موسم آنے پر بالکل کسانوں کی طرح بیج بونے کی تیاریاں شروع کر دیتی ہیں۔ کھیت کے لئے زمین کے انتخاب کے بعد وہ ایک مٹی کا پٹھا بنالیتی ہیں۔ یہ چار تا چھ انچ ہوتا ہے پوری چوڑائی تین تا چار فیٹ ہوتی ہے۔ اس چھتہ کے اطراف تین چار فیٹ تک کی زمین بالکل

صاف کر دیتی جاتی ہے ---- جیسے کسی پائیں باغ کی تیاری ہو! اس صاف شدہ اراضی پر کسی قسم کی نباتات اگنے نہیں دی جاتی ہے البتہ صرف ایک خاص قسم کی گھاس اگتی ہے جو بیج دار ہوتی ہے یہی چیونٹیوں کا کھیت ہے۔ اگر دوسری قسم کی گھاس اس میں اگنے لگے تو بیکار گھاس کو چیونٹیاں فوراً علیحدہ کر دیتی ہیں یہ بیج دار گھاس جو اہتمام سے اگائی جاتی ہے چاول سے بہت کچھ ملتی ہوتی ہے۔ فصل کے تیار ہونے پر چیونٹیاں بڑی احتیاط سے اس کو گودام میں منتقل کر دیتی ہیں۔ گودام میں منتقل کرنے کے بعد ان کی صفائی کی جاتی ہے اور بھوسہ دوبارہ باہر پھینک دیا جاتا ہے!!

اگر گودام میں غلہ نمی اور رطوبت کی وجہ سے خراب ہونے لگے تو کبھی کبھی باہر نکال کر دھوپ کھلا لیا جاتا ہے۔ یہ تمام تحقیق سب سے پہلے ڈاکٹر لنکم نے کی تھی۔ اور پھر میک کک نے 1877ء میں اس کی تصدیق کی۔ اس کے بعد متواتر تجربات نے رہے سہے شبہ کو بھی بالکل دور کر دیا ---- لوگ کہتے ہیں کہ سائنس اور مذہب میں بڑا اختلاف ہے۔ لیکن کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ سائنس دراصل اپنے ان تجربات اور معلومات سے ایک ان دیکھے خدا کی عظمت اور قدرت کے تصور میں غیر معمولی اضافہ کر دیتا ہے۔ پس اس واقعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ بھی چیونٹی اپنی قوم کی خیر خواہ ہے۔ اور اس سے نسل انسانی کو یہ سبق دلانا مقصود ہے کہ تم بھی اپنی نسل کی اسی طرح خیر خواہی اور تحفظ کرو۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اپنی قوم کی بہتری کے لئے آدمی جو بھی قدم اٹھائے اور جو بھی محنت کرے وہ قابل قدر ہے۔ تب ہی تو اپنی حقیر سی مخلوق کی کارکردگی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں نمونے کے طور پر بیان فرمایا ہے

بحیثیت اشرف المخلوقات ہونے کے انسان کو بقیہ تمام اقوام اور خاندانوں پر کنٹرول اور ان کی نگہداشت کا حکم

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ○ (سورۃ بنی اسرائیل آیت 70)

اور ہم نے بنی آدم کو عزت دی ہے اور ہم نے انہیں خشکی اور دریا (دونوں) میں سوار کیا اور ہم نے ان کو نفیس چیزیں عطا کیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر بڑی فضیلت دی۔

كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى ○ (سورۃ طٰہٰ آیت 53-54)

کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ بیشک اس (سارے نظام) میں دلیلیں موجود ہیں اہل عقل کے لئے۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ ○ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ○ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ○ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ○ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ○ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ○ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ○ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ○ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ○ (سورۃ عبس آیت 24-32)

سو انسان ذرا دیکھے تو اپنے کھانے کی طرف ہم نے خوب پانی برسایا پھر ہم نے زمین کو خوب پھاڑا پھر ہم نے اگایا اس میں غلہ اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارے تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے فائدہ کے لئے۔

تشریح: ان آیات مذکورہ میں سے پہلی آیت سورہ بنی اسرائیل کی آیت ستر

ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے انسانی قوم کو بقیہ اقوام پر جو فضیلت اور برتری دی ہے۔ اسے بیان فرمایا ہے اور یہ برتری ظاہری جسم کے اعتبار سے بھی ہے۔ کہ اس کا جسم سب سے زیادہ خوبصورت، ملائم اور جاذب نظر ہے۔ اور ان کی دوسری برتری اس کی خوراک کے اعتبار سے ہے۔ کہ اس کی روزی سب سے عمدہ ہے۔ اور تیسری برتری یہ ہے کہ انسان بقیہ اقوام پر سواری کرتا ہے اور ان پر بوجھ لادتا ہے۔ اور سورہ طٰہٰ کی آیت 53 میں تو سورہ بنی اسرائیل والی آیت کی مزید تشریح اور وضاحت ہے اور آیت 54 میں بنی نوع انسان کو دو حکم ہیں۔ ایک یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی نعمتیں کھاؤ۔ اور دوسرا حکم یہ ہے کہ ان جانوروں میں سے جو تمہارے ماتحت ہیں۔ انہیں چراؤ۔ مگر مویشیوں کے چرانے کی تفصیل نہیں بتائی تھی کہ انہیں کیا کیا چراتا ہے۔ تو آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ قدرت کی پیدا کی ہوئی بے شمار نشانیاں موجود ہیں۔ ان میں سے جو جو ان کے مناسب ہے وہ انہیں چراؤ۔ اور سورہ عبس والی آیتوں میں انسانی غذاؤں اور بقیہ حیوانات کی غذاؤں کی تفصیل آگئی ہے۔ ان میں سے پانی سب کی مشترکہ غذا ہے۔ اور چارہ حیوانات کی خصوصی غذا ہے اور بقیہ پھل فروٹ وغیرہ انسان کی خصوصی غذا ہے۔ بہرحال خلاصہ بحث یہ ہے کہ انسان کو بقیہ خاندانوں پر چونکہ برتری حاصل ہے۔ اس لئے اس نے باقیوں پر کنٹرول کرنا ہے انکی نگہداشت کرنا ہے اور ان کی دیکھ بھال کرنا ہے۔ ان سے کام لے کر اپنے لئے بھی روزی کمانا ہے۔ اور ان کے لئے بھی اور یہ نظام خلافت کا ایک حصہ ہے۔

صفحہ دو سو چھیانوے سے لے کر یہاں تک جو اصول بیان ہوئے ہیں یہ تو وہ ہیں کہ جن پر عمل کرنے سے برادری، خاندان اور قبائل کے درمیان اخوت محبت، اور الفت پیدا ہوتی ہے۔ اور قوم کا ہر فرد بڑھ چڑھ کر ایک دوسرے کی خدمت اور تعاون کرتا ہے۔ اور اس خدمت کو اپنی برتری اور فوقیت کا نہیں بلکہ اپنی سعادت کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ اور یہ سب کچھ رضاء الٰہی کے لیے کرتا ہے اور اگر کوئی شخص اس برادری اور خاندانی نظام کو توڑے یا انہیں کسی قسم کا نقصان پہنچائے تو ایسے لوگوں کے لیے آنے والی آیات اور احادیث میں خداوند تعالیٰ نے ان کے جرائم کے مطابق سزائیں رکھی ہیں تاکہ کوئی کم عقل اس نظام کو توڑ نہ سکے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خاندانی نظام کو توڑنے والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین مجرم ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عادلانہ فیصلوں کا حکم

انا انزلنا الیک	بے شک ہم نے تیری
الکتب بالحق	طرف سچی کتاب اتاری ہے

۱ لِتَحْكُمَ بَيْنَ
النَّاسِ بِمَا اَرٰىكَ
اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ
لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۝
وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ط
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝
وَلَا تُجَادِلْ عَنِ
الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ
اَنْفُسَهُمْ ط اِنَّ
اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ
كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۝
يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ
النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ
مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ
مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ
مَا لَا يَرْضٰى مِنَ
الْقَوْلِ ط وَكَانَ
اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ
مُحِيْطًا ۝ هٰاَنْتُمْ
هٰؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ

۱ تاکہ تو لوگوں میں انصاف
کرے جو کچھ تمہیں اللہ
سمجھا دے اور تو بددیانت
لوگوں کی طرف سے جھگڑا
کرنے والا نہ ہو۔ اور
اللہ سے بخشش مانگ
بے شک اللہ بخشنے والا
مہربان ہے اور ان لوگوں
کی طرف سے مت جھگڑ
جو اپنے دل میں دغا رکھتے
ہیں۔ جو شخص دغاباز گنہگار
ہو بے شک اللہ اسے
پسند نہیں کرتا۔ وہ لوگوں
سے چھپاتے ہیں اور اللہ
سے وہ نہیں چھپا سکتے
حالانکہ وہ اس وقت بھی
ان کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ
رات کو چھپ کر اس
کی مرضی کے خلاف مشورہ
کرتے ہیں اور اللہ نے
ان کے تمام اعمال کا احاطہ

عَنْهُمْ فِى	کیا ہوا ہے۔ ہاں تم لوگوں
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا قف	نے ان کی طرف سے
فَمَنْ يُّجَادِلُ	دنیاوی زندگی میں جھگڑا
اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ	کر لیا ہے۔ پھر قیامت
الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ	کے دن ان کی طرف سے
يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ	کون جھگڑا کرے گا یا ان
وَكِيْلًا ۝ وَمَنْ	کا وکیل کون ہوگا۔ اور جو
يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ	کوئی برا فعل کرے یا اپنے
يَظْلِمْ نَفْسَهٗ	نفس پر ظلم کرے پھر اس
ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ	کے بعد اللہ سے بخشوائے
يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا	تو اللہ کو بخشنے والا مہربان
رَّحِيْمًا ۝ وَمَنْ	پائے۔ اور جو کوئی گناہ
يَّكْسِبْ اِثْمًا	کرتا ہے سو اپنے ہی حق
فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ	میں کرتا ہے۔ اور اللہ
عَلٰى نَفْسِهٖ ط وَكَانَ	سب باتوں کو جاننے والا
اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝	حکمت والا ہے اور جو
وَمَنْ يَّكْسِبْ	کوئی خطا یا گناہ کرے
خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا	پھر کسی بے گناہ پر تہمت
ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ	لگائے تو اس نے بڑے
بَرِيْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ	بہتان اور صریح گناہ کا
بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝	بار سمیٹ لیا اور اگر تجھ

وَلَوْلَا فَضْلُ	پر اللہ کا فضل اور اس
اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ	کی رحمت نہ ہوتی تو ان
لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ	میں سے ایک گروہ نے
مِّنْهُمْ اَنْ	تمہیں غلط فہمی میں مبتلا
يُّضِلُّوْكَ وَمَا	کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا
يُضِلُّوْنَ اِلَّآ	حالانکہ وہ اپنے سوا کسی
اَنْفُسَهُمْ وَمَا	کو غلط فہمی میں مبتلا نہیں
يَضُرُّوْنَكَ مِنْ	کر سکتے اور وہ تمہارا کچھ
شَيْءٍ وَاَنْزَلَ	نہیں بگاڑ سکتے اور اللہ
اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ	نے تجھ پر کتاب اور حکمت
وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ	نازل کی ہے اور تجھے وہ
مَا لَمْ تَكُنْ	باتیں سکھائی ہیں جو تو نہ
تَعْلَمُ وَكَانَ	جانتا تھا اور اللہ کا تجھ
فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا	پر بڑا فضل ہے۔

(سورۃ النساء آیت ۱۰۵ تا ۱۱۳)

تفسیر

ان آیات کا شانِ نزول ترمذی نے یہ نقل کیا ہے کہ بشیر نامی ایک شخص نے اور ابن جریر نے طعمہ نام نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت رفاعہ کے گھر سے گندم کا آٹا اور اسلحہ رات کے وقت چرایا اور حضرت رفاعہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے بھتیجے حضرت قتادہ

کو ساتھ لے کر تلاش شروع کی تو اس مذکورہ شخص پر شک گزرا۔ اور جب اسے علم ہوا کہ یہ لوگ تو مجھ پر شک کر رہے ہیں۔ تو خود حضرت رفاعہ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ کو ہم پہ غلط شبہ ہو گیا ہے۔ یہ کام تو در اصل لُبَید بن سہل کا ہے۔ اور یہ بڑے نیک اور بزرگ صحابی تھے انہیں پتہ چلا کہ یہ لوگ چوری کا الزام مجھ پہ ڈال رہے ہیں تو تلوار لے کر نکل آئے اور فرمایا کہ جب تک اس چوری کی حقیقت واضح نہیں ہوگی اس وقت تک تلوار نیام میں نہیں رکھوں گا۔ اور بشیر یا طعمہ نے جب یہ حال دیکھا تو مال مسروقہ اٹھا کر ایک یہودی کے گھر میں بطور امانت رکھ دیا اور ہوشیاری یہ کی کہ حضرت رفاعہ کے گھر سے لے کر اس یہودی کے گھر تک تھوڑا تھوڑا آٹا بکھیر دیا۔ اور تفتیش کے بعد یہ مال مسروقہ جب اس یہودی کے گھر سے برآمد ہوا تو اس نے قسم اٹھا کر کہا کہ یہ مال تو بشیر یا طعمہ نے میرے پاس بطور امانت رکھا ہے اور حضرت رفاعہ بشیر یا طعمہ کے خلاف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شکایت کر چکے تھے۔ اور بشیر یا طعمہ نے آکر آپ سے کہا کہ ان لوگوں نے ہماری طرف غلط نسبت کی ہے۔ چوری تو فلاں یہودی نے کی ہے اور اس کے گھر سے سامان مسروقہ بھی برآمد ہو چکا ہے۔ اب جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رفاعہ کو بلا کر ڈانٹ دیا کہ تم نے بے قصور پر الزام لگایا ہے۔ اور اس یہودی کا ہاتھ کاٹنے کا پروگرام بنایا۔ حضرت رفاعہ کو بڑا افسوس ہوا کہ میں نے حضور کے سامنے یہ واقعہ کیوں بیان کیا۔ نہ کرتا تو اچھا ہوتا۔ اور پھر صبر کیا اور دُعا مانگی۔ واللہ المستعان۔ ابھی معاملہ پہ کچھ وقت نہ گزرا تھا کہ یہ آیات نازل ہو گئیں۔ ان

آیات میں چوری کا راز منکشف ہو گیا کہ چور یہودی نہیں ہے بشیر یا طعمہ ہے تو پھر اس کی برادری بنو ابیرق مال مسروقہ نے کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مال حضرت رفاعہ کو واپس دیا۔ وہ اصل چور بشیر نامی فرار ہو کر مکہ چلا گیا اور مشرکین کے ساتھ مل گیا اور ایک عورت کے مکان میں ٹھہرا مگر جب اس عورت کو پتہ چلا کہ یہ تو ایسا چور ہے تو اس نے اُسے نکال دیا۔ پھر اس نے ایک اور شخص کے مکان میں نقب لگائی تو اس کے مکان کی دیوار گر گئی اور وہ وہیں دب کر مر گیا۔ پیغمبرِ اسلام کی مخالفت کا یہ نتیجہ نکلا۔

بہرحال یہ تو ایک واقعہ ہے جس کے بارے میں یہ آیات اتری ہیں مگر تمام مفسّرین کے نزدیک یہ مانا ہوا اصول ہے کہ بعض آیات کا شانِ نزول تو خاص ہوتا ہے لیکن حکم ہوتا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید تمام بنی نوعِ انسان کی رشد و ہدایت کے لیے نازل فرمایا گیا ہے۔ یہ کسی خاص طبقہ کے لیے مخصوص نہیں ہے۔

اسی طرح ان آیات میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ہدایات دی گئی ہیں۔ یہ آپ کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ یہ ہدایات ان تمام حکام کے لیے ہیں جو اس عدل و انصاف کے منصب پر فائز ہوں۔ اور وہ ہدایات تیرہ ہیں۔

پہلی ہدایت یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ کی طرف سے اتاری ہوئی سچّی کتاب ہے۔ یہ کتاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یا کسی اور کی بنی ہوئی نہیں ہے۔ یہ مضمون انا انزلنا الیک الکتب

بالحق میں بیان فرمایا ہے۔

دوسری ہدایت یہ ہے کہ اس کتاب کے نازل کرنے کا مقصد لوگوں کے مابین بلا امتیاز حق و انصاف سے فیصلہ کرنا ہے مسلم یا غیر مسلم۔ قوم یا برادری کا لحاظ نہیں کرنا۔ یہ مضمون لتحکم بین الناس سے معلوم ہوا۔

تیسری ہدایت یہ ہے کہ آپ اس کے موافق فیصلہ کیا کریں جو اللہ نے آپ کو دکھایا ہے اس سے مراد وحی ہے اور آپ پر جو وحی اتاری گئی تھی وہ دو قسم کی تھی۔ ایک وحی جلی جیسے قرآن مجید۔ اور دوسری وحی خفی تھی۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ وحی جلی کے الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اور مضامین بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ اور وحی خفی کے مضامین تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اور الفاظ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوتے ہیں۔ پس اس لحاظ سے جب کہ وحی خفی کا مضمون اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے تو کہہ دیا جاتا ہے کہ وحی خفی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے جیسا کہ ایک ڈاک خانہ کے بابو کے پاس جب کوئی تار کا مضمون لکھ کر لے جاتا ہے تو وہ بابو من وعن وہ مضمون دوسرے ڈاک خانے کے بابو کے پاس نہیں پہنچاتا بلکہ وہ اپنے الفاظ میں اس مضمون کو ترتیب دے کر اس دوسرے تک پہنچائے گا اور پھر وہ اپنے الفاظ میں اس کو ترتیب دے کر مرسل الیہ تک پہنچائیگا مگر اب یہ کوئی نہیں کہتا کہ فلاں ڈاک خانے کے بابو کا تار آیا ہے بلکہ اصل مرسل کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے جس کا وہ مضمون ہے

اسی طرح یہاں احادیث کے معاملہ میں بھی یہی کہا جاتا ہے کہ احادیث بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں کیونکہ وہ مضامین اس کی طرف ہیں اور اسی طرح اللہ تعالےٰ نے آپ کو اجتہاد کا بھی اختیار دیا ہوا تھا، کہ آپ اپنے اجتہاد سے فیصلے کریں۔ یہ تینوں مضامین (وحی جلی، اور اجتہاد) بما اراک اللہ سے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر آپ کے اجتہاد کی حیثیت بھی عام مجتہدین کے اجتہاد جیسی نہیں تھی کہ جس میں غلطی کا احتمال بھی ہو بلکہ جہاں اجتہاد میں آپ کو غلطی لگ جاتی تھی تو اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ آگاہ فرما دیتے تھے۔

جیسا کہ اس کی ایک مثال یہی واقعہ ہے کہ آپ نے پہلے یہودی کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ بظاہر قرائن یہی بتا رہے تھے کہ یہودی کے گھر تک آٹا جانے کی علامات بھی پائی گئی تھیں اور سامان مسروقہ بھی اسی کے گھر سے برآمد ہوا تھا مگر ابھی آپ نے یہودی کا ہاتھ کاٹنے کی سزا پر عمل نہیں کیا تھا کہ فوراً وحی اُتر آئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہودی بے قصور ہے تو اب سزا نافذ ہونی تھی اصل مجرم پر جس کا نام طعمہ یا بشیر لکھا ہے تو وہ مدینہ سے فرار ہو گیا۔

اسی طرح کی اور بھی کئی مثالیں ہیں جہاں آپ کو اجتہاد میں غلطی لگی تو اللہ تعالیٰ نے وحی سے آپ کو آگاہ فرمایا ہے مگر طوالت سے بچنے کے لیے ہم صرف اس ایک پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور جہاں آپ کا اجتہاد صحیح ہوتا تھا وہاں وحی نہیں آتی تھی۔ اس سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ یہ اجتہاد صحیح ہے بہرحال یہ سارا مضمون بما اراک اللہ سے نکلتا ہے چوتھی ہدایت آپ کو یہ تھی کہ آپ خیانت کرنے والوں کی طرفداری

نہ کریں ۔ اور یہ مضمون ولا تکن للخائنین خصیما سے واضح ہوتا ہے ۔ آپ نے قصداً اگرچہ خائنین کی طرف داری تو نہیں کی تھی لیکن انہوں نے آپ کو دھوکہ دیا تھا جس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے اور آپ نے مالکوں کو ڈانٹ دیا تھا کہ تم نے ان پر کیوں الزام لگایا ہے حالانکہ چور تو یہودی ہے تو اس طرح ان کی طرف داری بن گئی تو اللہ تعالے نے آپ کو آگاہ فرما دیا ۔

اور آپ کو پانچویں ہدایت یہ دی گئی ہے کہ اجتہاد بما اراک اللہ کی روشنی میں ہونا چاہیئے ۔ یعنی وحی جلی اور خفی کے تحت دلالت النص، اشارۃ النص یا اقتضاء النص سے مسئلہ معلوم کرنا ہے ۔ اپنی ذاتی رائے سے نہ ہو ۔ کیونکہ یہ اتباع ہوا ہو جائے گی ۔ اور جناب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ من قال فی القرآن برائہ فلیتبوأ مقعدہ من النار، جو قرآن میں اپنی رائے سے بات کرے گا وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں تلاش کرے ۔

چھٹی ہدایت آپ کو یہ دی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ۔ وہ آپ کو معاف کر دیگا لیکن سوال یہ ہے کہ کس بات کی معافی مانگیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں جو آپ سے خطا اجتہادی ہو گئی تھی اس پر معافی مانگنے کا حکم ہے ۔ اور آیت ۱۰۷ ولا تکن للخائنین خصیما کی تاکید مزید ہے کہ آپ دغابازوں کی طرف سے جھگڑا مت کریں وہ لوگ اللہ تعالے کو اچھے نہیں لگتے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ خائنین اور جرائم پیشہ لوگوں کی طرف سے وکالت بھی ناجائز ہے اور جب نبی کے لیے اس وکالت کی اجازت

ہے کہ ایسے خائنین اللہ سے اپنے عیوب چھپاتے ہیں لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ اللہ تعالےٰ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اس نے ان کے تمام اعمال کو گھیرا ہوا ہے۔ اور آیت ۱۰۹ میں یہ فرمایا ہے کہ اگر دنیا میں کسی نے ان کی طرف سے جھگڑا کر بھی لیا تو قیامت میں تو ان کی طرف سے کوئی وکالت نہیں کر سکے گا۔ اور آیت ۱۱۰ میں یہ بتایا ہے کہ گناہ کے بعد اگر کوئی معافی مانگے تو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتے ہیں۔ اور آیت ۱۱۱ میں یہ بتایا ہے کہ اگر وہ معافی نہ مانگے تو اس کے گناہ کا وبال اس پر پڑے گا۔ اور آیت ۱۱۲ میں یہ بتایا ہے کہ اگر کوئی گناہ کرے دوسرے پر الزام لگائے تو اس کا وبال بھی اس پر پڑے گا۔ اور آیت ۱۱۳ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر یہ فضل اور رحم ہو گیا ہے کہ اس نے آپ کے ہاتھ کو ظلم سے بچا لیا ہے ورنہ ان منافقین نے تو آپ کو فریب دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اور پھر خود ہی پروپیگنڈا کرتے کہ یہ کیسا نبی ہے جو بے قصوروں پر شرعی حد نافذ کرتا پھرتا ہے۔ سچے اور جھوٹے میں امتیاز نہیں کر سکتا۔

بہرحال یہ عدل و انصاف کا اعلیٰ ترین اور فقید المثال نمونہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے بے شعوری میں بھی ظلم صادر نہیں ہونے دیا اور یہودی جو ایک کافر اور مشرک تھا اس پر بھی زیادتی نہیں ہونے دی۔ اور اسے سزا سے بچا لیا۔ اور یہ واقعہ جو چوری کے متعلق ہے اس کا ذکر احادیث میں ہے جو ان آیات کے شان نزول کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ قرآن مجید کی ان آیات میں چوری کا ذکر نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان آیات میں جو عدل و انصاف

کا حکم ہے یہ عام ہے۔ صرف چوری کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور اگر چوری کا ذکر کر دیا جاتا تو حکم عدل چوری کے ساتھ مخصوص ہو جاتا۔

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ	اور ہم نے تجھ پر سچی کتاب
الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ	اتاری جو اپنے سے پہلی
مُصَدِّقًا لِّمَا	کتابوں کی تصدیق کرنے
بَيْنَ يَدَيْهِ	والی ہے۔ اور ان کے
مِنَ الْكِتٰبِ	مضامین پر نگہبانی کرنے
وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ	والی ہے۔ سو تو ان میں
فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ	اس کے موافق حکم کر جو
بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ	اللہ نے اتارا ہے۔ اور
وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ	ان کی خواہشات کی پیروی
عَمَّا جَآءَكَ	نہ کر اس لیے کہ تیرے
مِنَ الْحَقِّ ط	پاس حق آگیا ہے۔ ہم نے
لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ	تم میں سے ہر ایک کے
شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا	لیے ایک شریعت اور
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ	ایک واضح راہ مقرر کر دی
لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً	ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو تم
وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ	سب کو ایک ہی امت
لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ	بنا دیتا لیکن وہ تمہیں اپنے
مَآ اٰتٰكُمْ	دیئے ہوئے حکموں میں
فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ط	آزماتا ہے۔ لہٰذا نیکیوں میں

إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ
جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ
بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ
تَخْتَلِفُونَ ۝ وَأَنِ
احْكُمْ بَيْنَهُمْ
بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ
وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ
وَاحْذَرْهُمْ أَنْ
يَفْتِنُوكَ عَنْ
بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ
إِلَيْكَ ط فَإِنْ
تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ
أَنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ
أَنْ يُصِيبَهُمْ
بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ ط
وَإِنَّ كَثِيرًا
مِنَ النَّاسِ
لَفَاسِقُونَ ۝ أَفَحُكْمَ
الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۝
وَمَنْ أَحْسَنُ
مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا

ایک دوسرے سے بڑھنے
کی کوشش کرو۔ تم سب
کو اللہ کے پاس پہنچنا ہے
پھر تمہیں جتائے گا جس
میں تم اختلاف کرتے
تھے اور کہ تم اس کے موافق
حکم کرو جو اللہ نے اتارا
ہے اور ان کی خواہشوں
کی پیروی نہ کر۔ اور ان
سے بچتا رہ کہ تجھے کسی
ایسے حکم سے بہکا نہ دیں جو
اللہ نے تیری طرف اتارا
ہے۔ پھر اگر یہ منہ موڑ لیں
تو جان لو کہ اللہ کا ارادہ
انہیں ان کے بعض گناہوں
کی پاداش میں مصیبت میں
مبتلا کرنے کا ہے۔ اور
بے شک ان لوگوں میں
بہت سے نافرمان ہیں تو
کیا پھر جاہلیۃ کا فیصلہ چاہتے
ہیں۔ حالانکہ جو لوگ یقین

لِّقَوْمٍ يُوْقِنُوْنَ ٥ رکھنے والے ہیں ان کے
(سورۃ المائدہ آیت ۴۸ تا ۵۰) ہاں اللہ سے بہتر کوئی فیصلہ
کرنے والا نہیں ہے۔

تفسیر

اس سے پہلے سورۃ نساء کی آیات متعلقہ عدل وانصاف کی تشریح بیان ہوئی ہے ان میں تو قرآن مجید کے نزول کا مقصد بیان فرمایا ہے کہ قرآن مجید اس لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ اس کے ذریعہ لوگوں میں عدل وانصاف کے فیصلے کریں۔ اور یہاں سورۃ مائدہ کی آیات ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھ چیزیں بتائی ہیں۔

پہلی چیز یہ ہے کہ قرآن مجید پہلی کتابوں کا مصدّق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جناب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے جتنے انبیاء علیہم السلام پر جو کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے ہیں اور ان میں جو عقائد اور اصول وضوابط بیان فرمائے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی وہی عقائد اور اصول وضوابط ہیں اور ان اصولوں میں سے عدل وانصاف بھی ہے اور یہ قرآن مجید کے نازل کرنے سے پہلے لوگوں نے ان اصولوں کو نظر انداز کر دیا تھا اور اب آپ پر یہ نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ ان اصولوں کا احیا فرمائیں۔

دوسری چیز یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان آیات میں دو مرتبہ جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کتاب کے موافق فیصلہ کرنیکا حکم دیا ہے۔

تیسری چیز آپ کو دو مرتبہ لوگوں کی خواہشات کی اتباع سے

روکا گیا ہے اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ چونکہ وہ لوگ اللہ تعالےٰ کے دینِ قانون اور نظام کو پسند نہیں کرتے اس لیے وہ تجھے بھی اس سے روکنا چاہتے ہیں۔

چوتھی چیز یہ بیان فرمائی کہ اگر یہ لوگ آپ کے نافذ کردہ فیصلے نہیں مانیں گے تو پھر اس کی سزا خدا خود ان کو دے گا۔ کیونکہ ان لوگوں کی اکثریت جرائم پیشہ ہے۔

پانچویں چیز یہ بیان فرمائی کہ جاہلیت کے فیصلے اب ان کو نہیں تلاش کرنا چاہیئے۔ یعنی نظام اسلام کے اترنے سے پہلے لوگوں نے اپنے مابین جھگڑے ختم کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی اصول تو بنائے ہوئے تھے مگر وہ جاہل قسم کے انسانوں کے خود ساختہ تھے۔

چھٹی چیز یہ بتائی کہ قرآن مجید جو ہے یہ تو رب العٰلمین کا نازل کردہ ہے جو سراپا عدل ہے اور لوگوں کے مابین فیصلوں کے لیے اس سے اچھی کوئی کتاب نہیں ہے۔ اور اس سے ثابت ہوا کہ آج دنیا میں جو بھی نظام مروج ہیں وہ سب ظالمانہ اور جاہلانہ ہیں اور قرآن مجید کے عادلانہ نظام کو چھوڑ دیا ہے اس لیے پوری دنیا قعرِ مذلت میں گر گئی ہے۔ یہ وہی نظام عدل ہے کہ جس پر عمل کرا کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گری ہوئی قوم کو اونچا کیا۔ اور آج یہ وہی قوم ہے جو اس قرآن کو چھوڑ کر ذلیل و خوار ہوگئی ہے۔

وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ	کہہ دو میں اس کتاب پر ایمان
اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ	لایا ہوں جو اللہ نے اتاری۔
كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ	اور مجھے حکم ملا ہے کہ تمہارے

لِاَعۡدِلَ بَيۡنَكُمۡ	درمیان انصاف سے فیصلہ
اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمۡ	کروں۔ اللہ ہمارا اور تمہارا
لَنَآ اَعۡمَالُنَا وَلَكُمۡ	رب ہے۔ ہمارے اعمال
اَعۡمَالُكُمۡ لَا حُجَّةَ	ہمارے لیے اور تمہارے
بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ	اعمال تمہارے لیے۔ ہمارے
اَللّٰهُ يَجۡمَعُ بَيۡنَنَا	درمیان اور تمہارے درمیان
وَاِلَيۡهِ الۡمَصِيۡرُ	کوئی جھگڑا نہیں ہے اللہ ہم
(سورۃ شوریٰ آیت ۱۵)	سب کو جمع کرے گا اسی
	کی طرف لوٹنا ہے۔

تفسیر

اس آیت میں سات چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ اس میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ملا ہے کہ آپ اعلان کریں کہ میں اللہ کی کتاب مانتا ہوں اور آپ کی وساطت سے امت کو حکم ہے کہ صرف اللہ کی کتاب کے احکام مانو اور کسی حکومت کا قانون نہ مانو۔ اور دوسری چیز یہ ہے کہ اعلان کرو کہ میں اس کتاب کے ذریعے تمہارے درمیان انصاف سے فیصلے کروں گا۔ ان فیصلوں کو مانو۔ پہلا فیصلہ یہ ہے کہ اللہ ہم سب کا رب ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بعض لوگ انبیاء پیروں اور مولویوں کو رب مانتے تھے اس نظریہ کی تردید ہے۔ اور دوسرا فیصلہ یہ ہے کہ ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے۔ یہ بھی ایک غلط

نظریہ کی تردید ہے۔ بعض لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ برے لوگوں کے گناہ نیک لوگوں پر ڈالے جاتے ہیں جیسا کہ عیسائی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہمارے تاقیامت ہونے والے گناہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ڈال دیئے گئے ہیں۔ اور تیسرا فیصلہ یہ ہے کہ ہمارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہے اور چوتھا فیصلہ یہ ہے کہ اللہ ہم سب کو جمع کرے گا۔ اور پانچواں فیصلہ یہ ہے کہ ہم سب نے اس کی طرف لوٹنا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے درمیان عقائد، مذہبی اور دنیاوی فیصلوں کے لیے مبعوث فرمایا ہے اور آپ عدل وانصاف کا پیکر ہیں۔

مسلم حکام کو عادلانہ فیصلوں کا حکم

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ	بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں
اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ	حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت
اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا	والوں کو پہنچا دو۔ اور
حَكَمْتُمْ بَيْنَ	جب لوگوں کے درمیان
النَّاسِ اَنْ	فیصلہ کرو تو انصاف
تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ	سے فیصلہ کرو بے شک
اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا	اللہ تمہیں نہایت اچھی
يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ	نصیحت کرتا ہے بیشک
كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ○	اللہ سننے والا دیکھنے

(سورۃ النساء آیت ۵۸) والا ہے۔

آیت کا شانِ نزول

اس آیت کریمہ کا شانِ نزول ایک خاص واقعہ ہے کہ کعبہ کی خدمت اسلام سے پہلے بھی بڑی عزت سمجھی جاتی تھی اور جو لوگ بیت اللہ کی کسی خاص خدمت کے لیے منتخب ہوتے تھے وہ پوری قوم میں معزز اور ممتاز مانے جاتے تھے۔ اسی لیے بیت اللہ کی مختلف خدمتیں مختلف لوگوں میں تقسیم کی جاتی تھیں۔ زمانۂ جاہلیت سے ایام حج میں حجاج کرام کو زمزم کا پانی پلانے کی خدمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمّ محترم حضرت عباس رضؓ کے سپرد تھی جس کو سقایہ کہا جاتا تھا۔ اسی طرح اور بعض خدمتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے چچا ابوطالب کے سپرد تھیں۔ اسی طرح بیت اللہ کی کنجی رکھنا اور ایام حج میں کھولنا اور بند کرنا عثمان بن طلحہ سے متعلق تھا۔ عثمان بن طلحہ کا اپنا بیان ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ہم پیر اور جمعرات کے روز بیت اللہ کو کھولا کرتے تھے۔ اور لوگ اس میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کرتے تھے۔ ہجرت سے ایک روز پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کچھ صحابہ کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہونے کے لیے تشریف لائے (اس وقت تک عثمان بن طلحہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے) انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر جانے سے روکا اور انتہائی ترشی دکھائی۔ آپ نے بڑی بردباری کے ساتھ اس کے سخت کلمات کو برداشت کیا۔ پھر فرمایا۔ اے عثمان شاید تم ایک روز یہ بیت اللہ کی کنجی میرے ہاتھ میں دیکھو گے۔ جبکہ

مجھے اختیار ہوگا کہ جس کو چاہوں سپرد کردوں۔ عثمان بن طلحہ نے کہا کہ اگر ایسا ہوگیا تو قریش ہلاک اور ذلیل ہوجائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں۔ اس وقت قریش آباد اور عزت والے ہوجائیں گے۔ آپؐ یہ کہتے ہوئے بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد جب میں نے اپنے دل کو ٹٹولا تو مجھے یقین سا ہوگیا کہ آپ نے جو کچھ فرمایا وہ ہو کر رہے گا۔

میں نے اسی وقت مسلمان ہونے کا ارادہ کرلیا لیکن میں نے اپنی قوم کے تیور بدلے ہوئے پائے۔ وہ سب کے سب مجھے سخت ملامت کرنے لگے۔ اس لیے میں اپنے ارادہ کو پورا نہ کرسکا۔ جب مکہ فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلاکر بیت اللہ کی کنجی طلب فرمائی میں نے پیش کردی۔ بعض روایات میں ہے کہ عثمان بن طلحہ کنجی لے کر بیت اللہ کے اوپر چڑھ گئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور زبردستی کنجی ان کے ہاتھ سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی۔ بیت میں داخلہ اور وہاں نماز پڑھنے کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو پھر مجھ کو کنجی واپس کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ لو اب یہ کنجی ہمیشہ تمہارے ہی خاندان کے پاس تاقیامت رہے گی۔ جو شخص تم سے یہ کنجی لے گا وہ ظالم ہوگا۔ مقصد یہ تھا کہ کسی دوسرے شخص کو اس کا حق نہیں کہ تم سے یہ کنجی لے لے۔ اس کے ساتھ یہ ہدایت فرمائی کہ بیت اللہ کی اس خدمت کے صلہ میں جو مال مل جائے اس کو شرعی قاعدہ کے موافق استعمال کرو۔

عثمان بن طلحہ کہتے ہیں کہ جب میں کنجی لے کر خوشی خوشی چلنے لگا تو آپؐ نے پھر مجھے آواز دی اور فرمایا۔ کیوں عثمان جو بات میں نے

کہی تھی وہ پوری ہوئی یا نہیں ؟ اب مجھے وہ بات یاد آگئی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے فرمائی تھی کہ ایک روز تم یہ کنجی میرے ہاتھ میں دیکھو گے ۔ میں نے عرض کیا کہ بے شک آپکا ارشاد پورا ہوا ۔ اور اسی وقت میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا ۔

مظہری بروایت ابن سعد، حضرت فاروق اعظم عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس روز جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ سے باہر تشریف لائے تو یہ آیت آپ کی زبان پر تھی ۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَھْلِھَا ۔ اس سے پہلے میں نے یہ آیت کبھی آپ کی زبان سے نہ سُنی تھی ۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ آیت اس وقت جوف خانہ کعبہ میں نازل ہوئی تھی ۔ اسی آیت کی تعمیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ عثمان بن طلحہ کو بلا کر کنجی ان کے سپرد کی ۔ کیونکہ عثمان بن طلحہ نے جب یہ کنجی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی تو یہ کہہ کر دی تھی کہ میں یہ امانت آپ کے سپرد کرتا ہوں ۔ اگرچہ ضابطہ کی رُو سے اس کا یہ کہنا صحیح نہ تھا ۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح کا اختیار تھا کہ جو چاہیں کریں ۔ لیکن قرآن کریم نے صورت امانت کی رعایت فرمائی ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی ہدایت فرمائی کہ کنجی عثمان بن طلحہ ہی کو واپس فرما دیں ۔ حالانکہ اس وقت حضرت عباس، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی تھی کہ جسطرح بیت اللہ کی خدمت سقایہ اور سدانہ ہمارے پاس ہے ۔ یہ کنجی بھی برادری کی خدمت کے لیے ہمیں عطا فرما دیجئے ۔ مگر آیت مذکورہ کی ہدایت کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست رد کر کے کنجی عثمان

بن طلحہ کو واپس فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

یہاں تک آیت کے شانِ نزول پر کلام تھا۔ اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آیت کا شانِ نزول ایک خاص واقعہ ہوتا ہے لیکن حکم عام ہوتا ہے جس کی پابندی پوری امت کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ اب اس کے معنی اور مطلب سنئے۔ ارشاد ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے، کہ امانتیں ان کے مستحقین کو پہنچایا کرو۔ اس حکم کا مخاطب ایک عام مسلمان بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ خاص حکام اور امراء مخاطب ہوں اور زیادہ ظاہر یہی ہے کہ ہر وہ شخص مخاطب ہے جو کسی امانت کا امین ہے۔ اس میں عوام بھی داخل ہیں اور حکام بھی۔ حاصل اس ارشاد کا یہ ہے کہ جس کے ہاتھ میں کوئی امانت ہے اس پر لازم ہے کہ یہ امانت اس کے اہل اور مستحق کو پہنچا دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادائیگی امانت کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔

حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ بہت کم ایسا ہوگا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خطبہ دیا ہو اور اس میں یہ ارشاد نہ فرمایا ہو۔ لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَۃَ لَہٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَھْدَ لَہٗ ۔ یعنی جس میں امانت داری نہیں اس میں ایمان نہیں۔ اور جس شخص میں معاہدہ کی پابندی نہیں اس میں دین نہیں۔ (یہ روایت بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کی ہے) اس سے معلوم ہوا کہ خیانت نفاق کی علامت ہے۔

بخاری اور مسلم میں حضرت ابو ہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز نفاق کی

علامتیں بتلاتے ہوئے ایک علامت یہ بتلائی کہ جب امانت اس کے پاس رکھی جائے تو خیانت کرے

امانات کی قسمیں

اس جگہ یہ بات غور طلب ہے کہ قرآن حکیم نے لفظ امانات بصیغۂ جمع استعمال فرمایا ہے جس میں اشارہ ہے کہ امانت صرف یہی نہیں کہ کسی کا کوئی مال کسی کے پاس رکھا ہوا ہو جس کو عام طور پر امانت کہا اور سمجھا جاتا ہے بلکہ امانت کی کچھ اور قسمیں بھی ہیں۔ جو واقعہ ابھی آیت کے نزول کا ذکر کیا گیا ہے خود اس میں بھی کوئی امانت نہیں۔ بیت اللہ کی کنجی کوئی خاص مال نہ تھا۔ بلکہ یہ کنجی خدمت بیت اللہ کے ایک عہدہ کی نشانی تھی۔ ا

اس سے معلوم ہوا کہ حکومت کے عہدے اور منصب جتنے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں۔ جس کے امین وہ حکام اور افسر ہیں جن کے ہاتھ عزل و نصب کے اختیارات ہیں ان کے لیے جائز نہیں کہ کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کے سپرد کریں جو اپنی عملی یا علمی قابلیت کے اعتبار سے اس کا اہل نہیں ہے۔ بلکہ ان پر لازم ہے کہ ہر کام اور عہدہ کے لیے اپنے دائرہ حکومت میں اس کے مستحق کو تلاش کریں۔ پوری اہلیت والا سب شرائط کا جامع کوئی نہ ملے تو موجودہ لوگوں میں قابلیت اور امانت داری کے لحاظ سے جو سب سے زیادہ فائق ہو اسکو ترجیح دی جائے۔ ایک اور حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

ہے کہ جس شخص کو عام مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص کو محض دوستی اور تعلق کی مد میں بغیر اہلیت معلوم کیے ہوئے دیدیا اس پہ اللہ کی لعنت ہے۔ نہ اس کا فرض مقبول ہے نہ نفل یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل ہوجائے۔ (جمع الفوائد ص ۳۲۵)

بعض روایات میں ہے کہ جس شخص نے کوئی عہدہ کسی شخص کے سپرد کیا حالانکہ اس کے علم میں تھا کہ دوسرا آدمی اس عہدہ کے لیے اس سے زیادہ قابل اور اہل ہے تو اس نے اللہ کی خیانت کی اور رسول کی اور مسلمانوں کی۔ آج جہاں بھی نظام حکومت کی ابتری نظر آتی ہے وہ سب اس قرآنی تعلیم کو نظر انداز کردینے کا نتیجہ ہے کہ تعلقات سفارشوں اور رشوتوں سے عہدے تقسیم کیے جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نااہل اور ناقابل لوگ عہدوں پر قابض ہوکر خلق خدا کو پریشان کرتے ہیں اور سارا نظام حکومت برباد ہوجاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ۔ یعنی جب دیکھو کہ کاموں کی ذمہ داری ایسے لوگوں کے سپرد کردی گئی جو اس کام کے اہل اور قابل نہیں تو (اب فساد کا کوئی علاج نہیں) قیامت کا انتظار کرو۔ (یہ ہدایت صحیح بخاری کتاب العلم میں ہے)

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے لفظ امانات بصیغہ جمع لاکر اس کی طرف اشارہ کردیا کہ امانت صرف اسی کا نام نہیں کہ ایک شخص کا مال دوسرے شخص کے پاس بطور امانت رکھا ہو۔ بلکہ امانت کی بہت سی قسمیں ہیں جس میں حکومت کے عہدے بھی داخل ہیں۔ ایک اور حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے المجالس بالامانۃ۔ یعنی

مجلسیں امانت داری کے ساتھ ہونی چاہیئں۔ مطلب یہ ہے کہ جو بات مجلس میں کہی جائے وہ اسی مجلس کی امانت ہے۔ ان کی اجازت کے بغیر اس کو دوسروں سے نقل کرنا اور پھیلانا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں ہے: اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمِنٌ۔ یعنی جس شخص سے کوئی مشورہ لیا جائے وہ امین ہے۔ اس پر لازم ہے کہ مشورہ وُہی دے جو اس کے نزدیک مشورہ لینے والے کے حق میں مفید اور بہتر ہو اگر جانتے ہوئے خلاف مشورہ دیا تو امانت میں خیانت کا مرتکب ہوگا۔ اسی طرح کسی نے آپ سے اپنا راز کہا تو وہ اس کی امانت ہے بغیر اس کی اجازت کے کسی سے کہہ دینا خیانت ہے۔ آیت مذکورہ میں ان سب امانتوں کا حق ادا کرنے کی تاکید ہے۔ یہاں تک پہلی آیت کے ابتدائی جملہ کی تفسیر تھی۔ آگے پہلی آیت کے دوسرے جملہ کی تفسیر ہے۔

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ۔ یعنی جب تم لوگوں کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرنے لگو تو عدل وانصاف کے ساتھ کیا کرو۔ اس کا خطاب حکام اور امراء کو ہے جو خصومات ومقدمات کا فیصلہ کیا کرتے ہیں۔ اور اسی قرینہ سے بعض حضرات نے پہلے جملہ کا مخاطب بھی حکام اور امراء کو قرار دیا ہے۔ اگرچہ پہلے جملہ کی طرح اس میں بھی گنجائش اس کی موجود ہے۔ کہ حکام وعوام دونوں اس خطاب میں شامل ہوں۔ کیونکہ عوام میں اکثر فریقین کسی کو ثالث بنا کر فیصلہ کردیا کرتے ہیں۔ اسی طرح جھگڑوں کا فیصلہ کرنا عوام میں بھی پایا جاسکتا ہے۔ مگر اس میں شبہ نہیں کہ اوّل نظر میں ان دونوں جملوں کے مخاطب اوّل حکام اور امراء ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اس لیے کہا جاسکتا

ہے کہ ان کے مخاطب اوّل حکام اور امراء ہیں۔ اور ثانیاً یہ خطاب ہر اس شخص کے لیے بھی ہے جس کے پاس لوگوں کی امانتیں ہوں۔ اور جس کو کسی مقدمہ کا ثالث بنا دیا جائے۔ اور اس جملہ میں حق تعالےٰ نے بین النّاس فرمایا ہے۔ بین المسلمین یا بین المؤمنین نہیں فرمایا۔ اس میں ارشاد فرما دیا کہ مقدمات کے فیصلوں میں سب انسان مساوی ہیں۔ مسلم یا غیر مسلم، دوست ہوں یا دشمن، اپنے ہم وطن، ہم رنگ، ہم زبان یا غیر۔ فیصلہ کرنے والوں کا فرض ہے کہ ان تعلقات سے الگ ہو کر جو بھی حق و انصاف کا تقاضا ہو وہ فیصلہ کریں۔ غرض آیت کے پہلے جملہ میں ادائے امانات کا حکم ہے اور دوسرے میں عدل و انصاف کا۔ ان میں ادائے امانات کو مقدم کیا گیا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ پورے ملک میں عدل و انصاف کا قیام اس کے بغیر ہو نہیں سکتا۔ کہ جس کے ہاتھ میں ملک کا اقتدار ہے وہ پہلے ادائے امانات کا فریضہ صحیح طور پر ادا کریں۔ یعنی حکومت کے عہدوں پر صرف انہی لوگوں کو مقرر کریں جو صلاحیت کار اور امانت و دیانت کی رُو سے اس عہدہ کے لیے سب سے زیادہ بہتر نظر آئیں۔ دوستی اور تعلقات یا محض سفارش یا رشوت کو اس میں راہ نہ دیں ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ نااہل، نا قابل یا خائن اور ظالم لوگ عہدوں پر قابض ہو جائینگے پھر اگر ارباب اقتدار دل سے بھی یہ چاہیں کہ ملک میں عدل و انصاف کا رواج ہو تو یہ ان کے لیے ناممکن ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ عہدہ داران حکومت ہی حکومت کے ہاتھ اور پیر ہیں۔ جب یہ خائن یا نا قابل ہوئے تو عدل و انصاف قائم کرنیکی کیا راہ ہے۔

اس آیت میں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس

ہیں حق جل شانہ نے حکومت کے عہدوں کو بھی امانت قرار دیکر اول تو یہ واضح فرمادیا کہ جس طرح امانت صرف اس کو ادا کرنا چاہیئے جو اس کا مالک ہے۔ کسی فقیر مسکین پر رحم کھاکر کسی کی امانت اس کو دینا جائز نہیں۔ اس طرح حکومت کے عہدے جن کے ساتھ عام خلق خدا کا کام متعلق ہوتا ہے یہ بھی امانتیں ہیں۔ اور ان امانتوں کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو اپنی صلاحیت اور قابلیت واستعداد کے اعتبار سے بھی اس عہدے کے لیے مناسب اور موجودہ لوگوں میں سب سے بہتر ہوں۔ اور دیانت اور امانت کے اعتبار سے بھی سب میں بہتر ہوں ان کے سوا کسی دوسرے کو یہ عہدہ سپرد کر دیا تو یہ امانت ادا نہ ہوں گی۔

دستورِ مملکت کے چند زرّیں اصول

اس طرح اس مختصر آیت میں دستور مملکت کے چند بنیادی اصول آگئے جو مندرجہ ذیل ہیں۔ اول یہ ہے کہ پہلا جملہ ان اللہ یامرکم سے شروع فرماکر اس طرف اشارہ فرمادیا کہ اصل حکم اور امر اللہ تعالےٰ کا ہے۔ سلاطین دنیا سب اسکے مامور کردہ ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ ملک میں اقتدار اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔

اور دوسرا اصول یہ ہے کہ حکومت کے عہدے باشندگان ملک کے حقوق نہیں جن کو تناسب آبادی کے اصول پر تقسیم کیا جائے بلکہ اللہ کی طرف سے دی ہوئی امانتیں ہیں جو ان کے اہل اور لائق کو دیئے جا سکتے ہیں۔

تیسرا اصول یہ ہے کہ زمین پر انسان کی حکمرانی صرف ایک نائب وامین کی حیثیت سے ہوسکتی ہے۔ وہ ملک کی قانون سازی میں اس اصول کا پابند رہے گا جو حاکم مطلق حق تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی بتلادیئے گئے ہیں۔

اور چوتھا اصول یہ ہے کہ حکام امراء کا فرض ہے کہ جب کوئی مقدمہ ان کے پاس آئے تو نسل و وطن، رنگ و زبان یہاں تک کہ مذہب و مسلک کا امتیاز کئے بغیر عدل وانصاف کا فیصلہ کرے۔ اس آیت میں دستور مملکت کے زرّیں اصول بتلاکر آخر میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو جو نصیحت کی ہے وہ بہت ہی اچھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کی سنتا ہے اور جو بولنے اور فریاد کرنے پر بھی قدرت نہ رکھتا ہو اس کے حالات کو خود دیکھتا ہے۔ اس لیے اس کے بتلائے ہوئے اور بنائے ہوئے اصول ہی ایسے ہیں جو ہمیشہ ہر ملک میں اور ہر دور میں قابل عمل ہوسکتے ہیں۔ انسان کے بنائے ہوئے اصول و دستور اپنے ماحول کے اندر محدود ہوا کرتے ہیں اور تغیّر حالات کے بعد ان کا بدلنا ناگزیر ہوتا ہے۔

(اس آیت کریمہ کی پوری تفسیر معارف القرآن مؤلفہ مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ سے نقل کی گئی ہے)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا عدل

حضرت عُروہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فتح مکہ کے موقع پر چوری کی، اس عورت کی قوم گھبرائی ہوئی حضرت اُسامہ بن زیدؓ کے پاس پہنچی اور ان سے سفارش کی درخواست کی حضرت عُروہؓ کہتے ہیں کہ جب حضورؐ سے اس عورت کے بارے میں حضرت اسامہؓ نے گفتگو کی، آپؐ کے چہرۂ مبارک کا رنگ (مارے غصہ کے) بدل گیا، اور آپؐ نے فرمایا کیا تم مجھ سے اللہ کی قائم کردہ حدود میں سے حد کے بارے میں (رعایت کی) گفتگو کرتے ہو؟ حضرت اُسامہؓ نے عرض کیا میرے لیے یا رسول اللہ! مغفرت طلب کیجئے، جب شام کا وقت ہوا تو آنحضرتؐ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے آپؐ نے اللہ کی ثناء کی جس کا کہ اللہ پاک مستحق ہے۔ اس کے بعد فرمایا:-

"امابعد! پہلے لوگ بیشک اس سبب سے ہلاک ہوئے کہ ان کا حال یہ تھا جب ان میں کوئی شریف چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب ان میں کوئی کمزور چوری کرتا اس پر حد قائم کرتے، اور قسم اس ذات کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان اس کے قبضۂ قدرت میں ہے اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی چوری کریگی تو ان کا ہاتھ بھی کاٹ دوں گا۔"

اس کے بعد آنحضرتؐ نے اس عورت کے بارے میں حکم دیا سو اس کا ہاتھ کاٹا گیا، پھر اس عورت کی توبہ اس کے بعد بڑی اچھی رہی اور

اس نے شادی کرلی، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد وہ آیا کرتی تھی اور میں اس کی حاجت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرتی تھیں۔[1]

حضرت ابو قتادہ[2] رضؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضورؐ کے ہمراہ حنین کے سال نکلے، جب ہماری دشمنوں سے ڈبھیڑ ہوئی تو مسلمان شکست کھا کر حملہ آور ہوئے، میں نے دیکھا کہ مشرکین میں سے ایک آدمی مسلمانوں میں سے ایک آدمی پر چڑھ بیٹھا۔ میں نے اس مشرک کی گردن کی موٹی رگ پر تلوار ماری اور میں نے اس کی زرہ تک کاٹ دی وہ مشرک میرے اوپر لپکا اور مجھے اس قدر زور سے بھینچا کہ اس بھینچنے سے مجھے موت کی بو محسوس ہوئی اتنے میں وہ موت کے پنجہ میں گرفتار ہوگیا تو مجھے چھوڑ دیا پھر میں حضرت عمرؓ سے ملا میں نے ان سے پوچھا کہ لوگوں کا کیا حال ہے؟ کہا اللہ کی مرضی اور لوگ لوٹ آئے تھے آنحضورؐ بیٹھ گئے اور آپؐ نے فرمایا جس نے کسی کو قتل کیا ہو اور اس کے پاس اس قتل کرنے کا گواہ ہو تو مقتول کا سامان قاتل لے لے، یہ سن کر میں کھڑا ہوا اور میں نے کہا ہے کوئی جو میرے لیے گواہی دے؟ پھر میں بیٹھ گیا، آنحضورؐ نے پھر وہی فرمایا میں نے پھر کہا ہے کوئی جو میرے لیے گواہی دے؟ اور بیٹھ گیا، سہ بارہ آپؐ نے پھر فرمایا میں نے پھر کہا ہے کوئی جو میرے لیے گواہی دے؟ میں یہ کہہ کر پھر بیٹھ گیا، چوتھی مرتبہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اسی طرح فرمایا پس میں کھڑا ہوا، آپؐ نے پوچھا اے ابو قتادہ! تیرا کیا قصہ ہے؟ میں نے آپؐ کو اطلاع دی ایک آدمی

---

[1] رواہ فی البخاری فی موضع آخر ومسلم من حدیث عائشہؓ کذا فی البدایۃ ج ۴ ص ۳۱۸ واخرجہ ایضا الاربعۃ عن عائشہ کما فی الترغیب ج ۴ ص ۲۶۔ [2] واخرج البخاری۔

نے کہا ابوقتادہؓ نے سچ کہا ہے۔ ان کا سلب (مقتول کا سامان) میرے پاس ہے ان کو کسی طرح سے مجھ سے راضی کر دیجئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا نہیں نہیں! خدا کی قسم ایسا نہ ہوگا کہ اس وقت حضورؐ اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر کی طرف جو اللہ اور اللہ کے رسول کی جانب سے قتل کرتا ہے قصد فرمائیں اور آپ اس کا سامان دے دیں، آنحضورؐ نے فرمایا ابوبکر نے سچ کہا ہے تو اس کا سامان اسے واپس کر چنانچہ اُس آدمی نے مجھے میرے مقتول کا سامان دیا۔ وہ سامان اتنا تھا کہ میں نے اس کے عوض میں بنی سلمہ میں کھجور کا ایک باغ خریدا، اور بیشک یہ وہ پہلا مال تھا جو میں نے اسلام میں داخل ہوکر جمع کیا اور حاصل کیا۔[1]

حضرت[2] عبداللہ بن ابی حدرد اسلمیؓ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی کے ان پر چار درہم تھے وہ یہودی آپؐ کے پاس استغاثہ لایا اور اس نے کہا اے محمدؐ! میرے عبداللہ پر چار درہم ہیں جن کے بارے میں یہ مجھ پر غالب آگیا، آپؐ نے فرمایا اے عبداللہ! اس کا حق اسے دے، میں نے عرض کیا قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے مجھے اس پر قدرت نہیں آپؐ نے فرمایا اسے اس کا حق دے۔ میں نے عرض کیا قسم اس ذات کی کہ میری جان اس کے ہاتھ میں ہے مجھے ان کی ادائیگی کی مقدرت نہیں اور میں اس سے کہہ چکا ہوں کہ آپ ہم لوگوں کو خیبر بھیجنے والے ہیں اور مجھے یہ امید ہے کہ ہم کو کچھ نہ کچھ مال غنیمت ضرور ملے گا۔ جب میں لوٹوں گا تو اس قرضہ کو ادا کر دونگا آپؐ نے فرمایا اسے اس کا حق دے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] واخرجہ ایضاً مسلم ج ۲ ص ۸۹ وابوداؤد ج ۲ ص ۱۶ والترمذی ج ۱ ص ۱۱۱ وابن ماجہ ص ۲۰۹، والبیہقی ج ۹ ص ۵۰۔ [2] واخرج ابن عساکر۔

جب کسی بات کو تین مرتبہ فرما دیتے تھے تو رجوع نہیں فرماتے تھے۔ پس عبداللہ بن ابی حدردؓ بازار کی طرف چلے اور ان کے سر پر پگڑی تھی اور یہ چادر کا تہ بند باندھے ہوئے تھے انہوں نے پگڑی اپنے سر سے اتاری اور اس کو تہ بند کی جگہ باندھا اور چادر نکال لی اور فرمایا کہ تو اس چادر کو مجھ سے خرید لے چنانچہ اس چادر کو اس یہودی کے ہاتھ چار درہم کے عوض میں بیچ دیا اتنے میں ایک بڑھیا گزری اور اس نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی! تمہیں کیا ہوا ہے؟ انہوں نے اس سے سارا قصہ کہہ سنایا اس بڑھیا نے کہا تو یہ چادر لے لے یعنی وہ چادر جو بڑھیا پر تھی، اور اس نے وہ چادر ان پر ڈال دی۔ [1]

حضرت ام سلمہؓ [2] فرماتی ہیں کہ انصار کے دو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسی میراث کے بارے میں جھگڑا لائے جس پر عرصہ گزر چکا تھا اور ان دونوں کے پاس گواہ نہیں تھا۔ حضورؐ نے فرمایا تم میرے پاس جھگڑا لے کر آئے ہو اور میں اپنی رائے سے اس چیز کے بارے میں فیصلہ کروں گا، کہ مجھ پر اس کے بارے میں وحی نہیں اتری ہے، پس جس کی موافقت میں میں اس کی حجت کی بنا پر فیصلہ دے دوں اور اس فیصلہ میں اس کے بھائی کے حق میں سے کچھ کٹتا ہو تو اس کو ہرگز نہ لے بجز اس کے اور کوئی بات نہ ہوگی کہ میں اسے ایک ٹکڑا کاٹ کر جہنم کا دے رہا ہوں جس کو وہ لے کر قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کی گردن میں یہ ٹکڑا چپکا ہوا ہوگا یہ سن کر وہ دونوں انصاری رو دیئے اور ان میں سے ہر ایک نے یہ کہا کہ یا رسول اللہ! میں نے

---

[1] کذا فی الکنز ج ۳ ص ۱۸۱ واخرجہ احمد ایضاً کما فی الاصابۃ ج ۲ ص ۲۹۵۔

[2] واخرج ابن ابی شیبۃ وابو سعید النقاش۔

اپنا حق اس کو دیا، یہ سُن کر حضورؐ نے فرمایا جب تم دونوں نے ایسا کیا ہے جو ابھی کیا تو تم دونوں جاؤ اور حق وانصاف کا ارادہ کرو اور تم دونوں تقسیم کرنے کے بعد قرعہ اندازی کرو اور اس کے بعد تم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کے لیے جو اُسے پہنچے اسے حلال کہہ دو۔ [1]

حضرت ابو سعیدؓ [2] فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ سے اس قرضہ کا مطالبہ کیا جو اس کا آپؐ کے ذمہ تھا اور آپؐ پر سختی کی یہاں تک کہ اس اعرابی نے کہا کہ میں آپ پر تنگی کروں گا مگر جب کہ آپ مجھے میرا قرضہ ادا کر دیں، آپؐ کے اصحابؓ نے اس اعرابی کو ڈانٹا اور کہا تجھ پر بڑا افسوس ہے کیا تو جانتا ہے کہ کس سے بات کر رہا ہے؟ اس اعرابی نے کہا میں تو اپنا حق طلب کر رہا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ صاحب حق کے ساتھ کیوں نہیں ہوئے؟ اس کے بعد آپؐ نے حضرت خولہ بنت قیسؓ کے پاس آدمی بھیج کر کہلوایا کہ اگر تمہارے پاس کھجوریں ہوں تو تم مجھے اس وقت تک کے لیے ادھار دے دو کہ ہمارے پاس کھجوریں آئیں اس وقت میں تمہیں ادا کر دوں گا۔ حضرت خولہؓ نے کہا بہت اچھا اور میرے ماں باپ آپ پر سے یا رسولؐ اللہ قربان جائیں آپؐ نے وہ کھجوریں ادھار لیں اور اس اعرابی کا قرضہ ادا کیا اور اس کو کھانا کھلایا۔ اس کے بعد اُس اعرابی نے کہا آپ نے وفا کی اللہ آپ کے ساتھ وفا کرے آپؐ نے فرمایا یہ لوگ (جو قرضہ کو خندہ پیشانی سے ادا کریں) لوگوں میں سے بھلے ہیں اور بیشک بات یہ ہے کہ وہ امت مقدس نہیں ہو سکتی جس میں ضعیف

---

[1] کذا فی الکنز ج ۳ ص ۱۸۲۔

[2] واخرج ابن ماجہ۔

اپنا حق بغیر قلق و اضطراب کے نہ لے سکے۔ [1]

حضرت حمزہؓ [2] بن عبدالمطلب کی بیوی حضرت خولہؓ بنت قیس کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بنی ساعدہ کے کسی آدمی کے ساٹھ صاع (پانچ من دس سیر) کھجور قرض تھے۔ وہ آدمی آپؐ کے پاس آیا اور ان کی ادائیگی کا آپؐ سے مطالبہ کیا، آپؐ نے ایک انصاری کو حکم دیا کہ وہ آپؐ کا قرضہ ادا کر دیں، چنانچہ انہوں نے کھجوریں قرضہ میں دیں لیکن یہ کھجوریں اس ساعدی کی کھجوروں سے کم درجہ کی تھیں۔ اس ساعدی نے ان کے لینے سے انکار کر دیا انصاری نے کہا کیا تو حضورؐ کے پاس واپس چلتا ہے۔ ساعدی نے کہا ہاں۔ اور کون آدمی انصاف میں آپؐ سے زیادہ حق پسند ہو سکتا ہے؟ یہ سن کر حضورؐ کی دونوں آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا اٹھیں۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا ساعدی نے سچ کہا، مجھ سے زیادہ انصاف کرنے کا کون حقدار ہے؟ اللہ پاک اُس اُمت کو پروان نہیں چڑھاتا جس میں اُس کا کمزور اس کے قوی سے اپنا حق بلا کلفت نہ لے سکے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا اے خولہ! تم اسے کھانا کھلاؤ اور اس کا قرضہ ادا کرو۔ بس بات اسی طرح پر ہے کہ کوئی قرض خواہ اپنے مقروض کے پاس سے جب راضی ہو کر واپس ہوتا ہے تو اس مقروض پر روئے زمین کے جاندار اور سمندروں کی مچھلیاں دُعائے رحمت کرتی ہیں، اور جب کبھی بندے سے اس کا قرض خواہ دل تنگ ہو کر واپس ہوتا ہے تو اللہ پاک اس مقروض کے لیے ہر دن اور ہر رات ایک گناہ لکھتا ہے۔ [3]

---

[1] ورواہ البزار من حدیث عائشہؓ مختصراً والطبرانی من حدیث ابن مسعودؓ باسناد جید کذا فی الترغیب ج ۳ ص ۱۷۔ [2] واخرج الطبرانی۔ [3] ورواہ احمد بنحوہ عن عائشہؓ باسناد جید قوی کذا فی الترغیب ج ۳ ص ۲۷۔

عدل صدیقیؓ

حضرت[1] عبداللہؓ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ جمعہ کے دن خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا "جب کل کا دن آئے تو اونٹوں کے صدقات یہاں حاضر کردینا ہم اسے تقسیم کریں گے" اور میرے پاس کوئی بھی بلا اجازت نہ آئے یہ سن کر ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا یہ نکیل لو، شاید اللہ پاک ہمیں بھی کوئی اونٹ دے وہ آدمی آیا تو اس نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ اونٹوں کے درمیان داخل ہوئے یہ بھی ان کے ساتھ اونٹوں کے درمیان داخل ہوگیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کی طرف التفات کی اور فرمایا تجھے کس نے یہاں داخل کیا؟ اس کے بعد اس سے نکیل لی اور اس نکیل سے اس آدمی کو مارا۔ جب حضرت ابوبکرؓ اونٹوں کی تقسیم سے فارغ ہوگئے تو اس آدمی کو بلایا اور اسے اس کی نکیل دی اور کہا اپنا بدلہ لے۔ حضرت ابوبکرؓ سے حضرت عمرؓ نے فرمایا خدا کی قسم یہ بدلہ نہ لے گا تم اس بات کو طریقہ نہ بناؤ۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا تو مجھے کون قیامت کے دن اللہ سے بچائے گا؟ حضرت عمرؓ نے کہا اس کو راضی کردو۔ تب حضرت ابوبکرؓ نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ اس آدمی کو ان کی سواری کی اونٹنی اور اس کا کجاوہ اور دھاری دار کمبل اور پانچ دینار لاکر دے۔ یہ چیزیں دے کر حضرت ابوبکرؓ نے اسے راضی کیا[2]

---

[1] اخرج البیہقی۔

[2] کذا فی کنز العمال ج ص ۱۲۷۔

عدلِ فاروقیؓ

شعبی[1] فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اور اُبی بن کعبؓ کے درمیان کوئی جھگڑا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میرے اور اپنے درمیان کسی آدمی کو فیصلہ کرنے والا مقرر کرلو، ان دونوں حضرات نے حضرت زید بن ثابتؓ کو اپنا فیصل بنایا یہ دونوں حضرات ان کے پاس تشریف لے گئے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم دونوں تمہارے پاس اس لیے آئے ہیں تاکہ ہمارے درمیان فیصلہ دو۔ حضرت زیدؓ اپنے گھر ہی میں بیٹھ کر فیصلہ دیا کرتے تھے۔ جب یہ دونوں حضرات ان کے پاس پہنچے۔ حضرت عمرؓ کے لیے حضرت زیدؓ نے اپنے بستر کے صدر حصّہ پر حضرت عمرؓ کو بٹھانا چاہا اور کہا آئیے امیر المومنین یہاں تشریف رکھئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ پہلا ظلم ہے جو تمہارے فیصلہ میں جاری ہوا۔ میں اپنے صاحب معاملہ کے پاس بیٹھوں گا یہ دونوں حضرات ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ حضرت اُبیؓ نے دعویٰ پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے انکار کیا، حضرت زیدؓ نے اُبیؓ سے کہا امیر المومنین کو قسم کھانے سے معافی دو (شرعی قاعدہ کی بنا پر اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعا علیہ سے قسم لی جاتی ہے) اور میں قسم کی معافی کا کسی کے لیے سوائے ان کے سوال نہیں کرتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے قسم کھائی اور پھر قسم کھا کر کہا کہ زید فیصلہ پر نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ عمر اور مسلمان رعایا ان کے نزدیک برابر نہ ہوں۔ شعبی سے اس طرح پر ہے کہ کھجوروں کے کاٹنے پر حضرت اُبی بن کعبؓ اور حضرت عمرؓ بن خطاب میں نزاع ہوگیا۔ حضرت اُبیؓ رو دیئے

---

[1] اخرج ابن عساکر وسعید بن منصور والبیہقی۔

اور اُبی رضؓ نے کہا کیا اے عمرؓ! تمہاری حکومت میں اور ایسا ہو؟ حضرت عمرؓ بن خطابؓ نے فرمایا کہ میرے اور اپنے درمیان مسلمانوں میں سے کسی آدمی کو فیصل بنا لو، حضرت اُبیؓ نے کہا حضرت زیدؓ کو فیصل بناتا ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس پر رضامندی دی اور دونوں چلے اور حضرت زیدؓ کے پاس پہنچے، اور پھر پوری حدیث نقل کی۔ [1]

حضرت[2] زید بن اسلمؓ کہتے ہیں کہ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کا گھر مسجد مدینہ کے پہلو میں تھا ان سے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم اس مکان کو میرے ہاتھ بیچ دو اور حضرت عمرؓ نے یہ ارادہ کیا کہ اس سے مسجد کو بڑھا دیں، حضرت عباسؓ نے اس بات سے انکار کیا کہ اس مکان کو ان کے ہاتھ بیچیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا تو پھر اس مکان کو میرے لیے ہبہ کر دو۔ حضرت عباسؓ نے اس سے بھی انکار کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تم اس سے خود ہی مسجد میں وسعت کر دو۔ حضرت عباسؓ نے انکار کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تمہیں ان تین باتوں میں سے ضرور ایک بات کرنی ہوگی، حضرت عباسؓ نے انکار کر دیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا میرے اور اپنے درمیان کسی کو فیصل بنا لو۔ حضرت عباسؓ نے حضرت اُبی بن کعبؓ کو فیصل قرار دیا، یہ دونوں حضرات ان کے پاس مقدمہ لے گئے۔ حضرت اُبی بن کعبؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تم ان کو ان کے گھر سے جب تک کہ ان کو راضی نہ کر لو نکال نہیں سکتے۔ حضرت عمرؓ نے اُبیؓ سے فرمایا کیا تم نے اپنا یہ فیصلہ کتاب اللہ میں دیکھا ہے؟ یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اُسے پایا ہے؟ حضرت اُبیؓ نے کہا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے میں نے

---

[1] کما فی کنز العمال ج ۳ صـ ۱۷۴ و ج ۳ صـ ۱۸۱ ۔ [2] واخرج عبدالرزاق ۔

یہ فیصلہ لیا ہے، حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ وہ سنت کیا ہے؟ حضرت اُبیؓ نے کہا کہ میں نے حضورؐ سے سنا ہے آپؐ فرماتے تھے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے جب بیت المقدس کو بنایا، جب کبھی کسی دیوار کو قائم کرتے صبح کے وقت اس کو منہدم پاتے تب اللہ پاک نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ کسی آدمی کے حق میں عمارت نہ بناؤ جب تک کہ اسے راضی نہ کر لو، تب حضرت عمرؓ نے اس جھگڑے کو چھوڑا، اس کے بعد حضرت عباسؓ نے خود ہی مسجد میں داخل کر کے مسجد میں وسعت کی۔

حضرت سعید بن مسیبؒ[1] فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا، کہ حضرت عباسؓ بن عبد المطلب کا گھر لے کر اس سے مسجد میں اضافہ کریں۔ حضرت عباسؓ نے انکار کر دیا کہ یہ گھر ان کو دیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں ضرور اس گھر کو لے کر رہوں گا۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ میرے اور اپنے درمیان اُبی بن کعبؓ کو فیصل مقرر کر لو کہا ہاں میں نے منظور کیا یہ دونوں حضرات اُبیؓ کے پاس آئے اور ان سے تذکرہ کیا۔ حضرت اُبیؓ نے فرمایا اللہ پاک نے حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ بیت المقدس کی تعمیر کریں اور وہ زمین ایک آدمی کی تھی اس سے زمین خریدی جب اس کو قیمت دی تو اس نے دریافت کیا کہ جو قیمت آپ نے مجھے دی وہ بہتر ہے یا وہ زمین جو آپ نے مجھ سے لی؟ حضرت سلیمانؑ نے کہا بلکہ وہ زمین جو میں نے تجھ سے لی۔ اس آدمی نے کہا تو میں اس بیع کو جائز نہیں رکھتا دوبارہ پھر اس آدمی سے کچھ اور قیمت بڑھا کہ اس زمین کا معاملہ کیا اس آدمی نے پھر اسی طرح کا سوال کیا اور حضرت سلیمانؑ نے

---

[1] اخرج عبد الرزاق

وہی جواب دیا دو یا تین مرتبہ اسی طرح ہوا تب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے شرط کی کہ میں اس زمین کو تجھ سے تیرے حکم کے مطابق خریدتا ہوں یعنی جو تو مانگے۔ اب مجھ سے یہ نہ پوچھنا کہ اس قیمت اور زمین میں سے کون بہتر ہے؟ چنانچہ اس زمین کو اس کے حکم کے مطابق خریدا اس آدمی نے بارہ ہزار قنطار سونا مانگا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو بہت زیادہ خیال کیا کہ دیں۔ اللہ پاک نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اگر تم اس آدمی کو کوئی چیز ایسی دے رہے ہو جو تمہاری ہے تو تم خوب جانتے ہو، تو تم جانو اور اگر ہمارے رزق سے دے رہے ہو تو اسے دو یہاں تک کہ وہ راضی ہو جائے سو حضرت سلیمانؑ نے ایسا ہی کیا۔ حضرت ابیؓ نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ عباسؓ اپنے گھر کے زیادہ حق دار ہیں یہاں تک کہ وہ راضی ہوں، یہ سن کر حضرت عباسؓ بولے جب تم نے میری موافقت میں فیصلہ دیا تو اب میں اس مکان کو مسلمانوں کے لیے صدقہ کرتا ہوں۔[۱]

حضرت[۲] ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میرے بھائی عبدالرحمٰن نے اور ان کے ساتھ ابو سروعہؓ عقبہ بن حارث نے شراب پی اور مست ہو گئے۔ یہ دونوں مصر میں تھے۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا جب صبح ہوئی یہ دونوں حضرت عمرو بن عاصؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو امیر مصر تھے اور انہوں نے کہا کہ ہم کو پاک

---

[۱] کذا فی کنزالعمال ج ۴ ص ۲۶ واخرجہ ابن سعد ج ۴ ص ۱۳ وابن عساکر عن سالم ابی النضر مطولا جداد سندہ صحیح الا ان سالما لم یدرک عمرو اخرجاہ ایضا والبیہقی ولعقوب بن سفیان عن ابن عباسؓ مختصرا وسندہ حسن کما فی الکنز ج ۷ ص — واخرجہ الحاکم وابن عساکر من طریق اسلم من وجہ آخر مطولا کما فی الکنز ج ۷ ص ۶۵ وفی حدیثہ حذیفہ بدل ابی بن کعبؓ۔

[۲] واخرج عبدالرزاق والبیہقی۔

کیجئے۔ ہم دونوں ایک قسم کی شراب پی کر مست ہو گئے تھے۔ میں نے کہا گھر کے اندر چلو میں تم کو پاک کر دوں اور مجھے یہ علم نہیں تھا کہ وہ دونوں حضرت عمرو بن عاصؓ کے پاس جا چکے تھے تب میرے بھائی نے مجھے بتایا کہ وہ اس بات کی خبر امیر کو بھی دے چکے ہیں۔ میں نے کہا کہ آج تم اپنا سر لوگوں کے درمیان نہ منڈاؤ، گھر میں چلو میں تمہارا سر مونڈ دوں گا اور اس زمانہ میں لوگوں کا سر بھی مونڈا جاتا تھا اور حد بھی لگائی جاتی تھی چنانچہ یہ دونوں گھر میں گئے۔ حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی کا سر اپنے ہاتھ سے مونڈا اس کے بعد حضرت عمرو بن عاصؓ نے کوڑے لگائے اس بات کی اطلاع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملی انہوں نے حضرت عمرو بن عاصؓ کو لکھا کہ عبدالرحمنؓ کو اونٹ کے کجاوے پر بٹھا کر میرے پاس بھیجو، چنانچہ حضرت عمرو بن عاصؓ نے ایسا ہی کیا جب یہ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے تو حضرت عمرؓ نے انہیں کوڑے لگائے اور سزا دی چونکہ حضرت عمرؓ ان کے والد تھے پھر اس کے بعد ان کو چھوڑا۔ اس کے بعد یہ پورے ایک ماہ تندرستی کے ساتھ زندہ رہے پھر ازل کا لکھا ہوا ان کے سامنے آیا اور ان کی وفات ہو گئی۔ عام لوگوں کا خیال یہ ہے کہ ان کی وفات حضرت عمرؓ کے کوڑے لگانے سے ہوئی؛ حالانکہ حضرت عمرؓ کے کوڑے لگانے سے ان کی وفات نہیں ہوئی۔[۱]

حضرت حسنؓ سے[۲] روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک عورت کی طرف جس کا شوہر ایک عرصہ سے مفقود تھا اس عورت کو بلانے کے لیے ایک آدمی بھیجا۔ حضرت عمرؓ (اس کی دیکھ بھال کے لیے) اس کے یہاں جایا کرتے تھے اس عورت نے آنے سے انکار کر دیا دوبارہ پھر اس کے یہاں آدمی بھیجا اس عورت

---

[۱] قال فی منتخب کنز العمال ج ۴ ص ۴۲۰ و سندہ صحیح و اخرجہ ابن سعد من اسلم عن عمرو بن العاصؓ بطولہ کما فی منتخب الکنز ج ۴ ص ۴۲۰۔ [۲] و اخرج عبدالرزاق و البیہقی۔

سے کہا گیا کہ عمرؓ کا کہنا مان لے اس عورت نے کہا ہائے میرے افسوس! مجھ سے عمرؓ کو کیا لینا ہے؟ یہ کہہ کر وہ گھر سے چلی اور وہ گھبرائی ہوئی تھی راستے ہی میں تھی کہ اس کو دردِ زِہ ہوا، کسی گھر میں داخل ہوگئی اور اس نے بچہ کو ڈال دیا بچہ دو دفعہ چلایا اور اس کے بعد مر گیا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے اصحاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ لیا۔ بعض صحابہؓ نے کہا کہ آپ پر کوئی گرفت نہیں اس لیے کہ آپ تو ادب دینے والے اور راستہ دکھلانے والے تھے۔ حضرت علیؓ خاموش تھے، حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم کیا کہتے ہو؟ حضرت علیؓ نے فرمایا اگر ان لوگوں نے اپنی رائے سے یہ بات کہی ہے تو ان لوگوں نے اپنی رائے میں غلطی کی اور اگر ان لوگوں نے آپ کی خواہش کی بنا پر یہ بات کہی تو آپ کے لیے بھلائی کی بات نہیں کی۔ میری رائے یہ ہے کہ اس بچّہ کی دِیت آپ پر واجب ہے اس لیے کہ آپ ہی نے اس عورت کو گھبراہٹ اور خوف میں مبتلا کیا اور اس نے اپنے بچّہ کو آپ ہی کے (خوف) کے سبب سے ڈال دیا یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ ان کی دِیّت قریش پر تقسیم کی جائے یعنی تمام قریش سے لی جائے (جیسا کہ شرعی قانون ہے) اس لیے کہ حضرت عمرؓ نے خطا کی تھی [1]

عطاءؒ [2] سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب اپنے عمال کو حکم دیتے تھے کہ حج کے موقع پر یہ سب آپ سے ملیں پس جب آپ کے عمال جمع ہو جاتے تو آپ کہتے کہ:

"اے لوگو! میں نے اپنے عاملوں کو تم لوگوں پر اس لیے مقرر نہیں کیا کہ وہ تمہاری کھالیں اور تمہارا مال لیں بلکہ اس لیے ان کو

---

[1] کذا فی کنز العمال ج ۷ ص ۳۰۰ ۔ [2] واخرج ابن سعد ج ۳ ص ۲۱۳

بھیجا ہے تاکہ تمہارے آپس کے جھگڑوں کی روک تھام کریں اور
تمہارے مالِ غنیمت کو تمہارے درمیان تقسیم کریں، اور وہ
آدمی جس کے ساتھ اس کے علاوہ کچھ اور کیا گیا ہو وہ کھڑا ہو جائے"
یہ سُن کر کوئی آدمی نہ کھڑا ہوا سوائے ایک آدمی کے اس نے کھڑے ہو کر کہا اے امیر المومنین! آپ کے فلاں عامل نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اس عامل سے پوچھا کس معاملہ میں اسے سو کوڑے لگائے؟ اور اس آدمی سے کہا اُٹھ اور اس سے بدلہ لے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا اے امیر المومنین! اگر آپ نے ایسا کیا پھر تو لوگ آپ پر بڑی کثرت سے یہ دعویٰ لائیں گے اور یہ ایک طریقہ بن جائیگا اور آپ کے بعد بھی یہ سنت جاری رہے گی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا فقط میں ہی بدلہ لینے کے لیے نہیں کہہ رہا ہوں بیشک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ اپنی ذات پر بھی بدلہ لینے کا حکم دیتے تھے، حضرت عمرو بن عاصؓ نے کہا ہم کو مہلت دیجئے کہ ہم اسے راضی کر لیں کہا تمہیں اختیار ہے تم اسے راضی کر دو چنانچہ حضرت عمرو بن عاصؓ نے اس کو فدیہ میں دو سو دینار دیئے، ہر کوڑے کے بدلہ میں دو دینار[1]

حضرت[2] انسؓ سے روایت ہے کہ مصر کے باشندوں میں سے ایک آدمی نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں آکر عرض کیا اے امیر المومنین! میں ظلم سے آپ کی پناہ پکڑنے آیا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں نے تجھے پناہ دی اس آدمی نے کہا میں نے ابن عمرو بن عاصؓ سے دوڑنے میں بازی لگائی اور

---

[1] واخرجہ ایضاً ابن راہویہ کما فی منتخب الکنز ج ۴ ص ۴۱۹۔

[2] واخرج ابن عبد الحکم۔

میں اس سے آگے نکل گیا۔ تو اس نے مجھے کوڑے سے مارنا شروع کر دیا اور کہتا جاتا تھا میں بڑے آدمیوں کا بیٹا ہوں یہ سن کر حضرت عمرؓ نے عمروؓ بن عاصؓ کی طرف لکھا اور ان کو آنے کا حکم دیا اور اس بات کا کہ اپنے لڑکے کو بھی اپنے ساتھ لائیں۔ جب حضرت عمرو بن عاصؓ آئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا وہ مصر کا رہنے والا کہاں ہے؟ کوڑا لے اور اس کو مار۔ وہ مصری ان کے لڑکے کو کوڑے سے مار رہا تھا اور حضرت عمرؓ فرما رہے تھے "مار" ملامت کئے گئے ہوئے کے بیٹے کو۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اس مصری نے مارا اور بیشک اسے مارا اور ہم پسند کرتے تھے کہ وہ مارا جائے۔ وہ مصری مارنے سے نہ رکا یہاں تک کہ ہم نے تمنا کی کہ اب یہ مصری اپنا ہاتھ اٹھا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے مصری سے کہا کہ عمرو بن عاص کی کھوپڑی پر مار۔ اس مصری نے کہا اے امیر المومنین! ان کے بیٹے ہی نے مجھے مارا ہے۔ انہوں نے نہیں اور میں اس سے اپنا بدلہ لے چکا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے عمرو بن عاصؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا، کب سے تم نے لوگوں کو غلام بنا لیا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا ہے؟ عمرو بن عاص نے جواب دیا امیر المومنین مجھے اس قصہ کا کچھ علم نہیں اور نہ ہی یہ آدمی کبھی میرے پاس آیا [1]

[2] یزید بن ابی منصور کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ کو یہ اطلاع ملی کہ ان کے بحرین کے عامل کے پاس جس کا نام جارود یا ابن جارود تھا ایک آدمی کو لایا گیا، جس کو ادریاس کہا جاتا تھا اور ادریاس کے خلاف گواہ پیش ہوئے کہ یہ مسلمانوں کے دشمنوں کی طرف مسلمانوں کے خلاف خط و کتابت کرتا ہے اور اس نے یہ ارادہ کر رکھا ہے کہ پھر انہی لوگوں کے پاس چلا جائے۔ عامل نے ادریاس کی گردن اڑوا دی

---

[1] کذا فی منتخب کنز العمال ج ۴ ص ۴۲۰ ۔ [2] اخرجہ ابن جریر، کذا فی الکنز ج ۷ ص ۲۹۸ ۔

اور ادریاس یہ کہہ رہا تھا ہائے عمر! ہائے عمر! یہ خبر پاکر حضرت عمرؓ نے اس عامل کی طرف مکتوبِ گرامی بھیجا اور اسے اپنے پاس آنے کا حکم دیا چنانچہ وہ عامل آیا اس کے لیے حضرت عمرؓ بیٹھے آپ کے ہاتھ میں نیزہ تھا۔ جب وہ حضرت عمرؓ کے پاس آیا تو حضرت عمرؓ نے اس کی داڑھی کی طرف نیزہ بڑھایا اور وہ کہہ رہے تھے۔ ادریاس! میں حاضر ہوں، ادریاس! میں حاضر ہوں۔ جارود نے کہنا شروع کیا آے امیرالمومنین! ادریاس نے دشمنوں سے خط وکتابت کی تھی کہ مسلمانوں کے پوشیدہ رازان کو بتائے گا اور اس نے قصد بھی کیا تھا کہ دشمنوں سے مل جائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تو نے اس کو محض ارادہ اور قصد پر قتل کر دیا۔ ہم میں سے کون ایسا ہے جو ارادہ (شر و فساد) نہیں کرتا؟ میں تجھ کو اس کے بدلہ قتل کر دیتا اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ آئندہ کے لیے یہ ایک دستور بن جائے گا۔

حضرت[1] زید بن وہبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اس طرح پر نکلے کہ ان کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ان کے کانوں میں تھیں (جس طرح کہ مؤذن کی ہوتی ہیں) اور وہ پکار کر کہہ رہے تھے، اے مجھے پکارنے والے! میں حاضر ہوں۔ اے مجھے پکارنے والے! میں حاضر ہوں۔ لوگوں نے پوچھا کہ انہیں کیا ہو گیا ہے؟ کسی نے بتایا ان کے بعض امراء کی طرف سے ڈاک آئی ہے اس میں لکھا ہے کہ ایک نہر لشکر کے عبور کرنے میں حائل ہے اور اہلِ لشکر نے کشتی نہ پائی تو امیر لشکر نے حکم دیا کہ ایک ایسے آدمی کو تلاش کرو جو نہر کی گہرائی جانتا ہو، ایک بڈھے کو لایا گیا اس نے کہا مجھے ٹھنڈ کا خوف ہے اور یہ سردی کے ایام کا قصہ ہے امیر نے اس بڈھے پر جبر کیا اور اس کو نہر میں داخل کر دیا۔ ٹھنڈ نے اس بڈھے کو مہلت نہ دی۔ اس بڈھے نے پکارنا شروع کیا ہائے عمر ہائے عمر! اور

---

[1] داخرج البیہقی

ڈوب گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس امیر کی طرف خط لکھا وہ امیر آیا اور کئی دنوں تک ٹھہرا رہا۔ حضرت عمرؓ اس سے اعراض کیے رہے اور حضرت عمرؓ کی عادت تھی۔ جب عاملوں میں سے کسی سے ناراض ہوتے اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتے، کچھ روز بعد اس امیر سے کہا وہ آدمی جس کو تم نے قتل کر دیا ہے کیا ہوا؟ امیر لشکر نے کہا اے امیر المومنین میں نے قصداً اسے قتل نہیں کیا ہم نے کوئی چیز ایسی نہیں پائی جس میں سوار ہو کر عبور کیا جا سکے اور ہم نے یہ ارادہ کیا کہ ہم پانی کی گہرائی جان لیں، سو آپ دیکھ لیجئے کہ ہم نے ایسے ایسے شہر فتح کئے یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا ایک مسلمان آدمی مجھے ہر اس شے سے زیادہ محبوب ہے جس کو تو لایا (یعنی شہروں کی فتح) اگر طریقہ نہ چلتا تو میں تیری گردن مار دیتا لہٰذا تو اس کے اہل کو دیت ادا کر اور یہاں سے چلا جا میں تجھے نہ دیکھوں۔ [1]

جریرؓ[2] کی روایت میں ہے کہ ایک آدمی حضرت ابو موسیٰؓ کے ساتھ تھا لشکر نے مال غنیمت جمع کیا اس آدمی کو ابو موسیٰؓ نے اس کا حصہ دیا لیکن پورا نہیں دیا اس نے لینے سے انکار کیا اور کہا کہ میں تو پورا لونگا۔ اس پر اس کو حضرت ابو موسیٰؓ نے اسے کوڑے مارے اور اس کا سر منڈوایا۔ اس آدمی نے اپنے منڈے ہوئے بال جمع کئے اور ان کو لے کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان بالوں کو جیب سے نکال کر حضرت عمرؓ کے سینے پر پھینک دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تجھے کیا ہوا؟ اس نے اپنا قصہ سنایا حضرت عمرؓ نے اسی وقت ابو موسیٰ اشعری رضؓ کو خط لکھا۔

"سلام علیکم! اما بعد فلاں ابن فلاں نے مجھے ایسی ایسی خبر دی

---

[1] کذا فی الکنز ج ۳ ص ۲۹۹ - [2] واخرج البیہقی۔

ہے اور مَیں تمہیں قسم دیتا ہوں اگر تم نے ایسا کیا ہے جو اس نے بیان کیا۔ اگر لوگوں کے مجمع میں ایسا کیا ہے تو اس کے لیے لوگوں کے مجمع میں بیٹھو وہ تم سے بدلہ لے اور اگر تم نے وہ بات خلوت میں کی ہے تو تم خلوت میں اس کے لیے بیٹھو تاکہ وہ تم سے بدلہ لے۔ جب اس آدمی نے حضرت ابوموسیٰ رضؓ کو یہ نامۂ گرامی دیا تو اُسی وقت بدلہ دینے کے لیے بیٹھ گئے۔ یہ دیکھ کر اُس شخص نے کہا مَیں نے اللہ کے لیے معاف کیا (اللہ آپکو معاف فرمائے)[1]

حمراوی[2] راوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فیروز دیلمی کے پاس یہ نامۂ گرامی لکھا۔

"امابعد! مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ تمہیں شہد میں نان کا گودا ملا کر کھانے نے کاموں سے روک دیا۔ جب میرا یہ خط تمہیں ملے تو اللہ تم کو برکت دے۔ تم یہاں آجاؤ اور اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔"

چنانچہ فیروز نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت عمرؓ سے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت عمرؓ نے اسے اجازت دے دی۔ قریش کے ایک نوجوان کی اس سے ٹکر لگ گئی۔ فیروز نے اس قریشی نوجوان کی ناک پر ایک ہاتھ مارا پس وہ قریشی نوجوان بھی خون میں تر حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے دریافت کیا یہ تمہارے ساتھ کس نے کیا؟ قریشی نے کہا فیروز نے، اور فیروز دروازے ہی پر ہے فیروز کو داخلہ کی اجازت ملی۔ فیروز اندر داخل ہوا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا اے فیروز! یہ کیا ہے؟ عرض کیا اے

---

[1] کذا فی کنز العمال ج ۷ ص ۲۹۹ ۔ [2] واخرجہ ابن عساکر۔

امیرالمومنین! میرا زمانہ ابھی حکومت سے قریب ہے اور آپ نے مجھے خط بھیج کر بلایا اور اس قریشی کی طرف خط نہیں بھیجا۔ اور مجھے داخلہ کی اجازت دی اسے داخلہ کی اجازت نہیں ملی۔ اس نے یہ ارادہ کیا کہ میری اجازت میں مجھ سے پہلے داخل ہو جائے اس لیے مجھ سے وہ بات سرزد ہوئی جس کی اس نے آپکو اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا بدلہ دو۔ فیروز نے کہا کیا بدلہ دیا جانا ضروری ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں بدلہ لیا جانا ضروری ہے۔ یہ سن کر فیروز اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور وہ نوجوان اس سے بدلہ لینے کے لیے کھڑا ہوا۔ اس نوجوان سے حضرت عمرؓ نے فرمایا اے نوجوان: اتنی دیر ٹھہر جائیں تجھے اس چیز کی خبر دے دوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے میں نے حضورؐ سے ایک صبح کے وقت سنا کہ آپؐ نے فرمایا اسود عنسی جس نے جھوٹا نبوّت کا دعویٰ کیا تھا آج رات قتل کر دیا گیا اس کو ایک بھلے بندے فیروز دیلمی نے موت کے گھاٹ اتارا ہے (اے قریشی جوان) کیا تو اپنے آپ کو اس کے بعد بھی بدلہ لینے والا خیال کرتا ہے؟ جب کہ تو نے یہ بات حضورؐ کی جانب سے سن لی۔ نوجوان نے عرض کیا میں اسے معاف دیتا ہوں۔ جب کہ آپ نے مجھے حضورؐ کا یہ ارشادِ گرامی سنایا۔ فیروز نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کیا آپ یہ دیکھتے ہیں کہ یہ بات مجھے اس چیز سے نجات دینے والی ہے جو میں نے کی اور میں نے اس بات کا اس کے لیے اقرار کیا اور اس نے بغیر کسی جبر کے مجھے معاف کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں۔ فیروز نے کہا میں آپ کو اس بات کا گواہ بناتا ہوں کہ میری تلوار اور میرا گھوڑا اور تیس ہزار کی رقم میں نے اپنے مال سے اس کے لیے ہبہ کی۔ حضرت عمرؓ نے اس قریشی نوجوان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے قریشی بھائی! تو نے معاف کیا تجھے اجر بھی ملا اور تو نے مال بھی لیا۔ [1]

[1] کذا فی الکنز ج ۷ ص ۸۳۔

حضرت[1] ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک جاریہ نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ میرے آقا نے مجھ پر الزام رکھا اور مجھ کو آگ پر بٹھایا یہاں تک کہ میری پیشاب گاہ جل گئی۔ حضرت عمرؓ نے اس سے دریافت کیا کیا آقا نے وہ عیب تیرے اوپر دیکھا جس کا کہ الزام رکھا ہے؟ جاریہ نے کہا نہیں، آپ نے دریافت فرمایا کیا تو نے اس کے سامنے کچھ اقرار کیا؟ اس نے کہا نہیں یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا اس کو میرے پاس لے آؤ۔ جب حضرت عمرؓ نے اس آدمی کو دیکھا فرمایا کیا تو اللہ کے عذاب کے ساتھ عذاب دیتا ہے؟ اس آقا نے عرض کیا کہ مجھے اس جاریہ کے بارے میں بدگمانی پیدا ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے دریافت فرمایا کیا تو نے اسے اُس بُرے کام پر دیکھا تھا؟ آقا نے کہا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا اس نے تیرے آگے اُس بُرے کام کا اقرار کیا تھا۔ آقا نے کہا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا قسم اُس ذات کی کہ میری جان اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے کہ غلام اپنے آقا سے اور بچہ اپنے والد سے قصاص نہ لے نہ سنا ہوتا تو اس کا بدلہ تجھ سے ضرور لیتا۔ اس آقا کو حضرت عمرؓ نے سو کوڑے لگائے اور اس کنیز سے حضرت عمرؓ نے فرمایا جا تو اللہ کے لیے آزاد ہے تو اللہ اور اس کے رسولؐ کی باندی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ آپؐ فرماتے تھے جو آگ میں جلایا گیا جس کی صورت بگاڑی گئی وہ آزاد ہے اور اللہ اور اسکے رسولؐ کا آزاد کردہ غلام ہے[2]

مکحولؒ[3] سے روایت ہے کہ حضرت عبادہ بن صامتؓ نے بیت المقدس

---

[1] واخرج الطبرانی فی الاوسط وابن عساکر والبیہقی۔ [2] کذا فی الکنز ج ۷، ص ۲۹۹۔ [3] واخرج ابن البیہقی

کے پاس ایک نبطی کو بلایا تاکہ وہ ان کا گھوڑا تھام کر ٹھہرا رہے اس نبطی نے انکار کر دیا۔ حضرت عبادہؓ نے اسے مارا اور اس کا سر پھوڑ دیا۔ اس نے حضرت عمرؓ کے یہاں استغاثہ دائر کیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عبادہؓ سے پوچھا کہ تمہیں اس کے ساتھ ایسا کرنے پر کس نے آمادہ کیا؟ عبادہؓ نے عرض کیا اے امیرالمومنین! میں نے اس سے کہا کہ میری سواری تھام لے اس نے انکار کر دیا اور میں ایک ایسا آدمی ہوں کہ مجھ میں جلال کا مادہ زیادہ ہے۔ پس میں نے اسے مار دیا حضرت عمرؓ نے فرمایا بدلہ دینے کے لیے۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا کہ آپ اپنے غلام کا بدلہ اپنے بھائی سے لے رہے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے بدلہ کو چھوڑ دیا اور دیّت کے ساتھ عبادہؓ کے خلاف فیصلہ کیا۔[۱]

حضرت[۲] سوید بن غفلہؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ ملک شام تشریف لے گئے۔ اہلِ شام میں سے ایک یہودی نے آپ کی خدمت میں آکر عرض کیا اے امیرالمومنین! مسلمانوں میں سے ایک آدمی نے میرے ساتھ وہ کیا جسے آپ دیکھ رہے ہیں۔ سویدؓ فرماتے ہیں کہ اس فریادی کا سر پھٹا ہوا تھا اور بدن پر پٹنے کے نشانات تھے۔ حضرت عمرؓ کو بہت غصہ آیا۔ پھر حضرت صہیبؓ سے فرمایا جا اور دیکھ اس کا مدعا علیہ کون ہے اور اس کو میرے پاس لا۔ حضرت صہیبؓ گئے انہوں نے دیکھا کہ حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ ہیں۔ حضرت عوفؓ سے حضرت صہیبؓ نے کہا امیرالمومنین تم پر بہت سخت خفا ہیں۔ تم حضرت معاذ بن جبلؓ کے پاس جاؤ تاکہ وہ حضرت عمرؓ سے اس بارے میں گفتگو کریں مجھے یہ ڈر ہے کہ حضرت عمرؓ کہیں تم پر جلدی نہ کر بیٹھیں۔ جب حضرت عمرؓ نماز سے فارغ ہوئے دریافت کیا صہیبؓ کہاں ہیں؟ کیا تم اس آدمی کو لے آئے؟ حضرت

---

[۱] کذا فی الکنز ج ۷ ص ۳۰۳ ۔ [۲] واخرج ابو عبید والبیہقی وابن عساکر۔

صہیبؓ نے کہا جی ہاں۔ حضرت عوفؓ حضرت معاذؓ کے پاس جا چکے تھے اور ان کو سارا قصہ کہہ سنایا تھا۔ حضرت معاذؓ نے کھڑے ہو کر کہا اے امیر المومنین! عوف بن مالکؓ یہ ہیں ان کی پہلے سنئے اور ان کو سزا دینے میں جلدی نہ کیجئے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عوفؓ سے پوچھا تیرا اور اس آدمی کا کیا قصہ ہے؟ حضرت عوفؓ نے بیان کیا اے امیر المومنین! آپ کو معلوم ہونا چاہیئے یہ مدعی گدھے پر ایک مسلمان عورت کو ہنکا کے لے جا رہا تھا۔ پھر اس نے اس عورت کے ایک کچوکا دیا تاکہ وہ گدھے پر سے گر پڑے۔ جب وہ عورت نہ گری تو اس نے اسے دھکا دیا وہ نیچے جا پڑی یہ اس عورت پر چڑھ گیا اور اس پہ اوندھا پڑ گیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عوفؓ سے فرمایا تم اس عورت کو لاؤ تاکہ وہ تمہارے بیان کی تصدیق کرے۔ چنانچہ حضرت عوفؓ اس عورت کے پاس پہنچے۔ حضرت عوفؓ سے اس عورت کے والد اور شوہر نے کہا تم نے ہماری گھر والی کے ساتھ کیا ارادہ کیا ہے؟ تم نے تو ہم لوگوں کو رسوا کر دیا۔ اس عورت نے کہا کہ خدا کی قسم! میں ان کے ساتھ ضرور چلوں گی۔ اس عورت کے باپ اور شوہر نے کہا ہم جاتے ہیں اور تیری طرف سے ساری بات کہہ آئیں گے۔ چنانچہ ان دونوں نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر بالکل اسی جیسی خبر دی جو حضرت عوفؓ کا بیان تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس یہودی کے متعلق حکم دیا اور پھر اس کو سولی دی گئی۔ اور فرمایا اس بات پر ہم نے تم لوگوں سے صلح نہیں کی (کہ تم اس قسم کی حرکتیں کرو) اس کے بعد فرمایا اے لوگو! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری میں اللہ سے ڈرو، جو شخص بھی اہلِ ذمہ میں سے ایسا کام کرے گا اس کی ہمارے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں۔ حضرت سویدؓ فرماتے ہیں۔ یہ وہ پہلا یہودی ہے کہ جس کو اسلام میں میں نے سولی لگتے ہوئے دیکھا ہے [1]

[1] کذا فی الکنز ج ۲ ص ۲۹۹ واخرج الطبرانی عن عوف بن مالکؓ مختصراً قال الہیثمی ج ۶ ص ۱۳ رجال الصحیح انتہی

عبدالملک[1] بن یعلی لیثی بیان کرتے ہیں کہ حضرت بکر بن شداخ لیثی نابالغ تھے اور حضورؐ کی خدمت کیا کرتے تھے۔ جب یہ بالغ ہو گئے تو آپؐ کی خدمت میں آکر عرض کیا یارسول اللہ! میں آپ کے گھر میں داخل ہو جایا کرتا تھا اور اب میں بالغ ہو گیا ہوں۔ آپؐ نے یہ دُعا دی اے میرے اللہ! اس کے قول کی تصدیق فرما اور اسے کامیابی نصیب فرما۔ جب حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ آیا، تو ایک یہودی قتل شدہ پایا گیا۔ حضرت عمرؓ کو یہ بات بہت ہی ناگوار معلوم ہوئی اور گھبرا گئے اور منبر پر چڑھ کر فرمایا کیا ایسے زمانہ میں جب اللہ نے مجھ کو والی اور خلیفہ بنایا لوگوں کا ناگہانی خون بہایا جائے گا؟ میں اس آدمی کو خدا یاد دلاتا ہوں جس کے پاس اس قاتل کا علم ہو مجھے ضرور اطلاع دے۔ یہ سُن کر بکر بن شداخ ؓ نے آپ کے سامنے کھڑے ہو کر کہا، میں نے اس کو قتل کیا ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ اکبر! تم نے اس کا خون کیا ہے؟ اپنے بچاؤ کے لیے دلیل پیش کرو۔ بکر بن شداخ ؓ نے عرض کیا بیشک سنئے فلاں آدمی جہاد کے لیے نکلا اور میری نگرانی میں گھر والوں کو دے گیا۔ میں آیا اور میں نے اس یہودی کو اس غازی کے مکان میں پایا، یہ یہودی کہہ رہا تھا:-

واشعث غرہُ الاسلام منّی — خلوت بعرسہٖ لیل التمام

ابیت علی ترائبھا ویمسی — علی جرد الأحقۃ الحزام

کأن مجامع الربلات منھا — فئام ینھضون الی فئام

ترجمہ اشعار

۱ اور اشعث! اس کو اسلام نے میری جانب سے دھوکہ میں ڈال دیا میں نے اس کی بیوی کے ساتھ پوری رات تنہائی برتی۔

---

[1] واخرج ابن مندہ و ابونعیم۔

۲۔ میں نے اس کی بیوی کی چھاتی پر ساری رات گزاری اور اشعث نے کم بال والی سواری پر جس کے تنگ بندھا ہوا تھا شام کی۔

۳۔ گویا کہ اس عورت کی رانوں کے جوڑوں کی جگہ گروہ در گروہ میں جو اٹھ رہے ہیں یہ سن کر حضرت عمرؓ نے حضرت بکر بن شداخؓ کے قول کی تصدیق کی اور ان پر سے دیت اٹھالی۔ یہ بہ سبب نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے ہوا[1] (جو پیچھے گزری: اے میرے اللہ! اس کے قول کی تصدیق فرما اور اسے کامیابی عطا فرما)

قاسم بن ابی بزہ سے روایت ہے کہ کسی مسلمان نے ملک شام میں ایک ذمی کو قتل کر دیا تھا جس کا مقدمہ حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کے پاس لایا گیا اس بارے میں حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس حضرت ابو عبیدہؓ نے لکھا۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں تحریر فرمایا اگر ذمیوں کے قتل کرنے کی اس مسلمان میں عادت پڑ چکی ہے تو اس کو آگے کر کے اس کی گردن مار دو اور اگر طیش میں آکر جلد بازی کی ہے جو اس سے صادر ہوئی تو اس سے چار ہزار رقم دیت کی تاوان میں لو۔[2]

اہل کوفہ[3] میں سے ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک لشکر کے امیر کی طرف لکھا جس کو کسی غزوہ میں بھیج رکھا تھا کہ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ تمہارے کچھ لوگ عجمی کی تلاش میں نکلتے ہیں اور جب وہ عجمی بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ جاتا ہے اور محفوظ ہو جاتا ہے تو اس سے کہتے ہیں کہ مترس! یعنی ڈر مت، پھر جب اس کو پا لیتے ہیں تو قتل کر دیتے ہیں اور مجھے قسم اس ذات کی کہ میری جان اس کے قبضہ میں ہے۔ کسی ایک کی تم میں سے ایسا کرنے کی اطلاع ملے گی تو میں ضرور اس کی گردن مار دوں گا۔

---

[1] کذا فی الکنز، ج ۷ ص ۱۳ واخرجہ ابن ابی شیبۃ عن الشعبی معناہ کما فی الاصابۃ ج ۱ ص ۱۵۲۔ [2] واخرجہ عبدالرزاق والبیہقی۔ [3] کذا فی کنز العمال ج ۲ ص ۲۹۸۔ [4] واخرجہ مالک۔

ابی سلمہؓ کی روایت[1] میں اس طرح پر ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا قسم اس ذات کی کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم میں سے کسی نے اپنی انگلی سے بلانے کے لیے آسمان کی طرف اشارہ کیا پھر وہ مشرک اس اشارہ پر مسلمان کی طرف اُتر آیا اور اس مسلمان نے اس مشرک کو مار دیا تو میں اس مسلمان کو ضرور قتل کردونگا[2]

حضرت[3] انس بن مالک فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں نے تستر کا محاصرہ کیا۔ ہرمزان حضرت عمرؓ کا حکم پاکر قلعہ سے اُتر آیا۔ میں اسے لے کر حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ جب ہم حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے۔ حضرت عمرؓ نے اس سے کہا کلام کر اس نے کہا زندوں کی بات کروں یا مُردوں کی؟ (یعنی اگر زندگی کی امید ہو تو ویسی بات کروں اور اگر قتل کی امید ہے تو ایسی بات کروں) حضرت عمرؓ نے فرمایا تو بات کر کوئی ڈر نہیں۔ ہرمزان نے کہا کہ ہمیں اور تمہیں اے عرب کی جماعت! جب تک اللہ نے چھوڑے رکھا ہم لوگ تمہیں غلام بناتے تھے اور تمہیں قتل کر دیا کرتے تھے اور تم سے چھین جھپٹ کیا کرتے تھے۔ جب خدا تمہارے ساتھ ہو گیا ہمارے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا تم اے انس! کیا کہتے ہو؟ میں نے عرض کیا اے امیر المومنین! میں نے اپنے پیچھے بہت دشمن چھوڑے ہیں اور سخت طاقت اور قوت چھوڑی ہے۔ اگر آپ اس کو قتل کر دیں گے تو اس کے سارے لوگ حیات سے نا امید ہو جائیں گے اور یہ بات مسلمانوں کی شوکت میں اور اضافہ پیدا کرے گی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں براء بن مالک اور مجزاۃ بن ثور رضی اللہ عنہما کے قاتل سے کیا شرما جاؤں؟ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب مجھے یہ خطرہ محسوس ہوا کہ حضرت عمرؓ اس کو قتل کر دینگے تو میں نے عرض کیا کہ اس کے قتل کے لیے کوئی سبیل نہیں رہ گئی ہے۔ آپ نے

---

[1] وعند ابن صاعد واللالکائی۔ [2] کذا فی کنز العمال ج ۲ ص ۲۹۸۔ [3] واخرج البیہقی ج ۹ ص ۵۰

اس سے فرمایا تھا کہ کوئی خطرہ کی بات نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تم نے اس سے رشوت لی ہے اور کچھ حاصل کیا ہے۔ حضرت انسؓ نے کہا نہ میں نے اس سے رشوت لی اور نہ مجھے اس کی جانب سے کچھ ملا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم اپنے اس دعویٰ پر میرے پاس اپنے علاوہ کوئی گواہ لاؤ ورنہ میں پہلے تجھے سزا دینے میں ابتدا کروں گا۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں باہر نکلا اور حضرت زبیر بن عوامؓ سے ملا۔ انہوں نے میرے ساتھ گواہی دی تب حضرت عمرؓ رُکے۔ اور ہرمزان اسلام لے آیا اور اس کے لیے وظیفہ مقرر کر دیا۔ [1]

حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمیؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم حضرت عمرؓ کی معیت میں جابیہ پہنچے آپ نے ذمیوں میں سے ایک بڈھے کو دیکھا کہ کھانا مانگتا پھر رہا ہے اس کے متعلق آپ نے دریافت کیا کسی نے بتایا کہ یہ ذمی ہے بڈھا اور کمزور ہو گیا ہے تو حضرت عمرؓ نے جو اس کے ذمہ جزیہ تھا اسے معاف کر دیا اور فرمایا تم لوگوں نے اسے جزیہ کی تکلیف دی جب یہ بڈھا ہو گیا تم نے اس کو ایسی حالت میں کر دیا کہ کھانا مانگتا پھر رہا ہے اور اس کے بعد بیت المال سے اس کے لیے دس درہم مقرر کر دیئے اور اس بڈھے کے بال بچے بھی تھے۔ اور دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت عمرؓ کا ایک ذمی بڈھے پر گذر ہوا جو مساجد کے دروازوں پر سوال کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہم نے تیرے بارے میں انصاف سے کام نہیں لیا۔ ہم تجھ سے تیرے بڑھاپے میں جزیہ لیا کرتے تھے پھر ہم نے تجھ کو تیرے بڑھاپے میں ضائع کر دیا پھر اس کے لیے بیت المال سے اس کے مناسب وظیفہ جاری کیا۔ [3]

---

[1] واخرجہ ایضا الشافعی بمعناہ مختصرا کما فی الکنز ج ۲ ص ۲۹۸ واخرجہ البیہقی ج ۹ ص ۹۶ ایضا من طریق آخر بطولہ فذکرہ فی البدایۃ ج ۷ ص ۸۷ مطولا جدا۔ [2] واخرج ابن عساکر والواقدی۔ [3] کذا فی الکنز ج ۳ ص ۳۰۱-۳۰۲

حضرت[1] یزید بن ابی مالک فرماتے ہیں کہ مسلمان جابیہ میں تھے اور ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے۔ ایک ذمّی آدمی نے آپ کی خدمت میں آکر آپ کو خبر دی کہ لوگوں نے میرے انگور کے باغ میں جھپٹا مارا ہے۔ حضرت عمرؓ نکلے آپ کی اپنے ساتھیوں میں سے ایک آدمی سے ملاقات ہوئی جو ڈھال اٹھائے ہوئے تھا اور اس ڈھال پہ انگور تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اور تم نے بھی جھپٹا مارا ہے اس نے عرض کیا اے امیر المومنین! ہم لوگوں کو بھوک لگی تھی۔ حضرت عمرؓ وہاں سے واپس ہوئے اور اس باغ والے کے لیے انگوروں کی قیمت دیئے جانے کا حکم دیا[2]۔

حضرت[3] سعید بن مسیبؓ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی حضرت عمرؓ کے پاس جھگڑا لائے۔ حضرت عمرؓ نے حق یہودی کے لیے جانا لہٰذا اس کی موافقت میں فیصلہ دیا۔ یہودی نے آپ سے کہا خدا کی قسم آپ نے حق فیصلہ دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسے کوڑے سے ٹہوکا دیا اور کہا تجھے کس طرح پتہ چلا؟ اس نے کہا خدا کی قسم ہمیں توریت میں یہ لکھا ہوا ملا ہے کہ جو قاضی حق کے ساتھ فیصلہ دیتا ہے اس کے دائیں جانب اور اس کے بائیں جانب دو فرشتے ہوتے ہیں جو اس کو راہِ راست پہ قائم رکھتے ہیں اور اس کو توفیق کی دُعا دیتے رہتے ہیں جب تک کہ قاضی حق پہ رہتا ہے اور جب حق کو چھوڑ بیٹھتا ہے وہ فرشتے اسے چھوڑ کر (آسمان پر) چڑھ جاتے ہیں۔[4]

حضرت[5] ایاس بن سلمہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بازار میں گزرے اور آپ کے پاس دُرّہ تھا آپ نے مجھے کوڑے سے حرکت دی وہ کوڑا میرے کپڑے کے کنارے پہ لگا اور فرمایا راستہ سے کوڑا کرکٹ صاف کر دے۔ جب سال آئندہ ہوا

---

[1] واخرج ابو عبید۔ [2] کذا فی کنز العمال ج ۲ ص ۲۹۹۔ [3] واخرج مالک

[4] کذا فی الترغیب ج ۳ ص ۴۵۵۔ [5] واخرج الطبری ج ۵ ص ۳۲

حضرت عمرؓ مجھ سے ملے اور مجھ سے پوچھا کیا تو حج کا ارادہ کر رہا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں۔ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنی قیام گاہ پر لے گئے اور مجھے چھ سو درہم دیئے اور فرمایا اس سے اپنے حج میں مدد حاصل کر اور تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ رقم اس کوڑے کی حرکت کی وجہ سے ہے جس سے میں نے تجھے ٹھوکا دیا تھا۔ میں نے عرض کیا اے امیر المومنین! مجھے وہ یاد نہیں، آپ نے فرمایا میں تو اُسے نہیں بھولا۔

عدلِ عثمانیؓ

ابو فراتؓ[1] فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کا ایک غلام تھا اس سے فرمایا میں نے تیرا کان مَلا تھا تو مجھ سے بدلہ لے، اس نے حضرت عثمانؓ کا کان پکڑا۔ آپ نے فرمایا سختی سے مَل دنیا کا بدلہ کیا ہی اچھا ہے کہ آخرت میں بدلہ نہ لیا جائے[2]

نافع[3] بن عبدالحارثؓ نے کہا کہ حضرت عمر بن خطابؓ مکہ معظمہ تشریف لائے اور جمعہ کے دن دارالندوہ میں داخل ہوئے اور ارادہ کیا کہ دارالندوہ سے مسجد الحرام کے جانے میں ذرا نزدیکی رہے گی، اپنی چادر گھر کی ایک کھونٹی پر ڈال دی اس پر ایک کبوتر وہاں کے کبوتروں میں سے آکر بیٹھا۔ اس کو حضرت عمرؓ نے اُڑا دیا اس پر ایک سانپ نے اُسے مار ڈالا۔ جب حضرت عمرؓ جمعہ سے فارغ ہو گئے میں اور حضرت عثمان بن عفانؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میرے اوپر تم دونوں ایک ایسی شے کے بارے میں حکم لگاؤ جو میں نے آج کے دن کی، میں اس گھر میں داخل ہوا تھا اور میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ مسجد

لہ اخرج السمان فی موافقتہ۔ ۲؎ کذا فی الریاض النصرۃ فی مناقب العشرۃ للمحب الطبری ج۲ ص۱۱۱۔ ۳؎ اخرج الامام الشافعی فی مسندہ ص۴۷۔

الحرام میں یہاں سے جانے میں ذرا نہ دیکھ رہے گی میں نے اپنی چادر اس کپڑا لٹکانے کی لکڑی پر لٹکا دی۔ اس پر ان کبوتروں میں سے ایک کبوتر آ بیٹھا۔ مجھے یہ ڈر ہوا کہ کہیں اپنی بیٹ سے میری چادر ملوث نہ کر دے میں نے اس کبوتر کو کپڑے پر سے اڑا دیا۔ وہ ایک دوسری لکڑی پر بیٹھ گیا۔ اس پر ایک سانپ لپکا اور اُسے مار ڈالا۔ اب میں اپنے جی میں خیال کر رہا ہوں کہ میں نے اس کو ایسی جگہ سے اُڑایا جہاں وہ با امن تھا اور ایسی جگہ کی طرف اُڑایا جس میں اس کی موت واقع ہوئی۔ حضرت نافع رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان رضؓ سے کہا آپ کی اس کے کفارہ میں دو دانتی بھوری بکری کے صدقہ کئے جانے کے بارے میں کیا رائے ہے کہ آپ اس کا فیصلہ امیر المومنین کو دیں؟ حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا میرا بھی یہی خیال ہے چنانچہ حضرت عمر رضؓ نے اسی کے لیے حکم دیا۔

عدلِ حضرت علی رضؓ

کلیب رضؓ[1] فرماتے ہیں کہ اصبہان سے حضرت علی رضؓ کے پاس مال آیا اسکی سات حصوں پر آپ نے تقسیم کی، اس مال میں ایک چپاتی روٹی بھی تھی اس کے بھی سات ٹکڑے کئے اور ہر حصہ میں اس کا ایک ایک ٹکڑا شامل کر دیا پھر ان حصہ پانے والے ساتوں سرداروں کو بلایا اور ان کے درمیان میں اس لیے قرعہ اندازی کی کہ ان میں سے کسے پہلے دیا جائے؟[2]

عبداللہ ہاشمی[3] اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا حضرت

---

[1] اخرج البیہقی ج ۶ ص ۳۴۸ وابن عساکر۔ [2] کذا فی الکنز ج ۶ ص ۱۶۶ واخرجہ ابن عبد البر فی الاستیعاب ج ۳ ص ۴۹۔ [3] واخرج البیہقی ج ص ۳۸ عن علی بن عبداللہ الہاشمی۔

علی رضؓ کے پاس دو سائل عورتیں آئیں ایک عرب کی رہنے والی تھی اور دوسری اس کی آزاد کردہ باندی تھی۔ حضرت علی رضؓ نے ایک ایک بوری غلہ کی اور چالیس چالیس درہم دیئے جانے کا حکم فرمایا آزاد شدہ باندی تو جو اُسے دیا گیا اسے لے کر چلی گئی، عربیہ عورت بولی اے امیر المومنین! کیا آپ مجھے بھی اُسی جیسا دے رہے ہیں، جو اسے دیا ہے حالانکہ میں عرب کی رہنے والی ہوں اور وہ آزاد شدہ باندی ہے حضرت علی رضؓ نے اس عورت کو جواب دیا۔ مَیں نے اللہ کی کتاب میں غور کیا میں نے تو اولادِ اسمٰعیلؑ کی اولادِ اسحٰقؑ پر کوئی فضیلت نہیں دیکھی۔

حضرت[1] علی بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ جعدہؓ بن ہبیرہ نے حضرت علی رضؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا آپ کی خدمت میں اے امیر المومنین! دو آدمی آتے ہیں ان میں سے ایک کو آپ اس قدر محبوب ہیں کہ اسے اتنی محبوب اپنی جان نہیں یا جعدہؓ نے اس طرح کہا کہ اس کے اہل اور اس کے مال سے آپ اسے زیادہ محبوب ہیں اور دوسرے کا یہ حال ہے کہ اگر اسے آپ کے ذبح کرنے پر قابو مل جائے تو آپ کو ذبح کر دے۔ آپ اس (ذبح کرنے والے) کے لیے فیصلہ اس (محبت رکھنے والے) کے خلاف دیتے ہیں؟ حضرت علی رضؓ نے جعدہؓ کے سینے پر ایک ہاتھ مارا اور فرمایا اگر یہ فیصلہ میری چیز ہوتی تو مَیں (تیری منشا کے مطابق) کرتا لیکن یہ ایک ایسی شے ہے جو صرف اللہ کے لیے ہے[2]۔

اصبغ[3] بن نباتہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت علی رضؓ کے ہمراہ بازار گیا۔ بازار والوں کو دیکھا کہ وہ اپنے مکانوں سے تجاوز کئے ہوئے ہیں۔ حضرت علی رضؓ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ بازار والے اپنی جگہوں سے آگے بڑھ گئے ہیں حضرت علی رضؓ نے فرمایا کیا اس بات کا انہیں اختیار نہیں؟ (یعنی انہیں ایسا کرنے کی گنجائش

---

[1] واخرج ابن عساکر۔ [2] کذا فی الکنز ج۳ ص۱۶۶۔ [3] واخرج ابو عبید فی الاموال۔

ہے) مسلمانوں کا بازار نمازیوں کی طرح ہے جو آدمی جس جگہ پہلے پہنچ گیا وہ اسی کے
ہے جب تک کہ اس جگہ کو چھوڑے نہیں ۔ [1]

عدل حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

[2] خیبر کے قصہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل روایت کے ضمن میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اہل خیبر کے پاس ہر سال خیبر کے کھجوروں کا تخمینہ کرنے کے لیے جایا کرتے تھے اور جو کچھ ان کے تخمینہ میں ٹھہرتا اس کا آدھا اہل خیبر پر مقرر کر آتے ۔ اہل خیبر نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ وہ تخمینہ پیداوار سے زیادہ لگا آتے ہیں اور (ادھر) حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو رشوت کا لالچ دیا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے اللہ کے دشمنو! تم مجھ کو حرام کھلاؤ گے؟ میں تمہارے پاس ایک ایسی ذاتِ گرامی کی طرف سے آیا ہوں جو تمام لوگوں سے مجھے محبوب ہے اور تم لوگ مجھے ایسے مبغوض ہو کہ تمہاری تعداد کے برابر بندر اور سؤر بھی ایسے مبغوض نہیں، لیکن میرا تم سے یہ بغض رکھنا اور حضور سے (اس درجہ) محبت رکھنا اس بات پر آمادہ نہیں کر سکتا کہ میں تمہارے ساتھ انصاف نہ برتوں، یہ سُن کر یہود نے کہا انہیں باتوں سے آسمان و زمین قائم ہیں [3] (یعنی اس انصاف کی بدولت)

عدل حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ

[4] حارث بن سوید فرماتے ہیں کہ مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کسی لشکر میں تھے دشمنوں کا محاصرہ کیا ۔ امیرِ لشکر نے حکم نافذ کیا کہ کوئی اپنی سواری کو چرانے نہ جائے ۔

ایک آدمی اپنی سواری چرانے کے لیے چلا گیا، اس کو اُس حکم کی اطلاع نہیں ملی تھی امیر نے اس کو مارا یہ آدمی لوٹا اور کہہ رہا تھا میں نے ایسا کبھی نہیں دیکھا جس کا آج سا بقہ پڑا۔ حضرت مقدادؓ (ادھر سے گزرے) آپ نے پوچھا تیرا کیا حال ہے؟ اس نے حضرت مقدادؓ سے اپنا قصّہ بیان کیا۔ حضرت مقدادؓ نے تلوار گلے میں لٹکائی اور اس کے ساتھ امیر لشکر کے پاس پہنچ کر کہا اپنے نفس سے اسے قصاص لینے دو، امیر قصاص دینے پر تیار ہوا اس آدمی نے معاف کر دیا۔ حضرت مقدادؓ یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے مَیں اس حال میں مرنے کی کوشش کرتا رہوں گا کہ اسلام معزز رہو۔

اللہ عادل حکمرانوں کے ساتھ ہوتا ہے

عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللهَ مَعَ الْقَاضِیْ مَالَمْ یَجُرْ فَاِذَا جَارَ تَخَلّٰی عَنْهُ وَلَزِمَهُ الشَّیْطَانُ (مشکوٰۃ باب القضاء بحوالہ الترمذی وابن ماجہ)

عبداللہ بن ابی اوفی سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ قاضی کے ساتھ ہوتا ہے جب تک وہ زیادتی نہ کرے اور جب زیادتی کرے تو اللہ اس سے الگ ہو جاتا ہے اور شیطان اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ (اس حدیث کو ترمذی ابن ماجہ سے نقل کیا ہے)

وَفِیْ رِوَایَةٍ فَاِذَا جَارَ وَکَلَهٗ اِلٰی نَفْسِهٖ)

اور ایک روایت میں ہے جب وہ زیادتی کرے تو اللہ اس کو اس کے نفس کی طرف سونپ دیتا ہے

وَعَنْ سَعِیْدِ ابْنِ الْمُسَیِّبِ اَنَّ

اور سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ ایک مسلمان

مُسْلِمًا وَّیَهُوْدِیًّا	اور یہودی عمر کے پاس
اِخْتَصَمَا اِلٰی عُمَرَ	جھگڑتے ہوئے آئے،
فَرَاٰی الْحَقَّ	پس دیکھا عمر نے حق واسطے
لِلْیَهُوْدِیِّ فَقَضٰی	یہودی کے تو فیصلہ اس
لَهٗ عُمَرُ بِهٖ	کے حق میں کیا۔ تو یہودی
فَقَالَ لَهُ الْیَهُوْدِیُّ	نے انہیں کہا کہ اللہ کی قسم
وَاللّٰهِ لَقَدْ قَضَیْتَ	تو نے صحیح فیصلہ کیا ہے
بِالْحَقِّ فَضَرَبَهٗ	تو عمرؓ نے اس کو دُرّے
بِالدُّرَّةِ وَقَالَ	سے مارا اور فرمایا تمہیں کیا
وَمَا یُدْرِیْكَ	پتہ ہے۔ تو یہودی نے
فَقَالَ الْیَهُوْدِیُّ	کہا اللہ کی قسم ہم توراۃ میں
وَاللّٰهِ اِنَّا تَجِدُ	پاتے ہیں کہ جو قاضی صحیح
فِی التَّوْرَاةِ	فیصلہ کرے تو اس کی
اَنَّهٗ لَیْسَ	دائیں جانب ایک فرشتہ
قَاضٍ یَّقْضِیْ	ہوتا ہے اور بائیں جانب
بِالْحَقِّ اِلَّا كَانَ	بھی ایک فرشتہ ہوتا ہے
عَنْ یَّمِیْنِهٖ مَلَكٌ	جو اسے حق کے لیے مضبوط
وَعَنْ شِمَالِهٖ	کرتے ہیں اور توفیق دیتے
مَلَكٌ یُّسَدِّدَانِهٖ	ہیں جب تک کہ وہ حق
وَیُوَفِّقَانِهٖ لِلْحَقِّ	کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور
مَادَامَ مَعَ الْحَقِّ	جب وہ حق کو چھوڑ دیتا

فَاِذَا تَرَکَ الْحَقَّ — ہے تو وہ فرشتے آسمان پر
عَرَجَا وَ تَرَکَاہُ — چڑھ جاتے ہیں اور اسے
(مشکوٰۃ باب القضاء بحوالہ — چھوڑ دیتے ہیں۔

تفسیر

یہاں دو حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ پہلی عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے منقول ہے۔ یہ اذا حکمتم بین الناس کی تفصیل بیان کرتی ہے۔ اور دوسری سعید بن مسیّب سے ہے۔

پہلی حدیث میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ قاضی کے ساتھ ہوتے ہیں جب تک کہ وہ حق وانصاف کا فیصلہ کرتا رہے اور ظلم وزیادتی نہ کرے اور جب وہ ظلم وزیادتی شروع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے الگ ہو جاتے ہیں اور پھر شیطان اس کے ساتھ لگ جاتا ہے۔ یہ روایت ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب وہ زیادتی شروع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اسی کے سپرد کر دیتے ہیں۔

دوسری حدیث میں اس پہلی حدیث کی تفصیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ تو بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ اس کی مدد کے لیے دو فرشتے مقرر کر دیتے ہیں۔ ایک دائیں طرف ہوتا ہے اور ایک بائیں طرف ہوتا ہے۔ یہ اس کو مضبوط کرتے ہیں اور اس کی حق کیلئے راہ نمائی کرتے ہیں۔ کہ یہ حق ہے اور یہ زیادتی ہے۔ اور جب تک یہ انصاف کرتا رہے گا تو یہ فرشتے اس کے ساتھ اسی طرح مدد کرتے رہتے ہیں۔ اور جب یہ زیادتی شروع کر دیتا ہے تو وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم

سے ہٹ جاتے ہیں۔ کیونکہ اب اگر فرشتے اس کا ساتھ دیں گے تو یہ ظلم پر تعاون ہوگا اور فرشتے ظلم پر کسی کا تعاون نہیں کرتے۔

بہرحال یہ حدیثیں واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل کی تشریح اور تفسیر ہیں۔ ان میں ایک تو حکام کو عادل بنانے کا طریقہ بیان فرمایا ہے اور دوسرا عادل حکمرانوں کا مرتبہ بیان فرمایا ہے۔ عادل بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی (جج) کا جب یہ ایمان ہوگا کہ میرے ساتھ میرا اللہ موجود ہے۔ وہ میری حرکات و سکنات کو جانتا ہے۔ میری حوائج اور ضروریات کو وہی پورا کرنے والا ہے اگر میں حق و انصاف کا فیصلہ اس کے حکم کے موافق کروں گا تو اس کی نصرت میرے ساتھ رہے گی اور اگر اس کے حکم کے خلاف اور مرضی کے برعکس کام کروں گا تو اس کی نصرت سے محروم ہو جاؤں گا اور میرے ساتھ اس کے دو باڈی گارڈ بھی موجود ہیں تو یقیناً وہ حق و انصاف کا ہی فیصلہ کرے گا اور جس کا یہ ایمان نہیں ہوگا وہ ظلم کرے گا۔ یہ تو حکام اور قاضی کو عادل بنانے کا طریقہ ہے۔

دوسرا ان احادیث میں ایسے عادل حکام اور قضات کا مرتبہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے حکام کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتے بلکہ ان کی نگرانی فرماتے ہیں تاکہ ان کو کوئی گزند نہ پہنچائے۔ کیونکہ قاضی جب کسی ظالم کے خلاف فیصلہ کرے گا تو ظاہر بات ہے کہ یہ ظالم جو ہوگا وہ ایسے قاضی کو بھی تو معاف نہیں کرے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ ایسے قاضی کی مدد اور نصرت فرماتے ہیں۔ اس حدیث سے اشارتاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کے ساتھ جو فرشتے ہوتے ہیں یہ ان فرشتوں

کے علاوہ ہوتے ہیں جو صبح و شام بدلتے رہتے ہیں جن کو قرآن مجید نے
له معقبٰت من بین یدیه ومن خلفه سے تعبیر فرمایا ہے
اسی طرح کراماً کاتبین بھی ان کے علاوہ ہیں جو ہر وقت انسان کے اعمال
لکھتے رہتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ عادل حکام کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک
خصوصی شان اور اعتبار ہے اور ظالم حکام سے اللہ تعالیٰ کو نفرت ہے
اس کی تفصیل آئندہ احادیث میں آ رہی ہے۔

عدلیہ کی اصلاح اور طریقہ خوف خدا

عَنْ بُرَیْدَةَ قَالَ	بریدہ سے روایت ہے کہ
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ	جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ	وسلم نے فرمایا کہ قاضی تین
اَلْقُضَاةُ ثَلٰثَةٌ وَاحِدٌ	ہیں۔ ایک جنت میں ہوگا،
فِی الْجَنَّةِ وَاثْنَانِ	اور دو دوزخ میں ہوں گے
فِی النَّارِ فَاَمَّا	بہرحال جنت میں وہ ہوگا
الَّذِیْ فِی الْجَنَّةِ	جس نے حق کو پہچانا اور اس
فَقَضٰی بِهٖ وَرَجُلٌ عَرَفَ	کے موافق فیصلہ کیا۔ اور
الْحَقَّ فَجَارَ فِی الْحُکْمِ	جس آدمی نے حق کو پہچانا پھر
فَهُوَ فِی النَّارِ	فیصلہ میں زیادتی کی تو وہ دوزخ
وَرَجُلٌ قَضٰی لِلنَّاسِ	میں ہوگا۔ اور تیسرا وہ آدمی
عَلٰی جَهْلٍ فَهُوَ	جو لوگوں میں فیصلہ کرے

فِی النَّارِ ۔

دراں حالیکہ وہ جاہل ہو تو وہ بھی دوزخ میں ہوگا ۔

(مشکوٰۃ باب القضا بحوالہ ابوداؤد وابن ماجہ)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ حَاکِمٍ یَحْکُمُ بَیْنَ النَّاسِ اِلَّا جَاءَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَمَلَکٌ اٰخِذٌ بِقَفَاہُ ثُمَّ یَرْفَعُ رَاْسَہٗ اِلَی السَّمَاءِ فَاِنْ قَالَ اَلْقِہٖ ۔ اَلْقَاہُ فِیْ مَھْوَاۃٍ اَرْبَعِیْنَ خَرِیْفًا

(مشکوٰۃ باب القضاء بحوالہ احمد وابن ماجہ)

عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو حاکم لوگوں میں فیصلہ کرے تو قیامت کے دن وہ آئیگا اس حال میں کہ فرشتے نے اس کو گدی سے پکڑا ہوا ہوگا ۔ پھر وہ آسمان کی طرف سر اٹھائے گا ۔ اگر اللہ اس کو کہے گا کہ اسے آگ میں ڈال دو تو وہ اسے چالیس سال کے گڑھے میں ڈال دے گا ۔

عَنْ عَائِشَۃَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیَاْتِیَنَّ عَلَی الْقَاضِی الْعَدْلِ

حضرت عائشہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا عادل قاضی پر جب قیامت کا

يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يَتَمَنّٰى اَنَّهٗ لَمْ يَقْضِ اِثْنَيْنِ فِى تَمْرَةٍ قَطُّ۔

(مشکوٰۃ باب القضاء بحوالہ احمد)

دن آئے گا تو وہ افسوس کرے گا کہ اس نے دو آدمیوں کے درمیان ایک کھجور میں بھی فیصلہ نہ کیا ہوتا۔

تشریح احادیث

یہاں تین احادیث نقل کی گئی ہیں۔ پہلی بریدہ والی ہے۔ دوسری عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے اور تیسری حضرت عائشہؓ سے۔

بریدہ والی میں یہ فرمایا ہے کہ قاضی تین قسم کے ہیں۔ ایک جنت میں جائے گا اور دو دوزخ میں جائیں گے۔ جنت میں وہ جائے گا جس نے حق وانصاف کو پہچانا ہوگا اور اس کے موافق فیصلہ بھی کیا ہوگا۔ اور جس نے حق وانصاف کو پہچانا ہو اور فیصلہ اس کے برعکس کرے تو وہ دوزخ میں جائے گا۔ اور جو حق وانصاف کو جانتا ہی نہ ہو اور وہ لوگوں میں فیصلہ کرے تو وہ بھی دوزخ میں جائے گا۔

عبداللہ بن مسعودؓ والی حدیث میں اللہ کے دربار میں حکام کی پیشی کا طریقہ بیان فرمایا ہے کہ فرشتے ہر حاکم کو گدی سے پکڑ کر اللہ کے حضور میں پیش کریں گے۔ پھر اللہ جس کے بارے میں ارشاد فرمائے گا کہ اس کو دوزخ میں ڈالو تو وہ فرشتہ اسے دوزخ میں ڈال دے گا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ وہی ہوگا جس کے بارے میں بریدہ والی حدیث میں تفصیل آگئی ہے۔

حضرت عائشہؓ والی حدیث میں جس افسوس کا ذکر ہے بظاہر یہ

معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس وقت ہوگا جب عادل قاضی ظالموں کے ساتھ یہ برتاؤ دیکھے گا۔ اور ان احادیث میں جو حقوق کا ذکر آیا ہے یہ اجمال ہے تفصیل نہیں ہے۔ بعض حقوق کی تفصیل تو خلاصہ تفسیر القرآن جلد خامس میں حقوق نسواں میں بیان ہو چکی ہے اور بعض کی تفصیل خلاصہ تفسیر القرآن جلد سادس، متعلقہ اسلامی معیشت میں بیان ہو چکی ہے اور بقیہ حقوق کی تفصیل انشاء اللہ اپنے اپنے موقعہ پر بیان ہوگی۔

بہرحال ہر حاکم قاضی کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ مخلوق میں سے کسی کا کیا حق ہے اور کتنا حق ہے۔ نیز اسے یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ انصاف سے فیصلہ کیا تو کیا فائدہ ہوگا اور اگر غلط فیصلہ کیا تو عند اللہ اس کا کتنا بڑا گناہ ہے اور اس کی کیا سزا ہے۔ یہ دونوں چیزیں اگر پیش نظر ہوں تو حکام کی یقیناً اصلاح ہو جائے گی اور پھر وہ حق و انصاف کے موافق فیصلے کریں گے۔ اور کسی پر وہ زیادتی نہیں کریں گے۔ اس لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے حکام اور قضاۃ کو بنی نوع انسان کے باہم حقوق بھی بتا دیئے ہیں اور ان کی ادائیگی کے طریقے بھی بتا دیئے ہیں۔ صحیح فیصلہ کرنے کے مراتب معیار اور غلط فیصلہ کرنے کے دنیاوی اور اخروی نتائج بھی بیان فرما دیئے ہیں۔ اب عمل کرنا یا نہ کرنا یہ ان حکام اور قضاۃ کا کام ہے اور حق کے تعارف کے لیے اپنی دانست اور شعور کافی نہیں جیسا کہ چور اور رہزن اور مسلوبہ مسروقہ مال کو اپنا حق سمجھتا ہے بلکہ حق اسے کہا جائے گا جسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حق فرمایا ہے۔ اور جسے اللہ اور اس کے رسول نے ناحق فرمایا ہے وہ ناحق ہے۔

عہدہ قضا سے اجتناب چاہیئے مگر ناگزیر حالات میں جائز ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جُعِلَ قَاضِیًا بَیْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَیْرِ سِکِّیْنٍ۔
(مشکوٰۃ باب القضا بحوالہ احمد، ترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ)

ابوہریرہ سے منقول ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو لوگوں پر ناحق قاضی بنایا گیا پس تحقیق وہ سوائے چھری کے ذبح کر دیا گیا۔ (یہ حدیث احمد ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتَغَی الْقَضَاءَ وَسَاَلَ وُکِّلَ اِلٰی نَفْسِهٖ وَمَنْ اُکْرِهَ عَلَیْهِ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْهِ مَلَکًا یُّسَدِّدُهٗ۔

انس سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قضاء کا عہدہ طلب کیا اور مانگا تو اسے اس کے نفس کی طرف سونپا جاتا ہے اور جسے مجبور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس پر فرشتہ اتارتا ہے جو اس کی مدد کرتا ہے

(مشکوٰۃ بحوالہ باب القضا بحوالہ الترمذی والبوداؤد و ابن ماجہ)

ہے (یہ حدیث ترمذی ابوداؤد اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ	ابوہریرہؓ سے روایت ہے
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ	کہ جناب رسول اللہ صلی
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ	اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ	جس نے مسلمانوں کی قضا
قَضَاءَ الْمُسْلِمِیْنَ	طلب کی یہاں تک کہ
حَتّٰى یَنَالَهٗ ثُمَّ	اسے پالیا پھر اس کا عدل
غَلَبَ عَدْلُهٗ جَوْرَهٗ	زیادتی پر غالب آیا تو
فَلَهُ الْجَنَّةُ وَمَنْ	اس کے لیے جنت ہے
غَلَبَ جَوْرُهٗ عَدْلَهٗ	اور جس کی زیادتی عدل پر
فَلَهُ النَّارُ۔	غالب آگئی تو اس کے
(مشکوٰۃ باب القضاء بحوالہ احمد)	لیے آگ ہے۔

تشریح احادیث

یہاں تین احادیث نقل کی گئی ہیں۔ دو ابوہریرہؓ سے مروی ہیں اور ایک انسؓ سے۔ ابوہریرہؓ کی پہلی حدیث میں جناب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ جس کو لوگوں کا قاضی بنایا گیا گویا وہ سوائے چھری کے ذبح کر دیا گیا ہے۔ محدثین حضرات نے اس کا معنی یہ بیان فرمایا ہے کہ یہاں ذبح سے مراد ہلاکت دین ہے یعنی اس سے دین جاتا رہے گا کیونکہ یہ اگر ناجائز فیصلہ کرے گا تو اس کے لیے دوزخ

کی سزا پہلے بیان ہوگئی ہے۔ اور اس کو بغیر چھرے کے ذبح سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ چھری سے ذبح کی وقتی تکلیف ہوگی اور یہ دوزخ میں تکلیف دائمی ہوگی۔ اور اگر یہ حق وانصاف کا فیصلہ کرے تو بھی قلبی پریشانی اور اضطراب اسے ضرور رہے گا کیونکہ یہ سردردی بے دوا اور مفت کی بیماری ہے جو چھری کی ذبح سے کہیں زیادہ ہے اس لیے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہ تعلیم دی ہے کہ آدمی کو اس عہدے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

اس کے بعد حضرت انس والی حدیث ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو از سر خود اس عہدے کی خواہش نہیں کرنی چاہیئے اور اگر اس نے ایسا کر کے بادشاہ سے عہدہ قضا لے لیا تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نصرت شاملِ حال نہیں ہوگی۔ بلکہ اسے اسی کے حوالے اور سپرد کیا جاتا ہے کہ تم خود اپنا تحفظ کرو۔ اور اگر اسے اس عہدے کے لیے مجبور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کے لیے فرشتے اتارتے ہیں۔ اور اس مجبوری کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ حاکم وقت اسے اس عہدے کا اہل سمجھ کر اسے یہ عہدہ دے اور وہ قبول نہ کرے اور پھر حاکم اسے مجبور کر کے اسے قاضی مقرر کر دے تو اس وقت اللہ کی طرف سے اس کی مدد اور نصرت ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ اس کی مدد کے لیے ایک فرشتہ مقرر کر دیں گے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ مدعی اور مدعا علیہ ظالم جابر یا غیر مسلم حکام سے بچنے کے لیے اسے مجبور کریں کہ تم ہمارے درمیان عدل وانصاف کا فیصلہ کرو۔ تو اس وقت بھی یہ مجبور ہے اگر اس نے عہدہ قبول کر کے فیصلہ کیا تو اس کی بھی من جانب اللہ

نصرت ہوگی۔

بہرحال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کو از سر خود عہدہ قضا کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اور اگر اسے مجبور کیا جائے تو حرج نہیں ہے، پھر نصرت خداوندی اس کے شاملِ حال ہوگی۔ اس کے بعد حضرت ابوہریرہؓ سے دوسری حدیث مروی ہے۔ اس میں جناب نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ آدمی عہدہ قضا طلب کرے اور پھر نظامِ عدل کو ظلم پر غالب کر دکھائے تو اس کی بھی نصرت ہوگی اور اس کو جنت میں داخلہ ملے گا اور جس نے ظلم کو غالب کیا تو اس کے لیے دوزخ ہے۔ بہرحال اس حدیث سے بھی یہ معلوم ہوا کہ آدمی کو عدل و انصاف قائم اور نافذ کرنے کی خاطر تو عہدہ قضا قبول کر لینا چاہیئے اور ظلم و تشدد اور شکم سیری اور نفس پروری کے لیے نہیں قبول کرنا چاہیئے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ اس کی نصرت نہیں فرمائیں گے۔ اور اس کے تباہ کن اور قبیح نتائج کا وہ خود ذمہ دار ہوگا اور دنیا و آخرت میں اس کا خمیازہ بھگتے گا۔

وَقَالَ الْمَلِكُ	اور بادشاہ نے کہا کہ اسے
ائْتُونِي بِهِ	میرے پاس لے آؤ تاکہ
أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي	میں اسے خاص اپنے پاس
فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ	رکھوں۔ پھر جب اس
إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا	سے بات چیت کی کہا
مَكِينٌ أَمِينٌ ۝	بے شک تو آج سے
قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ	ہمارے ہاں بڑا معزز

خَزَآئِنِ الْاَرْضِۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ۝ (سورہ یوسف آیت ۵۴-۵۵)

اور معتبر ہے۔ اس نے کہا مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دے بے شک میں خوب حفاظت کرنے والا جاننے والا ہوں۔

تفسیر

ان آیتوں میں حضرت یوسف علیہ السلام اور شاہِ مصر کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کا بیان ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی داستان بڑی لمبی ہے۔ اس کی تفصیل کا یہ مقام نہیں ہے۔ اس وقت اتنا عرض کرنا ہے کہ بادشاہِ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جب وزارتِ خزانہ کی پیش کش کی تو آپ نے اسے قبول فرمالیا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ اس ملک پر ایک بہت بڑی مصیبت قحط سالی کی صورت میں آنے والی تھی جس سے حضرت یوسف علیہ السلام آگاہ تھے اور وہی ان حالات میں کنٹرول کر سکتے تھے۔ اور ظلم پر عدل و انصاف کا غلبہ دکھا سکتے تھے اس لیے آپ نے وہ عہدہ قبول فرمالیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نظام اسلام کی خاطر اور غلبہ اسلام دکھانے کے لیے عہدہ قصداً قبول کیا جا سکتا ہے۔

قاضی کو ہشاش بشاش ہونا چاہیئے

عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ	ابی بکرہ روایت کرتے
قَالَ سَمِعْتُ	ہیں کہ میں نے رسول اللہ
رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ	صلی اللہ علیہ وسلم کو
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ	فرماتے ہوئے سُنا کہ
لَا یَقْضِیَنَّ حَکَمٌ	حاکم دو آدمیوں کے
بَیْنَ اثْنَیْنِ	درمیان غصہ کی حالت
وَھُوَ غَضْبَانٌ ۔	میں فیصلہ نہ کرے ۔

(مشکوٰۃ باب القضاء بحوالہ متفق علیہ)

تشریح

اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاضی کو غصہ کی حالت میں مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان فیصلہ کرنے سے منع فرمایا ہے ۔ محدثین نے لکھا ہے کہ شدید گرمی، شدید سردی، بھوک، پیاس اور بیماری بھی اس میں داخل ہے کیونکہ اصل مقصد حق وانصاف مہیّا کرنا ہے اور ان حالات اور کیفیات میں قاضی صحیح سوچ بھی نہیں سکے گا ۔ اور اس کی عقل مغلوب ہو جائے گی ۔ قاضی ہشاش بشاش ہو گا تب ہی تو صحیح فیصلہ دے سکے گا ۔ اس لیے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کی حالت میں فیصلہ کرنے سے منع فرمایا اور اس

سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قاضی کو کسی قسم کی منشیات کا عادی بھی نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ جس طرح مذکورہ کیفیات سے عقل میں خلل پڑتا ہے اسی طرح منشیات سے کہیں زیادہ خلل پڑتا ہے۔ اس لیے شریعت نے انہیں حرام کیا ہے کیونکہ یہ اسراف ہے اور ظلم کا باعث بھی ہیں اور ان چیزوں کا عادی انسان معاشرہ کو انصاف نہیں مہیا کر سکے گا۔

اسی لیے اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ اور فرمایا یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ۔ اے ایمان والو نماز کے قریب مت جاؤ یہاں تک کہ جان نہ لو جو تم کہتے ہو۔ حالانکہ نماز دین کا ستون ہے مگر چونکہ نشہ کی حالت میں انسان کو پتہ نہیں چلتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس لئے اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح نشہ کی حالت میں یا غیظ و غضب اور امراض وغیرہ کی حالت میں ایک حاکم وقت اور قاضی کو انصاف یا غیر انصاف کا پتہ نہیں چلے گا اس لیے اس حالت میں فیصلہ کرنے سے منع فرمایا ہے تاکہ مدعی اور مدعا علیہ کو صحیح انصاف مہیا ہو سکے۔

قاضی مدّعی اور مدّعا علیہ دونوں کے بیانات سُنے

وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ	حضرت علیؓ فرماتے ہیں
بَعَثَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ	کہ جناب رسول اللہ صلی
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	اللہ علیہ وسلم نے مجھے
اِلَی الْیَمَنِ	یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو
قَاضِیًا فَقُلْتُ	میں نے عرض کیا یا
یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ	رسول اللہ آپ مجھے بھیج
تُرْسِلُنِیْ وَاَنَا	رہے ہیں حالانکہ میں نوعمر
حَدِیْثُ السِّنِّ	ہوں اور مجھے فقہا کا علم
وَلَا عِلْمَ لِیْ	بھی نہیں ہے تو آپؐ
بِالْقَضَاءِ فَقَالَ	نے فرمایا اللہ تعالیٰ تیرے
اِنَّ اللّٰہَ سَیَھْدِیْ	دل کی رہنمائی کرے گا
قَلْبَکَ وَیُثَبِّتُ	اور تیری زبان کو مضبوط
لِسَانَکَ اِذَا	کرے گا۔ جب دو
تَقَاضَا اِلَیْکَ رَجُلَانِ	آدمی تیرے پاس فیصلہ
فَلَا تَقْضِ لِلْاَوَّلِ	لائیں تو پہلے کے حق میں
حَتّٰی تَسْمَعَ	فیصلہ نہ کرنا جب تک
کَلَامَ الْاٰخَرِ فَاِنَّہٗ	دوسرے کی بات نہ سُنے
اَحْرٰی اَنْ	اس سے تیرے فیصلے
یَتَبَیَّنَ لَکَ	کا راستہ ہموار ہو جائیگا
الْقَضَاءُ قَالَ	حضرت علیؓ نے فرمایا

فَمَا شَكَكْتُ فِي قَضَاءٍ — اس کے بعد مجھے کسی فیصلہ کے کرنے میں شک نہیں پڑا۔
(مشکوٰۃ باب الاقضیہ بحوالہ ترمذی)

تشریح

اس حدیث سے واضح اور سرسری طور پر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کو دونوں (مدعی اور مدعا علیہ) کے بیانات سننا چاہیئے۔ صرف کسی ایک کا بیان سن کر فیصلہ نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اگر وہ کسی ایک کا بیان سن کر فیصلہ کرے گا تو یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون ہے۔ اس سے مظلوم کی دادرسی نہیں ہو سکے گی۔ اور قاضی کے پاس کیس لے جانے کا مقصد یہ ہے کہ اس کو انصاف ملے۔

اس لیے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ صرف ایک کی بات سن کر فیصلہ نہ کرنا۔ مگر اس حدیث سے کچھ مزید مسائل پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ ایک یہ ہے کہ ایک قاضی القضاۃ ہونا چاہیئے جو اس عہدہ کے لیے قاضی تیار کرے اور ان کو تعلیم و تربیت دے اور اس عہدہ پر کام کرنے کے طریقے ان کو بتلائے اور پھر ان کا امتحان بھی لے۔ جیسا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات مبارکہ میں کرتے تھے۔ حضرت معاذ بن جبل والی حدیث جو پہلے بیان ہو چکی ہے اور اس حدیث سے بھی یہی اشارہ ملتا ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ہی کے در فیض سے تعلیم و تربیت یافتہ

تھے اور آپ سے قرآن وحدیث سیکھتے تھے تب ہی تو آپ نے انہیں عہدہ قضا کے لیے منتخب فرمایا تھا۔

اور دوسرا اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نوجوان کو بھی اس عہدہ قضا پر لگایا جا سکتا ہے مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ نوجوان جذباتی نہ ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مدعی اور مدعا علیہ میں سے کوئی قاضی کے ساتھ سختی کرے۔ اور قاضی جذبات میں آکر جادۂ حق سے ہٹ جائے اور اس سے حق تلفی ہو جائے جیسا کہ دوسری جگہ حدیث میں موجود ہے آپ نے فرمایا: لَا یَقْضِیَنَّ حَکَمٌ بَیْنَ اِثْنَیْنِ وَھُوَ غَضْبَانٌ۔ کوئی حاکم دو آدمیوں کے درمیان غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔

تیسرا اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس عہدہ پر آنے سے پہلے قاضی کا تجربہ کار ہونا ضروری نہیں ہے۔ یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ پہلے اس نے فیصلے کرنے کی ٹریننگ کسی تجربہ گاہ میں حاصل کی ہو تب ہی اسے قضا کا عہدہ سونپا جائے بلکہ علوم قرآن وحدیث جاننا ضروری ہے اسے پتہ ہونا چاہیئے کہ بندوں کے آپس میں ایک دوسرے پر کیا کیا حقوق ہیں۔ کیونکہ حضرت علیؓ نے جب آپ سے عرض کیا تھا کہ وَلَا عِلْمَ لِی بِالْقَضَاءِ اس سے مراد تجربہ ہے کہ مجھے فیصلوں کا تجربہ نہیں ہے یہ مقصد نہیں ہے کہ حضرت علی قرآن وحدیث کے علم سے بے خبر تھے اور نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ یہ عہدہ قبول کرنے سے گریز کر رہے تھے۔ کیونکہ آپ صوفی منش آدمی تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے صحابہؓ کو ایسے عہدے قبول کرنے سے بچنے کی اور پرہیز

کرنے کی تعلیم بھی دے چکے تھے جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔
اب یمن میں گورنر کی ضرورت تھی اور آپؐ نے حضرت علیؓ کو اس عہدے کا اہل سمجھا اور انہیں اس کی پیش کش کی۔ آپؐ کا مقصد یہ ہے کہ جب پبلک کو ایک عادل حکمران کی ضرورت ہو اور ایک شخص میں صلاحیت ہو تو اسے عہدہ قبول کر لینا چاہیئے۔ اور حضرت علیؓ نے آپ کے سامنے انکار نہیں کیا بلکہ اپنے اندر جو خامی اور فقدان صلاحیت سمجھ رہے تھے اس کو پیش کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو تسلّی دی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تیری قلبی راہ نمائی کرے گا اور تیری زبان کو مضبوط کریگا یعنی اللہ تعالیٰ تجھے قرآن وحدیث کی سمجھ دے گا اور ان سے مسائل استنباط کرنے کی اور اجتہاد کی توفیق عطا فرمائے گا۔
اور چوتھا اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اس عہدہ قضا پر جو آدمی فائز ہو گا اور اس کا مقصد عدل وانصاف ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو خصوصی نصرت ہوتی ہے جیسا کہ پہلے بھی یہ مضمون گزر گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے قاضی کی حمایت کے لیے فرشتے مقرر کر دیتے ہیں
پانچواں اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ قضا علی الغائب جائز نہیں ہے کیونکہ آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو فرمایا ہے کہ صرف ایک کی بات سن کر فیصلہ نہ کرنا دوسرے کی بات بھی سننا تو اس سے معلوم ہوا کہ دونو مدعی اور مدعا علیہ کا بولنا اور اپنا اپنا موقف بیان کرنا ضروری ہے اور جب فریق ثانی موجود ہی نہیں ہو گا تو دوسرے کا مؤقف تو معلوم نہیں ہو سکے گا اس لیے فریقین کا عدالت میں موجود ہونا ضروری ہے۔
البتہ وکیل ہو تو جائز ہے اس کی تفصیل ان شاء اللہ عنقریب آئے گی۔

قاضی کو کھلی عدالت میں بیٹھنا چاہیئے

عَنْ اَبِي الشَّمَاخِ
الْاَزْدِيِّ عَنْ ابْنِ
عَمٍّ لَهٗ مِنْ
اَصْحَابِ النَّبِيِّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اَنَّهٗ اَتٰى مُعَاوِيَةَ
فَدَخَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ
سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ
وُلِّيَ مِنْ اَمْرِ
النَّاسِ شَيْئًا ثُمَّ
اَغْلَقَ بَابَهٗ دُوْنَ
الْمُسْلِمِيْنَ اَوِ الْمَظْلُوْمِ
اَوْ ذِي الْحَاجَةِ
اَغْلَقَ اللّٰهُ دُوْنَهٗ
اَبْوَابَ رَحْمَتِهٖ
عِنْدَ حَاجَتِهٖ

ابی الشماخ ازدی نے
اپنے چچا زاد بھائی (جو
نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کے صحابہ میں سے تھے)
سے نقل کیا ہے کہ وہ
معاویہؓ کے پاس گئے
پھر اس کے کمرہ میں
داخل ہوئے تو اسے
کہا کہ میں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے
سنا ہے وہ فرماتے تھے
جس شخص کو لوگوں کے
کسی کام کا ذمہ دار بنایا
جائے پھر وہ مسلمانوں کے
سامنے یا مظلوم یا حاجتمند
کے سامنے سے اپنا
دروازہ بند کردے، تو
اللہ تعالیٰ اس کی حاجت

وَفَقْرِهٖ اَفْقَرَ مَا يَكُوْنَ اِلَيْهِ۔

اور سخت تنگدستی کے وقت اپنی رحمت کے دروازے اس پر بند کر دیتے ہیں۔

عَنْ عَمْرِو ابْنِ مُرَّةَ اَنَّهٗ قَالَ لِمُعَاوِيَةَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ وَلَّاهُ اللّٰهُ شَيْئًا مِنْ اَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَاحْتَجَبَ دُوْنَ حَاجَتِهِمْ وَخَلَّتِهِمْ وَفَقْرِهِمْ اِحْتَجَبَ اللّٰهُ دُوْنَ حَاجَتِهٖ وَخَلَّتِهٖ وَفَقْرِهٖ فَجَعَلَ مُعَاوِيَةُ رَجُلًا عَلٰى حَوَائِجِ النَّاسِ

عمرو بن مُرّہ نے حضرت معاویہ سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے آپ فرماتے تھے جس آدمی کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے کسی کام کا ذمہ دار بنادے پھر وہ ان کی حاجت، مقصد اور احتیاج پوری نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت، مقصد اور احتیاج پوری نہیں کریگے پھر معاویہ نے لوگوں کی حاجتوں کے لیے ایک آدمی مقرر کیا۔

(مشکوٰۃ باب القضاء بحوالہ ابوداؤد والترمذی)

وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ

اور ایک روایت میں ہے

وَلَا حُمَدَ اَغْلَقَ اللّٰهُ اَبْوَابَ السَّمَاءِ دُوْنَ خَلَّتِهٖ وَحَاجَتِهٖ وَمَسْكَنَتِهٖ

اللہ تعالیٰ اس کے مقصد حاجت اور احتیاج کے سامنے آسمان کے دروازے بند کر دیتے ہیں

عَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا بَعَثَ عُمَّالَهٗ شَرَطَ عَلَيْهِمْ اَنْ لَّا تَرْكَبُوْا بِرْذَوْنًا وَلَا تَاْكُلُوْا نَقِيًّا وَلَا تَلْبَسُوْا رَقِيْقًا وَلَا تُغْلِقُوْا اَبْوَابَكُمْ دُوْنَ حَوَائِجِ النَّاسِ فَاِنْ فَعَلْتُمْ شَيْئًا مِّنْ ذَالِكَ فَقَدْ حَلَّتْ بِكُمُ الْعُقُوْبَةُ ثُمَّ يُشَيِّعُهُمْ

عمر بن خطاب سے روایت ہے کہ جب وہ اپنے ذمہ داروں کو بھیجتے تھے ان پر شرط عائد کرتے تھے کہ تم نے ترکی گھوڑے پر سواری نہیں کرنی اور میدہ کی روٹی نہیں کھانی اور باریک لباس نہیں پہننا اور لوگوں کی حاجتوں کے سامنے اپنے دروازہ کو بند نہیں کرنا۔ پھر اگر تم ان میں سے کوئی کام بھی کروگے تو تم پر عذاب اتر آئے گا۔ پھر انہیں رخصت کرتے تھے۔

(مشکوٰۃ باب اقضیہ بحوالہ البیہقی فی شعب الایمان)

تشریح

یہاں اس باب میں تین احادیث نقل کی گئی ہیں۔ پہلی ابی الشملخ ازدی والی، دوسری عمرو بن مُرّہ والی اور تیسری حضرت عمرؓ کا عملی نمونہ ہے۔

پہلی دونوں حدیثوں کا خلاصہ اور لبّ لباب یہ ہے کہ مسلمان حکمرانوں کو چاہیئے کہ فیصلہ کرتے وقت کھلی عدالت میں بیٹھیں اور بند کمروں میں سماعت نہ کریں اور حاجت مندوں کی حاجتیں پوری کریں یعنی عدل و انصاف کے فیصلے کریں۔ اگر ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی ضروریات پوری کریں گے اور اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی حاجتیں پوری نہیں کریں گے وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ خود عادل ہے اور اس نے یہ عدل و انصاف کی ذمہ داری ان کو سونپی ہے۔ اگر وہ یہ ذمہ داری پوری کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے ایسے حکام کے لیے جو خصوصی مراعات رکھی ہیں وہ انہیں پوری دے گا ورنہ پھر پبلک کے غیض و غضب سے ان کا بچنا مشکل ہو گا اور اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت نہیں کرے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرؓ نے اپنے اپنے دور میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوتے اس فارمولے پر عمل کیا۔ اور حضرت معاویہؓ نے تو اپنے پاس آنے جانے والوں کے لیے ایک سپیشل آدمی مقرر کر دیا تھا جو لوگوں کی حوائج سنتا اور انہیں پورا کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ تو گورنر مقرر کرتے وقت ان کے ساتھ چار شرطیں لگاتے تھے۔

پہلی شرط یہ ہے کہ ترکی گھوڑے پر سواری نہیں کرنا (مقصد یہ ہے کہ سرکاری سواری درمیانی استعمال کرنی ہے۔) دوسری شرط یہ ہے کہ

میدہ کی روٹی نہیں کھانی (یعنی جب سرکاری خرچ کرنا ہو تو درمیانی غذا استعمال کرنا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ لباس باریک نہیں پہننا بلکہ موٹا لباس پہننا ہے یعنی جب سرکاری لباس استعمال کریں تو درمیانہ اور سادہ لباس استعمال کریں۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ اپنے دروازے لوگوں کی حاجتوں کے سامنے بند نہ رکھیں (یعنی عدالتی دروازے عدالت کے مقرر کردہ اوقات میں بند نہیں ہونے چاہیئں) ان اوقات میں قاضی حاکم کو غیر حاضر نہیں رہنا چاہیئے کیونکہ ایسا کرنے سے عوام الناس کا اعتماد حکام سے اٹھ جائے گا۔ پس جو شخص یہ شرطیں پوری کرنے کا عہد کرتا تو حضرت عمرؓ اس کو عہدہ پر لگا دیتے تھے اور جو یہ عہد نہیں کرتا تھا تو حضرت عمرؓ اس کو عہدہ نہیں دیتے تھے اور حضرت عمرؓ جس عذاب کی دھمکی سناتے تھے اس سے مراد دنیاوی اور اخروی عذاب ہے اور یہ عذاب اس لیے ہے کہ ان اصولوں کی خلاف ورزی کرنے والا عدل وانصاف کے راستے میں رکاوٹ ہے اور مظلوموں کی حق تلفی میں یہ بھی شریک ہے۔ کیونکہ عیاش حکمران اپنی شکم سیری کے لیے رشوت کا باب کھول دیں گے۔ اور بجائے مظلوم کے ظالم کا ساتھ دیں گے اس لیے حضرت عمرؓ نے یہ دروازہ بند کیا ہے۔

قاضی مسجد میں بیٹھ کر فیصلہ کرے

عَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدِ السَّاعِدِيِّ قَالَ إِنَّ عُوَيْمِرَ الْعَجْلَانِيَّ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ	سہل بن سعد ساعدی سے روایت ہے کہ عویمر عجلانی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ ایک آدمی اپنی

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَئَيْتَ
رَجُلًا وَجَدَ مَعَ
اِمْرَأَتِهٖ رَجُلًا
اَيَقْتُلُهٗ فَيَقْتُلُوْنَهٗ
اَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ
فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَدْ اُنْزِلَ فِيْكَ وَفِيْ
صَاحِبَتِكَ فَاذْهَبْ
فَأْتِ بِهَا قَالَ
سَهْلٌ فَتَلَاعَنَا
فِي الْمَسْجِدِ۔
(الحدیث مشکوٰۃ)

بیوی کے ساتھ کسی آدمی
کو پائے تو وہ کیا کرے
اسے قتل کر دے تو وہ
اسے قتل کر دیں گے۔ وہ
کیا کرے۔ تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا تحقیق وحی اُتاری گئی
ہے تیرے بارے میں
اور تیری بیوی کے بارے
میں جا اسے لے آ۔ سہل
نے کہا کہ پھر ان دونوں نے
مسجد میں لعان کیا۔

عَنْ كَعْبِ ابْنِ
مَالِكٍ اَنَّهٗ تَقَاضَا
ابْنَ اَبِيْ حَدْرَدٍ دَيْنًا
لَهٗ عَلَيْهِ فِيْ
عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فِي الْمَسْجِدِ
فَارْتَفَعَتْ اَصْوَاتُهُمَا

کعب بن مالک سے روایت
ہے کہ انہوں نے ابن
ابی حدرد سے اپنے قرضے
کا تقاضا کیا جو اس نے
اس کا دینا تھا۔ یہ واقعہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے زمانہ میں مسجد
میں در پیش آیا۔ اُن کی

حَتّٰى سَمِعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِىْ بَيْتِهٖ فَخَرَجَ اِلَيْهِمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهٖ وَ نَادٰى كَعْبَ ابْنَ مَالِكٍ قَالَ يَا كَعْبُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَشَارَ بِيَدِهٖ اَنْ ضَعِ الشَّطْرَ مِنْ دَيْنِكَ قَالَ كَعْبٌ قَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ قُمْ فَاقْضِ ۔	آوازیں بلند ہوئیں یہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر میں سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف نکلے۔ یہاں تک کہ آپ کے حجرے کا پردہ کھل گیا اور آپ نے کعب ابن مالک کو پکارا اور فرمایا اے کعب اس نے کہا حاضر ہوں یا رسول اللہ پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اپنے قرضے میں سے ایک حصّہ چھوڑ دے کعب نے کہا میں نے ایسا کر دیا ہے یا رسول اللہ تو اسے فرمایا تو اُٹھ کر ادا کر۔
(مشکوٰۃ بحوالہ متفق علیہ)	

تشریح

یہاں اس بحث میں دو حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ پہلی سہل بن

سعد والی ہے اور دوسری کعب بن مالک والی ہے۔ پہلی حدیث میں تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عملی نمونہ بیان فرمایا ہے کہ آپ نے خود عویمر عجلانی اور اس کی بیوی کے درمیان مسجد میں لعان کرایا۔ اور دوسری میں بھی مسجد میں قرض پر جھگڑا کرنے والوں میں سے صاحب قرض کو مشورہ دیا کہ تو اپنے قرض کا ایک حصّہ اس کو چھوڑ دے اور اور جب اس نے آپ کے مشورہ سے ایک حصتہ چھوڑ دیا تو پھر مقروض سے فرمایا کہ باقی اٹھ کر ادا کرو۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ قاضی فیصلہ مسجد میں کر سکتا ہے۔ آپ کے خلفاء راشدین بھی فیصلے مسجدوں میں کیا کرتے تھے۔ اور بعض اوقات آپ کے اور آپ کے خلفاء کے فیصلے مسجدوں کے علاوہ بھی ثابت ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ مسجد میں فیصلہ بہتر ہے اور مسجد کے علاوہ بھی جائز ہے اور مسجد میں بہتر اس لیے ہے کہ یہ کھلی جگہ ہے اور مقدس مقام بھی ہے۔ خدا خوفی بھی ہو گی۔ گواہ سچی گواہی دیں گے اور قاضی حق وانصاف کا فیصلہ کرے گا۔

انسدادِ رشوت

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ	اور ایک دوسرے کے
بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا	مال آپس میں ناجائز طور
بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ	پر نہ کھاؤ اور انہیں حاکموں
لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ	تک نہ پہنچاؤ تاکہ لوگوں
اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ	کے مال کا کچھ حصّہ گناہ

وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

(سورۃ البقرہ آیت ۱۸۸)

سے کھا جاؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدُ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ عَنْهُ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْ ثَوْبَانَ وَزَادَ وَالرَّائِشَ يَعْنِي الَّذِيْ يَمْشِيْ بَيْنَهُمَا ۔

عبداللہ بن عمرو نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے رشوت دینے والے اور لینے والے پر ابوداؤد اور ابن ماجہ نے یہ حدیث نقل کی ہے اور ترمذی نے اس سے اور ابوہریرہ سے نقل کی ہے اور احمد اور بیہقی نے شعب ایمان میں ثوبان سے نقل کی ہے اور اس نے رائش کا لفظ بڑھایا ہے یعنی جو ان دونوں کے درمیان رابطہ کرے

عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَفَعَ لِاَحَدٍ

ابی امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی کی سفارش کرے اور پھر

شَفَاعَةً فَاهْدٰى لَهٗ | وہ اس کو اس کی وجہ
هَدِيَّةً عَلَيْهَا فَقَبِلَهَا | سے ہدیہ دے اور وہ
فَقَدْ اَتٰى بَابًا | قبول کر لے تو وہ یقیناً
عَظِيْمًا مِنْ اَبْوَابِ | سود کے بڑے دروازے میں آیا۔
الرِّبٰى ـ (مشکوٰۃ باب اقضیہ بحوالہ ابوداؤد)

تفسیر

یہاں اس بحث میں ایک آیت نقل کی گئی ہے اور دو حدیثیں ہیں آیت میں دو مضمون ہیں۔ ایک یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل اور ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ۔ اس کی مفصل بحث خلاصہ تفسیر القرآن جلد سادس میں بیان ہو چکی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کام اور مال کو جائز اور حلال فرمایا ہے۔ وہ حلال اور طیّب ہے اور جس کو حرام اور ناجائز فرمایا ہے۔ باطل ہے۔ اور دوسرا مضمون ہے کہ اپنے مال حاکموں تک نہ لے جاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ سے کھاؤ۔ یہ جملہ مجمل ہے اور اس کے بعد والی دو حدیثیں اس کی تشریح ہیں۔ ان حدیثوں میں یہ فرمایا ہے کہ اس سے مراد رشوت ہے اور جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے، لینے والے اور ان دونوں کے درمیان رابطہ کرانے والے تینوں پر لعنت فرمائی ہے۔ یہ تو عبداللہ بن عمرو والی حدیث کا مضمون ہے۔

اس کے بعد ابی امامہ والی حدیث میں فرمایا ہے کہ کوئی کسی کی سفارش کرے اور وہ اس کو ہدیہ دے اور وہ قبول کرلے تو وہ بھی رشوت ہے

اور آپ نے اس کو سود فرمایا ہے کیونکہ بلا معاوضہ ہے اور درحقیقت یہ سود ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ان پر لعنت فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بہت بُرے ہیں کیونکہ لعنت کے معنی بعید من الرحمت کے۔ اور یہ دراصل بد دُعا ہے اور امام الانبیاء جس کے بارے میں بد دُعا کریں اس کی قبولیت میں کوئی شک بھی نہیں ہے۔ اس لیے یہ لوگ بہت بڑے مجرم ہیں کیونکہ رشوت کا باب کھل جانے سے دراصل مظالم کا باب کھل جاتا ہے اور اس کی بندش ناممکن ہو جاتی ہے اور اس کا اصلی باعث یہی رشوت ہے۔

رشوت اور ہدیہ میں فرق

رشوت اس مال کو کہتے ہیں جو کسی کی حق تلفی کے لیے یا باطل کو حق ثابت کرنے کے لیے حکام کو دیا جاتا ہے اور ہدیہ میں یہ چیز نہیں ہوتی۔ ہاں اگر دینے والے کی نیت دوسرے کا مال ہتھیانا ہو اور نام اس کا ہدیہ رکھ لے تو اس سے اس کی رشوت ہونے کی حیثیت نہیں بدلے گی۔ بلکہ وہ رشوت ہی رہے گی۔ اور یہ بہت بڑا گناہ بھی ہو گا۔ دینے والے کے لیے بھی اور لینے والے کے لیے بھی۔ دینے والے کے لیے تو یہ اس لیے بڑا گناہ ہے کہ اس نے اپنا حلال مال حرام مصرف میں خرچ کیا دوسرے کی حق تلفی کی۔ اور اس حرام کو ہدیہ کا نام دیا جو اسلام میں بہت اونچا فعل ہے۔ اور اس نے ایسا کر کے بہت برا کیا۔ لینے والے کے لیے اس لیے بڑا گناہ ہے کہ اس نے یہ مال لے کر دوسرے کا حق ضائع کیا۔ اور

سوائے کسی معاوضہ کے یہ مال لیا جو ایک طرح کا سود بھی ہے اور اگر اپنا حق ثابت کرنے کے لیے کوئی حکام کو رشوت دے تو یہ صورت دینے والے کے لیے تو جائز ہے لیکن حکام کے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ مال بلامعاوضہ ہے جو ایک طرح کا سود ہے تو اس کا جو گناہ ہے وہ بھی سود کے گناہ کے برابر ہوگا۔ بہرحال یہاں تک تو آیت کے دوسرے حصہ کی تشریح تھی جو عرض کی گئی ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ وانتم تعلمون حالانکہ تم جانتے ہو یعنی دیدہ دلیری سے اور دانستہ طور پر اور قصداً جو لوگ حکام سے غلط فیصلے کرا کر دوسروں کا مال ہتھیاتے ہیں اور ان کے اموال اپنے قبضہ میں لیتے ہیں ان کے لیے تو یہ گناہ ہے اور جس مال کے بارے میں یہ پتہ نہ ہو کہ یہ فریقین میں سے کس کا ہے اور اس سلسلہ میں وہ حکام کے پاس جائیں اور حکام تحقیق کے بعد کسی کے حق میں فیصلہ کر دیں اور انہیں یقین ہو جائے کہ یہ مال فلاں کا ہے تو اس وقت اگر وہ آدمی وہ مال کھائے جس کے حق میں فیصلہ ہوا ہے تو یہ گناہ نہیں ہوگا۔

قاضی ہدیہ قبول نہ کرے

عَنْ اَبِیْ حُمَیْدِ	ابی حمید ساعدی سے
السَّاعِدِیِّ قَالَ اِسْتَعْمَلَ	روایت ہے کہ جناب
النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلاً	نے قبیلہ ازد کے ابن لبیعہ

مِّنَ الْاَزْدِ يُقَالُ لَهٗ ابْنُ تَبِيْعَةِ عَلَى الصَّدَقَةِ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ هٰذَا لَكُمْ وَهٰذَا لِيْ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ هَلَّا جَلَسَ فِيْ بَيْتِ اَبِيْهِ اَوْ فِيْ بَيْتِ اُمِّهٖ فَيَنْظُرُ اَيُهْدٰى اَمْ لَا۔

نامی ایک شخص کو صدقہ فراہم کرنے کے لیے مقرر فرمایا۔ پھر جب وہ آیا تو کہا یہ تمہارا مال ہے اور یہ میرا مال ہے تو نبی علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں کیوں نہیں بیٹھا پھر دیکھا جاتا کہ اسے ہدیہ دیا ہے یا نہیں۔

(بخاری)

تشریح

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص عہدہ قضا پر فائز ہو تو اس دوران اس کو ہدیہ قبول نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ اس سے رشوت کا وہم پڑتا ہے۔ حکام پر رشوت خوری کی تہمت آئے گی۔ ان پر سے عوام کا اعتماد اٹھ جائے گا۔ اور پھر اس سے حکام کو رشوت کی عادت پڑ سکتی ہے فقہاء نے لکھا ہے کہ قاضی اپنے کسی رشتہ دار سے ہدیہ قبول کر سکتا ہے کیونکہ یہ صلہ رحمی ہے اور اگر وہ قبول نہیں کرے گا تو قطع رحمی ہو گی۔ نیز ان فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر قاضی کوئی ایسی شخصیت ہو کہ عہدۂ قضا پر آنے سے پہلے اگر اس کو لوگ ہدیہ دیا کرتے تھے اور وہ ہدیہ قبول کرتا تھا تو اس

عہدہ پر آنے کے بعد بھی اس کے لیے جائز ہے کہ وہ ہدیہ قبول کرے
بہر حال قاضی کے لیے ہدیہ کی بندش رشوت کے سدِّباب کا ذریعہ ہے

قاضی کے ناحق فیصلہ سے چیز حلال نہیں ہوتی

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَاِنَّمَا يَأْتِيْنِي الْخَصْمُ فَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ يَّكُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِهٖ مِنْ بَعْضٍ فَاَقْضِيْ لَهٗ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهٗ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فَاِنَّمَا هِيَ قِطْعَةٌ مِّنْ نَارٍ فَلْيَحْمِلْهَا وَلْيَذَرْهَا۔

(ابن کثیر)

ام سلمہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک آدمی ہوں اور میرے پاس جھگڑا آتا ہے۔ پس شاید کہ تمہارا ایک زیادہ زبان دراز ہو دوسرے سے بوجہ اپنی حجّت کے۔ پھر میں فیصلہ کر دوں اس کے حق میں۔ پس جو شخص کہ میں فیصلہ کر دوں اسکے حق میں کسی مسلمان کے حق کا پس یہ آگ کا ٹکڑا ہے اسے اٹھا لینا چاہیے یا اسے چھوڑ دے۔

تشریح

اس حدیث میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چیزیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک اپنے بارے میں فرمایا کہ میں آدمی ہوں خدا نہیں ہوں، تاکہ مجھے معلوم ہو کہ مدعی اور مدعا علیہ میں سے کس کا حق ہے اور کس کا نہیں ہے تاکہ جس کا حق ہو اس کو دے دوں۔ اور دوسری چیز یہ بیان فرمائی کہ میں اگر کسی کے دلائل کو دیکھ کر فیصلہ اس کے حق میں کر دوں اور کسی دوسرے مسلمان کا حق اس کو دے دوں حالانکہ وہ چیز اس کی نہ ہو تو یہ چیز اس کے لیے آگ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یعنی اس کے بدلے اُسے آگ ملے گی۔ یہ چیز اس کے لیے جائز نہیں ہے حرام ہے پس اس سے ثابت ہوا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر کوئی غلط فیصلہ کروا لیتا حالانکہ وہ چیز اس کی نہ ہو تو وہ چیز اس کے لیے حلال نہیں۔ اسی طرح قاضی سے کوئی غلط فیصلہ کروائے تو وہ چیز اس کے لیے حلال نہیں ہوتی حرام ہی ہوتی ہے۔ دراصل اس حدیث میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے نظریہ کی تردید بیان فرمائی ہے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ پیر، مولوی یا حکومت کے ذمہ دار (قاضی، جج وغیرہ) کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی چیز کو حلال کریں یا حرام۔ قاضی یا جج اگر کسی کی چیز کسی دوسرے کو دے دے تو وہ چیز اس کے لیے حلال سمجھی جاتی تھی۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اس نظریہ کی تردید بیان فرمائی ہے۔ اس کی مفصل بحث پہلے بیان ہو چکی ہے۔

قرآن مجید اور بعض احادیث میں جو تحلیل و تحریم کی نسبت اللہ تعالیٰ نے جو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف فرمائی ہے اس سے مراد نسبت مجازی ہے حقیقی نہیں ہے جیسا کہ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتے ہیں اور خبیث حرام کرتے ہیں۔ اور اس طرح آپ نے مدینہ منورہ کو زمین حرم قرار دیا۔ اگر یہاں لفظ نسبت مجازی کا بڑھا دیا جائے تو ایسی تمام آیات اور احادیث میں تعارض رفع ہو جائے گا۔ تو مقصد یہ ہوگا کہ اصل مُحلّل اور مُحرّم تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نمائندہ، نائب اور خلیفہ ہیں۔ اور یہ مانا ہوا اصول ہے کہ اکثر اوقات فعل کی نسبت مُسبّب کی طرف ہوتی ہے اور کبھی کبھی سبب کی طرف بھی نسبت کر دی جاتی ہے جیسا کہ انبت الربیع البقلَ موسم بہار نے سبزی اگائی یہ نسبت مجازی ہے حقیقتاً اللہ اگانے والا ہے۔

اگر اس اصول کو نہ مانا جائے تو پھر لوگ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تحلیل و تحریم کو سنت نبوی سمجھ کر اپنی طرف سے قرآن و حدیث میں اور شریعت اسلامی میں ردّوبدل اور تحریف شروع کر دیں گے۔ اور اسلام کے اندر بھی وہی یہودیت اور نصرانیت چل جائے گی۔ اور توراۃ و انجیل کی طرح قران کا بھی حلیہ بگڑ جائے گا

قاضی مدعی اور مدعا علیہ میں سے صرف کسی ایک کی دعوت نہ کرے

عَنِ الْحَسَنِ قَالَ	حضرت حسن نے فرمایا کہ
جَاءَ رَجُلٌ فَنَزَلَ	حضرت علی کے پاس ایک
عَلٰى عَلِيٍّ فَأَضَافَهُ	آدمی آیا تو انہوں نے اس
فَلَمَّا قَالَ إِنِّي	کی دعوت کی جب اس نے
أُرِيدُ أَنْ أُخَاصِمَهُ	کہا کہ میں اس سے مقدمہ
قَالَ عَلِيٌّ تَحَوَّلْ	کروں گا تو حضرت علی نے
فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ	فرمایا کہ ہٹ جا بے شک
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَانَا	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
أَنْ نُضِيفَ الْخَصْمَ	ہمیں منع فرمایا ہے کہ
إِلَّا وَمَعَهُ خَصْمُهُ	مقدمے والے کی دعوت
(مسند اسحاق ابن راہویہ)	کریں مگر کہ اس کا مقابل ساتھ ہو۔

تشریح

اس حدیث میں جو لفظ خصم دو جگہ استعمال ہوا ہے اس کے لفظی معنی جھگڑا کرنے والے کے آتے ہیں خواہ مدعی ہو یا مدعا علیہ مگر سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے خصم سے مراد مدعی ہے اور دوسرے سے

مراد مدعا علیہ ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قاضی ان دونوں میں سے صرف ایک کی دعوت نہیں کر سکتا ہاں اگر دونوں کی دعوت کرے تو ٹھیک ہے ورنہ اس سے قاضی کی جانب داری کا شبہ پیدا ہوگا اور فریق مخالف کی حوصلہ شکنی ہو گی اس لیے اس سے منع فرمایا ہے۔ ہاں اگر دونوں کی دعوت کرے گا تو پھر کسی ایک جانب اس کا جھکاؤ معلوم نہیں ہوگا اس لیے یہ جائز ہے اور اس حدیث میں ذکر نہیں ہے کہ وہ مدعی اور مدعا علیہ قاضی کے رشتہ دار ہوں یا غیر رشتہ دار لیکن بہر حال ضیافت رشتہ داروں کی کی جاتی ہے یا کسی با اثر آدمی کی۔ ہر ایک کی دعوت تو کوئی نہیں کرتا کسی خاص ہی کی دعوت کی جاتی ہے اور دعوت اسلام کے اندر بہت اونچا اصول ہے یہاں تک بعض صحابہ کا بیان ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہمان کی ضیافت کی اتنی تاکید فرمائی ہم سمجھے کہ شاید مہمان کو ہمارے ساتھ وراثت میں شریک کر دیا گیا ہے۔ اور اتنی تاکید کے باوجود قاضی کو یہ اجازت نہیں کہ مدعی یا مدعا علیہ میں سے کسی ایک کی دعوت کرے خواہ اس کے رشتہ دار ہوں یا غیر رشتہ دار۔ پس معلوم ہوا کہ انصاف بہت اہم ہے اور قاضی کو چاہیئے کہ کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے اس کی غیر جانب داری مشکوک ہو جائے۔

قاضی مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو برابر بٹھائے اور انکی طرف برابر توجہ کرے

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتُلِيَ بِالْقَضَاءِ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَلْيُسَاوِ بَيْنَهُمْ فِي الْجُلُوْسِ وَالْاِشَارَةِ وَالنَّظَرِ۔

ام سلمہ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمانوں کے درمیان قضا میں مبتلا کر دیا جائے تو اسے چاہیئے کہ ان کے درمیان بیٹھنے میں اشارہ میں اور توجہ میں برابری کرے۔

(مسند اسحاق بن راہویہ)

تشریح

اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے قاضی اور حاکم کو تین ہدایات دی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ مدعی اور مدعا علیہ کو اپنے سامنے برابر بٹھائے اور دوسری ہدایت یہ ہے کہ دونوں کی طرف برابر اشارہ کرے اور تیسری یہ ہے کہ دونوں کی طرف برابر نظر کرے۔

اس حدیث میں جو مسلمین کا ذکر ہے یہ اتفاقی یا اکثریت کی بنا پر ہے۔ یہ مقصد نہیں کہ مسلمانوں کے درمیان تو قاضی مساوات کرے

اور غیر مسلموں کے ساتھ امتیاز برتے اور مساوات نہ کرے بلکہ جس طرح مسلمانوں کے ساتھ مساوات برتنا ہے کافروں کے ساتھ بھی اسی طرح مساوات برتے۔ مدعی اور مدعا علیہ دونوں کافر ہوں تب بھی مساوات ہوگی اور اگر ایک مسلم ہو اور دوسرا غیر مسلم تو بھی یہی مساوات ہوگی اور اسی طرح مدعی اور مدعا علیہ قاضی کے رشتہ دار ہوں تو بھی یہی مساوات ہوگی اور غیر رشتہ دار ہوں تب بھی۔ اسی طرح حاکم وقت اور چپراسی کے درمیان بھی مساوات کا یہی اصول ہوگا اگر قاضی ان اصولوں کی خلاف ورزی کرے گا تو اس پر جانب داری کی تہمت آئے گی۔ اور اس سے فریق مخالف شکستہ دل ہو کر اپنا حق چھوڑ دے گا۔ وہ یہ سمجھے گا کہ اس عدالت سے انصاف نہیں ملے گا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ قاضی ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ سرگوشی بھی نہ کرے۔ ہنسی بھی نہ کرے اور ان سے مذاق بھی نہ کرے۔ کیونکہ یہ تمام مواقع تہمت کے ہیں اور ان سے جانبداری کا اشارہ ملتا ہے اور قاضی کو ہرگز ایسا رویہ نہیں اختیار کرنا چاہیئے جن سے اس کی غیر جانبداری مشکوک ہو۔

عُمّال کی تنخواہیں معقول ہونی چاہئیں

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ	ابو ہریرہ نے فرمایا کہ
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ	جناب رسول اللہ صلی
اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ	اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وَسَلَّمَ مَا اُعْطِيكُمْ وَلَا اَمْنَعُكُمْ اَنَا قَاسِمٌ اَضَعُ حَيْثُ اُمِرْتُ (مشکوٰۃ باب رزق الولاۃ بحوالہ بخاری)

میں از سر خود نہ تمہیں کچھ دیتا ہوں اور نہ تم سے روکتا ہوں۔ میں تو تقسیم کرنے والا ہوں میں امانت وہیں رکھتا ہوں جہاں مجھے حکم دیا گیا ہے

عَنْ بُرَيْدَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلٰى عَمَلٍ فَرَزَقْنَاهُ رِزْقًا فَمَا اَخَذَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ غُلُولٌ۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداود)

بریدہ سے منقول ہے کہ جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم کسی کو کسی کام پر مقرر کریں اور پھر اس کو کوئی معاوضہ دیں تو اس کے بعد جو لے گا تو وہ خیانت ہوگی۔

وَعَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ كَانَ لَنَا عَامِلًا فَلْيَكْتَسِبْ زَوْجَةً فَاِنْ لَمْ يَكُنْ

مستورد بن شداد نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ جو ہمارا عامل ہو تو اسے چاہیئے کہ بیوی کا خرچ لے اگر اس کا خادم نہیں

لَهٗ خَادِمٌ فَلْيَكْتَسِبْ	تو خادم لے اور جس کی
خَادِمًا فَاِنْ لَّمْ	رہائش نہیں اسے چاہیئے
يَكُنْ لَهٗ مَسْكَنٌ	کہ رہائش لے اور ایک
فَلْيَكْتَسِبْ مَسْكَنًا	روایت میں ہے کہ جو
وَ فِي رِوَايَةٍ مَنِ	اس کے سوا لے گا تو
اتَّخَذَ غَيْرَ ذَالِكَ	وہ خائن ہو گا۔

فَهُوَ غَالٌّ (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد)

عَنْ عُمَرَ قَالَ	حضرت عمر سے روایت
عُمِّلْتُ عَلٰى عَهْدِ	ہے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ
رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى	صلی اللہ علیہ وسلم کے
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	زمانہ میں عامل مقرر کیا
فَعَمَّلَنِيْ۔	گیا تو آپ نے مجھے
(ابو داؤد)	اس کا معاوضہ دیا۔

تشریح

یہاں اس بحث میں چار احادیث نقل کی گئی ہیں۔ پہلی ابوہریرہ والی اور دوسری بریدہ والی اور تیسری مستورد بن شدّاد والی ہے۔

پہلی حدیث میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنی مرضی سے نہ کسی کو کچھ دیتا ہوں اور نہ کسی سے روکتا ہوں۔ میرا کام تو صرف مال تقسیم کرنا اور بانٹنا ہے۔ دینے والا اللہ ہے۔ میں جس کو دیتا ہوں اور جتنا دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق دیتا ہوں۔

اور دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ ہم جس کو کسی عہدے پر لگائیں اور اس کے لیے معاوضہ مقرر کر دیں تو اس مقرر کردہ معاوضہ سے زیادہ جو اپنی مرضی سے لے گا تو وہ بددیانتی ہے۔

تیسری حدیث میں اس معاوضہ کی حد بیان فرمائی ہے کہ وہ عامل بیوی کا مہر، نفقہ اور لباس خادم کی تنخواہ اور مکان حسب ضرورت اور کفایت بیت المال سے لے سکتا ہے۔ اس سے زیادہ لینا اسراف میں شامل ہے اور اسراف حرام ہے۔

ان احادیث سے پانچ باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت خلیفہ کی تھی اور خلیفہ کا کام قانون بنانا نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بنے بنائے ہوئے قانون کو نافذ کرتا ہے جیسا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمال کو اجرت اور معاوضہ لیتے وقت فرمایا کہ میں اپنی طرف سے نہ تو کسی کو دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں میں تو جو کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق کرتا ہوں اور دوسرا اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ منشئی اور حکم الٰہی یہ ہے کہ سرکاری عمال اور اہل کاروں کی تنخواہ ہونی چاہیئے کیونکہ تنخواہ کے سوا نظام مملکت چل نہیں سکے گا اور تیسرا اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے خلیفہ اور امیر المومنین کے انداز گفتگو میں کسر نفسی ہونی چاہیئے اور اسے ایسا جملہ بالفظ بھی نہیں استعمال کرنا چاہیئے جس سے شرک کا وہم پیدا ہوتا ہو۔ جیسا کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں نہ تو کسی کو دیتا ہوں نہ روکتا ہوں۔ اللہ دیتا ہے، روکتا ہے میں تو اس کے حکم کا پابند ہوں۔ اس انداز گفتگو سے عمال اور اہل کاروں کو وظیفہ مل

جائے گا اس پر وہ راضی بقضا رہیں گے ورنہ ان کے اندر احساس محرومی پیدا ہو گا اور اس کے نتائج تباہ کن ہوں گے۔

چوتھا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقرر کردہ تنخواہ سے زیادہ جو مال لے گا وہ بد دیانتی میں شامل ہے۔ یہ عام ہے خواہ بیت المال سے کسی غریب سے لے یا مدعی اور مدعا علیہ سے بطور رشوت لے بد دیانتی کی سزا عنقریب بیان ہو گی۔

پانچواں اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ سرکاری عُمّال اور اہلکاروں کی تنخواہیں معقول ہونی چاہئیں تاکہ ان کو رشوت اور بد دیانتی کی طرف ہاتھ نہ بڑھانا پڑے۔ اور تنخواہوں کی معقولیت کی حد بھی بیان فرما دی ہے کہ بیوی کا خرچ، خادم کا خرچ، مکان۔ بیوی کے خرچ کے سلسلہ میں کوئی شرط عائد نہیں کی البتہ خادم اور مکان کے نہ ہونے کی ساتھ شرط رکھی ہے اس سے اشارہ ملتا ہے کہ اگر اس کو خادم کی ضرورت نہیں مثلاً اس کی بیوی خود کام کر سکتی ہے تو پھر اس کو یہ خرچ نہیں ملے گا۔ اسی طرح اگر اس کا اپنا ذاتی مکان ہے تو پھر اس کو یہ خرچ نہیں ملے گا۔ اگر مکان ذاتی نہ ہو تو پھر وہ بیت المال سے یہ خرچ لے سکتا ہے اور اگر ان شروط کی خلاف ورزی کر کے کوئی بیت المال سے خرچ لے گا تو یہ سب بد دیانتی کی صورتیں ہیں حضرت عمرؓ والی حدیث میں آپ کا عملی نمونہ ہے۔

عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ	حضرت عائشہ نے
لَمَّا اسْتُخْلِفَ اَبُوْبَکْرٍ	فرمایا کہ جب ابوبکرؓ خلیفہ
قَالَ لَقَدْ عَلِمَ	بنائے گئے تو انہوں

قَوْمِي أَنَّ حِرْفَتِي لَمْ تَكُنْ تَعْجِزُ عَنْ مُؤْنَةِ أَهْلِي وَشُغِلْتُ بِأَمْرِ الْمُسْلِمِينَ فَسَيَأْكُلُ آلُ أَبِي بَكْرٍ مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَيَحْتَرِفُ لِلْمُسْلِمِينَ فِيهِ۔
(مشکوٰۃ بحوالہ

نے فرمایا کہ میری قوم یقیناً جانتی ہے کہ میری کمائی میرے اہل و عیال کے لیے کم نہیں ہے اور مجھے مسلمانوں کے کام میں مشغول کر دیا گیا ہے تو ابوبکر کی اہل بیت المال سے کھائے گی اور وہ مسلمانوں کا کام کرے گا۔

تشریح

حضرت ابوبکرؓ عہدہ خلافت پر آنے سے پہلے کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ مگر جب خلافت کا بوجھ ان کے کندھوں پر ڈال دیا گیا تو پھر انہوں نے بیت المال سے وظیفہ لینا شروع کیا۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ مسلم حکام کو بیت المال سے وظیفہ لینا جائز ہے مگر یہ وظیفہ بقدر حاجت ہونا چاہیئے جس کی تفصیل پہلے آ چکی ہے۔

بددیانتی کی اخروی سزا کا بیان

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ (سورۃ آل عمران آیت ۱۶۱)

اور کسی نبی کو یہ لائق نہیں کہ خیانت کرے اور جو خیانت کرے گا اس چیز کو قیامت کے دن لائیگا جو خیانت کی تھی۔ پھر ہر کوئی پورا پا لے گا جو اس نے کمایا تھا اور وہ ظلم نہیں کئے جائیں گے۔

عَنْ خَوْلَةَ الْاَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رِجَالًا يَتَخَوَّضُوْنَ فِيْ مَالِ اللّٰهِ بِغَيْرِ حَقٍّ فَلَهُمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری)

خولہ انصاریہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کچھ لوگ اللہ کے مال میں ناحق تصرف کرتے ہیں قیامت کے دن ان کے لیے آگ ہوگی۔

عَنْ مُعَاذٍ قَالَ بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

معاذ نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ فَلَمَّا سِرْتُ أَرْسَلَ فِي أَثَرِي فَرُدِدْتُ فَقَالَ أَتَدْرِي لِمَ بَعَثْتُ إِلَيْكَ لَا تُصِيبَنَّ شَيْئًا بِغَيْرِ إِذْنِي فَإِنَّهُ غُلُولٌ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِهٰذَا دَعَوْتُكَ فَامْضِ بِعَمَلِكَ۔

(مشکوٰۃ باب رزق الولاۃ بحوالہ ترمذی)

وسلم نے یمن کی طرف بھیجا جب میں چلا گیا تو میرے پیچھے آدمی بھیج کر مجھے لوٹا لیا گیا تو پھر آپ نے فرمایا پتہ ہے میں نے تیرے پیچھے آدمی کیوں بھیجا ہے؟ میری اجازت کے سوا کوئی چیز نہ لینا بے شک یہ بددیانتی ہے اور جو بددیانتی کریگا قیامت کے دن وہ چیز اسے حاضر کرنی پڑے گی لہٰذا میں نے تجھے بلایا ہے اب اپنے کام پر چلو۔

عَنْ عَدِيِّ ابْنِ عُمَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ مَنْ عُمِّلَ مِنْكُمْ لَنَا عَلَى عَمَلٍ فَكَتَمَنَا مِنْهُ

عدی بن عمیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو تم میں سے جس کو کسی کام پر ہمارا عامل مقرر کیا جائے پھر وہ اس مال سے ہم سے ایک سوئی

مُخِيطًا فَمَا فَوْقَهُ
فَهُوَ غَلٌّ يَاْتِيْ
بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
فَقَامَ رَجُلٌ مِّنَ
الْاَنْصَارِ فَقَالَ يَا
رَسُوْلَ اللّٰهِ اِقْبَلْ
عَنِّيْ عَمَلَكَ قَالَ
وَمَا ذَاكَ قَالَ
سَمِعْتُكَ تَقُوْلُ
كَذَا وَكَذَا قَالَ
وَاَنَا اَقُوْلُ ذٰلِكَ
مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ
عَلٰى عَمَلٍ فَلْيَاْتِ
بِقَلِيْلِهٖ وَكَثِيْرِهٖ
فَمَا اُوْتِيَ مِنْهُ
اَخَذَهُ وَمَا نُهِيَ
عَنْهُ اِنْتَهٰى۔
(مشکوٰۃ بحوالہ مسلم)

بھی چھپا لے یا زیادہ
اس سے (قلت میں)
پس وہ خیانت کرنے
والا ہے۔ قیامت کے
دن اسے حاضر کرے گا
تو انصار میں سے ایک
آدمی کھڑا ہوا۔ کہا یا رسول
اللہ واپس لیں میری طرف
سے اپنا عمل۔ آپؐ نے
فرمایا یہ کیا تو اس نے
کہا میں نے آپ سے سنا
ہے آپؐ نے ایسا ایسا
فرمایا ہے۔ تو آپؐ نے
فرمایا میں یہ کہہ رہا ہوں
کہ جس کو ہم کسی کام پر
لگائیں تو اسے چاہیئے کہ
تھوڑا ہو یا زیادہ وہ لے
آئے۔ اس میں سے اسے
جو معاوضہ دیا جائے تو
وہ لے اور جس سے روکا
جائے اس سے رک جائے

تشریح

یہاں اس باب میں ایک آیت اور تین احادیث نقل کی گئی ہیں ان سب میں سرکاری مال سے چوری کرنے کی سزا دوزخ بیان فرمائی ہے اگرچہ وہ چیز انتہائی قلیل مقدار میں کیوں نہ ہو۔ اور فرمایا ہے کہ وہ چیز بھی اسے قیامت کے دن حاضر کرنی پڑے گی ۔ایک اور حدیث میں ہے کہ اگر کسی نے بیت المال کا اونٹ چرایا ہوگا، تو قیامت کے روز وہ اللہ کے دربار میں اس حالت میں حاضر ہوگا کہ وہ اونٹ اس نے اپنی گردن پر اٹھایا ہوا ہوگا۔

آخر میں فرمایا ہے کہ جو اسکو دیا جائے وہ لے اپنی مرضی سے وہ بیت المال سے کچھ بھی نہیں لے سکتا۔ اس جملہ سے اور اس سے پہلے بغیر اذن کے جملہ سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ سرکاری اہل کاروں کی تنخواہیں مقرر کرنا امیر وقت کا کام ہے۔ دراصل جب کوئی آدمی کسی چیز میں محنت کرتا ہے تو یہ اس کے منافع میں شریک اور دخیل ہو جاتا ہے مگر اس منافع کا تعین باقی معاملات میں فریقین کی رائے پر موقوف ہوتا ہے جس کی تفصیل خلاصہ تفسیر القرآن جلد سادس میں بیان ہو چکی ہے لیکن بیت المال سے جو منافع طے ہوگا وہ امیر کی صوابدید پر موقوف ہے۔

غیر مسلموں میں عدل کا فیصلہ کیا جائے

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ
اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ
فَاِنْ جَآءُوْكَ
فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ
اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ
وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ
فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ
شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ
حَكَمْتَ فَاحْكُمْ
بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
الْمُقْسِطِيْنَ ۝ وَكَيْفَ
يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ
التَّوْرٰىةُ فِيْهَا
حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ
يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ
ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ
بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝
(سورۃ المائدہ آیت ۴۲-۴۳)

جھوٹ بولنے کے لیے
جاسوسی کرنے والے ہیں
بہت حرام کھانے والے
ہیں، اگر وہ تیرے پاس
آئیں تو ان کے درمیان
فیصلہ کر یا ان سے منہ
پھیر۔ اگر تو ان سے منہ
پھیرے گا تو وہ تیرا کچھ
نہ بگاڑ سکیں گے۔ اگر
تو فیصلہ کرے تو انصاف
سے فیصلہ کر بے شک
اللہ انصاف کرنے والوں
کو دوست رکھتا ہے
اور وہ تجھے کس طرح
منصف بنائیں گے حالانکہ
ان کے پاس توراۃ ہے
جس میں اللہ کا حکم ہے
پھر اسکے بعد ہٹ جاتے
ہیں اور یہ مؤمن نہیں ہیں۔

تفسیر

ان آیتوں کی پوری تفسیر وتشریح اور شانِ نزول مضمون نمبر ۲۶ میں بیان ہو چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے البتہ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار عالیہ میں دو کیس آئے ایک زنا کا اور دوسرا قصاص کا۔ اور یہ کیس لانے والے یہودی تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیات آپ پر اتاریں اور ان میں آپؐ کو اختیار دیا گیا کہ آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں یا نہ کریں اگر فیصلہ کریں تو فیصلہ انصاف سے کرنا ہو گا اور جب آپؐ کو یہ حکم تھا تو پھر ہر اسلامی عدالت کو بھی یہ اختیار ہے اور حکم بھی ہے کہ غیر مسلموں کے درمیان فیصلہ کریں یا نہ کریں اور اگر وہ فیصلہ کریں تو فیصلہ انصاف سے کریں ان کی خواہش کے موافق فیصلہ نہ کریں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ کسی کا کفر یا فسق و فجور اسے انصاف سے محروم نہیں کرتا انصاف اسے ضرور مہیا کرنا چاہیئے یہ اسلامی عدالت کا فریضہ ہے۔

عنوان نمبر ۱۴۶ سے لے کر یہاں تک جو تفصیل بیان ہوئی ہے یہ سورۃ النساء کی آیت ۵۸ کی تشریح اور توضیح ہے۔ اس میں حکام کو عادل بنانے کے طریقے اور اصول بیان فرمائے گئے ہیں اب اس کے بعد گواہوں کو عادل بنانے کے طریقے بیان ہوں گے کیونکہ مدّعی اور مدّعا علیہ کو انصاف مہیا تب ہی ہو سکتا ہے کہ جب یہ دونوں طبقے عادل ہوں۔ صرف اگر حکام عادل ہوں اور گواہ عادل نہ ہوں تب بھی حق ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور اگر گواہ عادل ہوں مگر

حکام عادل نہ ہوں تب بھی حق ثابت نہیں ہو سکتا لہٰذا انصاف کے لیے اور کسی کا حق ثابت کرنے کے لیے ان دو طبقوں کا عادل ہونا ضروری ہے۔ عادل حکام کی تفصیل تو پہلے آچکی ہے اور اب انشاء اللہ گواہوں کی تفصیل عرض کی جائے گی۔ گواہوں کا عادل ہونا اس لیے ضروری ہے کہ گواہ چونکہ حقیقتِ حال سے پوری طرح واقف ہوتا ہے اور اسے پتہ ہوتا ہے کہ کس کا حق ہے اور کس کا نہیں ہے اگر گواہ کے دل میں خدا کا خوف ہوگا تو وہ صحیح بتادے گا اور اگر اس کے دل میں خدا کا خوف نہیں ہوگا تو وہ صحیح نہیں بتائے گا اس لیے یہ لازم ہے کہ گواہوں کے لیے بھی کوئی ضابطے ہوں کہ کون گواہی دے سکتا ہے اور کون نہیں دے سکتا۔ کس کی گواہی قبول ہے اور کس کی قبول نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں اسلام نے زریں اصول بیان کئے ہیں جن کی تفصیل انشاء اللہ آئندہ ابواب میں عرض کریں گے۔ اگر ان پر عمل کیا جائے تو کوئی بھی انصاف سے محروم نہیں رہ سکتا اور کوئی ظالم کسی کا حق چھین نہیں سکتا۔

حق و انصاف کی شہادت

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ	اے ایمان والو انصاف
اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰامِیْنَ	پر قائم رہو اللہ کی طرف
بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ	کی گواہی دو اگرچہ اپنی
وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ	جانوں پر ہو یا ماں باپ

اَوِالْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ
اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا
اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ
اَوْلٰى بِهِمَا قف
فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى
اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ
تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا
فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝
(سورۃ النساء آیت ۱۳۵)
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ
لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز
وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ
شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى
اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا
هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى
وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ
اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ ۝
(سورۃ المائدہ آیت ۸)

اور رشتہ داروں پر۔ اگر
کوئی مال دار ہے یا فقیر
ہے تو اللہ ان کا تم سے
زیادہ خیر خواہ ہے سو
تم انصاف کرنے میں
دل کی خواہش کی پیروی
نہ کرو۔ اور اگر تم کج
بیانی کروگے یا پہلوتہی
کروگے تو بلاشبہ اللہ
تمہارے سب اعمال سے
باخبر ہے۔ اے ایمان والو
اللہ کے واسطے انصاف
کی گواہی دینے کے لیے
کھڑے ہو جاؤ اور کسی
قوم کی دشمنی کے باعث
انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو
انصاف کرو۔ یہ ہی بات
تقویٰ کے نزدیک ہے اور
اللہ سے ڈرتے رہو جو
کچھ تم کرتے ہو بے شک
اللہ اس سے باخبر ہے۔

تفسیر

یہاں اس بحث میں دو آیتیں نقل کی گئی ہیں۔ پہلی آیت سورۃ النساء کی ہے اور دوسری آیت سورۃ المائدہ کی ہے۔ سورۃ النساء والی آیت میں تین چیزوں کا بیان ہے۔ ایک صیغہ امر ہے دوسرا نھی ہے اور تیسرا اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم کا بیان ہے۔

صیغہ امر تو کُوْنُوْا ہے اس کے معنی ہے ہو جاؤ اور یہ کَانَ سے بنا ہے اور یہ وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں خبر کو اسم کے لیے ہمیشہ ثابت کرنا مقصود ہو اور یہاں کُوْنُوْا میں واوٗ اس کا اسم ہے اور قَوّٰامِیْنَ اس کی خبر ہے اور قوّامین صیغہ مبالغہ ہے جو قَوَّام سے بنا ہے اس کا معنی ہے مضبوطی اور سختی کے ساتھ کھڑا ہونے والے۔ قسط کے معنی ہے انصاف، شھداء شہیدؔ کی جمع ہے شہادت سے بنا ہے اس کا معنی ہے سند اور سرٹیفکیٹ۔ لِلّٰہِ میں لام خصوص کے لیے ہے اب معنی یہ ہو گا کہ اے ایمان والو ہمیشہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عدل و انصاف کی گواہی پر سختی اور مضبوطی کے ساتھ ڈٹے رہو۔ اور قوّامین کے معنی اصلاح کرنے کے بھی ہیں تو اب معنی یہ ہو گا کہ اے ایمان والو ہمت کر کے اللہ تعالیٰ کے عادلانہ نظام سے ملک کے ظالمانہ نظام کو بدل دو۔ اور گواہی دینے کے سلسلہ میں کبھی تو آدمی خود متأثر ہوتا ہے اور کبھی خویش و اقارب کا لحاظ کرنا پڑتا ہے اور کبھی جس کے خلاف گواہی دینا ہو وہ امیر ہوتا ہے اور اندیشہ ہوتا ہے کہ اس کے خلاف گواہی دینگے تو نقصان پہنچائے گا

اور کبھی وہ غریب ہوتا ہے اور گواہی دینے والے کو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر میں اس کے خلاف گواہی دوں گا تو اس کا بالکل ہی دیوالیہ ہو جائے گا۔ ان تمام صورتوں میں فرمایا ہے کہ تم نے ڈٹ کر گواہی دینا ہے نہ اپنی پرواہ کرنا ہے اور نہ خویش واقارب اور اغنیاء اور غرباء کی پرواہ کرنا ہے۔ کیونکہ گواہی تو اللہ کی رضا کے لیے دینا ہے اور جب اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ان کے خلاف گواہی دینا ہے تو پھر اس کے حکم کی تعمیل کرنا ہے اور وہ تمہاری نسبت ان کا زیادہ خیر خواہ ہے اور خیر خواہی یہاں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو تمہاری شہادت کی وجہ سے حرام کھانے سے بچا رہے ہیں۔ یہ توصیغہ امر کے ذیل میں جو الفاظ ہیں ان کی تشریح اور توضیح عرض کی ہے۔

دوسری چیز صیغہ نہی ہے فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰى کہ عدل وانصاف کے سلسلہ میں اپنی خواہش کی پیروی مت کرو یعنی صاف صاف گواہی دو، کج بیانی بھی نہ کرو اور گواہی دینے سے انکار بھی نہ کرو

تیسری چیز اصلاح عقیدہ کے لیے فرمائی ہے کہ ان اللہ کان بما تعملون خبیرًا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے یہ توسورۃ النساء کی آیت کی تشریح اور توضیح تھی جو بیان ہوگئی ہے اور اس کے بعد سورۃ المائدہ کی آیت ہے اس میں چھ چیزوں کا بیان ہے تین آرڈر ہیں ایک نہی ہے، ایک تقویٰ کا فائدہ ہے اور اصلاح عقیدہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی صفت علم کا بیان ہے۔ آرڈر نمبر ۱ آمنوا سے لے کر بالقسط تک کی تشریح وہی ہے جو سورۃ النساء میں بیان ہوگئی ہے اور دوسرے نمبر پر نہی ہے کہ دشمنی اور عداوت کی وجہ سے کسی

کے خلاف گواہی مت دو۔ اور تیسرے نمبر پہ آرڈر نمبر ۲ ہے اِعْدِلُوْا عدل کرو۔ اور چوتھے نمبر پہ اس عدل کا فائدہ بیان فرمایا ہے کہ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی کہ عدل کرنا تقوٰی سے زیادہ قریب ہے۔ اسلام میں جتنے بھی اصول ہیں ان سب کا مقصد تقوٰی ہی ہے مگر عدل وانصاف کی گواہی تقوٰی سے زیادہ قریب ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جب ایک مسلمان گواہ عدل وانصاف کی جب گواہی دیگا اور قاضی اور جج اس کے موافق فیصلہ دے گا تو اس سے اللہ تعالیٰ کا عادل ہونا ثابت ہو جائے گا۔ اس سے یہ تقوٰی سے زیادہ قریب ہے اور باقی اصولوں پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ کا عادل ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ وہ اصول صرف اللہ تعالیٰ کے قرب کا ہی ذریعہ ہیں۔ اللہ تعالےٰ کو سب سے زیادہ عدل پسند ہے۔ اور پانچویں نمبر پہ اللہ تعالیٰ نے گواہوں کو اپنی ذات سے ڈرتے رہنے کا حکم دیا ہے اور چھٹے نمبر پہ اصلاح عقیدہ کے لیے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

خلاصہ اور لبِّ لباب یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہاں اس بحث میں چار دفعہ حق وانصاف کی گواہی کا حکم دیا اور دو دفعہ اس کی خلاف ورزی سے منع فرمایا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو اتنی تاکید فرمارہے ہیں کہ یہ گواہی ضرور دینا ہے اور یہ گواہی دینا فرض ہے جیسا کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ فرض ہیں یہ بھی فرض ہے اور جس طرح نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا تارک گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے اس کا تارک بھی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے کیونکہ اس

کی سچّی گواہی نہ دینے کی وجہ دوسرے کی حق تلفی ہو گی۔ اور ان آیات سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ گواہی دیتے وقت گواہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ لفظ شہادت استعمال کرے کیونکہ ان آیات میں دو دفعہ لفظ شہداء آیا ہے جو شہید کی جمع ہے شہادت سے لیا ہے اور ان آیات سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ گواہوں کے لیے عادل ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے چار دفعہ عدل کا ذکر فرمایا ہے۔ یعنی وہ گناہ کبائر کے مرتکب نہ ہوں کیونکہ گواہی دینا یہ ایک دینی فریضہ ہے اور جو آدمی باقی دینی احکامات کی پرواہ نہیں کرتا وہ اس فریضہ کی بھی پرواہ نہیں کرے گا اور اس کی گواہی مشکوک ہو جائے گی اور حق ثابت کرنے کے لیے مشکوک گواہی نہیں چاہیئے یقینی گواہی چاہیئے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب گواہ نیک ہو۔ ہاں اگر قاضی کو کسی فاسق گواہ کی شہادت پر یقین ہو کہ یہ اس معاملہ میں جو گواہی دے رہا ہے سچا ہے اور اس پر وہ فیصلہ دے دے۔ تو احناف فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ جائز ہے اور شافعیہ کے نزدیک یہ جائز نہیں اور وہ جرائم جن کے ارتکاب سے انسان پر حد شرعی واجب ہوتی ہے وہاں گواہی دینے کی بجائے گواہی نہ دینا بہتر ہے۔ یہ مذکورہ آیات اس سلسلہ میں مجمل ہیں۔ ان کی پوری تشریح ان شاء اللہ عنقریب بیان ہو گی۔

تحقیق شہادت

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰۤى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

(سورۃ النساء آیت نمبر ۸۳)

اور جب ان کے پاس کوئی خبر امن یا ڈر کی پہنچتی ہے تو اسے مشہور کر دیتے ہیں۔ اور اگر اسے رسول اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اصحاب تک پہنچاتے تو اس کی تحقیق کرتے جو ان میں تحقیق کرنے والے ہیں۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو البتہ تم شیطان کے پیچھے ہو لیتے سوائے چند لوگوں کے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ

اے ایمان والو جب اللہ کی راہ میں سفر کرو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو تم پر سلام کہے اس کو مت کہو کہ تو مسلمان

لَسْتَ مُؤْمِنًا
تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ز فَعِنْدَ اللّٰهِ
مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ط
كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ
قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ
عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ط اِنَّ
اللّٰهَ كَانَ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ○
(سورۃ النساء آیت ۹۴)

نہیں ہے۔ تم دنیا کی زندگی
کا سامان چاہتے ہو۔ سو
اللہ کے ہاں بہت غنیمتیں
ہیں۔ تم بھی تو اس سے
پہلے ایسے ہی تھے، پھر
اللہ نے تم پر احسان کیا
لہٰذا تحقیق سے کام لیا
کرو بے شک اللہ تمہارے
کاموں سے باخبر ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا
اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ
بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ
تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ
فَتُصْبِحُوْا عَلٰى
فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ○
(سورہ الحجرات آیت ۶)

اے ایمان والو اگر کوئی
فاسق تمہارے پاس کوئی
سی خبر لے کر آئے تو
اس کی تحقیق کیا کرو کہ
کہیں کسی قوم پر بے خبری
سے نہ جا پڑو پھر اپنے
کئے پر پشیمان ہونے لگو۔

تفسیر اور شانِ نزول

یہاں اس بحث میں تین آیتیں نقل کی گئی ہیں۔ پہلی سورۃ النساء

کی ہے اور دوسری بھی سورۃ النسار کی ہے اور تیسری سورۃ الحجرات کی ہے۔ سورہ النسار کی پہلی آیت کے بارے میں ابن عباس، ضحاک اور ابو معاذ رضی اللہ عنہم کے نزدیک یہ آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور حضرت حسن رضؓ اور دوسرے اکثر حضرات کے نزدیک یہ آیت ضعیف اور کمزور مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (روح المعانی)

علامہ ابن کثیرؒ نے اس آیت سے متعلق واقعات نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اس آیت کے شانِ نزول میں حضرت عمر بن خطابؓ کی حدیث کو ذکر کرنا چاہیئے وہ یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے تو وہ اپنے گھر سے مسجد کی طرف آئے۔ جب دروازہ پر پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ مسجد کے اندر لوگوں میں بھی یہی ذکر ہو رہا ہے۔ یہ دیکھ کر آپ کے دل میں یہ خیال آیا کہ اس خبر کی تحقیق کرنا چاہیئے چنانچہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور پوچھا کہ کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے آپ نے فرمایا کہ نہیں۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ تحقیق کرنے کے بعد میں مسجد کی طرف واپس آیا۔ اور دروازہ پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی۔ جو آپ لوگ کہہ رہے ہیں غلط ہے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (الخ)

یستنبطونہ استنباط سے بنا ہے استنباط اصل میں کنوئیں کی تہہ سے پانی نکالنے کو کہتے ہیں۔ کنواں کھودنے میں جو پانی پہلی مرتبہ نکلتا ہے اس کو ماء مستنبط کہتے ہیں مگر یہاں مراد یہ ہے کہ کسی بات کی تہہ تک پہنچ کر اس کی صحیح حقیقت معلوم کرنا (قرطبی) اولی الامر کی تعیین میں میں متعدد اقوال ہیں۔ حضرت حسن، قتادہ اور ابن ابی لیلیٰ رحمہم اللہ کے نزدیک علماء اور فقہاء مراد ہیں۔ حضرت سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امراء اور حکام مراد ہیں۔ ابوبکر جصاص ان دونوں اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ دونوں مراد ہیں اس لیے کہ الی الامر کا اطلاق ان سب پر ہوتا ہے البتہ اس پر بعض لوگ شبہ کرتے ہیں کہ اولی الامر سے مراد فقہاء نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ الی الامر اپنے لفظی معنی کے اعتبار سے وہ لوگ ہیں جن کا حکم چلتا ہو اور ظاہر ہے کہ فقہاء کا یہ کام نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حکم چلنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک جبر و تشدد سے۔ وہ تو صرف اہل حکومت ہی کر سکتے ہیں اور دوسری صورت اعتقاد اور اعتماد کی وجہ سے حکم ماننے کی ہے۔ وہ حضرات فقہاء کو ہی حاصل ہے۔ جس کا مشاہدہ عام مسلمانوں کے حالات سے ہر دور میں ہوتا رہا ہے کہ دین کے معاملات میں عام مسلمان اپنے اختیار سے علماء ہی کے حکم کو واجب العمل قرار دیتے ہیں اور از روئے شرع ان پر اس کے احکام کی اطاعت واجب بھی ہے لہٰذا اس وجہ سے ان پر اولی الامر کا اطلاق صحیح ہے (احکام القرآن للجصاص)

اس آیت کریمہ سے چھ باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہر سنی سنائی بات بغیر تحقیق کے بیان نہیں کرنا چاہیئے چنانچہ رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِبًا اَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ ۔ کسی انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنی ہی بات کافی ہے کہ وہ سُنی سنائی بات بغیر تحقیق کے بیان کر دے ۔ اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا مَنْ حَدَّثَ بِحَدِیْثٍ وَھُوَ یَرٰی اَنَّہٗ کَذِبٌ فَھُوَ اَحَدُ الْکَاذِبَیْنَ ۔ یعنی جو آدمی کوئی ایسی بات بیان کرے جس کے بارے میں وہ جانتا ہو کہ یہ جھوٹی ہے تو دو جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا وہ بھی ہے اور دوسری بات اس آیت کی تحقیق اور تشریح سے یہ معلوم ہوئی کہ جن مسائل جدیدہ میں کوئی نص نہ ہو ان کے احکام اجتہاد و قیاس کے اصول پر قرآن اور حدیث سے نکال لیے ۔ کیونکہ اس آیت میں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ مسائل جدیدہ کے حل میں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوں تو ان کی جانب رجوع کرو ۔ اور اگر وہ موجود نہ ہوں تو علماء اور فقہاء کی طرف رجوع کرو کیونکہ وہ احکام کو مستنبط کرنے کی صلاحیت تامہ رکھتے ہیں اس بیان سے چند امور مستفاد ہوتے ہیں ایک یہ کہ فقہا اور علماء کی جانب عدم نص کی صورت رجوع کیا جائے گا ۔ دوسرے یہ کہ احکام اللہ کی دو قسمیں ہیں ۔ بعض وہ ہیں جو منصوص اور صریح ہیں اور بعض وہ جو غیر صریح اور مبہم ہیں جن کو آیات کی گہرائیوں میں اللہ تعالیٰ نے ودیعت کر رکھا ہے ۔ تیسرے یہ کہ علماء کا فریضہ ہے کہ وہ ایسے معانی کو اجتہاد اور قیاس کے ذریعے استنباط کریں اور چوتھے یہ کہ عوام کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان مسائل میں علماء کی تقلید کریں (احکام القرآن للجصاص)

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دلائل کے ذریعہ احکام کے استنباط کے مکلّف تھے۔ اس پہلی آیت میں دو آدمیوں کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا۔ ایک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور دوسرے اُولی الامر کی طرف۔ اس کے بعد فرمایا ہے لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ اور حکم عام ہے جس میں مذکورہ فریقین میں سے کسی کی تخصیص نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ آپ کی ذات بھی استنباط احکام کی مکلّف تھی۔ (احکام القرآن للجصاص)

فوائد مہمہ اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ اس آیت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ دشمن سے امن اور خوف کے بارے میں تم خود بخود خبریں نہ اڑاؤ بلکہ جو اہل علم اور ذی رائے ہیں اُنکی طرف رجوع کرو۔ پھر وہ غور و فکر کر کے جو بات بتلائیں اس پر عمل کرو۔ اور ظاہر ہے کہ مسائل و حوادث سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ آیت وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ میں دشمن کا کوئی ذکر نہیں ہے لہٰذا امن اور خوف عام ہے جس طرح ان کا تعلق دشمن سے ہے اسی طرح مسائل حوادث سے بھی ہے کیونکہ جب کوئی جدید مسئلہ عامی کے سامنے آتا ہے جس کی حلّت اور حرمت کے بارے میں کوئی نص نہیں ہے تو وہ فکر میں پڑ جاتا ہے کہ کونسا پہلو اختیار کرے۔ دونوں صورتوں میں نفع و نقصان کا احتمال رہتا ہے تو اس کا بہترین حل شریعت نے یہ نکالا ہے کہ تم اہل استنباط کی طرف رجوع کرو وہ جو بات بتلائیں اس پر عمل کرو۔ (احکام القرآن للجصاص ملخص)

اور استنباط سے جو حکم فقہاء نکالیں گے اس کے بارے میں

قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی قطعی طور پر حق ہے بلکہ اس حکم کے خطا ہونے کا احتمال بھی باقی رہتا ہے۔ ہاں اس کے صحیح ہونے کا ظن غالب حاصل ہو جاتا ہے جو عمل کے لیے کافی ہے۔ (احکام القرآن للجصاص و تفسیر کبیر)

اور چوتھا یہ معلوم ہوا کہ حکام کو شہادت کی تحقیق بھی کرنا چاہیئے کہ گواہی دینے والا سچ کہہ رہا ہے یا جھوٹ۔ کیونکہ حق اور ناحق کا دارومدار ہی سچی شہادت پر ہے۔ (یہ تفسیر معارف القرآن مؤلفہ مفتی محمد شفیع رحؒ سے قدرے تبدیلی کے ساتھ منقول ہے) اس سے پہلے تو سورۃ النساء کی آیت نمبر ۸۳ کی تشریح لکھی گئی ہے اور اب سورۃ النساء کی آیت نمبر ۹۴ کی تشریح عرض کرنا ہے۔

شانِ نزول

اس آیت کا شانِ نزول ترمذی اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس سے اس طرح منقول ہے کہ قبیلہ بنو سلیم کا ایک آدمی صحابہ کرام کی ایک جماعت سے ملا جب کہ یہ حضرات جہاد کے لیے جا رہے تھے۔ یہ آدمی اپنی بکریاں چرا رہا تھا۔ اس نے حضرات صحابہؓ کو سلام کیا جو عملاً اس چیز کا اظہار تھا کہ میں مسلمان ہوں۔ صحابہ کرامؓ نے سمجھا کہ اس وقت اس نے محض اپنی جان و مال بچانے کے لیے یہ فریب کیا ہے کہ مسلمانوں کی طرح سلام کر کے ہم سے بچ نکلے۔ چنانچہ انہوں نے اسے قتل کر دیا اور اس کی بکریوں کو مالِ غنیمت قرار دے کر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا - اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جو شخص آپ کو اسلامی طرز پر سلام کرے تو بغیر تحقیق کے یہ نہ سمجھو کہ اس نے فریب کی وجہ سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا ہے اور اسکے مال کو مال غنیمت سمجھ کر حاصل نہ کرو - (ابن کثیر)

حضرت عبداللہ بن عباس سے ایک دوسری روایت ہے جس کو بخاری نے مختصراً اور بزار نے مفصلاً نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستہ مجاہدین کا بھیجا جن میں حضرت مقداد بن اسود بھی تھے - جب وہ موقع پر پہنچے تو سب لوگ بھاگ گئے - صرف ایک شخص رہ گیا جس کے پاس بہت المال تھا - اس نے صحابہ کرامؓ کے سامنے کہا اَشْہَدُ اَنْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ - مگر حضرت مقداد نے یہ سمجھ کر کہ دل سے نہیں کہا بلکہ محض جان و مال بچانے کے لیے کلمۂ اسلام پڑھ رہا ہے اس کو قتل کر دیا - حاضرین میں سے ایک صحابی نے کہا کہ آپ نے برا کیا ہے کہ ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی شہادت دی تھی - میں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس واقعہ کا ضرور ذکر کرونگا جب یہ لوگ مدینہ واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ سنایا - آپ نے حضرت مقدادؓ کو بلا کر سخت تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ بروز قیامت تمہارا کیا جواب ہوگا جب کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ تمہارے مقابلے میں دعویدار ہوگا -

اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا - مذکورہ آیت

کے بارے میں ان دو واقعات کے علاوہ دوسرے واقعات بھی منقول ہیں لیکن محققین اہل تفسیر نے فرمایا کہ ان روایات میں تعارض نہیں ہو سکتا کہ یہ چند واقعات مجموعی حیثیت سے نزول کا سبب ہوتے ہیں۔ آیت کے الفاظ میں اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ کا ارشاد ہے اس میں لفظ سلام سے اگر اصطلاحی سلام مراد لیا جائے تب تو پہلا واقعہ اس کے ساتھ زیادہ چسپاں ہے۔ اور اگر سلام کے لفظی معنی سلامت اور طاعت کے لیے جائیں تو یہ سب واقعات اس میں برابر ہیں اسی لیے اکثر حضرات نے سلام کا ترجمہ اس جگہ طاعت کا کیا ہے۔ اس آیت سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ مسلمان سمجھنے کے لیے علامات کافی ہیں باطن کی تفتیش کرنا جائز نہیں ہے اور دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل قبلہ کو کافر بھی نہیں کہنا چاہیئے۔ یعنی اس آیت کریمہ سے یہ اہم مسئلہ معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان بتلاتا ہو خواہ وہ کلمہ پڑھ کر یا کسی اور اسلامی شعار کا اظہار کر کے مثلاً اذان، نماز وغیرہ میں شرکت کرے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس کو مسلمان سمجھیں اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کریں۔ اس کا انتظار نہ کریں کہ وہ دل سے مسلمان ہوا ہے یا کسی مصلحت سے اسلام کا اظہار کیا ہے۔ نیز اس معاملہ میں اس کے اعمال پر بھی دار و مدار نہ ہوگا۔ فرض کر لو کہ وہ نماز نہیں پڑھتا، روزہ نہیں رکھتا اور ہر قسم کے گناہوں میں ملوث ہے۔ پھر بھی اس کو اسلام سے خارج کہنے کا یا اس کے ساتھ کافروں کا معاملہ کرنے کا کسی کو حق نہیں اسی لیے امام اعظمؒ نے فرمایا لَا نُكَفِّرُ اَهْلَ الْقِبْلَةِ بِذَنْبٍ

یعنی ہم اہلِ قبلہ کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے۔ بعض روایات حدیث میں بھی اس قسم کے اُلفاظ مذکور ہیں کہ اہلِ قبلہ کو کافر نہ کہو۔ خواہ وہ کتنا ہی گناہ گار بدعمل ہو۔

مگر یہاں ایک بات خاص طور پر سمجھنے اور یاد رکھنے کی ہے کہ قرآن وحدیث سے یہ ثابت ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہے اس کو کافر کہنا یا سمجھنا جائز نہیں۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ جب تک اس سے کسی ایسے قول وفعل کا صُدور نہ ہو جو کفر کی یقینی علامت ہے اس وقت تک اس کے اقرار اسلام کو صحیح قرار دے کر اس کو مسلمان کہا جائے گا اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کیا جائے گا۔ اس کی قلبی کیفیات اخلاص یا نفاق سے بحث کرنے کا کسی کو حق نہ ہوگا۔ لیکن جو شخص اظہار اسلام اور اقرار ایمان کے ساتھ ساتھ کلمات کفر بھی بکتا ہے یا کسی بُت کو سجدہ کرتا ہے یا اسلام کے کسی ایسے کلمہ کا انکار کرتا ہے جس کا اسلامی حکم ہونا قطعی اور بدیہی ہے یا کافروں کے کسی مذہبی شعار کو اختیار کرتا ہے جیسے گلے میں زنار وغیرہ ڈالنا۔ وہ بلاشبہ اپنے اعمال کفریہ کے سبب کافر قرار دیا جائے گا۔ آیت مذکورہ میں لفظ تَبَيَّنُوْا سے اس کی طرف اشارہ موجود ہے ورنہ یہود ونصاریٰ تو سب ہی اپنے آپ کو مومن مسلمان کہتے ہیں۔ اور مسیلمہ کذّاب جس کو باجماع صحابہ کافر قرار دے کر قتل کیا گیا وہ تو صرف کلمہ اسلام کا اقرار نہیں بلکہ اسلامی شعائر نماز، اذان وغیرہ کا بھی پابند تھا۔ اپنی اذان میں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

بھی کہلواتا تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے آپ کو بھی نبی اور رسول صاحب وحی کہتا تھا جو نصوص قرآن و سنت کا کھلا ہوا انکار تھا اسی پر اس کو مرتد قرار دیا گیا اور اس کے خلاف باجماع صحابہ جہاد کیا گیا۔ خلاصہ مسئلہ کا یہ ہو گیا کہ ہر کلمہ گو اہل قبلہ کو مسلمان سمجھو اور اس کے باطن اور قلب میں کیا ہے اس کی تفتیش انسان کا کام نہیں۔ اس کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کرو۔ البتہ اظہار ایمان کے ساتھ خلاف ایمان اس سے کوئی بات سرزد ہو تو اسے مرتد سمجھو بشرطیکہ اس کا خلاف ایمان ہونا قطعی اور یقینی ہو اور اس میں کوئی دوسرے احتمال یا تاویل کی راہ نہ ہو۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لفظ کلمہ گو یا اہل قبلہ۔ یہ اصطلاحی الفاظ ہیں جن کا مصداق صرف وہ شخص ہے جو مدعی اسلام ہونے کے بعد کسی کافرانہ قول و فعل کا مرتکب نہ ہو۔ اور تیسرا اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمان کوئی کام بے تحقیق محض گمان پر نہ کریں۔ ارشاد ہے اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَبَیَّنُوْا یعنی جب تم اللہ کی راہ میں سفر کیا کرو تو ہر کام تحقیق کے ساتھ کیا کرو۔ محض خیال اور گمان پر کام کرنے سے بسا اوقات غلطی ہو جاتی ہے۔ اس میں سفر کی قید بھی اسی وجہ سے ذکر کی گئی کہ یہ واقعات سفر میں ہی پیش آئے یا اس وجہ سے کہ شبہات عموماً سفر میں پیش آتے ہیں۔ اپنے شہر میں ایک دوسرے کے حالات سے عموماً واقفیت ہوتی ہے ورنہ اصل حکم عام ہے۔ سفر میں یا حضر میں بغیر تحقیق کے کسی عمل پر اقدام جائز نہیں۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سوچ سمجھ کر کام کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے (بحر محیط) خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ حکام یا عوام نے جو بھی کام کرنا ہو یا فیصلہ کرنا ہو اسے چاہیئے پوری تحقیق کے بعد قدم اٹھائیں بغیر تحقیق کام نہ کریں۔ اس کی مزید تشریح سورۃ الحجرات والی آیت کریمہ میں آرہی ہے۔ اس آیت کی تشریح معارف القرآن تالیف مفتی شفیع ؒ سے قدرے ترمیم کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔ اس سے پہلے تو سورۃ النساء کی آیت نمبر ۸۳ اور ۹۴ کی تشریح اور تفسیر عرض کی گئی ہے اور اب اس کے بعد سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۶ کی تشریح عرض کرنا ہے۔

شانِ نزول

اس آیت کے نزول کا واقعہ ابن کثیر نے بحوالہ مُسندِ احمد یہ نقل کیا ہے کہ قبیلہ بنی المصطلق کے رئیس حارث بن ضرار بن ابی ضرار جن کی صاحبزادی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بنت حارث امہات المؤمنین میں سے ہیں یہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا میں نے اسلام کو قبول کیا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا اقرار کیا۔ اور عرض کیا کہ اب میں اپنی قوم میں جا کر ان کو بھی اسلام اور ادائے زکوٰۃ کی دعوت دونگا۔ جو لوگ میری بات مان لیں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے میں ان

کی زکوٰۃ جمع کرلوں گا۔ اور آپ فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ تک اپنا کوئی قاصد میرے پاس بھیج دیں تاکہ جو رقم زکوٰۃ کی میرے پاس جمع ہوجائے اس کو سپرد کردوں۔ پھر جب حارث نے حسب وعدہ ایمان لانے والوں کی زکوٰۃ جمع کرلی اور وہ مہینہ اور تاریخ جو قاصد بھیجنے کے لیے طے ہوئی تھی گزر گئی اور آپ کا کوئی قاصد نہ پہنچا تو حارث کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے کسی بات پر ناراض ہیں ورنہ یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ وعدے کے مطابق اپنا آدمی نہ بھیجتے۔ حارث نے اس خطرہ کا ذکر اسلام قبول کرنے والے سرداروں سے کیا اور ارادہ کیا کہ یہ سب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوجائیں

ادھر واقعہ یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقررہ تاریخ پر ولید بن عُقبہ کو اپنا قاصد بنا کر زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیج دیا تھا مگر ولید بن عقبہ کو راستے میں یہ خیال آیا کہ اس قبیلہ کے لوگوں سے میری دشمنی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ اس خوف کے سبب وہ راستہ ہی سے واپس ہوگئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر یہ کہا کہ ان لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا ہے اور میرے قتل کا ارادہ کیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آیا۔ اور حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں ایک دستہ مجاہدین کا روانہ کیا۔ ادھر یہ دستہ مجاہدین کا روانہ ہوا۔ ادھر سے حارث مع اپنے ساتھیوں کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لیے نکلے۔ مدینہ کے قریب دونوں کی ملاقات ہوگئی۔ حارث نے ان لوگوں سے کہ آپ کن لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم

تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ حارث نے سبب پوچھا تو اس کو واقعہ ولید بن عقبہ کے بھیجنے کا اور ان کی واپسی کا بتلایا گیا اور یہ کہ ولید بن عقبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ بیان دیا ہے کہ بنی المصطلق نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا ہے اور میرے قتل کا منصوبہ بنایا۔ حارث نے یہ سن کر کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول برحق بنا کر بھیجا ہے۔ میں نے ولید بن عقبہ کو دیکھا تک نہیں اور نہ وہ میرے پاس آئے۔ اس کے بعد حارث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور میرے قاصد کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ حارث نے کہا ہرگز نہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو پیغام حق دے کر بھیجا ہے نہ وہ میرے پاس آئے نہ میں نے ان کو دیکھا۔ پھر جب وقت مقررہ پر آپ کا قاصد نہ پہنچا تو مجھے خطرہ ہوا کہ شاید مجھ سے کوئی قصور ہوا جس پر حضور ناراض ہوئے اس لیے میں حاضر خدمت ہوا۔ حارث فرماتے ہیں کہ اس پر سورۃ الحجرات کی آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر)

بعض روایات میں ہے کہ ولید بن عقبہ حسب الحکم بنی المصطلق پہنچے۔ اس قبیلہ کے لوگوں کو چونکہ یہ معلوم تھا کہ اس تاریخ پر حضورؐ کا قاصد آئے گا۔ یہ تعظیماً بستی سے باہر نکلے کہ ان کا استقبال کریں۔ ولید بن عقبہ کو یہ شبہ ہوگیا کہ یہ شاید پرانی دشمنی کی وجہ سے مجھے قتل کرنے آئے ہیں وہیں سے واپس ہوگئے اور جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے گمان کے مطابق یہ عرض کردیا کہ وہ لوگ زکوٰۃ

دینے کے لیے تیار نہیں بلکہ وہ میرے قتل کے درپے ہوئے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو بھیجا اور یہ ہدایت فرمائی کہ خوب تحقیق کر لیں اس کے بعد کوئی اقدام کریں۔ خالد بن ولید نے بستی سے باہر رات کو پہنچ کر قیام کیا۔ اور تحقیق حال کے لیے چند آدمی بطور جاسوس کے خفیہ بھیج دیئے۔ ان لوگوں نے آکر خبر دی کہ یہ سب لوگ اسلام وایمان پر قائم ہیں۔ نماز اور زکوٰۃ کے پابند ہیں۔ اور بھی کوئی بات خلاف اسلام نہیں پائی گئی۔ خالد بن ولید نے واپس آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سارا واقعہ بتلایا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (یہ ابن کثیر کی متعدد روایات کا خلاصہ ہے) اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ کوئی شریر فاسق آدمی اگر کسی شخص یا قوم کی شکایت کرے ان پر کوئی الزام لگائے تو اس کی خبر یا شہادت پر بغیر مکمل تحقیق کے عمل کرنا جائز نہیں۔

آیت سے متعلقہ احکام ومسائل

امام جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ کسی فاسق کی خبر قبول کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ دوسرے ذرائع سے تحقیق کر کے اس کا صدق ہونا ثابت نہ ہو جائے کیونکہ اس آیت میں ایک قرائت فَتَثَبَّتُوْا کی ہے جس کے معنی ہیں کہ اس پر عمل کرنے اور اقدام میں جلدی نہ کرو بلکہ ثابت قدم رہو جب تک کہ دوسرے ذرائع سے اس کا صدق ہونا ثابت نہ ہو جائے۔ اور جب فاسق کی خبر قبول کرنا جائز نہ ہوا تو شہادت قبول کرنا بدرجۂ اولی ناجائز

ہوگا کیونکہ ہر شہادت ایک خبر ہوتی ہے جو حلف اور قسم کے ساتھ مؤکد کی جاتی ہے اس لیے جمہور علماء کے نزدیک فاسق کی خبر یا شہادت شرعاً قبول نہیں ہے البتہ بعض معاملات اور حالات میں فاسق کی خبر اور شہادت کو بھی قبول کر لیا جاتا ہے۔ وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ آیت قرآن میں اس حکم کی ایک خاص علت منصوص ہے یعنی اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ تو جن معاملات میں یہ علت موجود نہیں وہ آیت کے حکم میں داخل نہیں یا مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً یہ کہ کوئی فاسق بلکہ کافر بھی کوئی چیز لائے اور یہ کہے کہ فلاں شخص نے یہ آپ کو ہدیہ بھیجا ہے تو اس کی خبر پر عمل جائز ہے۔ اس کی مزید تفصیل کتب فقہ معین الاحکام وغیرہ میں ہے (یہاں تک اس آیت کی تفسیر معارف القرآن تالیف مفتی محمد شفیع سے منقول ہے)

بغیر تحقیق فیصلہ کرنیوالے قضاۃ کی اخروی سزا کا بیان

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ	اور مت عمل کر اس چیز پر جس کا تجھے علم نہیں۔
إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝	بے شک کان آنکھ اور دل ہر ایک سے باز پرس ہوگی۔

(سورۃ بنی اسرائیل آیت ۳۶)

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

جس دن ان پر ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔

(سورۃ النور آیت ۲۴)

وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝ حَتّٰىٓ اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

اور جس دن اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے تو وہ روک لیے جائیں گے یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آ پہنچیں گے تو ان پر ان کے کان، آنکھیں اور ان کی کھالیں گواہی دیں گی جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔

وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ

اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی وہ کہیں گے کہ ہمیں اللہ نے گویائی دی جس نے ہر چیز کو گویائی بخشی ہے

تُرْجَعُوْنَ ○
وَمَا كُنْتُمْ
تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ
يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ
سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ
وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ
ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ
لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا
مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ○
وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ
الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ
بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ
فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ
الْخٰسِرِيْنَ ○ فَاِنْ
يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ
مَثْوًى لَّهُمْ وَاِنْ
يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ
مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ○
(سورۃ حم سجدہ آیت ۱۹ تا ۲۴)

اور اسی نے تمہیں پہلی مرتبہ
پیدا کیا اور اسی کی طرف
تم لوٹائے جاؤ گے۔
اور تم اپنے کانوں اور
آنکھوں اور چمڑوں کی
اپنے اوپر گواہی دینے
سے پردہ نہ کرتے تھے لیکن
تم نے یہ گمان کیا تھا جو
کچھ تم کرتے ہو اس میں
سے بہت سی چیزوں کو
اللہ تعالیٰ نہیں جانتا اور
تمہارے اسی خیال نے
جو تم نے اپنے رب کے
حق میں کیا تھا برباد کیا،
پھر تم نقصان اٹھانے
والوں میں سے ہو گئے۔
پس اگر وہ صبر کریں تو بھی
ان کا ٹھکانا آگ ہی ہے
اور اگر وہ معافی چاہیں گے
تو انہیں معافی نہیں دی
جائے گی۔

تفسیر

یہاں اس بحث میں سات آیات نقل کی گئی ہیں۔ پہلی آیت سورۃ بنی اسرائیل کی ہے، دوسری سورۃ النور کی ہے اور باقی پانچ آیتیں سورۃ حٰم سجدہ کی ہیں۔ سورۃ بنی اسرائیل والی آیت میں دو چیزوں کا بیان ہے پہلی چیز یہ ہے کہ سوائے تحقیق کے کسی چیز پر عمل مت کرو۔ یہ حکم عام ہے۔ عوام گواہ اور حکام سب اس میں شامل ہیں۔ حکام کے لیے اس میں ہدایت یہ ہے کہ بلا تحقیق کسی شہادت پر عمل مت کرو۔ شہداء اور گواہوں کے لیے اس میں ہدایت یہ ہے کہ سوائے تحقیق اور علم کے کسی چیز کی گواہی نہ دو۔ اور دوسری چیز اس میں یہ بیان فرمائی ہے کہ کانوں سے آنکھوں سے اور دل سے بھی سوال کیا جائے گا کیونکہ یہ تینوں چیزیں اور نعمتیں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس لیے عطا فرمائی ہیں کہ انسان ان ذرائع سے علم صحیح حاصل کرے اور غلط کا امتیاز کرے۔

اس کے بعد سورۃ النور کی آیت ہے اس میں دو چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز اس سے پہلے سورۃ بنی اسرائیل والی آیت میں جو لفظ مسئول آیا ہے اس کی تشریح ہے۔ یعنی اس سوال سے مراد شہادت ہے یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انسان کے کان سے آنکھ سے اور دل سے بھی گواہی لیں گے کہ تم سے کیا کیا کام لیا گیا۔ مثلاً کان سے سوال ہوگا کہ تجھ سے کیا کیا باتیں سنی گئی تھیں۔ آنکھ سے سوال ہوگا کہ تجھ سے کیا کیا چیزیں دیکھی گئی تھیں۔ اور دل سے سوال ہوگا کہ تجھ سے کیسے کیسے منصوبے سوچے گئے تھے۔ اس آیت میں دوسری چیز یہ بیان فرمائی

کہ یہ سوال قیامت کے دن زبان سے ہاتھوں سے اور پاؤں سے بھی ہوگا اور وہ گواہی دیں گے۔ اس سوال کی وجہ یہ ہے کہ کان جو سنتا ہے آنکھ جو دیکھتی ہے اور دل جو سوچتا ہے۔ ہاتھوں سے پاؤں سے اور زبان سے اس پر عمل کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد سورۃ حٰم سجدہ کی آیتیں ہیں۔ ان میں پہلی دو آیتوں کی تشریح ہے اور آخر میں فرمایا ہے کہ بلا تحقیق عمل کرنے والوں کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ مقدمے کی سماعت کے وقت حکام کو شہادت کی تحقیق کرنا چاہیئے۔

طریقہ تحقیق شہادت

بہر حال ان آیات سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ شہادت کی تحقیق ہونا چاہیئے اور فقہاء نے اس کے دو طریقے لکھے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ قاضی نے گواہ کی ظاہری حالت کو بھی دیکھنا ہوگا کہ اس کے اندر شریعت کی مقرر کی ہوئی شرطیں موجود ہیں یا نہیں۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ قاضی اپنی طرف سے اپنا ایک اعتمادی اس علاقہ کے اپنے ایک اعتمادی آدمی کے پاس خفیہ طور پر بھیجے جہاں وہ گواہ رہتا ہے اور اپنی طرف سے اس قاصد کو اس کے نام کی ایک چٹھی لکھ کر دے اور اس قاصد کو قاضی ہدایت کرے کہ یہ چٹھی انتہائی رازداری کے ساتھ فلاں تک پہنچانا ہے اور اس چٹھی میں مرسل الیہ کو یہ لکھے کہ فلاں مقدمے میں فلاں گواہ ہے۔ تم اس کی پوری کیفیات اہلیت شہادت وغیرہ

لکھ کر انتہائی رازداری سے اور خفیہ طور پر میرے پاس پہنچا دو۔ اور یہ مرسل علیہ صاحب عدل اور با اثر ہونا چاہیئے جو محلے کے لوگوں کے حالات اور اخلاق بھی جانتا ہو مگر یہ تزکیۃ الشہود اسی وقت ضروری ہے جب فریق مخالف طعن کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ یعنی گواہ فریقین کی رضا کے ہونے چاہیئں۔ اور اگر فریق مخالف طعن نہ کرے تو پھر تزکیۂ شہود ضروری نہیں ہے اور فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ مُزَکِّی کے لیے اہلیت اور تعداد شہادت ضروری نہیں ہے اور تزکیہ علانیہ کے لیے اہلیت اور تعداد شہادت ضروری ہے۔ اور اس باب میں اور بھی آیات اور احادیث موجود ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بوقت ضرورت تجسس جائز ہے۔

مثلاً حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو فرمایا یَا بَنِيَّ اذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِن يُوسُفَ الخ۔ اے میرے بیٹو جاؤ یوسف کو اور اس کے بھائی کو تلاش کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم جبارین کے پاس بارہ جاسوس بھیجے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب ھُدھُد سے اس کی غیر حاضری کی وجہ پوچھی تو ھُدھُد نے کہا کہ میں یمن چلا گیا تھا وہاں میں نے ایک قوم کو پایا جو مشرک ہے۔ تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے تحقیق حال کے لیے اسی وقت اسے خط لکھ کر دیا اور فرمایا ابھی پتہ چل جاتا ہے کہ تو نے سچ کہا ہے یا جھوٹ۔

اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشیر بن سفیان کو مکہ والوں کے پاس جاسوس بنا کر بھیجا تھا تاکہ یہ معلوم کر سکیں کہ مکہ والے ہماری مزاحمت تو نہیں کریں گے اسی طرح

غزوہ احزاب کے موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہ بن یمان کو مشرکین کی فوجوں میں بھیجا تھا تاکہ ان کی پوزیشن اور عزائم معلوم کر سکیں۔ یہ بڑے مفصل واقعات ہیں ہم نے اشارات دے دیئے ہیں۔ خاوند اپنی بیوی کا تجسس کر سکتا ہے۔ ماں اور باپ اپنی اولاد کا تجسس کر سکتے ہیں۔ حکام اپنی رعایا میں جاسوس مقرر کر سکتے ہیں غرضیکہ ہر ذمہ دار آدمی اپنے ماتحتوں میں جاسوس مقرر کر سکتا ہے

رفع اشتباہ اور تطبیق آیات

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے ایمان والو بدگمانیوں
اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا	سے بہت بچو بے شک
كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ	بعض گمان گناہ ہیں اور
اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ	ٹٹول بھی نہ کیا کرو اور نہ
اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا	کوئی کسی کی غیبت کرے
وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ	کیا تم میں سے کوئی پسند
بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ	کرتا ہے کہ اپنے مردہ
اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ	بھائی کا گوشت کھائے
لَحْمَ اَخِيْهِ	سو تم اس کو ناپسند
مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ	کرتے ہو۔ اللہ سے ڈرو
وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ	اللہ توبہ قبول کرنے والا
تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝	مہربان ہے۔

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں سے منع فرمایا ہے بدگمانی سے، جاسوسی سے اور غیبت کرنے سے۔ اب یہاں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بدگمانی، جاسوسی اور غیبت منع ہے اور اس سے پہلی آیات میں تحقیق اور تزکیۂ شہود کا حکم گزرا ہے اور اس صورت میں بدگمانی بھی ہوگی، تجسّس بھی ہوگا اور غیبت بھی ہوگی۔ اب دونوں میں فرق کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کے وہ عیوب جو ذاتی نوعیت کے ہوں جن کا کسی دوسرے پر اثر نہ پڑے تو ان کی جاسوسی اور غیبت جائز نہیں ہے اور اس آیت کا یہی مصداق ہے اور انسان کے وہ عیوب جن سے معاشرہ کے باقی افراد بھی متأثر ہوتے ہوں مثلاً چوری وغیرہ اور قاضی کے سامنے انہیں بیان کرنے سے ان کا ازالہ ہوسکتا ہو تو ان کا تجسّس اور غیبت جائز ہے اور اس سے پہلے تحقیق شہادت کے سلسلہ میں جو آیات گزری ہیں۔ ان کا مصداق بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

یہاں تک تو جھوٹی شہادت دینے والے کی اخروی سزا کا بیان گزرا ہے اور اس کی دنیاوی سزا متعین نہیں ہے۔ حاکم وقت کی صوابدید پر موقوف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دور میں اسے سو دُرّوں کی سزا دیتے تھے اور اس کا منہ کالا کرتے تھے۔ اور قاضی شریح شہر میں اس کی تشہیر کراتے اور اگر کسی قوم کا ہوتا تو اس کی قوم میں اس کی تشہیر کراتے تھے۔ اگر قاضی اس کی شہادت پر کوئی فیصلہ کر

چکا ہو تو فیصلہ کالعدم نہیں ہوگا اور تاوان اس جھوٹی شہادت دینے والے پر ڈالا جائے گا۔ بہرحال اس کی دنیاوی سزا بھی ضرور ہوگی تاکہ لوگ جھوٹی شہادتوں سے باز رہیں اور اس طرح کسی کی حق تلفی نہ کریں (ہدایہ)

جھوٹی شہادت کی اخروی اور دنیاوی سزا

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ط وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝ (سورۃ الحج آیت ۳۰-۳۱)

پھر بتوں کی ناپاکی سے بچو اور جھوٹی بات سے بھی بچو۔ خاص اللہ کے ہو کر رہو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا۔ پھر اسے پرندے اچک لیتے ہیں یا اسے ہوا اڑا کر کسی اور جگہ پھینک دیتی ہے۔

عَنْ خُرَيْمِ ابْنِ فَاتِكٍ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

خریم بن فاتک نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلوٰةَ	پڑھی۔ جب لوٹے تو
الصُّبْحِ فَلَمَّا انْصَرَفَ	سیدھے کھڑے ہو گئے
قَامَ قَائِمًا فَقَالَ	پھر تین مرتبہ فرمایا
عُدِلَتْ شَهَادَةُ	کہ جھوٹی گواہی اللہ کے
الزُّوْرِ بِالْاِشْرَاكِ	ساتھ شرک کرنے کے
بِاللّٰهِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ	برابر کر دی گئی ہے۔
ثُمَّ قَرَأَ فَاجْتَنِبُوْا	پھر آپ نے یہ آیت
الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ	پڑھی کہ بت پرستی سے
وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ	بچو اور جھوٹی شہادت
الزُّوْرِ حُنَفَآءَ	سے بچو۔ خاص ایک اللہ
لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ	کے ہو کر رہو۔ اس
بِهٖ ۔	کے ساتھ کسی کو شریک
(رواہ ابوداؤد)	نہ بناؤ۔

تشریح

یہاں اس بحث میں ایک آدھی آیت ہے اور ایک پوری آیت ہے اور ایک حدیث ہے۔ آدھی آیت میں دو حکم ہیں ایک بت پرستی سے اجتناب اور دوسرا جھوٹی شہادت سے پرہیز۔ دوسری آیت میں دو چیزوں کا بیان ہے۔ ایک شرک سے اجتناب اور دوسرا عقیدہ شرکیہ کا نقصان کہ مشرک کی حیثیت ایسی ہے جیسے کوئی شخص آسمان سے گر گیا ہو اور پھر اس کو پرندے اچک لیں یا اسے ہوا

کسی گڑھے میں ڈال دے۔ ظاہر بات ہے کہ ایسے شخص کی ہلاکت یقینی ہے اسی طرح مشرک کی ہلاکت یقینی ہے۔ اور حدیث میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھوٹی گواہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر ہے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیات تلاوت فرمائیں۔ اب سوال یہ ہے کہ جھوٹی گواہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر کس طرح ہے تو محدثین حضرات نے لکھا ہے کہ جس طرح مشرک اللہ کے بارے میں جھوٹ کہتا ہے کہ اللہ تعالے کا شریک ہے اور پھر بندگی جو اللہ تعالیٰ کا خاص حق ہے وہ ان جھوٹے خداؤں کو دے دیتا ہے۔ اسی طرح جھوٹی شہادت دینے والا جھوٹی شہادت دے کر ایک بندے کا حق دوسرے کو دلاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح مشرک کی ہلاکت یقینی ہے اسی طرح جھوٹی شہادت دینے والے کی ہلاکت یقینی ہے۔

شہادت زنا میں چار مرد ہونے چاہییں

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ	اور تمہاری عورتوں میں سے
الْفَاحِشَةَ مِنْ	جو کوئی بدکاری کرے
نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا	ان پر اپنوں میں سے
عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً	چار مرد گواہ لاؤ۔ پھر
مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا	اگر وہ گواہی دے دیں

فَامْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ۝
(سورۃ النساء آیت ۱۵)

تو ان عورتوں کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں موت آجائے یا اللہ ان کے لیے کوئی راستہ نکال دے۔

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ لَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ۝
(سورۃ النور آیت ۲-۱۳)

بدکار عورت اور بدکار مرد سو دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو درّے مارو اور تمہیں اللہ کے معاملہ میں ان پر ذرا رحم نہ آنا چاہیئے۔ اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہیئے۔ یہ لوگ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے۔ پھر جب وہ گواہ نہ لائے تو وہ اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔

تفسیر

یہاں اس بحث میں تین آیات نقل کی گئی ہیں۔ پہلی آیت سورۃ النسار کی ہے اور دوسری دو آیتیں سورہ النور کی ہیں۔ سورۃ النسار والی آیت میں تین چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ اگر عورتیں بے حیائی (زنا) کا ارتکاب کریں تو اس کے ثبوت کے لیے چار گواہ لاؤ۔ دوسری چیز یہ ہے کہ اگر وہ چار گواہ گواہی دے دیں تو پھر ان کو عمر بھر قید کر دو۔ یا اللہ تعالیٰ خود ہی ان کے لیے کوئی سبیل نکالے گا۔

اس کے بعد سورۃ النور کی دو آیتیں ہیں۔ پہلی آیت میں تین چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز سورۃ النسار کے آخری جملہ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا کی تشریح ہے کیونکہ اس میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی سبیل نکالے گا۔ اور سورۃ النور کے پہلے جملے میں یہ سبیل متعین کر دی گئی ہے کہ زانیہ عورت اور زانی مرد دونوں کو سو سو درّے مارنا ہے اور دوسری چیز یہ بیان فرمائی ہے کہ ایمان والوں کو اس سزا میں نرمی نہیں برتنی چاہیئے۔ اور تیسری چیز یہ بیان فرمائی ہے کہ اس سزا کے وقت ایمان والوں کی ایک جماعت ہو۔ یعنی یہ سزا برعام ہونی چاہیئے

ا۔ اس کے بعد سورۃ النور کی آیت نمبر ۱۳ ہے اس کی تفصیل بڑی لمبی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر منافقین نے جب تہمت لگائی تھی تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں ایک تو ان کی برات بیان فرمائی اور دوسرا یہ فرمایا کہ انکے پاس چار گواہ نہیں ہیں اس لیے بھی وہ جھوٹے

ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ باب زنا میں چار گواہ ہونے چاہئیں۔ مگر یہ آیات مجمل ہیں ان کی پوری تفصیل یہاں مذکور نہیں ہے کیونکہ یہاں یہ ذکر نہیں ہے کہ زانیہ اور زانی عاقل ہوں یا غیر عاقل۔ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ، مجبور ہو یا غیر مجبور، بالغ ہو یا غیر بالغ۔ اس طرح یہ ذکر بھی نہیں ہے کہ گواہ اگر گواہی نہ دیں تو پھر کیا حکم ہے۔ اور اگر گواہی دیں تو اس کی کیفیت کیا ہو۔ اور اگر گواہ نہ ہوں مگر وہ زانیہ اور زانی خود اعتراف زنا کریں تو پھر کیا حکم ہے۔ ان تمام صورتوں میں یہ آیات مجمل ہیں۔ ان کی پوری تفصیل خلاصہ تفسیر القرآن جلد خامس میں بیان ہو چکی ہے۔ یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے جو چاہے وہاں دیکھ لے۔

یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ زانی اور زانیہ کی سزا رجم یا سو سو درّے تو اس لیے رکھی گئی ہے کہ زنا سے معاشرہ میں بے رحمی اور حق تلفی کا باب کھلتا ہے اور ایسے عناصر کی سزا رکھ کر اس کا سدّباب کیا ہے اور چار گواہ اس لیے رکھے گئے ہیں تاکہ اس ثبوت کو یقینی بنایا جا سکے۔ اور اس سلسلہ میں ایک کو شبہ ہو سکتا ہے، اور دو اور تین کو بھی ہو سکتا ہے لیکن جب چار نے دیکھ لیا تو معلوم ہوا کہ یہ فعل یقینی صادر ہوا ہو گا اور ان گواہوں کے لیے بھی شرطیں ہیں جو عنقریب عرض کی جائیں گی۔ چار گواہ مرد ہونے چاہئیں۔ قرآن کے ان صیغوں سے ایسے ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ قرآن کریم میں یہاں جو صیغے استعمال کئے ہیں وہ مذکر کے ہیں۔ ایک مُسْلَو اور دوسرا شَهِدُوا یہ دونوں صیغے مذکر کے ہیں۔ اور چار گواہ مرد ہونے کی شرط قرآن مجید کے ان تین صیغوں سے معلوم ہوتی ہے۔ پہلا صیغہ اَرْبَعَۃً ہے یہ اسم عدد ہے اور اسم عدد کا اصول یہ ہے کہ

اگر تمیز مؤنث ہو تو اسم عدد مذکر آتا ہے اور اگر تمیز مذکر ہو تو اسم عدد مؤنث آتا ہے۔ اور یہاں جب اسم عدد اربعہ مؤنث ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تمیز رجال ہوگی جو مقدر ہے۔ اور اسی طرح مِنْکُمْ بھی جمع مذکر حاضر کی ضمیر اور اِنْ شَہِدُوْا بھی جمع مذکر غائب ماضی کا صیغہ ہے۔ پس ان صیغوں سے معلوم ہوتا ہے کہ باب زنا میں گواہ چار مذکر ہی ہونے چاہئیں۔ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی یہ منقول نہیں کہ انہوں نے اس باب میں عورتوں کی شہادت قبول کی ہو۔

نیز فقہاء نے لکھا ہے کہ گواہی کے سلسلہ میں اصل چونکہ مرد ہے اور عورت کو تو متبادل کے طور پر مرد کی جگہ رکھا گیا ہے اس لحاظ سے عورت کی شہادت میں کچھ شبہ سا پڑ جاتا ہے۔ اور حدود کا معاملہ ایسا ہے کہ یہ شبہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔ اس لیے عورت کی گواہی اس بات میں قبول نہیں کی جاتی اور اسی لیے بقیہ حدود و قصاص میں بھی عورت کی گواہی قبول نہیں مثلاً تہمت زنا اور شراب نوشی کی سزا ثابت کرنے کے لیے عورت کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔

بقیہ معاملات میں گواہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہونی چاہئیں

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ	اور اپنے مردوں میں سے
مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ	دو گواہ کر لیا کرو۔ پھر اگر

لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ	دو مرد نہ ہوں تو ایک
فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ	مرد اور دو عورتیں ۔ ان
مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ	لوگوں میں سے جنہیں تم
الشُّهَدَاءِ اَنْ تَضِلَّ	گواہوں میں سے پسند کرتے
اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ	ہو تاکہ اگر ان میں سے ایک
اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ۭ	بھول جائے تو دوسری اسے
(سورۃ بقرۃ ایت ۲۸۲)	یاد دلائے۔
وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ	اور دو معتبر آدمی اپنے
عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا	میں سے گواہ کر لو اور اللہ
الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ۔	کے لیے گواہی پوری دو۔
(سورۃ الطلاق آیت ۲)	

تفسیر

یہاں اس بحث میں دو آیتیں نقل کی گئی ہیں۔ پہلی آیت سورۃ بقرہ کی ہے اور دوسری آیت سورۃ الطلاق کی ہے۔ سورہ بقرہ والی آیت میں چار چیزیں ہیں۔ پہلی چیز یہ ہے کہ گواہ دو مرد ہونے چاہئیں۔ یہ حکم مدعی کو بھی ہو سکتا ہے اور حکام کو بھی ہو سکتا ہے۔ اور دوسری چیز یہ ہے کہ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں اور تیسری چیز یہ ہے کہ گواہ فریقین کی رضامندی کے ہونے چاہئیں۔ اور چوتھی چیز دو عورتیں گواہ رکھنے کی علت بیان فرمائی ہے کہ اگر ایک ان میں سے گواہی دیتے وقت بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلائے۔

اس کے بعد سورۃ طلاق کی آیت ہے اس میں دو حکم ہیں ایک یہ ہے کہ دو گواہ عادل کر لیا کرو۔ یہ حکم سورۃ بقرہ والی آیت میں بھی بیان ہو گیا ہے وہاں ترضون کا ذکر ہے۔ اور یہاں ذَوِی عَدْلٍ کا ذکر ہے دونوں کا مقصد ایک ہی ہے۔

رفع اشتباہ

یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس بحث میں پہلی آیت تو ادھار کی بحث میں آئی ہے اور دوسری آیت طلاق کی بحث میں آئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دو معاملات میں تو گواہ دو اور عادل ہونے چاہیئں۔ ان دو کے علاوہ باقی معاملات میں تو کہیں ذکر نہیں کہ گواہ ہونے چاہیئں یا نہیں ہونے چاہیئں اور پھر وہ عادل ہوں یا غیر عادل اس کا کہیں ذکر نہیں ہے لیکن فقہاء حضرات ان دونوں آیتوں کو عام قرار دیتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب اس کا جواب یہ ہے کہ باب الزنا کی تفصیل تو پہلے آ چکی ہے کہ اس میں چار گواہ مرد عادل ہونے چاہیئں اور اس کے علاوہ تمام معاملات میں انہیں دو آیتوں سے استدلال کیا جاتا ہے کہ گواہ دو ہونے چاہیئں اور دونوں عادل ہونے چاہیئں۔ وہ دونوں مرد ہوں یا ایک مرد ہو اور دو عورتیں ہوں۔ البتہ حدِ قذف اور ... میں صرف دو مرد ہی گواہ ہو سکتے ہیں۔ عورتیں گواہ نہیں ہو سکتیں اس

کی تفصیل پہلے آچکی ہے مثلاً نکاح، طلاق، وکالت، وصیت، نسب وغیرہ ان تمام معاملات میں دو مرد گواہ ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں البتہ وہ معاملات جہاں صرف عورتوں کی رسائی ہوسکتی ہے مردوں کی رسائی نہیں ہوسکتی مثلاً ولادت کی خبر، بکارت اور عورتوں کے بقیہ عیوب۔ ان معاملات میں صرف ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔ اور اس استدلال کی وجہ یہ ہے کہ تمام مفسّرین کے نزدیک یہ مانا ہوا اصول ہے۔ کہ العبر لعموم الالفاظ لا الخصوص السّبب کہ اعتبار عام الفاظ کا ہوتا ہے۔ خاص سبب کا اعتبار نہیں ہوتا۔ یعنی قوانین اور قواعد کلیہ سب کے لیے ہوتے ہیں کسی ایک فرد کے لیے نہیں بنائے جاتے۔ اسی لیے ان قوانین کے الفاظ بھی عام قسم کے ہوتے ہیں۔ اگر ان قوانین اور قواعد کی کوئی دفعہ کسی ایک فرد پر کسی واقعہ میں لاگو کی جائے تو اس کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ یہ قانون اسی کے لیے خاص کر دیا گیا ہے۔ کسی اور کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص جس پر یہ قانون لاگو کیا گیا ہے وہ بھی اسکا ایک فرد اور مصداق ہے۔ ہاں اگر کسی کو ان قواعد کلیہ اور قوانین سے مستثنیٰ کرنا ہو اور انہیں خاص کرنا مقصود ہو تو قواعد میں ان کی استثنیٰ کر دی جاتی ہے۔

اسی طرح یہاں قرآن مجید میں ہے کہ اس کے بیان کردہ اصول سب کے لیے ہیں کسی ایک فرد یا قوم کے لیے نہیں ہیں۔ ہاں جہاں کہیں بعض کو مخصوص کرنا تھا کر دیا ہے مگر چونکہ نزول قرآن کے وقت اس کے پہلے مصداق جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ بھی تھے اور

جب آدمی آیات قرآنیہ کو پڑھتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن سارا انہی کے لیے اترا ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہے بلکہ یہ قرآن پوری نسل انسانی کی رشد وہدایت کے لیے اتارا گیا ہے۔ اسی طرح یہ آیات ہیں بظاہر ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عادل دو گواہ صرف ادھار سدھار اور طلاق کے معاملہ میں ہونے چاہئیں حالانکہ یہ دونوں واقعات جزوی ہیں باقی قاعدہ کلیہ ہے کہ جہاں بھی حقوق ثابت کرنا ہو وہاں دو عادل گواہ مرد ہوں یا ایک مرد ہو اور دو عورتیں سوائے دو مستثنیات کے جن کی تفصیل پہلے آچکی ہے۔ بہر حال یہ آیات مجمل ہیں کیونکہ فیصلہ کرنے کی پوری تفصیل یہاں مذکور نہیں ہے پوری تفصیل احادیث میں ہے۔

گواہ مدّعی پیش کرے اور مدّعا علیہ پر قسم ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ يُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَادَّعَى نَاسٌ دِمَاءَ رِجَالٍ وَأَمْوَالَهُمْ وَلٰكِنَّ الْيَمِيْنَ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ رَوَاهُ

ابن عباس سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو محض دعوے سے دے دیا جائے تو لوگ لوگوں کے خون اور مال کا مطالبہ کریں گے لیکن مدعا علیہ پر قسم ہے۔ اس کو مسلم نے روایت کیا ہے اور

مُسْلِمٌ وَ فِیْ شَرْحِهٖ لِلنَّوَوِیْ اَنَّهٗ قَالَ وَجَاءَ فِیْ رِوَایَةِ الْبَیْهَقِیْ بِاِسْنَادٍ حَسَنٍ اَوْ صَحِیْحٍ زِیَادَةٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعًا لٰكِنَّ الْبَیِّنَةَ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ اَنْكَرَ۔

مسلم کی شرح نووی میں ہے اس نے کہا کہ بیہقی میں ایک روایت میں ہے جس کی سند حسن ہے یا صحیح ہے۔ ابن عباس سے زیادہ الفاظ آئے ہیں جو مرفوع ہیں کہ گواہ پیش کرنا مدعی پر ہے اور منکر پر قسم ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَیِّنَةُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلَی الْمُدَّعٰی عَلَیْهِ (مشکوٰۃ بحوالہ مسلم و ترمذی)

عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے اور انہوں نے اس کے دادا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گواہ پیش کرنا مدعی پر ہے اور مدعا علیہ پر قسم ہے۔

تشریح

یہاں اس باب میں دو احادیث نقل کی گئی ہیں۔ پہلی حدیث ابن عباس رضؓ سے مروی ہے اور دوسری حدیث عمرو بن شعیب

سے ۔ اور یہ دونوں حدیثیں قرآن مجید کی ان مذکورہ آیات کی تفسیر ہیں کیونکہ یہاں سورۃ بقرہ کی آیت کے پہلے جملہ میں فرمایا ہے — وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ۔ اپنے مردوں میں سے دو گواہ طلب کرو ۔ اگر اس امر کے مخاطب حکام ہیں تو اس کا مقصد یہ ہے کہ قاضی گواہوں کے سوا صرف دعوٰی پر فیصلہ نہ کرے اور اگر اس کے مخاطب مدعی ہیں تو پھر اس کا مقصد یہ ہے کہ قاضی کے سامنے اپنے دعوٰی پر دو گواہ لاؤ صرف دعوٰی پر فیصلہ نہیں ہوگا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی علت بیان فرمائی ہے کہ صرف دعوٰی پر فیصلہ کیوں نہیں ہوگا تو فرمایا کہ اگر صرف دعوٰی پر فیصلہ دیدیا جائے تو لوگ تو ایک دوسرے کا خون بھی مانگیں گے اور مال بھی مانگیں گے اس لیے صرف دعوٰی پر فیصلہ نہیں دیا جا سکتا ۔ بلکہ دعوٰی کے ساتھ ساتھ مدعی پر لازم ہے کہ وہ اپنے دعوٰی پر گواہ بھی پیش کرے ۔ اس کے بعد اگر مدعا علیہ مان جائے تو اسے مدعی کی چیز دینی پڑے گی ۔ اور اگر وہ نہ مانے تو اسے قسم اٹھانی پڑے گی ۔ یہ تو حضرت ابن عباس رضؓ والی حدیث کا مقصد ہے اور اس کے بعد جو عمرو بن شعیبؒ والی حدیث ہے اس کا بھی یہ ہی مقصد ہے ۔

جھوٹی حلف کے انسداد کا طریقہ

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	اے ایمان والو جب
شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ	تم میں سے کسی کو
اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ	موت آئے تو وصیت
الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ	کے وقت تم سے دو
اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ	صاحب عدل ہونے چاہئیں
مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ	یا تمہارے سوا دو
مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ	اور ہوں اگر تم زمین
اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي	میں سفر کرو پھر تمہیں
الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ	موت کی مصیبت آ
مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ	پہنچے ان دونوں کو نماز
تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ	کے بعد کھڑا کرو۔ وہ
بَعْدِ الصَّلٰوةِ	دونوں اللہ کی قسمیں کھائیں
فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ	اگر تمہیں کہیں شبہ ہو
اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا	کہ ہم قسم کے بدلے مال
نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا	نہیں لیتے اگر رشتہ دار
وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى	ہی کیوں نہ ہو۔ اور ہم
وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ	اللہ کی گواہی نہیں چھپاتے
اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ	ورنہ ہم بے شک گناہگار
الْاٰثِمِيْنَ ۝ فَاِنْ	ہوں گے پھر اگر اس

عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا
اسْتَحَقَّآ اِثْمًا
فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ
مَقَامَهُمَا مِنَ
الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ
عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ
فَيُقْسِمٰنِ
بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَا
اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا
وَمَا اعْتَدَيْنَا اِنَّآ
اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝
ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ
يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ
عَلٰى وَجْهِهَا اَوْ
يَخَافُوْٓا اَنْ
تُرَدَّ اَيْمَانٌ بَعْدَ
اَيْمَانِهِمْ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝
(سورۃ المائدہ ایت ۱۰۶ تا ۱۰۸)

بات کی اطلاع ہو جائے
کہ وہ دونوں گناہ کے
مرتکب ہوئے تو ان کی
جگہ اور دو کھڑے ہوں
ان میں سے جن کا حق
دبایا گیا ہے جو سب سے
زیادہ میت کے قریب
ہوں پھر اللہ کی قسم کھائیں
کہ ہماری گواہی ان کی
گواہی سے زیادہ سچّی ہے
اور ہم نے زیادتی نہیں
کی ورنہ ہم بیشک ظالموں
سے ہوں گے - یہ اس
امر کا قریب ذریعہ ہے
کہ وہ لوگ واقعہ کو ٹھیک
طور پر ظاہر کر دیں - یا
اس بات سے ڈر جائیں
کہ قسمیں اُن کی قسموں کے
بعد ردّ کی جائیں گی اور
اللہ سے ڈرتے رہو اور
سنو اور اللہ نافرمانوں کو

سیدھی راہ پر نہیں چلاتا۔

شانِ نزول

آیاتِ مذکورہ کے نزول کا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص بدیل نامی جو مسلمان تھا دو شخصوں تمیم و عدی کے ساتھ جو اس وقت نصرانی تھے بغرض تجارت ملک شام کی طرف گیا۔ شام پہنچ کر بُدَیل بیمار ہو گیا۔ اس نے اپنے مال کی فہرست لکھ کر اسباب میں رکھ دی اور اپنے دونوں رفیقوں کو اطلاع نہ کی۔ مرض جب زیادہ بڑھا تو اس نے دونوں نصرانی رفقاء کو وصیت کی کہ کل سامان میرے وارثوں کو پہنچا دینا۔ انہوں نے سب سامان لاکر وارثوں کے حوالے کر دیا مگر چاندی کا ایک پیالہ جس پر سونے کا ملمع یا نقش تھے اس میں سے نکال لیا وارثوں کو فہرست اسباب میں سے دستیاب ہوئی۔ انہوں نے اوصیا سے پوچھا کہ میت نے کچھ مال فروخت کیا تھا یا کچھ زیادہ بیمار رہا کہ معالجہ وغیرہ میں خرچ ہوا ہو۔ ان دونوں نے اس کا جواب نفی میں دیا آخر معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش ہوا۔ چونکہ وارثوں کے پاس گواہ نہ تھے تو ان دونوں نصرانیوں سے قسم لی گئی کہ ہم نے میت کے مال میں سے کسی طرح کی خیانت نہیں کی۔ نہ کوئی چیز اس کی چھپائی۔ آخر قسم پر فیصلہ ان کے حق میں کر دیا گیا۔ کچھ مدت کے بعد ظاہر ہوا کہ وہ پیالہ ان دونوں نے مکہ میں کسی سنار کے ہاتھ فروخت کیا ہے۔ جب سوال ہوا تو کہنے لگے کہ ہم نے میت سے خرید لیا تھا۔ چونکہ خریداری کے گواہ موجود نہ تھے اس لیے ہم نے پہلے اس کا ذکر

نہیں کیا - مبادا ہماری تکذیب کر دی جائے - میت کے وارثوں نے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا - اب پہلی صورت کے برعکس اوصیا خریداری کے مدعی اور وارث منکر تھے - شہادت موجود نہ ہونے کی وجہ سے وارثوں میں سے دو شخصوں نے جو میت سے قریب تر تھے قسم کھائی کہ پیالہ میت کی ملک تھا - اور یہ دونو نصرانی اپنی قسم میں جھوٹے ہیں - چنانچہ جس قیمت پر انہوں نے فروخت کیا تھا (ایک ہزار درہم پر) وہ وارثوں کو دلائی گئی -

معارف و مسائل

مسئلہ ۱ : میت جس شخص کو مال سپرد کرکے اس کے متعلق کسی کو دینے دلانے کے لیے کہہ جاوے وہ وصی ہے اور وصی ایک شخص بھی ہو سکتا ہے اور زیادہ بھی - مسئلہ ۲ - وصی کا مسلمان اور عادل ہونا خواہ حالت سفر ہو یا حضر افضل ہے لازم نہیں - مسئلہ ۳ جسے مقدمے پر مجبور کیا جاسکے وہ مدعی ہے اور دوسرا مدعا علیہ ہے مسئلہ ۴ مدعی سے گواہ لیے جاتے ہیں - اگر موافق ضابطہ شرعی کے پیش کر دے مقدمہ وہ پاتا ہے اور اگر پیش نہ کر سکے تو مدعا علیہ سے قسم لی جاتی ہے اور مقدمہ وہ پاتا ہے البتہ اگر قسم سے انکار کر جائے تو پھر مدعی مقدمہ پاتا ہے - مسئلہ ۵ قسم کی تغلیظ زمان یا مکان کے ساتھ جیسا کہ آیت مذکورہ میں کی گئی ہے حاکم کی رائے پر ہے لازم نہیں ہے - اس آیت سے بھی لزوم ثابت نہیں ہوتی اور

دوسری آیات اور روایات سے اطلاق ثابت ہوتا ہے مسئلہ ۶ : اگر مدعا علیہ کسی ایسے فعل کے متعلق قسم کھاوے تو الفاظ یہ ہوتے ہیں کہ مجھ کو اس فعل کی اطلاع نہیں۔ مسئلہ ۷ : اگر میراث کے مقدمہ میں وارث مدعا علیہ ہو تو جن کو شرعاً میراث پہنچتی ہے ان پر قسم آوے گی خواہ واحد ہو یا متعدد اور جو وارث نہیں ان پر قسم نہ ہوگی۔ (معارف القرآن مؤلفہ مفتی محمد شفیع ؒ)

پس ان آیات سے معلوم ہوا کہ اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعا علیہ پر قسم آئے گی۔ اور اگر یہ اندیشہ ہو کہ وہ جھوٹی قسم اٹھالے گا تو اس کے انسداد کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ تَحۡبِسُوۡنَهُمَا مِنۡۢ بَعۡدِ الصَّلٰوةِ یعنی نماز کے بعد ان کو کھڑا کر دو اور پھر وہ قسم اٹھائیں۔ اب ایسے موقعہ پر جھوٹ کا احتمال کم ہے کیونکہ نماز پڑھنے سے اوّلاً تو اس کے دل میں اللہ کی عظمت آجائیگی جگہ بھی متبرک ہے اور تمام نمازیوں کے سامنے بھی ہوگا۔ اور اگر ساتھ ساتھ قرآن پر بھی حلف لیا جائے تو امید قوی ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولے گا۔ اگر اس کے دل میں تھوڑا سا بھی ایمان ہوگا تو وہ سچ کہہ دے گا۔ اور آج کل چونکہ فیصلے مسجدوں میں نہیں ہوتے۔ علیحدہ کچہریاں قائم کر دی گئی ہیں۔ اور لوگ جھوٹی قسموں کے ذریعہ ہزاروں حق تلفیاں کر رہے ہیں۔ کیونکہ لوگوں کو جھوٹی قسموں سے روکنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔

جھوٹی حلف اُٹھانے کی اُخروی سزا

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلٰی یَمِیْنِ صَبْرٍ وَ ھُوَ فِیْھَا فَاجِرٌ یَقْتَطِعُ بِھَا مَالَ امْرَأٍ مُسْلِمٍ لَقِیَ اللّٰہَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَ ھُوَ عَلَیْہِ غَضْبَانٌ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی تَصْدِیْقَ ذَالِکَ اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَھْدِ اللّٰہِ وَاَیْمَانِھِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا۔

(مشکوٰۃ بحوالہ متفق علیہ)

ابن مسعود سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مستقلاً قسم اٹھائے اور وہ اس میں جھوٹا ہو تاکہ وہ لے اس کے ذریعہ مال مسلمان آدمی کا تو قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ اسے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق اتاری کہ بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور قسموں کے بدلے حقیر معاوضہ لیتے ہیں۔

اُولٰٓئِکَ لَا خَلَاقَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ وَ لَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ

آخرت میں اُن کا کوئی حصّہ نہیں ہے اور اِن سے اللہ کلام نہیں کرے گا

وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ	اور قیامت کے دن ان
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا	کی طرف نہ دیکھے گا اور
يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ	انہیں پاک بھی نہ کرے گا
عَذَابٌ اَلِيْمٌ	اور ان کے لیئے دردناک
(سورۃ آلِ عمران ایت ۷۷)	عذاب ہے۔
عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ	ابی امامہ سے روایت ہے
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ	کہ رسول اللہ صلی اللہ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص
مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ	کسی مسلمان آدمی کا حق
امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِيَمِيْنِهٖ	اپنی قسم کے ذریعہ کاٹ
فَقَدْ اَوْجَبَ اللّٰهُ	لے تو اللہ نے اس کے
لَهُ النَّارَ وَحَرَّمَ	لیے آگ واجب کی ہے
عَلَيْهِ الْجَنَّةَ فَقَالَ	اور جنت اس پر حرام کی
لَهٗ رَجُلٌ وَاِنْ كَانَ	ہے پس ایک شخص نے
شَيْئًا يَسِيْرًا يَا	کہا کہ اگرچہ تھوڑی چیز ہو
رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ	اے اللہ کے رسول۔ تو
وَاِنْ كَانَ قَضِيْبًا	آپ نے فرمایا اگرچہ پیلوں
مِنْ اَرَاكٍ۔	کے درخت کی شاخ ہو۔
(مشکوٰۃ بحوالہ مسلم)	
وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ	ام مسلمہ سے روایت ہے
اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ	کہ رسول اللہ صلی اللہ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَأَنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ إِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَّكُوْنَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ فَأَقْضِيَ لَهُ عَلَى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ مِنْهُ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِشَيْءٍ مِنْ حَقِّ أَخِيْهِ فَلَا يَأْخُذَنَّهُ فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ

(مشکوٰۃ بحوالہ متفق علیہ)

علیہ وسلم نے فرمایا میں ایک آدمی ہوں اور تم میرے پاس جھگڑتے ہوتے آتے ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم ایک زیادہ چرب زبان ہو دوسرے سے ساتھ اپنی حجت کے تو فیصلہ کروں میں اس کے موافق جو اس سے سنوں۔ پس جو شخص کہ فیصلہ کروں میں اس سے اس کے بھائی کے حق میں سے کچھ بھی تو اسے وہ چیز نہیں لینا چاہیئے یقیناً میں اس کے لیے آگ کا ٹکڑا کاٹ رہا ہوں

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَبْغَضَ الرِّجَالِ إِلَى اللّٰهِ الْأَلَدُّ

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند آدمی سب

الْخَصِمُ، (مشکوٰۃ بحوالہ متفق علیہ)

سب سے زیادہ جھگڑا کرنے والا ہے۔

وَعَنْ عَلْقَمَةَ ابْنِ وَائِلٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنْ حَضْرَمَوْتَ وَرَجُلٌ مِنْ كِنْدَه اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الْحَضْرَمِيُّ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنَّ هٰذَا غَلَبَنِيْ عَلٰى اَرْضٍ لِيْ فَقَالَ الْكِنْدِيُّ هِيَ اَرْضِيْ وَفِيْ يَدِيْ لَيْسَ لَهٗ فِيْهَا حَقٌّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْحَضْرَمِيِّ اَلَكَ بَيِّنَةٌ قَالَ لَا قَالَ فَلَكَ يَمِيْنُهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنَّ الرَّجُلَ

علقمہ بن وائل نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرموت سے ایک آدمی آیا اور ایک کندہ سے آیا۔ حضرمی نے کہا یا رسول اللہ اس شخص نے مجھ پر اور میری زمین پر قبضہ کرلیا ہے اور کندی نے کہا کہ یہ زمین میری ہے اور میرے قبضہ میں ہے اس میں اس کا کوئی حق نہیں ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرمی کو فرمایا، ہے تیرے پاس گواہ، اس نے کہا نہ کندی کو فرمایا کہ تجھ پر قسم ہے تو حضرمی نے کہا یارسول اللہ

فَاجِرٌ لَا يُبَالِيْ عَلٰى مَا حَلَفَ عَلَيْهِ وَلَيْسَ يَتَوَرَّعُ مِنْ شَيْءٍ فَقَالَ لَيْسَ لَكَ مِنْهُ اِلَّا ذَاكَ فَانْطَلَقَ لِيَحْلِفَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَدْبَرَ لَئِنْ حَلَفَ عَلٰى مَالِهٖ لِيَاْكُلَهٗ ظُلْمًا لَيَلْقَيَنَّ اللّٰهَ وَهُوَ عَنْهُ مُعْرِضٌ

(مشکوٰۃ بحوالہ مسلم)

یہ فاجر آدمی ہے۔ یہ اس چیز کی پرواہ نہیں کرتا جس کی قسم اٹھانا ہو اور یہ کسی چیز کی قسم اٹھانے سے بچتا نہیں ہے تو آپ نے فرمایا کہ تیرے لیے اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ پس وہ شخص قسم کے لیے چلا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد فرمایا اگرچہ اس کا مال کھانے کے لیے زیادتی سے قسم اٹھائے گا تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ اس کی طرف توجہ نہیں کرے گا۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ ادَّعٰى

ابی ذر سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ جو

مَا لَيْسَ لَهٗ فَلَيْسَ مِنَّا وَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ

(مشکوٰۃ بحوالہ مسلم)

شخص اس چیز کا دعوےٰ کرے جو اس کی نہیں ہے تو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اسے چاہیئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں تلاش کرے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ يَجِيْئُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ اَحَدِهِمْ يَمِيْنَهٗ وَيَمِيْنُهٗ شَهَادَتَهٗ

(مشکوٰۃ بحوالہ متفق علیہ)

ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمام لوگوں سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر جو ان کو ملیں گے پھر جو ان کو ملیں گے۔ پھر جو قوم آئے گی ان میں سے ہر ایک کی شہادت اپنی قسم کی وجہ سے سبقت لے جائے گی اور اس کی قسم ہی شہادت ہوگی۔

تشریح

یہاں اس باب میں سات احادیث نقل کی گئی ہیں۔ پہلی حدیث ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔ دوسری ابی امامہؓ سے، تیسری ام سلمہؓ

سے، چوتھی عائشہ صدیقہؓ سے، پانچویں علقمہ سے، چھٹی ابی ذر سے اور ساتویں ابن مسعودؓ سے منقول ہے۔ ان ساتوں حدیثوں میں جھوٹی قسم اٹھانے والوں کی اُخروی سزا بیان ہوئی ہے۔

ابن مسعودؓ کی پہلی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھوٹی قسم کے ذریعہ جو کسی کا مال ہتھیائے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا اور آپؐ کی تصدیق کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں آیت اتاری ہے۔ اس آیت میں بدعہد اور جھوٹی قسمیں اٹھانے والوں کے لیے پانچ قسم کا نقصان بیان فرمایا ہے۔ پہلا یہ ہے کہ آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا یعنی بھلائی نصیب نہیں ہوگی۔ دوسرا نقصان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے شفقت کا کلام نہیں فرمائیں گے۔ تیسرا نقصان یہ ہے کہ اسے نظر رحمت سے نہیں دیکھیں گے۔ چوتھا نقصان یہ ہے کہ اس کو گناہوں کی گندگی سے پاک نہیں کریں گے۔ اور پانچواں نقصان یہ ہے کہ اس کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

دوسرے نمبر پہ ابی امامہؓ والی حدیث ہے۔ اس میں آپ نے فرمایا کہ ایسے شخص کے لیے دوزخ واجب اور جنت حرام ہوگی۔

تیسرے نمبر پر ام سلمہ والی حدیث ہے اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فریب سے حاصل کی ہوئی دولت کو آگ کا ٹکڑا فرمایا۔ چوتھے نمبر پہ حضرت عائشہؓ والی حدیث ہے اس میں آپؐ نے فرمایا کہ ایسے آدمی سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ بغض ہوتا ہے۔ پانچویں نمبر پہ علقمہ والی حدیث ہے اس میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے ناراض ہوگا۔ چھٹے نمبر پہ ابی ذر کی حدیث ہے اس میں آپؐ نے فرمایا کہ جو دوسرے کا مال

ناجائز طور پر حاصل کرے وہ ہماری امت میں سے نہیں ہے، وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں تلاش کرے۔

ساتویں نمبر پر حضرت ابن مسعودؓ کی دوسری حدیث ہے اس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ ایسے لوگ آخری زمانہ میں بہت ہوں گے

مدعا علیہ زیادہ ہوں تو قرعہ اندازی سے ان میں سے ایک کو قسم دی جائے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَرَضَ عَلٰی قَوْمٍ الْیَمِیْنَ فَاَسْرَعُوْا فَاَمَرَ اَنْ یُّسْهَمَ بَیْنَهُمْ فِی الْیَمِیْنِ اَیُّهُمْ یَحْلِفُ (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری)

ابی ہریرۃ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم پر قسم پیش کی تو انہوں نے قسم اٹھانے کے لیے جلدی کی تو آپؐ نے حکم دیا کہ ان کے درمیان قسم کے لیے قرعہ ڈالا جائے کہ کون ان میں سے قسم اُٹھائے۔

تشریح

شارحین حدیث نے اس حدیث کی دو صورتیں لکھی ہیں۔ ایک

صورت تو ظاہر ہے حدیث سے معلوم ہوتی ہے کہ مدعی ایک تھا اور مدعا علیہ زیادہ تھے۔ مدعی کے پاس گواہ نہ تھے اس صورت میں مدعا علیہ پر قسم آتی ہے اور وہ زیادہ تھے۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ ان کے درمیان قُرعہ ڈالا جائے اور جس کے نام کا قرعہ نکلے وہ قسم اٹھائے اور دوسری صورت یہ لکھی ہے کہ مدعی دو تھے اور مدعا علیہ ایک تھا۔ اوران مدعیان میں سے ہر ایک اپنے لیے دعویٰ کرتا تھا اور دوسرے کا منکر تھا۔ اور تیسرا مدعا علیہ ان دونوں میں سے کسی کو نہیں جانتا تھا۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو مدعیان کے درمیان قرعہ اندازی کا حکم دیا۔ بہر حال دونوں صورتوں کا احتمال ہے اور دونوں کے لیے حکم یہی نظر آتا ہے کہ انہیں اس طرح قسم دی جائے۔

مدعی اور مدعا علیہ کے پاس گواہ نہ ہوں تو متنازعہ چیز قرعہ اندازی سے تقسیم ہوگی

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَجُلَيْنِ اِخْتَصَمَا اِلَيْهِ فِيْ مَوَارِيْثَ لَمْ تَكُنْ لَهُمَا بَيِّنَةٌ اِلَّا دَعْوَاهُمَا فَقَالَ

ام سلمہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ دو شخص آپ کے پاس وراثت کا جھگڑا لے کر آئے اور ان کے پاس گواہ نہیں تھے صرف دعویٰ تھا تو آپ نے فرمایا کہ

مَنْ قَضَيْتُ لَهٗ
بِشَيْءٍ مِنْ حَقِّ
اَخِيْهِ فَاِنَّمَا
اَقْطَعُ لَهٗ قِطْعَةً
مِنَ النَّارِ فَقَالَ
الرَّجُلَانِ كُلُّ اَحِدٍ
مِنْهُمَا يَا رَسُوْلَ
اللّٰهِ حَقِّيْ هٰذَا
لِصَاحِبِيْ فَقَالَ لَا
وَلٰكِنْ اِذْهَبَا
فَاقْتَسِمَا وَ تَوَخَّيَا
الْحَقَّ ثُمَّ اسْتَهِمَا
ثُمَّ لِيُحَلِّلْ كُلُّ
وَاحِدٍ مِنْكُمَا صَاحِبَهٗ
وَ فِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اِنَّمَا
اَقْضِيْ بَيْنَكُمَا بِرَاْيِيْ
فِيْمَا لَمْ يُنْزَلْ عَلَيَّ
فِيْهِ (مشکوٰۃ باب الاقضیہ بحوالہ ابوداؤد)

ہیں جس کو اس کے بھائی
کا حق دے دوں تو اس
کے لیے آگ کا ٹکڑا کاٹوں
گا۔ تو ان میں سے ہر
ایک نے کہا یا رسول اللہ
میرا یہ حق میرے ساتھی
کا ہے۔ آپ نے فرمایا
نہ جاؤ اور اسے تقسیم کرو
انصاف کرو پھر قرعہ ڈالو پھر
حلال کرے ہر ایک تم
میں سے اپنے ساتھی کو
اور ایک روایت میں ہے
آپ نے فرمایا کہ میں تمہارے
درمیان اپنی رائے سے
فیصلہ کر رہا ہوں۔ اس
سلسلہ میں مجھ پر کوئی وحی
نہیں اتاری گئی۔

تشریح

اس حدیث سے چار چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ پہلی چیز یہ ہے کہ مدعی

اور مدعا علیہ کے پاس جب گواہ موجود نہ ہوں تو قاضی متنازعہ چیز ان کے مابین مساویانہ تقسیم کرے اور حصوں کا انتخاب قرعہ اندازی سے کرے اور دوسری چیز یہ معلوم ہوتی ہے کہ قاضی اگر وہ چیز متنازعہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو دے گا تو وہ چیز اس کے لیے حلال نہیں ہوگی بلکہ وہ آگ کا ٹکڑا ہے اور تیسرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ تقسیم کے بعد ہر ایک ان میں سے کمی وبیشی ایک دوسرے کو معاف کر دیں اور چوتھا یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فیصلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا اجتہاد تھا اس سلسلہ میں قرآن مجید کی کوئی آیت نہیں ہے اور ظاہر بات ہے کہ ایسے مقدمہ میں اس سے زیادہ بہتر اور انصاف کی کوئی صورت نہیں ہے۔

اگر مدعی اور مدعا علیہ دونوں کے پاس گواہ ہوں تو فیصلہ صاحب قبضہ کے حق میں ہوگا

عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ رَجُلَيْنِ تَدَاعَيَا دَابَّةً فَاَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْبَيِّنَةَ اَنَّهَا دَابَّتُهُ نَتَجَهَا فَقَضٰى بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى	جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ دو آدمیوں نے ایک چارپائے کا دعویٰ کیا اور ہر ایک نے گواہ پیش کئے کہ چارپایہ اس کا ہے۔ اسی کے پاس پیدا ہوا ہے۔ تو رسول اللہ

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِلَّذِیْ فِیْ یَدِہٖ۔ (مشکوٰۃ بحوالہ شرح السنّہ)

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں فیصلہ کیا جس کے قبضہ میں تھا۔

تشریح

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک چیز پر مدعی اور مدعا علیہ دونوں اپنے استحقاق کا دعویٰ کریں اور گواہ بھی پیش کریں تو قبضہ والے کے گواہوں کو ترجیح ہوگی اور مقدمہ وہ پائے گا۔

مدعی اور مدعا علیہ دونوں کے پاس گواہ ہوں تو چیز نصف نصف ہوگی

عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیْ اِنَّ رَجُلَیْنِ ادَّعَیَا بَعِیْرًا عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْھُمَا شَاھِدَیْنِ فَقَسَمَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَھُمَا نِصْفَیْنِ (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد)

ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ کے زمانہ میں دو آدمیوں نے ایک اونٹ کا دعویٰ کیا اور ہر ایک نے گواہ بھی پیش کئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ان دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم کیا۔

طریقہ قسم کا بیان

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ حَلَّفَہٗ اِحْلِفْ بِاللّٰہِ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ مَالَہٗ عِنْدَکَ شَیْءٌ یَعْنِیْ لِلْمُدَّعِیْ (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد)	ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو فرمایا جسے قسم دی تھی قسم اٹھاؤ۔ قسم اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ اس مدعی کا تیرے پاس کچھ نہیں۔
عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ حَلَفَ بِغَیْرِ اللّٰہِ فَقَدْ اَشْرَکَ (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی)	ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے جس نے اللہ کے سوا کسی اور کی قسم اٹھائی اس نے شرک کیا۔

تشریح

یہاں اس بحث میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو احادیث نقل کی گئی ہیں۔ پہلی حضرت ابن عباس سے مروی ہے اس میں آپؐ نے قسم کا طریقہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ کی ذات کی قسم اُٹھانا ہے اور لفظ اللہ

کے ساتھ آپ نے صفات کا ذکر بھی فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ اللہ کے ساتھ صفاتِ خداوندی بطورِ تاکید بڑھا سکتے ہیں جیسا کہ یہاں فرمایا ہے کہ اَلَّذِیْ لا الٰہ الا ھو۔ اور اسی طرح اور صفات مثلاً عالم الغیب والشہادۃ ہو الرحمان الرحیم۔

دوسری حدیث ابن عمر والی ہے اس میں آپ نے فرمایا ہے کہ غیر اللہ کی قسم اٹھانا شرک ہے اور آیاتِ قرآنی اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قسم تین قسم کی ہے۔ لَغو ، غَمُوس اور مُنعَقدہ زمانہ ماضی میں کسی چیز کے بارے میں ہے یا نہیں کی قسم اٹھائے اور اسے یاد نہ ہو تو یہ لغو ہے اور زمانہ ماضی میں ہے یا نہیں کی قسم اٹھائے اور اسے یاد بھی ہو اور معاملہ برعکس ہو تو قسم غموس کہلاتی ہے۔ غموس کے معنی دریا میں غوطہ زنی کے ہیں۔ اور ایسا شخص قصداً اور جان بوجھ کر گناہ میں غوطہ لگاتا ہے اس لیے اسے غموس کہتے ہیں اور تیسری قسم منعقدہ ہے یہ زمانہ مستقبل کے بارے میں اٹھائی جاتی ہے کہ یہ کام کرنا ہے یا نہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ یہاں اس بحث میں قسم سے مراد غموس ہے اور حضرت ابن عباسؓ والی حدیث اس جملہ (مالہ عندك شیٔ) سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

عورت کی شہادت

فَاِنْ لَّمْ یَکُوْنَا	پھر اگر دو مرد نہ ہوں
رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ	تو ایک مرد اور دو عورتیں

وَامْرَاَتَانِ مِمَّنْ	ان لوگوں میں سے جنہیں
تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ	تم گواہوں میں سے پسند
اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا	کرتے ہو تاکہ اگر ایک
فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا	ان میں سے بھول جائے
الْاُخْرٰى (سورۃ البقرہ آیت ۲۸۲)	تو دوسری اسے یاد دلائے
اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِى	کیا اس کے لیے وہ ہے
الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِى	جو زیور میں پلتی ہے اور
الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ	وہ جھگڑے میں کھل کر
(سورۃ الزخرف آیت ۱۸)	بات نہیں کر سکتی۔

تفسیر

یہاں اس بحث میں پہلے تو سورۃ بقرہ کا ایک جملہ ہے۔ اس کی باقی تشریح تو گزر گئی ہے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ شہادت میں دو عورتوں کو ایک مرد کی جگہ رکھا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے تو سورۃ بقرۃ کے اس جملہ میں اس کی ایک وجہ بیان فرمائی ہے کہ اگر ایک ان میں سے بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔ اور سورۃ الزخرف کی آیت سے اس کی دوسری وجہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ عورت جھگڑوں میں کھل کر بات نہیں کر سکتی۔ اور ان آیات کی مزید تشریح مندرجہ ذیل احادیث میں ہے

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ	ابی ہریرۃ سے روایت ہے
النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ	کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - اَنَّهٗ	نے فرمایا اے عورتوں کی

فَقَالَ۔ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ وَاكْثِرْنَ الْاِسْتِغْفَارَ فَاِنِّيْ رَأَيْتُكُنَّ اَكْثَرَ اَهْلِ النَّارِ۔ فَقَالَتِ امْرَاَةٌ مِنْهُنَّ جَزْلَةٌ وَمَا لَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَكْثَرَ اَهْلِ النَّارِ۔ قَالَ تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِيْنٍ اَغْلَبَ لِذِيْ لُبٍّ مِنْكُنَّ۔ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا نُقْصَانُ الْعَقْلِ وَالدِّيْنِ قَالَ اَمَّا نُقْصَانُ عَقْلِهَا فَشَهَادَةُ امْرَاَتَيْنِ تَعْدِلُ شَهَادَةَ رَجُلٍ

جماعت صدقہ کیا کرو اور کثرت سے استغفار کیا کرو۔ میں نے تم سے اکثروں کو دوزخ میں دیکھا ہے۔ تو ان میں سے ایک بڑی ہوشیار عورت نے کہا یا رسول اللہ ہم کیوں زیادہ دوزخی ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا تم بکثرت لعنت بھیجتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔ اور میں نے عقل اور دین کا نقصان یہ دیکھا ہے وہ عقلمند آدمی کی عقل لے جاتی ہیں۔ اس نے کہا یا رسول اللہ عقل اور دین کا کیا نقصان ہے تو فرمایا کہ عقل کا نقصان یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے۔

فَهٰذَا نُقْصَانُ الْعَقْلِ وَ تَمْكُثُ اللَّيَالِيَ لَا تُصَلِّيْ وَ تُفْطِرُ فِيْ رَمَضَانَ فَهٰذَا نُقْصَانُ الدِّيْنِ ۔ (ابن کثیر)	پس یہ تو عقل کا نقصان ہے اور ٹھہری رہتی ہے کئی راتیں نماز نہیں پڑھتی ماہِ رمضان میں افطار کرتی ہے یہ دین کا نقصان ہے
لِقَوْلِهٖ علیه السلام شَهَادَةُ النِّسَاءِ جَائِزَةٌ لَا يَسْتَطِيْعُ الرِّجَالُ النَّظَرَ اِلَيْهِ ۔ (ہدایہ) وَ رَوٰى عَبْدُ الرَّزَّاقِ فِيْ مُصَنَّفِهٖ عَنِ ابْنِ الشِّهَابِ الزُّهْرِيِّ قَالَ مَضَتِ السُّنَّةُ اَنْ تَجُوْزَ شَهَادَةُ النِّسَاءِ فِيْمَا لَا يَطَّلِعُ عَلَيْهِ غَيْرُهُنَّ وَ مِنْ وِلَادَتِ النِّسَاءِ وَ عُيُوْبِهِنَّ ۔ (حاشیہ ہدایہ)	بوجہ فرمان نبی علیہ السّلام کے عورتوں کی شہادت اس چیز میں جائز ہے جسے مرد نہ دیکھ سکیں ۔ اور عبدالرزاق نے اپنی تالیف میں ابن شہاب زہری (تابعی) سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک یہ ہی دستور چلا آرہا ہے کہ عورتوں کی گواہی وہاں جائز ہے جہاں ان کو غیر نہ دیکھ سکے مثلاً عورتوں کی ولادت اور عیوب وغیرہ ۔

تشریح

یہاں ابوہریرہ والی حدیث میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے اس جملہ اَنْ تَضِلَّ کی تشریح بیان فرمائی ہے کہ یہ تضلّ ان کے عقل میں کچھ فتور کی وجہ سے ہے اور بعد والی دو حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں مردوں کی رسائی نہیں ہوتی مثلاً بکارت ولادت وہاں ایک عورت کی گواہی بھی معتبر ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایسے موقعہ پہ ایک مرد کی گواہی بھی بطریقہ اولیٰ معتبر ہے۔

کیونکہ جب حدیث میں آپ نے فرمادیا ہے کہ جہاں مردوں کی رسائی نہ ہو وہاں عورتوں کی گواہی معتبر ہے تو اس سے خود بخود معلوم ہو گیا کہ اگر کوئی مرد بھی ایسے واقعات سے باخبر ہو تو وہاں اسکی گواہی بطریقہ اولیٰ قبول ہونی چاہیئے۔ اور حدیث میں النساء کا لفظ آیا ہے اور فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ جنس ہے اور قلیل اور کثیر کو بھی شامل ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ ایسے مواقع میں اگر ایک عورت ہو تب بھی معتبر ہے۔

کیا عورت آدھا انسان ہے تب دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے

دراصل یہاں حیثیات کا سوال نہیں ہے بلکہ انصاف مہیا کرنے کا سوال ہے کہ کس گواہ کے ذریعہ قاضی کو حق و انصاف کی شہادت مل سکتی ہے اور کس سے نہیں مل سکتی۔ اس لیے خالق کائنات نے اس سلسلہ میں کچھ اصول رکھے ہوئے ہیں۔ ان اصولوں پر اگر مرد پورے اترنے والے ہوں تو ان کی گواہی قبول ہوتی ہے اور اگر وہ ان اصولوں پر کاربند نہ ہوں تو ان کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔ اسی طرح عورتوں کے لیے بھی اصول ہیں۔ جن صورتوں میں عورتوں کی شہادت قبول کرنے کی اجازت دی ہے وہاں عورت ہی حق و انصاف کی شہادت دے سکتی ہے اور جن صورتوں میں عورت کی شہادت قبول کرنے کی اجازت نہیں دی وہاں دراصل عورتوں کی رسائی بھی ناممکن ہے جیساکہ دنگا فساد کے مقدمات وغیرہ۔ اور اگر کہیں اس کی رسائی ہو بھی جائے تو وہ کھل کر بیان نہیں دے سکے گی جیساکہ سورۃ زخرف کی آیت میں بیان ہو چکا ہے۔ وھو فی الخصام غیر مبین کہ وہ جھگڑوں میں کھل کر بول نہیں سکتی۔ اور بالفرض کوئی عورت اگر ایسی ہو کہ وہ کھل کر بول سکتی ہو تو وہ تو نادرات میں سے ہے اور قواعد و کلیہ ہوتے ہیں جزئیات کی خاطر انہیں بدلا نہیں جا سکتا۔

نیز عورت کو اس میدان شہادت میں لے جانے سے اسکی عزت و آبرو بھی محفوظ نہیں رہے گی اور شریعت کا منشا یہ ہے کہ اس کی عزت

کو داغ نہ لگے اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دو عورتوں کی شہادت کو ایک مرد کے برابر قرار دے کر اس کی حیثیت کو گھٹا دیا گیا ہے یہ انکی غلط فہمی ہے۔ اصل مقصد قاضی کو حق و انصاف کی شہادت مہیا کرنا ہے۔ جہاں عورت ایسی شہادت مہیا کر سکتی ہے وہاں اس کی گواہی قبول ہے اور اس کی صورتیں بھی بتا دی ہیں۔ اور جہاں وہ حق و انصاف کی شہادت مہیا نہیں کر سکتی وہاں اس کی گواہی قبول کرنے کی اجازت نہیں دی اور اس کی صورتیں بھی بتا دی ہیں۔ نیز تربیت اولاد بھی عورت کی ذمہ داری رکھی گئی ہے۔ اگر کچہریوں کے چکر لگانے کی ذمہ داری بھی ان پر عائد کی جائے تو وہ اولاد کی تربیت صحیح نہیں کر سکے گی۔ اور عورتوں کے کچھ ذاتی مخصوص عوارضات بھی ہوتے ہیں جن کی وجہ سے شریعت نے ان ایام میں انہیں نماز اور روزہ سے بھی مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ اسی طرح ان عوارضات کے پیش نظر شریعت نے عورت کو بعض مشکل مراحل میں شہادت کے فریضہ سے مستثنیٰ کیا ہے۔

گواہی دینے کیلیے مدعی کا مطالبہ ہونا چاہیئے

وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ط وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ط (سورہ بقرہ)	گواہوں کو جب طلب کیا جائے تو وہ انکار نہ کریں اور گواہی مت چھپاؤ اور جو شخص اسے چھپائے گا پس بیشک اس کا دل گناہ گار ہے۔

عَنْ زَيْدِ ابْنِ خَالِدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ الَّذِيْ يَاْتِيْ بِشَهَادَتِهٖ قَبْلَ اَنْ يُّسْاَلَهَا (مشکوٰۃ بحوالہ مسلم)

زید بن خالد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا میں تمہیں بہترین گواہ نہ بتاؤں جو مطالبہ سے پہلے گواہی دے۔

تفسیر

یہاں اس بحث میں قرآن کے دو جملے ہیں اور ایک حدیث ہے پہلے جملہ میں یہ فرمایا ہے کہ گواہوں کو جب طلب کیا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔ اور یہ طلب کس نے کرنا ہے؟ تو ظاہر بات ہے کہ یہ طلب کرنا مدعی کا کام ہے کیونکہ گواہ نے اس کا حق ثابت کرنا ہے اور یہ گواہی اب اس پر فرض ہو جائے گی۔ ہاں اگر مدعی مطالبہ نہ کرے تو پھر گواہی دینا گواہ پر فرض نہیں ہے۔ اور دوسرے جملہ میں گواہی چھپانے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ جو گواہی چھپائے گا اس کا دل گناہ گار ہوگا۔ اور گواہی چھپانے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ قاضی کے پاس گواہی دینے کے لیے جاتا نہیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ کہے کہ مجھے اس کا علم نہیں حالانکہ وہ جانتا ہو۔

حدیث میں اس گواہ کو سب سے بہتر فرمایا ہے جس کو واقعہ کا علم ہو اور مدعی کو پتہ نہ ہو کہ اس کو علم ہے اور یہ مدعی کو بلا کر کہہ دے کہ مجھے

اس واقعہ کا علم ہے میں یہ گواہی دُوں گا۔ یہاں در اصل مدعی کو گواہ تلاش کرنے پڑیں گے کہ کس کو اس واقعہ کا علم ہے اور کس کو نہیں ہے اور گواہوں میں سے بعض ایسے ہوں گے کہ انہیں واقعہ کا علم ہو گا مگر وہ گواہی دینے سے یا اس کے علم سے انکار کریں گے اور بعض ایسے ہوں گے کہ ان کو واقعہ کا علم نہیں ہو گا مگر وہ جھوٹی گواہی دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے اور بعض ایسے ہوں گے کہ ان کے پاس واقعہ کا علم ہو گا مگر مدعی کو ان کے بارے میں معلوم نہیں ہو گا۔ ایسا گواہ جو گواہی دے اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے بہتر فرمایا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے جو حق و انصاف سے گواہ ہوں گے یقیناً وہ بھی بہتری کے لائق تو ہیں اس لیے کہ انہوں نے بھی تو حق کی گواہی دے کر فریضہ ادا کیا ہے۔ مگر اس کا مقام ان سب سے اونچا ہے جس کے بارے میں مدعی کو علم نہ ہو اور وہ خود بخود مدعی کو کہے کہ مجھے اس واقعہ کا علم ہے میں یہ گواہی دوں گا اور وہ گواہی دے دے۔ اور اس کی سب سے بہتری کی وجہ یہ ہے کہ اس نے حق و انصاف کا سب سے اونچا نمونہ پیش کیا ہے۔

مندرجہ ذیل اشخاص کی شہادت قبول نہیں

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ	عائشہ رضؓ سے روایت ہے
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى	کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	علیہ وسلم نے فرمایا خیانت
لَا تَجُوْزُ شَهَادَةُ	کرنے والے مرد اور

خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ وَلَا مَجْلُوْدٍ حَدًّا وَلَا ذِيْ غِمْرٍ عَلٰى اَخِيْهِ وَلَا ظَنِيْنٍ فِيْ وَلَاءٍ وَلَا قَرَابَةٍ وَلَا الْقَانِعِ مَعَ اَهْلِ الْبَيْتِ۔

(ترمذی)

عورت کی گواہی قبول نہیں اور نہ اس کی جسے تہمت کی حد ماری گئی ہو اور نہ دشمن اپنے بھائی پر اور نہ اس کی کہ متہم ہو ولاء میں اور قرابت میں اور نہ قناعت کرنے والی ایک گھر پر

عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَجُوْزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ وَلَا زَانٍ وَلَا زَانِيَةٍ وَلَا لِذِيْ غِمْرٍ عَلٰى اَخِيْهِ وَرُدَّ شَهَادَةُ الْقَانِعِ لِاَهْلِ الْبَيْتِ

(ابوداؤد)

عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے اور اس نے اس کے دادا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خائن مرد اور خائنہ عورت کی گواہی قبول نہیں اور نہ زانی مرد اور زانی عورت کی گواہی قبول ہے اور نہ دشمن کی گواہی اپنے بھائی پر اور ایک گھر پر قناعت کرنے والے کی گواہی ردّ کر دی گئی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

ابوہریرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ بَدَوِيٍّ عَلٰى صَاحِبِ قَرْيَةٍ۔

روایت کی ہے کہ جنگلی کی گواہی بستی والے کے خلاف قبول نہیں۔

(یہ تینوں احادیث مشکوٰۃ سے منقول ہیں)

تفسیر

اس باب میں مذکورہ احادیث سورۃ بقرہ کی آیت ۲۸۲ میں جو ترضون کا جملہ ہے اور سورۃ الطلاق کی آیت ۲ میں جو اَشْهِدُوْا ذَوَی عَدْلٍ کا جملہ آیا ہے اس کی تشریح ہے کیونکہ ان جملوں کا مقصد یہ ہے کہ گواہ دیانت دار ہونے چاہیئں اور جن پر فریقین راضی ہوں۔ اور ظاہر بات ہے کہ ان احادیث میں جن گواہان کی شہادت ممنوع قرار دی گئی ہے ان پر اگر ایک فریق راضی ہوگا تو دوسرا نہیں ہوگا پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو مجمل جملوں کی تشریح بیان فرما دی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں آٹھ اشخاص کی گواہی قبول کرنے کو ناجائز فرمایا ہے۔ خیانت کرنے والا مرد[1]، خیانت کرنے والی عورت[2]، حد قذف[3] کا سزا یافتہ، دشمن[4]، ولاء[5] میں متہم یعنی جو غلام اپنی آزادی کی نسبت غیر آزاد کنندہ کی طرف کرے۔ قرابت[6] میں متہم یعنی اپنی نسبت غیر باپ کی طرف کرنے والا۔ ایسے چھ اشخاص تو بددیانت ہیں اس لیے ان کی شہادت قبول نہیں۔ ایک گھر پر قناعت[7] کرنے والے کی گواہی اس لیے قبول نہیں کہ اس میں طرف داری کا احتمال ہے۔ اور جنگلی[8] کی گواہی اس لیے قبول نہیں کہ وہ

عموماً آداب شہادت سے واقف نہیں ہوتے اور اگر کوئی جنگلی عادل ہو اور اصول شہادت کو جانتا ہو تو فقہا نے لکھا ہے کہ اس کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے۔ اصل مقصد یہ ہے کہ قاضی کے پاس صحیح شہادت پہنچنا چاہیئے۔ پس جس شخص کی بھی بد دیانتی ظاہر ہوگی اس کی شہادت قبول نہیں ہوگی۔ اور انہیں احادیث کی روشنی میں فقہا نے لکھا ہے کہ مخنث جو افعال قبیحہ کا مرتکب ہو۔ رونے اور گانے کا پیشہ کرنے والی عورت اور مرد، شراب نوشی، پرندوں سے کھیلنے والا، حمام میں بغیر چادر داخل ہونے والا، سود خور، جوا کھیلنے والا، صحابہؓ اور تابعین کو گالی دینے والا، والدین کا نافرمان، قتل ناحق کرنے والا۔ ان لوگوں کی شہادت قبول نہیں کیونکہ یہ تمام گناہ کبائر ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہیں۔ اس کے حقوق کی رعایت نہیں کرتے تو مخلوق کے حقوق کی رعایت کیسے کریں گے۔ اسی طرح باپ کی شہادت بیٹے کے حق میں اور بیٹے کی شہادت باپ کے حق میں، ماں کے حق میں، دادا کے حق میں اور خاوند کی شہادت بیوی کے حق میں اور بیوی کی شہادت خاوند کے حق میں قبول نہیں اور نوکر اور ملازم کی شہادت اپنے مالک کے حق میں قبول نہیں کیونکہ یہاں طرفداری کا احتمال ہے اور منافع بھی مشترکہ ہے۔ ہاں اگر خفیہ ذرائع سے ان کی تصدیق ہو جائے تو پھر ان مذکورین کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ اصل مقصد یہاں ان مذکورین کی ذات کو ہدف بنانا نہیں بلکہ اصل مقصد قاضی تک حق وانصاف کی شہادت پہنچانا ہے۔ اگر خفیہ ذرائع انکی تصدیق کردیں تو ان کی گواہی قبول کرنے میں حرج نہیں اور فی زمانہ یہی صورت بہتر ہے ورنہ متقی گواہ کا ملنا آج کل مشکل ہے۔ اگر شہادت کی مذکورہ

شرائط پر اصرار کیا جائے تو نظام عدالت بالکل معطل ہو جائے گا۔

کافر کی شہادت مسلمان کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ سورۃ بقرہ کی آیت ۲۸۲ میں وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ آیا ہے۔ دو گواہ طلب کر و اپنے مردوں میں سے۔ یہاں رجال سے مراد مسلمان ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ کافروں کی گواہی مسلمان کے خلاف جائز نہیں ہے کیونکہ شہادت کا مسئلہ دیانت پر مبنی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ متنازعہ چیز مدعی اور مدعا علیہ دونوں میں سے کسی کا حق ہے اور کافر مسلمان کا خیر خواہ نہیں ہوتا اس لیے اس کی شہادت ان دونوں میں سے کسی کے حق میں یا کسی کے خلاف جائز نہیں ہے۔ شہادت کے بقیہ مسائل کتب فقہ میں مذکور ہیں وہاں دیکھنا چاہیئے۔

مدّعی مدّعا علیہ اور شہدائے کے بیانات اور قاضی کے فیصلہ کی تحریر ہونی چاہیئے

وَلَا تَسْئَمُوْٓا اَنْ	اور معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا
تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا	اس کی میعاد تک لکھنے
اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى	میں سستی نہ کرو۔ یہ لکھنا
اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ	اللہ کے نزدیک انصاف
اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ	کو زیادہ قائم رکھنے والا
وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ	ہے اور شہادت کا زیادہ
وَاَدْنٰٓى اَلَّا	دوست رکھنے والا ہے

تَرْتَابُوْا ۔ (سورۃ البقرہ آیت ۲۸۲)

اور زیادہ قریب ہے اس بات کے کہ تم کسی شبہ میں نہ پڑو۔

تفسیر

اس آیت میں ایک حکم ہے اور تین اس کے فائدے بیان فرمائے ہیں۔ حکم یہ ہے کہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اسے قلمبند کرنا چاہیئے اور اس کے انعقاد کی تاریخ ابتدا اور انتہا بھی لکھنا چاہیئے۔ یہ حکم دیانات کے تمام شعبوں کو شامل ہے اور عدالتی نظام کو بھی شامل ہے کہ مدّعی جب قاضی کے سامنے کسی کے خلاف دعوٰی دائر کرے تو یہ درخواست بھی تحریری طور پر ہونی چاہیئے جس میں مدعی کا نام، ولدیت، قوم، گاؤں، ضلع اور تحصیل تحریر ہو اور اسی طرح مدعا علیہ کے کوائف درج ہونے چاہیئں۔ اور نیز متنازعہ چیز کی تفصیل بھی ساتھ ہونا ضروری ہے اور اس میں قاضی سے استدعا ہونا چاہیئے کہ آپ ہمارے درمیان اس معاملہ میں فیصلہ کریں۔ اور اب قاضی کا کام ہے کہ اس میں مدعی اور مدعا علیہ کو عدالت میں طلب کرے اور مدعی سے گواہ مانگے۔ اور گواہوں کے بیانات لکھے۔ کیونکہ شہادت دعوٰی کے مطابق ہوگی تب اسے قبول کیا جاسکتا ہے ورنہ نہیں قبول کیا جاسکتا۔ اس کے لیے بہترین دعوٰی اور شہداء کے بیانات کی تحریر ہے۔ اور یہ مطابقت شہادت اور دعوٰی کے درمیان بھی ضروری ہے۔ اور دونوں گواہوں کے بیانات میں بھی ضروری ہے۔

تضاد کی صورت میں شہادت قبول نہیں کی جاسکتی لہٰذا تحریر ضروری ہے تاکہ دعویٰ اور شہادت میں مطابقت ہو اور قاضی کے فیصلہ کی بھی تحریر ہونی چاہیئے۔ اور اس تحریر کا پہلا فائدہ یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ انصاف والی چیز ہے اور دوسرا فائدہ یہ بیان فرمایا کہ اس سے گواہی زیادہ درست ہوگی اور تیسرا فائدہ یہ بیان فرمایا ہے کہ اس سے کسی قسم کا شک و شبہ بھی نہیں ہوگا۔ باقی گواہوں کے بیانات کی متضاد صورتوں کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

کاتب اور گواہ کو تحفظ فراہم کیا جائے

وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ	اور چاہیئے کہ تمہارے
كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ وَلَا	درمیان لکھنے والا انصاف
يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ	سے لکھے اور لکھنے والا
يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ	لکھنے سے انکار نہ کرے
اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ج	جیسا کہ اس کو اللہ نے
وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ	سکھایا ہے اسے چاہیئے
وَلَا شَهِيْدٌ ط وَاِنْ	کہ لکھ دے اور لکھنے والے
تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ	کو اور گواہ بننے والے
فُسُوْقٌۢ بِكُمْ وَاتَّقُوا	کو تکلیف نہ دی جائے
اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ	اور اگر تم نے تکلیف دی
اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ بِكُلِّ	تو تمہیں گناہ ہوگا اور

شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ۔ (سورۃ بقرہ آیت ۲۸۲)

اللہ سے ڈرو۔ اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے

تفسیر

اس سے پہلے یہ مضمون آچکا ہے کہ مدعی، مدعا علیہ اور گواہان کے بیانات قلمبند ہونے چاہیئں اور جج کا فیصلہ بھی لکھنا چاہیئے۔ اور اب یہاں ان جملوں میں نو چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ محرّر اور کاتب کوئی غیر جانبدار ہو۔ مدعی اور مدعا علیہ دونوں میں سے کسی ایک فریق کا آدمی نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کاتب کا لفظ فرمایا ہے۔ اور یہ نکرہ ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ کاتب مدعی کا آدمی ہو یا مدعا علیہ کا آدمی ہو بلکہ فرمایا کاتِبٌ کوئی ایک لکھنے والا ہو۔ پس اس سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ کاتب کوئی غیر جانبدار ہونا چاہیئے کیونکہ وہ اگر جانب دار ہوگا تو ہوسکتا ہے کہ تحریر میں وہ کمی بیشی کر جائے۔ تو انصاف مہیّا کرنے کے لیے جو محنت کی گئی ہے وہ سب ضائع اور برباد ہو جائے گی

بقول شاعر: ہم دُعا لکھتے رہے اور وہ دغا پڑھتے رہے
ایک ہی نقطے نے محرم سے مجرم کر دیا

دوسری چیز یہ معلوم ہوتی ہے کہ کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے مَنۡ کَتَمَ عِلۡمًا یَعۡلَمُہٗ اُلۡجِمَ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ بِلِجَامٍ مِّنۡ نَّارٍ (ابن کثیر) جو شخص کسی علم کو چھپائے جسے وہ جانتا ہو تو قیامت کے دن اسکو آگ کی لگام

ڈال دی جائے گی اور اس کی یہ سزا اس لیے ہو گی کہ اس کو اللہ تعالےٰ نے علم کی یہ نعمت پھیلانے کے لیے دی تھی چھپانے کے لیے نہیں دی تھی اور تیسری چیز یہ بیان فرمائی ہے کہ کاتب اور گواہ کو تکلیف نہ دی جائے اور اللہ تعالیٰ نے یہاں صیغہ مضارع مجہول کا ذکر فرمایا ہے اور تکلیف کا ذکر نہیں فرمایا کہ کون سی تکلیف نہ دی جائے۔

پس معلوم ہوا کہ عموم مقصد ہے کہ کسی بھی فریق کی طرف سے کاتب اور گواہ کو کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے۔ فریق عام ہے خواہ مدعی ہو یا مدعا علیہ ہو کسی کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ کاتب یا گواہ پر کسی قسم کا دباؤ ڈالیں کہ اس طرح لکھنا ہے اور اس طرح نہیں لکھنا۔ یا اس طرح گواہی دینا ہے اور اس طرح نہیں دینا۔ نیز کاتب اور گواہ اگر معذور ہوں یا ان کے پاس وقت نہ ہو تو انہیں مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اور اسی طرح اگر کاتب اپنے وقت کی اجرت مانگے یا گواہ اپنی آمد و رفت کا خرچ مانگے یہ انکا حق ہے وہ یہ مانگ سکتے ہیں اور اگر کاتب کو سوائے اجرت کے اور گواہ کو سوائے آمد و رفت کے خرچ کے مجبور کیا جائے تو یہ ناجائز ہے۔ یہ تمام صورتیں وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ میں شامل ہیں۔

چوتھی چیز یہ بیان فرمائی ہے کہ اگر کوئی ایسا کریگا تو یہ اس کے لیے گناہ ہے اور پانچویں چیز کاتب اور گواہان کو جو لوگ تکلیف دیتے ہیں انہیں خدا خوفی کا حکم ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ کاتب اور گواہان کو تکلیف دیتے ہیں خدا اُن کے خلاف پوری طاقت کے ساتھ حرکت میں آتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے اور چھٹی چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں یہ پاکیزہ تعلیم دے رہے ہیں۔ کہ کاتب اور گواہان پر دباؤ ڈال

کہ عدل وانصاف کی راہ بند نہ کرنا اور ساتویں چیز یہ بیان فرمائی کہ تم یہ نہ سمجھنا کہ خدا کو ہمارے جرائم کا علم نہیں ہے بلکہ وہ تو ہر چیز کو جانتا ہے۔ اس سے تو کوئی چیز بھی مخفی نہیں ہے۔ خواہ وہ چیز چھوٹی ہو یا بڑی۔ تو پھر تمہارے جرائم اس سے چھپے ہوئے کیسے رہ سکتے ہیں۔ لہٰذا اس سے ڈرو اور عدل وانصاف کی راہ بند نہ کرو۔ اب یہ کاتب کی اجرت دینا اور گواہ کو خرچ دینا مدعی کی ذمہ داری ہے۔ اگر وہ نہ دے تو اس سے لے کر دینا حکومت کی ذمہ داری ہے اور اسی طرح اگر ان پر کوئی دباؤ ڈالے تو انہیں تحفظ فراہم کرنا بھی حکومت کا فریضہ ہے۔

مدّعی اور مدعا علیہ عدالت میں قاضی کے سامنے بیٹھیں

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ الْخَصْمَيْنِ يَقْعُدَانِ بَيْنَ يَدَيِ الْحَاكِمِ

عبداللہ ابن زبیر نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا ہے کہ مدعی اور مدعا علیہ دونوں حاکم کے سامنے بیٹھیں۔

(مشکوٰۃ بحوالہ احمد وابوداؤد)

تشریح

اس حدیث سے تین باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ قاضی

مدعی اور مدعا علیہ میں سے کسی کے ساتھ عدالت میں امتیازی سلوک نہیں کر سکتا خواہ وہ قوم برادری یا خاندان یا عہدے کے لحاظ سے کتنا ہی بڑا یا بااثر کیوں نہ ہو یا قاضی کا رشتہ دار یا دشمن کیوں نہ ہو یا اسی طرح مدعی اور مدعا علیہ میں سے دونوں یا کوئی ایک غیر مسلم کیوں نہ ہو۔

دوسری چیز یہ معلوم ہوئی کہ مدعی اور مدعا علیہ دونوں بیٹھیں ان دونوں کو یا ان میں سے کسی ایک کو کھڑا نہیں کرنا بلکہ بٹھانا ہے کیونکہ یہ مجرم نہیں ہیں بلکہ دونوں حق وانصاف طلب کرنے آئے ہیں جب تک کسی ایک کا جرم ثابت نہیں ہو جاتا کسی کو کھڑا نہیں کیا جا سکتا۔

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ وہ دونوں حاکم کے سامنے بیٹھیں۔ حاکم کے ایک طرف یا پہلو میں نہ بیٹھیں اور یہ تینوں اصول اس لیے رکھے ہیں کہ ان کا اعزاز بھی ہو جائے اور قاضی کی غیر جانبداری بھی برقرار رہے۔

اچھی سفارش کا اجر اور بری کا گناہ اور عدلیہ بے اثر ہو گی

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً	جو کوئی اچھی بات میں سفارش
حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ	کرے اسے بھی اس میں
نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ	سے ایک حصہ ملے گا اور
يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً	جو کوئی بری بات میں
يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ	سفارش کرے اس میں
مِّنْهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ	سے ایک بوجھ اس پر بھی

عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ مُّقِیۡتًا ؁ ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔
(سورۃ النساء آیت ۸۵)

تفسیر

اس آیت میں شفاعت یعنی سفارش کو اچھی اور بُری دو قسموں میں تقسیم فرما کر اس کی حقیقت کو بھی واضح کر دیا اور یہ بھی تبلا دیا کہ نہ ہر سفارش بری ہے اور نہ ہر سفارش اچھی۔ ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ اچھی سفارش کرنے والے کو ثواب کا حصہ ملے گا اور بُری سفارش کرنے والے کو عذاب کا۔ آیت میں اچھی سفارش کے ساتھ نَصِیۡبٌ کا لفظ آیا ہے اور بُری سفارش کے ساتھ کِفۡلٌ کا۔ اور لغت میں دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ یعنی کسی چیز کا ایک حصہ۔ لیکن عرفِ عام میں لفظ نَصِیۡبٌ اچھے حصہ کے لیے بولا جاتا ہے اور لفظ کِفۡلٌ اکثر بُرے حصہ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اگرچہ کہیں کہیں اچھے حصہ کے لیے بھی لفظ کِفۡل استعمال ہوا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں کِفۡلَیۡنِ مِنۡ رَّحۡمَتِہٖ ارشاد ہے۔ شفاعت کے لفظی معنی ملنے یا ملانے کے ہیں اسی وجہ سے لفظ شفعہ عربی زبان میں جوڑے کے معنی میں آتا ہے اور اس کے بالمقابل لفظ وِتر بمعنے طاق استعمال کیا جاتا ہے اس لیے شفاعت کے لفظی معنی یہ ہوئے کہ کسی کمزور طالبِ حق کے ساتھ اپنی قوت ملا کر اس کو قوی کر دیا جائے۔ یا بے کس اکیلے شخص کے ساتھ خود مل کر اس کو جوڑا بنا دیا جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جائز شفاعت و سفارش کے لیے ایک تو یہ

شرط ہے کہ جس کی سفارش کی جائے اس کا مطالبہ حق اور جائز ہو۔ اور دوسرا یہ کہ وہ اپنے مطالبہ کو بوجہ کمزوری خود بڑے لوگوں تک نہ پہنچا سکتا ہو آپ پہنچا دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ خلاف حق سفارش کرنا یا دوسروں کو اس کے قبول پر مجبور کرنا شفاعت سَیِّئَہ یعنی بری سفارش ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سفارش میں اپنے تعلق یا وجاہت سے طریقہ دباؤ اور کا استعمال کیا جائے تو وہ بھی ظلم ہونے کی وجہ سے جائز نہیں اس لیے وہ بھی شفاعت سَیِّئَہ میں داخل ہے۔ اب خلاصہ مضمون آیت مذکورہ کا یہ ہوگا کہ جو شخص کسی شخص کے جائز حق اور جائز کام کے لیے جائز طریقہ پر سفارش کرے تو اس کو ثواب کا حصہ ملے گا اور اسی طرح جو کسی ناجائز کام کے لیے یا ناجائز طریقہ پر سفارش کرے تو اس کو عذاب کا حصہ ملے گا۔ حصہ ملنے کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص سے سفارش کی گئی ہے وہ جب اس مظلوم یا محروم کا کام کر دے تو جس طرح اس کام کرنے والے افسر کو ثواب ملے گا اسی طرح سفارش کرنے والے کو بھی ثواب ملے گا۔ اسی طرح کسی ناجائز کام کی سفارش کرنے والا بھی گناہ گار ہوگا۔ اور یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ سفارش کرنے والے کا ثواب یا عذاب اس پر موقوف نہیں کہ اس کی سفارش مؤثر اور کامیاب بھی ہو بلکہ اسکو بہر حال اپنا حصہ ملے گا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اَلدَّالُ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ (رواہ البزار عن ابن مسعود و الطبرانی عنہ و عن سہل ابن سعد بحوالہ مظہری) یعنی جو شخص کسی نیکی پر کسی کو آمادہ کر دے اس کو بھی ایسا ہی ثواب ملتا ہے جیسا اس نیک عمل کرنے والے کو۔ اسی طرح ابن ماجہ کی ایک حدیث میں ابوہریرۃ رضؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ

اَعَانَ عَلٰی قَتْلِ مُؤْمِنٍ بِشَطْرِ کَلِمَۃٍ لَقِیَ اللّٰہَ مَکْتُوْبٌ بَیْنَ عَیْنَیْہِ اٰیِسٌ مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ (مظہری)

یعنی جس شخص نے کسی مسلمان کے قتل میں ایک کلمہ سے بھی مدد کی تو وہ قیامت میں حق تعالیٰ کی پیشی میں اس طرح لایا جائے گا کہ اس کی پیشانی پر یہ لکھا ہوا ہوگا کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم و مایوس ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح نیکی پر کسی کو آمادہ کرنا نیک عمل اور برابر کا ثواب ملتا ہے اسی طرح بدی اور گناہ پر کسی کو آمادہ کرنا یا سہارا دینا بھی برابر کا گناہ ہے۔ آخر میں ارشاد فرمایا: وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا۔ لفظ مُقِیْت کے معنی لغت کے اعتبار سے قادر و مقتدر کے بھی ہیں۔ اور حاضر و نگران کے بھی۔ اور روزی تقسیم کرنے والے کے بھی۔ اور اس جملہ میں تینوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ پہلے معنی کے اعتبار سے تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ عمل کرنے والے اور سفارش کرنے والے کی جزا یا سزا اس کے لیے دشوار نہیں اور دوسرے معنی کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگران و حاضر ہے۔ اس کو سب معلوم ہے کہ کون کس نیت سے سفارش کر رہا ہے۔ محض لوجہ اللہ کسی بھائی کی امداد کرنا مقصود ہے یا کوئی اپنی غرض بطور رشوت کے اس سے حاصل کرنا ہے اور تیسرے معنی کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ رزق و روزی کی تقسیم کا تو اللہ تعالیٰ خود کفیل ہے جتنا کسی کے لیے لکھ دیا ہے وہ اس کو مل کر رہے گا۔ کسی کی سفارش کرنے سے وہ مجبور نہیں ہو جائے گا۔ بلکہ جس کو جتنی چاہے روزی عطا فرمائے گا البتہ سفارش کرنے والے کو مفت میں ثواب مل جاتا ہے کہ وہ ایک کمزور کی اعانت کرتا ہے۔

حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کَانَ اللّٰہُ فِی عَوْنِ عَبْدِہٖ مَادَامَ فِی عَوْنِ اَخِیْہِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس وقت تک اپنے بندہ کی امداد میں لگا رہتا ہے جب تک وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کی امداد میں لگا رہے۔ اسی بنا پر صحیح بخاری کی ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اِشْفَعُوْا فَلْتُؤْجَرُوْا وَیَقْضِیَ اللّٰہُ عَلٰی لِسَانِ نَبِیِّہٖ مَا شَاءَ۔ یعنی تم سفارش کیا کرو تمہیں ثواب ملے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے ذریعہ جو فیصلہ فرمائیں اس پر راضی رہو۔ اس حدیث میں جہاں سفارش کا موجب ثواب ہونا بیان فرمایا ہے وہاں یہ بھی بتلایا کہ سفارش کی حد بھی ہے کہ کمزور آدمی جو خود اپنی بات کسی بڑے تک پہنچانے اور اپنی حاجت صحیح طور پر بیان کرنے پر قادر نہ ہو تم اس کی بات وہاں تک پہنچا دو۔ آگے وہ سفارش مانے یا نہ مانے۔ اور اس شخص کا مطلوبہ کام پورا ہو یا نہ ہو اس میں آپ کا کوئی دخل نہ ہونا چاہیئے اور اس کے خلاف ہونے کی صورت میں آپ پر کوئی ناگواری نہ ہونا چاہیئے۔ حدیث کے آخری جملہ میں وَیَقْضِیَ اللّٰہُ عَلٰی لِسَانِ نَبِیِّہٖ مَا شَاءَ کا یہی مطلب ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ میں اس طرف اشارہ موجود ہے کہ سفارش کا ثواب یا عذاب اس پر موقوف نہیں کہ وہ سفارش کامیاب ہو بلکہ اس ثواب و عذاب کا تعلق مطلق سفارش کر دینے سے ہے۔ آپ نے شفاعت حسنہ کر دی تو ثواب کے مستحق ہو گئے اور شفاعت سیئہ کر دی تو عذاب کے مستوجب بن گئے۔ خواہ آپ کی سفارش پر عمل ہو یا نہ ہو۔ تفسیر بحر محیط اور بیان القرآن وغیرہ میں مَنْ یَّشْفَعْ میں لفظ مِنْھَا سببیہ قرار دے کر اس کی طرف اشارہ بتلایا ہے اور تفسیر مظہری میں

امام تفسیر مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ سفارش کرنے والے کو سفارش کا ثواب ملے گا۔ اگرچہ اس کی سفارش قبول نہ کی گئی ہو۔ اور یہ بات صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں۔ کسی دوسرے انسان کے پاس جو سفارش کی جائے اسکا بھی یہی اصول ہونا چاہیئے کہ سفارش کرکے آدمی فارغ ہو جائے اس کے قبول کرنے پر مجبور نہ کرے۔ جیساکہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی صدیقہ کی آزاد کردہ کنیز سے یہ سفارش فرمائی کہ اس نے جو اپنے شوہر مغیث سے طلاق حاصل کرلی ہے اور وہ اسکی محبت میں پریشان پھرتے ہیں دوبارہ انہی سے نکاح کرلے۔ بریدہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ کا حکم ہے تو سر آنکھوں پر اور اگر سفارش ہے تو میری طبیعت اس پر بالکل آمادہ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حکم نہیں سفارش ہے۔ بریدہؓ جانتی تھی کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خلاف اصول ناگواری نہ ہوگی۔ اس لیے صاف عرض کر دیا کہ پھر میں یہ سفارش قبول نہیں کرتی۔ آپ نے خوش دلی کے ساتھ ان کو ان کے حال پر رہنے دیا۔ یہ تھی حقیقت سفارش کی جو شرعاً باعث اجر و ثواب تھی۔ آج کل لوگوں نے جو اس کا حلیہ بگاڑا ہے۔ وہ درحقیقت سفارش نہیں ہوتی بلکہ تعلقات یا وجاہت کا اثر اور دباؤ ڈالنا ہوتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اگر سفارش نہ مانی جائے تو ناراض ہوتے ہیں بلکہ دشمنی پر آمادہ ہو جاتے ہیں حالانکہ کسی ایسے شخص پر ایسا دباؤ ڈالنا کہ وہ ضمیر اور مرضی کے خلاف کرنے پر مجبور ہو جائے۔ اکراہ و اجبار میں داخل اور سخت گناہ ہے اور ایسا ہی ہے جیسے کوئی کسی کے مال یا کسی کے حق پر زبردستی قبضہ کرے وہ شخص شرعاً اور قانوناً آزاد خود مختار تھا۔ آپ نے اس کو مجبور کرکے اسکی آزادی

سلب کرلی۔ اس کی مثال تو ایسی ہوگی کہ کسی محتاج کی حاجت پوری کرنے کے لیے کسی دوسرے کا مال چرا کر اسے دے دیا جائے۔

سفارشات پر کچھ معاوضہ لینا رشوت ہے

جس سفارش پر کوئی معاوضہ لیا جائے وہ رشوت ہے۔ حدیث میں اس کو سحت اور حرام فرمایا ہے اس میں ہر طرح کی رشوت داخل ہے خواہ مال ہو یا یہ کہ اس کا کام کرنے کے عوض اپنا کوئی کام اس سے لیا جائے۔ تفسیر کشاف وغیرہ میں ہے کہ شفاعت حسنہ وہ ہے جسکا منشأ کسی مسلمان کے حق کو پورا کرنا ہو یا اس کو کوئی جائز نفع پہنچانا یا مضرت اور نقصان سے بچانا ہو اور یہ سفارش کا کام بھی کسی دنیوی جوڑ توڑ کے لیے نہ ہو بلکہ محض اللہ کے لیے کمزور کی رعایت مقصود ہو اور اس سفارش پر کوئی رشوت مالی یا جانی نہ لی جائے اور یہ سفارش کسی ناجائز کام میں نہ ہو نیز یہ سفارش کسی ایسے ثابت شدہ جرم کی معافی کے لیے نہ بھی ہو جس کی سزا قرآن میں متعین و مقرر ہے۔ تفسیر بحر محیط و مظہری وغیرہ میں ہے کہ کسی مسلمان کی حاجت روائی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا بھی شفاعت حسنہ میں داخل ہے اور دعا کرنے والے کو بھی اجر ملے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے لیے دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے۔ وَ لَكَ بِمِثْلٍ یعنی اللہ تعالیٰ تیری بھی حاجت پوری فرمائیں۔

(معارف القرآن تالیف مفتی محمد شفیع)

حد میں سفارش کرنا اور قبول کرنا جائز نہیں

عَنْ عَائِشَةَ اِنَّ قُرَيْشًا اَهَمَّهُمْ شَانُ الْمَرْاَةِ الْمَخْزُوْمِيَّةِ الَّتِيْ سَرَقَتْ فَقَالُوْا مَنْ يُّكَلِّمُ فِيْهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا وَمَنْ يَّجْتَرِئُ عَلَيْهِ اِلَّا اُسَامَةُ ابْنُ زَيْدٍ حِبُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَهُ اُسَامَةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشْفَعُ فِيْ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ ثُمَّ

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ قریش (صحابہؓ) کو ایک مخزومی عورت کی وجہ سے فکر لاحق ہوئی جس نے چوری کی تھی۔ تو انہوں نے کہا کون بات کر سکتا ہے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو کہا کہ اسامہ بن زید کے سوا یہ جرأت کوئی نہیں کر سکتا کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں پس اسامہ نے آپؐ سے بات کی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ایک حد میں اللہ کی حدوں میں سے سفارش کرتے ہو۔

قَالَ اِنَّمَا اَهْلَكَ
الَّذِيْنَ قَبْلَكُمْ اَنَّهُمْ
كَانُوْا اِذَا سَرَقَ
فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ
تَرَكُوْهُ وَاِذَا سَرَقَ
فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ
اَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ
وَاَيْمُ اللّٰهِ لَوْ
اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ
مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ
لَقَطَعْتُ يَدَيْهَا۔

(متفق علیہ)

پھر آپ کھڑے ہوئے
اور خطبہ دیا اور فرمایا کہ
تم سے پہلے لوگوں کو
اسی چیز نے ہلاک کیا کہ
جب ان میں کوئی شریف
چوری کرتا تھا تو اس
کو چھوڑا لیتے تھے اور جب
کوئی کمزور چوری کرتا تو
اس پر حد قائم کرتے تھے
اللہ کی قسم اگر فاطمہ محمدؐ کی
بیٹی چوری کرے تو اس
کا ہاتھ بھی کاٹوں گا۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ
قَالَتْ كَانَتِ امْرَاَةٌ
مَخْزُوْمِيَّةٌ تَسْتَعِيْرُ
الْمَتَاعَ وَتَجْحَدُهُ
فَاَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَطْعِ
يَدِهَا فَاَتٰى اَهْلُهَا
اُسَامَةَ فَكَلَّمُوْهُ
فَكَلَّمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ

اور مسلم کی روایت میں ہے
عائشہ رضؓ نے کہا کہ ایک
عورت تھی مخزومی جو لوگوں
سے سامان مانگ کر لیتی
پھر انکار کر دیتی تھی۔ تو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا
حکم دیا تو اسکے رشتہ داروں
نے آکر اسامہ سے سفارش

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا شَيْءٌ ذَكَرَ الْحَدِيثَ بِنَحْوِ مَا تَقَدَّمَ ۔

کی بات کی تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں بات کی ۔ پھر مسلم نے پہلے کی طرح حدیث نقل کی ۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهُ دُونَ حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللّٰهِ فَقَدْ ضَادَّ اللّٰهَ وَمَنْ خَاصَمَ فِي بَاطِلٍ وَهُوَ يَعْلَمُهُ لَمْ يَزَلْ فِي سَخَطِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْزِعَ وَمَنْ قَالَ فِي مُؤْمِنٍ مَا لَيْسَ فِيهِ

عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ جس کی سفارش اللہ کی حدوں میں سے کسی حد کے سامنے حائل ہو تو اس نے اللہ سے ضد کی اور جس نے دیدہ و دانستہ کسی باطل میں جھگڑا کیا تو وہ ہمیشہ اللہ کے غصہ میں رہے گا جب تک کہ اس سے نکلے نہ اور جس نے کسی مؤمن کے بارے میں وہ بات کہی

اَسْکَنَهُ اللّٰهُ	جو اس میں نہیں ہے تو
فِیْ رَدْغَةِ الْخَبَالِ	اللہ تعالیٰ اسے پیپ اور
حَتّٰی یَخْرُجُ	خون کے کیچڑ میں ٹھہرائیں
مِمَّا قَالَ۔	گے جب تک کہ اس سے
(یہ تینوں احادیث باب الشفاعت فی الحدود سے منقول ہیں)	نکلے نہ جو بات اس نے کہی ہے

تشریح

یہاں اس بحث میں تین روایات ہیں پہلی تو بخاری اور مسلم کی اتفاقی ہے اور دوسری صرف مسلم کی روایت ہے۔ ان دونوں حدیثوں کی ناقلہ حضرت عائشہؓ ہیں۔ اور تیسری حدیث حضرت عبداللہ بن عمر سے منقول ہے۔ پہلی دونوں حدیثوں کا مقصد یہ ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مخزومہ خاندان کی ایک عورت نے چوری کی اور اس عورت کی یہ عادت بھی تھی نہ لوگوں سے سامان مانگ کر لیتی تھی، پھر منکر ہو جاتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تو اس کی برادری کے لوگوں نے اس کی یہ شرعی سزا معاف کرانے کے لیے اسامہ بن زید کو سفارشی بنایا اور اس نے اس عورت کی آپ کے دربار میں سفارش کی۔ تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سفارش نہ مانی اور اس ناجائز سفارش کرنے پر حضرت اسامہؓ کو ڈانٹا اور فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی حدول میں سے ایک حد میں سفارش کرتے ہو اور پھر اس کے بعد کھڑے ہو کر ایک خطبہ عام دیا اور فرمایا کہ پہلی قومیں اسی لیے تباہ ہوئیں کہ ان میں سے اگر کوئی شریف یا قوم کا بڑا آدمی چوری کرتا تھا تو اسکو معاف

کر دیتے تھے اور اگر کوئی کمزور چوری کرتا تھا تو ان پر حد نافذ کرتے تھے اور فرمایا کہ اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹوں گا۔

پس خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرعی حد میں سفارش قبول نہیں فرمائی اور ان سفارش کرنے والوں کو ڈانٹا تو معلوم ہوا کہ شرعی حدود میں سفارش کرنا اور قبول کرنا ناجائز ہے۔

تیسری حدیث حضرت عبداللہ بن عمر سے منقول ہے اس میں تین چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ جس کی سفارش اللہ کی حدوں میں سے کسی حد میں حائل ہو جائے یعنی حاکم وقت اس کی سفارش کی وجہ سے حد معاف کر دے تو اس میں سفارش کرنے والے نے اللہ کی مخالفت کی ہے۔ شریعت میں چار جرائم کی سزا کو حدود اللہ کہتے ہیں۔ زنا، تہمت زنا، چوری اور شراب نوشی اس کے ماسوا سزاؤں کو تعزیرات کہتے ہیں۔ حدود اللہ مقرر ہیں ان کی تفصیلات کچھ تو خلاصہ تفسیر جلد خامس میں بیان ہو چکی ہیں اور کچھ جلد سادس میں بیان ہو چکی ہیں۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ عوام حدود اللہ کا قضیہ حاکم وقت کے پاس جانے سے پہلے پہلے معاف کر سکتی ہے۔ لیکن یہ قضیہ حاکم وقت کے پاس جانے کے بعد حکومت اس کو معاف نہیں کر سکتی اور اس سزا میں تبدیلی بھی نہیں کر سکتی اور پھر اس میں سفارش کرنا کرانا اور قبول کرنا بھی ناجائز ہے اور تعزیرات حاکم وقت کی صوابدید پر موقوف ہیں حاکم وقت انہیں معاف بھی کر سکتا ہے اور جو مناسب سمجھے وہ سزا بھی دے سکتا ہے۔ دوسری چیز اس حدیث میں یہ بیان فرمائی کہ جو شخص جان بوجھ کر ناجائز کام میں جھگڑا کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں ہاں اگر توبہ کرے تو معاف کر دیتا ہے تیسری چیز یہ بیان فرمائی کہ جو آدمی کسی مومن پر تہمت زنا لگائے تو اس کو

اللہ تعالیٰ خون اور پیپ کے کیچڑ میں ٹھہرائیں گے۔ ہاں اگر توبہ کرے تو اس کو بھی معافی ہو جاتی ہے۔

تقرر وکیل اسکے فرائض اور اسکا حق الخدمت

وَ قَالَ مُوسٰی لِاَخِیْهِ	اور موسیٰ نے اپنے بھائی
هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ	ہارون سے کہا کہ میری قوم
قَوْمِیْ وَ اَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ	میں میرا جانشین رہ اور
سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ ۔ ○	اصلاح کرتے رہو اور
(سورۃ الاعراف آیت ۱۴۲)	مفسدوں کی راہ پر مت چل۔
فَاِنْ كَانَ الَّذِیْ عَلَیْهِ	پھر اگر وہ شخص کہ جس پر
الْحَقُّ سَفِیْهًا اَوْ	قرض ہے بے وقوف ہے
ضَعِیْفًا اَوْلَا یَسْتَطِیْعُ	یا کمزور ہے یا وہ بتلا نہیں
اَنْ یُّمِلَّ هُوَ فَلْیُمْلِلْ	سکتا تو اس کا کارکن ٹھیک
وَلِیُّهٗ بِالْعَدْلِ	طور پر لکھوا دے۔
(سورۃ البقرہ آیت ۲۸۲)	
وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا	اور انصاف سے تجاوز کر کے
وَّ بِدَارًا اَنْ یَّكْبَرُوْا	یتیموں کا مال نہ کھاؤ اور
وَمَنْ كَانَ غَنِیًّا	ان کے بڑے ہونے کے
فَلْیَسْتَعْفِفْ وَمَنْ	ڈر سے اُن کا مال جلدی نہ
كَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْكُلْ	کھاؤ اور جسے ضرورت نہ

بِالۡمَعۡرُوۡفِ ط (سورۃ النساء آیت ۶)

ہو وہ تو یتیم کے مال سے بچے اور جو حاجت مند ہو تو مناسب مقدار کھالے۔

تفسیر

یہاں اس بحث میں تین آیات نقل کی گئی ہیں۔ پہلی آیت سورۃ الاعراف کی ہے اور دوسری سورۃ البقرہ کی آیت کا ایک جملہ ہے اور تیسری سورۃ النسآ کی آیت کے تین جملے ہیں۔ سورۃ الاعراف کی آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک عملی نمونہ بیان فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین اور خلیفہ بنایا اور انہیں دو چیزوں کی ہدایت فرمائی۔ ایک یہ ہے کہ قوم کی اصلاح کرنا اور دوسری چیز یہ ہے کہ فسادیوں کے راستہ پر نہ چلنا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنا خلیفہ مقرر کیا تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور مرضی سے ہی تو مقرر کیا ہوگا کیونکہ پیغمبر اللہ کے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا۔

پس معلوم ہوا کہ جو کام انسان خود نہ کرسکے تو وہ دوسرے سے کرا سکتا ہے اور یہ انسان کی حوائج ضروریہ میں سے ہے کیونکہ کبھی انسان معذور ہوتا ہے اور اعذار اور عوارض بھی کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ اگر وکالت کا سلسلہ نہ ہو تو نظام ٹھپ ہو جاتے گا۔ اس لیے شریعت نے ان عوارضات کے پیش نظر وکالت اور نمائندگی کی اجازت دی ہے اور اب وکیل کی ذمہ داریاں کیا ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بڑے مختصر دو جملوں میں ان کو بیان فرمایا ہے۔ ایک یہ ہے کہ مقدور بھر مفوضہ امور

کی اصلاح کرنا اور اس سے آگے ان کی اصلاح ہونا یا نہ ہونا یہ اسکی ذمہ داری نہیں ہے اور دوسرے جملے میں فرمایا ہے کہ فسادیوں کے راستے کی اتباع نہ کرنا۔ یعنی مفوّضہ امور کو خود خراب نہ کرنا یعنی ایسا نہ ہو کہ وکیل مؤکّل کی مرضی کے خلاف فریق مخالف سے مل جائے

اس کے بعد سورۃ بقرہ کی آیت ۲۸۲ کا ایک جملہ ہے اس میں یہ فرمایا ہے کہ ادھار کا معاملہ آدمی خود نہ لکھ سکے تو اس کا ولی لکھے۔ اور مفسّرین نے لکھا ہے کہ ولی عام ہے خواہ اس کا وارث ہو یا غیر وارث ہو۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ وکالت اور نمائندگی جائز ہے اور اس کے بعد سورۃ النساء کے جملوں میں یتیموں کے اولیاء کو تین ہدایات فرمائی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ یتیم کا مال اسراف سے اور اُن کے بڑے ہونے کے ڈر سے جلدی جلدی نہ کھاؤ۔ دوسری ہدایت یہ ہے کہ غنی اولیاء کو یتیم کا مال بالکل ہی نہیں کھانا چاہیئے۔ اور تیسری ہدایت یہ ہے کہ تنگ دست اولیاء یتیم کے مال کو بقدر حاجت کھا سکتے ہیں۔ اور یہ اولیاء بھی عام ہیں خواہ اس یتیم کے اپنے حقیقی وارث ہوں یا حکومت کے مقرر کردہ ہوں۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء یتیم بقدر حاجت یتیم کے مال میں سے کھا سکتے ہیں تو عام معاملات میں وکلاء بھی بقدر حاجت حق خدمت لے سکتے ہیں کیونکہ جس طرح وکیل بامر مجبوری بچہ کا جارہا ہے اسی طرح اس وکیل کی ضروریات بھی مؤکل نے بامر مجبوری بقدر حاجت اسے ادا کرنا ہے اور یہ اس وکیل کا حق خدمت ہے۔

اب ذیل میں وکالت کی تائید میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی نمونے پیش کئے جائیں گے کہ آپ کی بھی عادت مبارکہ یہ ہی تھی کہ جب کبھی مدینہ سے باہر جانا ہوتا تو کسی شخص کو اپنا خلیفہ بنا کر جاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ کو

اپنا جانشین بنایا تھا اور ایک دفعہ حضرت عبداللہؓ بن ام کلثوم کو اور کبھی کسی اور صحابی کو مقرر کرتے تھے اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کا جانور خریدنے کے لیے وکیل بنایا تھا۔ اور حضرت ام سلمہؓ کے ساتھ نکاح کے سلسلہ میں عمر بن ام سلمہ کو وکیل بنایا تھا۔ پس ثابت ہوا کہ وکالت جائز ہے اور وکالت کے بقیہ مسائل کتب فقہ میں مفصل مذکور ہیں۔

میاں بیوی کا اختلاف رفع کرنے کا طریقہ

وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَاۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَاط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا -	اور اگر تمہیں کہیں میاں بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا خطرہ ہو تو ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے مقرر کرو۔ اگر یہ دونوں صلح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان دونوں میں موافقت کر دے گا۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔
(سورۃ النساء آیت ۳۵)	

تفسیر

قرآن مجید کی اس آیت کریمہ میں میاں بیوی کے درمیان اگر نزاع اور

جھگڑا پیدا ہو جائے تو اُسے رفع کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔ وہ یہ کہ اربابِ حکومت یا فریقین کے اولیار یا مسلمانوں کی کوئی مقتدر جماعت یہ کام کرے کہ ان کے آپس میں مصالحت کرانے کے لیے دو حکَم مقرر کریں۔ ایک مرد کے خاندان سے دوسرا عورت کے خاندان سے۔ اور ان دونوں جگہ لفظ حکَم تعبیر کر کے قرآن کریم نے ان دونوں شخصوں کے ضروری اوصاف کو بھی متعین کر دیا کہ ان دونوں میں جھگڑوں کے فیصلہ کرنے کی صلاحیت بھی موجود ہو۔ اور یہ صلاحیت ظاہر ہے کہ اس شخص میں ہو سکتی ہے جو ذی علم بھی ہو اور دیانت دار بھی ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایک حکَم مرد کے خاندان کا ہو اور ایک عورت کے خاندان کا مقرر کر کے دونوں میاں بیوی کے پاس بھیجے جائیں۔ اب وہاں جا کر یہ دونوں کیا کام کریں اور ان کے اختیارات کیا ہیں۔ قرآن کریم نے ان کو متعین نہیں فرمایا۔ البتہ آخر میں ایک جملہ ارشاد فرمایا :- اِنْ یُّرِیْدَا اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰہُ بَیْنَهُمَا یعنی اگر یہ دونوں حکَم اصلاحِ حال اور باہمی مصالحت کا ارادہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ اس کے کام میں امداد فرمادیں گے اور میاں بیوی میں اتفاق پیدا کر دیں گے۔ اس جملہ سے دو باتیں مفہوم ہوئی ہیں۔ اول تو یہ کہ مصالحت کرانے والے دونوں حکَم اگر نیک نیت ہوں اور دل سے چاہیں کہ ان کی باہم صلح ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی غیبی امداد ہو گی۔ کہ یہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے اور ان کے ذریعہ دونوں میاں بیوی کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اتفاق اور محبت پیدا فرمادیں گے۔ اس کے نتیجہ سے یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ جہاں باہمی مصالحت نہیں ہو پاتی تو دونوں حکَمین میں سے کسی جانب اخلاص کے ساتھ صلح جوئی

میں کمی ہوتی ہے دوسری بات اس جملہ سے یہ بھی سمجھی جاتی ہے کہ ان دونوں حکمین کے بھیجنے کا مقصد میاں بیوی میں صلح کرانا ہے اس سے زیادہ کوئی کام حکمین کے بھیجنے کے مقصد میں شامل نہیں ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ فریقین رضامند ہو کر انہیں دو حکموں کو اپنا وکیل مختار یا ثالث بنا دیں۔ اور یہ تسلیم کرلیں کہ دونوں مل کر جو فیصلہ بھی ہمارے حق میں دو گے ہمیں منظور ہوگا۔ اس صورت میں یہ دونوں حکم کلی طور پر ان کے معاملہ کے فیصلہ میں مختار ہوجائیں گے۔ دونوں طلاق پر متفق ہوجائیں تو طلاق ہوجائے گی۔ دونوں مل کر خلعہ وغیرہ کی کوئی صورت طے کر دیں تو وہی فریقین مرد کی جانب سے دیئے ہوئے اختیار کی بنا پر۔ عورت کو طلاق دے دیں تو فریقین کو ماننا پڑیگا سلف میں حسن بصریؒ اور امام ابوحنیفہؒ کی یہی تحقیق ہے (روح المعانی وغیرہ)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ اس میں بھی اس کی شہادت موجود ہے کہ ان دونوں حکموں کو از خود کوئی اختیار نہیں ہے بجز صلح کرانے کے۔ جب تک فریقین اُن کو کلی اختیار نہ دیدیں۔ یہ واقعہ سنن بیہقی میں بروایت عبیدہ سلمانی اسی طرح مذکور ہے۔ ایک مرد اور ایک عورت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان دونوں کے ساتھ بہت سی جماعتیں تھیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حکم دیا کہ ایک حکم مرد کے خاندان سے اور ایک عورت کے خاندان سے مقرر کریں جب یہ حکم تجویز کر دیئے گئے تو ان دونوں سے خطاب فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ تمہاری ذمہ داری کیا ہے اور تمہیں کیا کرنا ہے۔ سن لو اگر تم دونوں ان میاں بیوی کو یکجا رکھنے اور باہم مصالحت کرا دینے پر متفق ہو جاؤ۔ تو ایسا ہی کرلو۔ اور اگر تم یہ سمجھو کہ ان میں مصالحت نہیں ہو سکتی یا قائم نہیں رہ سکتی۔ اور تم دونوں

کا اس پر اتفاق ہو جائے کہ ان میں جدائی ہی مصلحت ہے تو ایسا ہی کر لو۔ یہ سن کر عورت بولی کہ مجھے یہ منظور ہے یہ دونوں حَکَم قانونِ الٰہی کے موافق جو فیصلہ کر دیں خواہ میری مرضی کے مطابق ہو یا خلاف ہو مجھے منظور ہے۔ لیکن مرد نے کہا کہ جدائی اور طلاق تو میں کسی حال میں گوارا نہ کروں گا۔ البتہ حَکَم کو یہ اختیار دیتا ہوں کہ مجھ پر مال تاوان جو چاہیں ڈال کر اس کو راضی کر دیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ نہیں۔ تمہیں بھی ان حَکَمین کو ایسا ہی اختیار دینا چاہیئے جیسا عورت نے دیا ہے۔ اس واقعہ سے بعض ائمہ مجتہدین نے یہ مسئلہ اخذ کیا کہ ان حَکَمین کا با اختیار ہونا ضروری ہے جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فریقین سے کہہ کر ان کو با اختیار بنوایا اور امام اعظم، ابو حنیفہؒ اور حضرت حسن بصریؒ نے یہ قرار دیا کہ اگر ان حَکَمین کا با اختیار ہونا امر شرعی اور ضروری ہوتا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس ارشاد اور فریقین سے رضامندی حاصل کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ فریقین کو راضی کرنے کی کوشش خود اس کی دلیل ہے کہ اصل سے یہ حَکَمین با اختیار نہیں ہوتے۔ ہاں میاں بیوی ان کو با اختیار بنا دیں تو با اختیار ہو جاتے ہیں۔

دوسرے نزاعات میں بھی
حَکَم کے ذریعہ مصالحت کرائی جائے

قرآن کریم کی اس تعلیم سے لوگوں کے باہمی جھگڑوں اور مقدمات کا فیصلہ کرنے کے متعلق ایک نئے باب کا نہایت مفید اضافہ ہوا جس کے ذریعہ عدالت و حکومت تک پہنچنے سے پہلے ہی بہت سے مقدمات

اور جھگڑوں کا فیصلہ برادریوں کی پنچایت میں ہو سکتا ہے۔ حضرات فقہاء نے فرمایا ہے کہ باہم صلح کرانے کے لیے دو حکموں کے بھیجنے کی یہ تجویز صرف میاں بیوی کے جھگڑوں میں محدود نہیں۔ بلکہ دوسرے نزاعات میں بھی اس سے کام لیا جا سکتا ہے۔ خصوصاً جب کہ جھگڑنے والے آپس میں عزیز رشتہ دار ہوں۔ کیونکہ عدالتی فیصلوں سے وقتی جھگڑا تو ختم ہو جاتا ہے مگر وہ فیصلے دلوں میں کدورت وعداوت کے جراثیم چھوڑ جاتے ہیں جو بعد میں نہایت ناگوار شکلوں میں ظاہر ہوا کرتے ہیں۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے قاضیوں کے لیے یہ فرمان جاری فرما دیا تھا کہ رُدُّوا الْقُضَاةَ بَيْنَ ذَوِي الْأَرْحَامِ حَتّٰى يَصْطَلِحُوْا فَإِنَّ فَصْلَ الْقَضَاءِ يُوْرِثُ الضَّغَائِنَ۔ رشتہ داروں کے مقدمات کو انہیں میں واپس کرو تاکہ وہ خود برادری کی امداد سے آپس میں صلح کی صورت نکال لیں کیونکہ قاضی کا فیصلہ دلوں میں کینہ و عداوت پیدا ہونے کا سبب ہوتا ہے۔ فقہاء حنفیہ میں سے قاضی قدس علاؤ الدین طرابلسی نے اپنی کتاب معین الاحکام میں اور ابن شحنہ نے لسان الحکام میں اس فرمان فاروقی کو ایسے پنچایتی فیصلوں کی بنیاد بنایا ہے جس کے ذریعہ فریقین کی رضامندی سے صلح کی کوئی صورت نکالی جائے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ اگرچہ فاروقی فرمان میں یہ حکم رشتہ داروں کے باہمی جھگڑوں سے متعلق ہے مگر اس کی جو علت وحکمت اسی فرمان میں مذکور ہے کہ عدالتی فیصلے دلوں میں کدورت پیدا کر دیا کرتے ہیں۔ یہ حکمت رشتہ دار اور غیر رشتہ دار میں عام ہے۔ کیونکہ باہمی کدورت اور عداوت سے سب ہی مسلمانوں کو بچانا ہے اس لیے حکام اور قضاۃ کے لیے مناسب یہ ہے کہ مقدمات

کی سماعت سے پہلے اس کی کوشش کرلیں کہ کسی صورت سے ان کے آپس میں رضامندی کے ساتھ مصالحت ہو جائے۔ غرض اس آیت میں انسان کی خانگی اور عائلی زندگی کا ایک جامع اور مکمل نظام ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر اس پر پورا عمل ہو جائے تو دنیا کے اکثر جھگڑے اور جنگ وجدال مٹ جائیں۔ مرد اور عورتیں سب مطمئن ہو کر اپنی خانگی زندگی کو ایک جنت کی زندگی محسوس کرنے لگیں اور خانگی جھگڑوں سے جو قبائلی اور جماعتی اور ملکی جھگڑے اور جنگیں کھڑی ہو جاتی ہیں ان سب سے امن ہو جائے۔ آخر میں پھر اس عجیب وغریب قرآنی نظام محکم پر ایک اجمالی نظر ڈالیے جو اس نے گھریلو جھگڑوں کے ختم کرنے کے لیے دنیا کو دیا ہے۔

(۱) گھر کا جھگڑا گھر ہی میں تدریجی تدبیروں کے ساتھ چکا دیا جائے۔

(۲) یہ صورت ممکن نہ رہے تو حکام یا برادری کے لوگ دو حکموں کے ذریعہ ان میں مصالحت کرا دیں تاکہ گھر میں نہیں تو خاندان ہی کے اندر محدود رہ کر جھگڑا ختم ہو سکے۔

(۳) یہ بھی جب ممکن نہ رہے تو آخر میں معاملہ عدالت تک پہنچے۔ وہ دونوں کے حالات ومعاملات کی تحقیق کر کے عادلانہ فیصلہ کرے۔ آخر میں اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا خَبِیۡرًا فرما کر دونوں حکموں کو بھی متنبہ فرما دیا کہ تم کوئی بے انصافی یا کج روی کرو گے تو تمہیں بھی ایک علیم وخبیر سے سابقہ پڑتا ہے اس کو سامنے رکھو۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع)

عنداللہ مؤمن کی شان اور عظمت

اصلی مقصد قانون قصاص بیان کرنا ہے لیکن جب تک مؤمن کی شان اور عظمت واضح نہیں ہوگی قانون قصاص کی عادلانہ حیثیت واضح نہیں ہوسکتی۔ اس لیے پہلے مؤمن کی شان اور عظمت بیان ہوگی اور پھر قانون قصاص بیان کیا جائے گا۔ واللہ الموفق والمعین۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ	کیا تو نے نہیں دیکھا کہ
اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً	اللہ پاک نے کلمہ پاک کی
طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ	ایک مثال بیان کی ہے
طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا	گویا وہ ایک پاک درخت
ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي	ہے کہ جس کی جڑ مضبوط
السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْ	ہے اور اس کی شاخ آسمان
اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ	میں ہے وہ اپنے رب
بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ	کے حکم سے ہر وقت اپنا
وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ	پھل لاتا ہے اور اللہ
لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ	لوگوں کے واسطے اپنی
يَتَذَكَّرُوْنَ ۝	مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ
سورۃ ابراہیم آیت ۲۴، ۲۵)	وہ نصیحت حاصل کریں۔

تفسیر

مسند احمد میں بروایت مجاہد مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ

ایک روز ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کوئی صاحب آپ کے پاس کھجور کے درخت کا گودہ لایا۔ اس وقت آپ نے صحابہ کرامؓ سے ایک سوال کیا کہ درختوں میں ایسا درخت بھی ہے جو مرد مؤمن کی مثال ہے اور بخاری کی روایت میں اس جگہ یہ بھی مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس درخت کے پتے کسی موسم میں جھڑتے نہیں) بتلاؤ وہ درخت کونسا ہے؟ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں آیا کہ کہہ دوں وہ کھجور کا درخت ہے مگر مجلس میں ابوبکرؓ عمرؓ اور دوسرے اکابر صحابہؓ موجود تھے۔ اُن کو خاموش دیکھ کر مجھے بولنے کی ہمّت نہ ہوئی۔ پھر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔ مؤمن کی مثال اس درخت سے دینے کی ایک وجہ یہ ہے کہ کلمہ طیّبہ میں ایمان اس کی جڑ ہے۔ جو بہت مستحکم اور مضبوط ہے۔ دنیا کے حوادث اس کو ہلا نہیں سکتے۔ مؤمنین کاملین صحابہ و تابعین بلکہ ہر زمانے کے مسلمانوں کی ایسی مثالیں کچھ کم نہیں کہ ایمان کے مقابلہ میں نہ جان کی پرواکی نہ مال کی اور نہ کسی دوسری چیز کا۔

دوسری وجہ ان کی طہارت و نظافت ہے کہ دنیا کی گندگیوں سے متأثر نہیں ہوتے۔ جیسے بڑے درخت پر سطح زمین کی گندگی کا کوئی اثر نہیں ہوتا یہ دو وصف تو اَصْلُهَا ثَابِتٌ کی مثال ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح کھجور کے درخت کی شاخیں بلند آسمان کی طرف ہوتی ہیں۔ قرآن کریم میں ہے اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف اٹھائے جاتے ہیں پاکیزہ کلمات۔ مطلب یہ ہے کہ مومن جو اللہ تعالیٰ کا ذکر، تسبیح تہلیل، قراءۃ قرآن وغیرہ کرتا ہے۔ یہ صبح شام اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچتے رہتے ہیں۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ جس طرح کھجور کا پھل ہر وقت ہر حال اور ہر موسم میں

لیل و نہار کھایا جاتا ہے۔ مؤمن کے اعمال صالح بھی ہر وقت ہر موسم اور ہر سال میں صبح و شام جاری ہیں اور جس طرح کھجور کے درخت کی ہر چیز کارآمد ہے۔ مومن کا ہر قول و فعل اور حرکت و سکون اور اس سے پیدا ہونے والے آثار پوری دنیا کے لیے نافع و مفید ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ مومن کامل اور تعلیمات خدا ورسول کا پابند ہو۔ مذکورہ تقریر سے معلوم ہوا کہ تُؤْتِیْٓ اُکُلَهَا کُلَّ حِیْنٍ میں اُکُل سے مراد پھل اور کھانے کے لائق چیزیں اور حین سے مراد ہر وقت ہر حال ہے۔ اکثر مفسرین نے اسی کو ترجیح دی ہے (معارف القرآن مفتی محمد شفیعؒ)

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا	بے شک جو لوگ اہل
مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ	کتاب میں سے منکر ہوئے
وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ	اور مشرکین وہ دوزخ کی
جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ	آگ میں ہوں گے۔ اس
اُولٰٓئِکَ هُمْ شَرُّ	میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی
الْبَرِیَّةِ ۞ اِنَّ	لوگ بدترین مخلوقات ہیں
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا	بے شک جو لوگ ایمان
الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ هُمْ	لائے اور نیک کام کئے
خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ۞	یہی لوگ بہترین مخلوقات
(سورۃ البینہ آیت ۶-۷)	ہیں۔

تفسیر

اس سے پہلے سورۃ ابراہیم کی آیت ۲۴-۲۵ میں مومن کو شجرہ طیبہ

(کھجور کا درخت) کے ساتھ جو تشبیہ دی گئی ہے اس کا بیان ہے اور اب سورۃ بیّنہ کی آیت ۶ میں کفار کو ساری مخلوقات سے برا اور آیت ۷ میں ایماندار کو ساری مخلوقات سے بہتر فرمایا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ کافر شر والے کام کرتا ہے اس لیے وہ ساری مخلوقات سے بُرا ہے اور ایماندار خیر والے کام کرتا ہے اس لیے وہ ساری مخلوقات سے بہتر ہے۔ اس کی مزید تفصیلات آنے والی احادیث میں ملاحظہ فرمائیں۔

عَنْ عَمْرِو ابْنِ	عمر ابن احوص نے فرمایا
الْاَحْوَصِ قَالَ سَمِعْتُ	کہ میں نے حجۃ الوداع کے
رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ	موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ	علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے
فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ	سُنا کہ یہ کونسا دن ہے
اَيُّ يَوْمٍ هٰذَا ۔ قَالُوْا	انہوں نے کہا بڑے حج کا
يَوْمُ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ	آپ نے فرمایا تمہارا خون
قَالَ فَاِنَّ دِمَاءَكُمْ	تمہارے مال اور تمہاری
وَاَمْوَالَكُمْ وَاَعْرَاضَكُمْ	عزتیں آپس میں آپس میں
بَيْنَكُمْ حَرَامٌ	اس طرح محترم ہیں جیسا
كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا	کہ تمہارے اس دن کا
فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا	احترام تمہارے اس شہر
اَلَا لَا يَجْنِيْ جَانٍ	میں۔ خبردار کوئی اپنی جان
عَلٰى نَفْسِهٖ اَلَا لَا يَجْنِيْ	پر زیادتی نہ کرے خبردار
جَانٍ عَلٰى وَلَدِهٖ	کوئی اپنے بچے پر اور کوئی

وَلَا مَوْلُوْدٌ عَلٰى	بچہ اپنے باپ پر زیادتی
وَالِدِہٖ اَلَا وَاِنَّ	نہ کرے ۔ خبردار شیطان
الشَّیْطَانَ قَدْ اَیِسَ	ہمیشہ اس بات سے ناامید
اَنْ یُّعْبَدَ فِیْ بَلَدِکُمْ	ہو چکا ہے کہ تمہارے اس
ھٰذَا اَبَدًا لٰکِنْ سَتَکُوْنُ	شہر میں اس کی بندگی کی
لَہٗ طَاعَۃٌ فِیْمَا	جائے لیکن اس صورت میں
تَحْتَقِرُوْنَ مِنْ	اس کی اطاعت ہوگی کہ تم
اَعْمَالِکُمْ فَسَیَرْضٰی بِہٖ	اعمال کو حقیر جانو گے تو وہ
(مشکوٰۃ باب قصہ حجۃ الوداع بحوالہ ابن ماجہ ترمذی)	اس پر راضی ہو جائے گا ۔

تشریح

اس سے پہلے سورۃ ابراہیم کی آیت ۲۴ اور ۲۵ میں ایک مومن کو کلمہ طیبہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی تھی جس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے اور سورۃ بیّنہ میں کفار کو سب سے برا اور ایمان دار کو سب سے بہتر فرمایا ہے ۔ اور اب اس حدیث میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن کی جان ، مال اور عزت ایسی ہی محترم ہے جیسا مکہ مکرمہ ، ماہ ذوالحجہ اور ذوالحجہ کی دسویں تاریخ ۔ یعنی جس طرح ان تین چیزوں کو تم سارے محترم اور واجب التعظیم سمجھتے ہو اسی طرح آپس میں ایک دوسرے کا خون مال اور عزت کو بھی محترم اور واجب التعظیم سمجھو ۔ اور اس کے بعد احترام کی تین صورتیں بیان فرمائی ہیں ۔

پہلی صورت یہ ہے کہ اَلَا لَا یَجْنِیْ جَانٍ عَلٰی نَفْسِہٖ

یعنی کوئی بھی شخص اپنی جان پر زیادتی نہ کرے۔ محدثین حضرات نے لکھا ہے کہ لَا یَجْنِیْ صیغہ خبر ہے لیکن نہی کے معنی میں ہے اس لیے ترجمہ بھی نہی والا کیا گیا ہے اور نیز محدثین نے بھی لکھا ہے کہ اس سے مراد دوسرے کو قتل کرنا ہے اور اس وقت اپنی جان پر زیادتی اس طرح ہو گی کہ قاتل اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا گویا کہ قاتل نے بظاہر تو مقتول پر زیادتی کی ہے لیکن درحقیقت اس نے اپنی جان پر زیادتی کی ہے اس لیے آقائے نامدار نے فرمایا کہ کوئی اپنی جان پر زیادتی نہ کرے اور یا اس جملہ سے مراد خودکشی بھی ہو سکتی ہے۔ بہرحال ہر مومن کی جان بحیثیت مومن ہونے کے محترم ہے۔

دوسری احترام کی صورت یہ بیان فرمائی کہ اپنے بچے پر کوئی زیادتی نہ کرے۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ جیسا کہ دورِ جاہلیت میں بعض لوگ اپنی اولاد کو یا قتل کر دیتے تھے یا بچیوں کو زندہ دفن کر دیتے تاکہ یہ بڑے ہو کر ہم سے خرچ نہ مانگیں اس سے منع فرمایا ہے اور یا اس سے مراد اولاد کو دین سے دور رکھنا ہے۔ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اولاد پر زیادتی اور جنایت فرمایا ہے کیونکہ وہ اولاد جب دین سے دور ہو گی تو لازماً بے دین ہو گی، دوزخ کے راستے پر چلے گی۔ تو ان پر زیادتی بھی درحقیقت باپ کی طرف سے ہو جائے گی۔

اور تیسری احترام کی صورت یہ بیان فرمائی ہے کہ بیٹا باپ پر زیادتی نہ کرے اور اس احترام میں اگرچہ صرف باپ کا ہی ذکر ہے لیکن درحقیقت ماں بھی اس احترام میں شامل ہے کیونکہ ماں تو باپ کی نسبت زیادہ محترم ہے اور جب باپ کے احترام کا حکم ہے اور اس پر زیادتی اور جنایت کرنے سے

منع فرمایا ہے تو ماں بھی یقیناً اس احترام میں شامل ہوگی۔ پس خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ ہر مومن بحیثیت مومن ہونے کے محترم ہے۔ خواہ وہ ماں ہو یا باپ ہو بیٹا ہو یا بیٹی یا کوئی بھی مومن ہو۔ اور حدیث کے آخر میں فرمایا کہ اس شہر مکہ میں اب شیطان کی عبادت تو نہیں کی جائے گی لیکن تم لوگ بقیہ بداعمالیاں کرا کے یعنی اب تا قیامت مکہ میں شرک نہیں ہوگا لیکن بقیہ بداعمالیاں قتل و غارت، سفاکی، خون ریزی اور آبرو ریزی، چوری وغیرہ کے جرائم ہوں گے اور شیطان اتنے پر بھی خوش ہوگا۔ بہرحال ان آیات اور احادیث سے ایک مومن کی شان اور عظمت واضح ہو جاتی ہے۔ مکہ مکرمہ، ماہ ذوالحجہ اور ذوالحجہ کی تعظیم بیت اللہ کی وجہ سے ہے اور مومن کے ایمان کی وجہ سے ہے۔ ع

کعبہ بنیاد خلیل آزر است — دل گزرگاہ جلیل اکبر است

یعنی بیت اللہ جو کہ مرکز انوار ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے اور مومن کا دل بھی مرکز انوار الٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی گزرگاہ ہے اور ایک دوسرے شعر میں ہے ع

من نہ گنجم در زمین و آسمان — لیک گنجم در دلِ مومناں

یہ شعر دراصل حدیث قدسی کا ترجمہ ہے۔ فرمان خداوندی ہے کہ میں زمین و آسمان میں نہیں سما سکتا، میرے سمانے کا مقام صرف مومن کا دل ہے پس خلاصہ اور لب لباب یہ نکلا کہ ہر مومن کا اکرام اور احترام مکہ مکرمہ ماہ ذوالحجہ اور یوم النحر کی طرح ہے اور ان کا اکرام و احترام اور عظمت بیت اللہ کی وجہ سے ہے اور مومن کا احترام نور ایمان کی وجہ سے ہے اور وجہ تشبیہ انوار الٰہی ہے یعنی بیت اللہ بھی مرکز انوار الٰہی ہے اور ہر مومن کا دل بھی مرکز انوار الٰہی

ہے اور مزید تفصیل آنے والی آیات اور احادیث میں ملاحظہ کی جائیں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَئَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطُوْفُ بِالْكَعْبَةِ وَ يَقُوْلُ - مَا اَطْيَبَكِ وَاَطْيَبَ رِيْحَكِ مَا اَعْظَمَكِ وَاَعْظَمُ حُرْمَتَكِ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَحُرْمَةُ الْمُؤْمِنِ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى حُرْمَةً مِّنْكِ مَالِهٖ وَ دَمِهٖ وَ اَنْ يُّظَنَّ بِهٖ اِلَّا خَيْرًا (ابن کثیر)

ابن عمر نے کہا کہ میں نے جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا اور بیت اللہ کو خطاب کرتے ہوئے (فرما رہے تھے) تو کیا ہی پاکیزہ ہے اور تیری خوشبو کیا ہی پاکیزہ ہے تو کیا ہی عظمت والا ہے اور تیری حرمت بھی کیا ہی عظمت والی ہے اور قسم ہے اس ذات کی محمدؐ کی جان اس کے ہاتھ میں ہے کہ مومن کی جان، مال اور ذمہ کی حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تجھ سے زیادہ عظیم ہے اور کہ مومن کے بارے میں اچھا گمان کرنا ہے۔

تشریح

اس سے پہلی حدیث میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن

کی جان و مال اور آبرو کو مکہ مکرمہ ذی الحجہ اور یوم النحر کے ساتھ صرف تشبیہ دی جس کے ضمن میں بیت اللہ سے بھی تشبیہ آگئی۔ اور اس حدیث میں آپ نے وضاحت بیان فرما دی ہے کہ مومن کی جان و مال کا احترام بیت اللہ سے زیادہ ہے اور اس مزیت اور افضلیت کی وجہ یہ ہے کہ بیت اللہ کو تو انسان کے لیے مرکز ہدایت بنایا گیا ہے اور جس کی خاطر سب کچھ کیا جائے اس کی عظمت مسلم ہے اور یہی حال ہے مومن کے مال اور آبرو کا۔

مومن کے ساتھ مذاق اڑانے کی ممانعت اور اس کی سزا

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے ایمان والو ایک قوم
اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ	دوسری قوم سے ٹھٹھا نہ
قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ	کرے۔ عجب نہیں کہ وہ
عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا	ان سے بہتر ہوں۔ اور
مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ	نہ عورتیں دوسری عورتوں سے
مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى	ٹھٹھا کریں۔ کچھ بعید نہیں
اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا	کہ وہ ان سے بہتر ہوں
مِّنْهُنَّ ، (سورۃ الحجرات آیت ۱۱)	اور جب انہیں کہا جاتا
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ	ہے ایمان لاؤ جس طرح
اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ	اور لوگ ایمان لائے ہیں
النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ	تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان

كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ	لائیں جس طرح بے وقوف
اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ	لائے ہیں۔ خبردار وہی
السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ	بے وقوف ہیں لیکن نہیں
لَّا يَعْلَمُوْنَ وَاِذَا	جانتے اور جب ایمانداروں
لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں
قَالُوْٓا اٰمَنَّا ج وَاِذَا	ہم ایمان لائے اور جب
خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ	اپنے شیطانوں کے ساتھ
قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ	اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے
اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ	ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں
اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ	ہم تو صرف ہنسی کرنے
بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ	والے ہیں۔ اللہ ان سے
فِىْ طُغْيَانِهِمْ	ہنسی کرتا ہے اور انہیں
يَعْمَهُوْنَ ۵	مہلت دیتا ہے کہ وہ
(سورۃ بقرہ آیت ۱۳ تا ۱۵)	اپنی گمراہی میں حیران ہیں۔

تفسیر

یہاں اس بحث میں چار آیتیں نقل کی گئی ہیں۔ پہلی سورۃ حجرات کی آیت کا ایک ٹکڑا ہے اس میں ایماندار مردوں اور عورتوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مذاق اور تمسخر اڑانے سے منع فرمایا ہے۔ اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ شاید جس کے ساتھ مذاق اڑایا جا رہا ہے وہ اس سے بہتر ہو اور یہ مانا ہوا اصول ہے کہ اپنے سے بہتر کے ساتھ مذاق اڑانا معیوب

ہے اور عقلی تقاضا بھی یہی ہے۔ اور اس کے بعد سورۃ بقرہ والی آیات ہیں یہ آیات اگرچہ منافقین کے بارے میں اتری ہیں کہ وہ مسلمانوں سے مذاق اڑاتے تھے اور ان کو بے وقوف کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں کو بے وقوف کہنے والے خود بے وقوف ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ ان کو مذاق کرنے کی سزا دے گا۔ اور تمام مفسرین کے نزدیک یہ مانا ہوا اصول ہے کہ جن آیات کا شان نزول خاص ہوتا ہے ان کا حکم عام ہوتا ہے پس خلاصہ یہ ہوا کہ ایماندار کے ساتھ کوئی بھی مذاق اڑائے یا اس کو بیوقوف کہے تو وہ ان آیات میں مذکورہ سزا کے مستحق ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مذاق اڑانے والا مسخور کو گھٹیا سمجھتا ہے حالانکہ اللہ تعالےٰ نے اسے بہتر فرمایا ہے۔

مومن پر طعنہ زنی، عیب جوئی اور برے القاب کی ممانعت اور اسکی سزا

وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○

(سورۃ الحجرات آیت ۱۱)

اور ایک دوسرے کو طعنے نہ دو۔ اور نہ ایک دوسرے کے نام دھرو۔ فسق کے نام لینے ایمان لانے کے بعد بہت برے ہیں اور جو باز نہ آئیں سو وہی ظالم ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ کے نام سے شروع جو بہت بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۝ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ

پس پشت عیب جوئی کرنے والے طعنے دینے والے کے لیے ہلاکت جو مال جمع کرتا ہے اور گن گن کر رکھتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اسکا مال اسے ہمیشہ رکھے گا ہرگز نہیں وہ ضرور حطمہ میں پھینکا جائے گا اور آپ کو کیا معلوم حطمہ کیا ہے وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں تک جا پہنچتی ہے۔ بے شک وہ ان پر چاروں طرف سے بند کر دی جائے گی لمبے لمبے ستونوں میں۔

تفسیر

یہاں اس بحث میں ایک آیت سورۃ حجرات کی ہے اور دوسری

سورۃ ھمزہ کی ہے۔ سورہ حجرات والی آیت میں چار چیزوں کا بیان ہے۔ پہلا یہ ہے کہ ایک دوسرے کو طعنہ نہ دو۔ دوسرا یہ ہے کہ ایک دوسرے کا برا لقب نہ رکھو۔ تیسرا یہ ہے کہ ایسا کرنا بُرا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مومن کو بہتر فرمایا ہے اور اس کے بُرے القاب رکھنے والا گویا کہ اللہ تعالےٰ کی رائے گرامی پر تنقید کر رہا ہے اور چوتھا یہ بیان فرمایا ہے کہ ایسے لوگوں کو توبہ کرنی چاہیئے ورنہ ان کا شمار ظالموں میں ہوگا۔ اس کے بعد سورۃ ھمزہ میں ایسے لوگوں کی اخروی سزا اور بربادی بیان فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ مالدار طبقہ ایسا کرتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ مال دار طبقہ غریب کو گھٹیا سمجھتا ہے اور اس پر طعنہ زنی کرتا ہے اور اس کے عیوب نکالتا ہے اگرچہ وہ غریب اس کا حقیقی بھائی کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسے زر پرستوں کے ساتھ قیامت کے دن جو سلوک کریں گے اسے بیان فرمایا ہے۔ اسے بیان کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ زر پرست طبقہ غریبوں پر طعنہ زنی اور انکی عیب جوئیوں سے باز آجائے۔ پس خلاصہ یہ نکلا کہ مومن کا بہت بڑا اونچا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر طعن و تشنیع اور ان کی عیب جوئی بھی برداشت نہیں کرتا۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ	ابن عباسؓ سے مرفوع
مَرْفُوْعًا مَنْ سَتَرَ	روایت ہے کہ جس نے
عَوْرَةَ اَخِيْهِ سَتَرَ	اپنے بھائی کی پردہ پوشی کی
اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَوْمَ	تو اللہ تعالیٰ قیامت کے
الْقِيٰمَةِ وَمَنْ كَشَفَ	دن اس کی پردہ پوشی کریگا
عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ	اور جو اپنے مسلمان بھائی
كَشَفَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ	کا پردہ کھولے گا تو اللہ تعالےٰ

حَتّٰی یَفْضَحَہٗ بِھَا فِیْ بَیْتِہٖ ۔ (ابن ماجہ)	اس کا پردہ کھولے گا یہانتک کہ اس کو اس کے گھر میں رُسوا کرے گا ۔
عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ مَرْفُوْعًا مَنْ سَتَرَ عَلٰی مُسْلِمٍ سَتَرَہُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاللّٰہُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ اَخِیْہِ ۔ (ابوداؤد ومسلم)	ابوہریرۃ سے مرفوع روایت ہے کہ جو مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ تعالےٰ دنیا اور آخرت میں اسکی پردہ پوشی کریں گے اور اللہ اپنے بندے کی مدد میں ہوتا ہے جب تک کہ بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے ۔

تشریح

یہاں دو احادیث نقل کی گئی ہیں اور یہ دونوں سورۃ ھمزہ کی تشریح ہیں کیونکہ اس سورۃ میں فرمایا ہے کہ خرابی ہے واسطے عیب جوئی کرنے والے کے ۔ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں فرمایا ہے کہ خرابی سے مراد رسوائی ہے یعنی جو مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کریگا اور جو آدمی کی پردہ دری کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی پردہ دری کرے گا ۔ پس جب اللہ پاک مومن کی طرف سے انتقام لے گا تو معلوم ہوا کہ عند اللہ مومن کا مقام بہت اونچا ہے ۔

مومن کی بدگمانی تجسّس اور غیبت کی ممانعت

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ط اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ٥

(سورۃ حجرات آیت ۱۲)

اے ایمان والو بہت سی بدگمانیوں سے بچتے رہو کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں اور ٹٹول بھی نہ کیا کرو۔ اور نہ کوئی کسی کی غیبت کیا کرے کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے سو تم اس کو تو ناپسند کرتے ہو اللہ سے ڈرو۔ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمانداروں کو تین چیزوں سے منع فرمایا ہے پہلی چیز بہت سے گمانوں سے بچنا اور پرہیز کرنا ہے کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اس آیت کے تحت حضرت مولانا اشرف علیؒ تھانوی نے لکھا ہے کہ گمان تین قسم کا ہے۔ واجب، مباح، حرام۔ واجب یہ ہے کہ انسان اللہ

کے ساتھ حسنِ ظن رکھے۔ اور فقہی غیر منصوص مسائل ہیں۔ اور مباح جیسے امور معاش ہیں اور جس شخص میں علانیہ علامات فسق پائے جاتے ہیں۔ حرام ہے جس آدمی کے ظاہری آثار نیک ہوں تو اس کو برا گمان کرنا۔ اور دوسری چیز عیب ٹٹولنا ہے اس کی تفصیل شہادت کے ذیل میں گزر چکی ہے اور تیسری چیز مومن کی غیبت سے ممانعت ہے۔ کسی کے پیچھے اس کی ایسی برائی بیان کرنا کہ اس کے سامنے کی جائے تو اس کو رنج ہو اسے غیبت کہتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا الْغِیْبَةُ قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ قَالَ ذِکْرُكَ اَخَاكَ بِمَا یَکْرَهُ قِیْلَ اَفَرَءَیْتَ اِنْ کَانَ فِیْ اَخِیْ مَا اَقُوْلُ۔ قَالَ اِنْ کَانَ فِیْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ فِیْهِ

ابی ہریرۃ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول اچھا جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کی ایسی بات بیان کرنا جسے وہ ناپسند کرے آپ سے عرض کیا گیا کہ اگر وہ بات میرے بھائی کی ہو جو میں کہہ رہا ہوں تو؟ تو آپ نے فرمایا اگر وہ بات اس میں ہو جو تم

مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّهٗ

(رواہ مسلم)

کہتے ہو تو تم نے اس کی غیبت کی اور اگر وہ بات اس میں نہ ہو جو تم کہتے ہو تو پھر تم نے اس پہ بہتان باندھا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلَيْنِ صَلَّيَا صَلٰوةَ الظُّهْرِ اَوِ الْعَصْرِ وَكَانَا صَائِمَيْنِ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةَ قَالَ اَعِيْدُوْا وُضُوْءَكُمَا وَصَلٰوتَكُمَا وَامْضِيَا فِيْ صَوْمِكُمَا وَاقْضِيَاهُ يَوْمًا اٰخَرَ قَالَا لِمَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِغْتَبْتُمْ فُلَانًا۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ دو آدمیوں نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھی اور وہ دونوں روزے دار تھے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کی تو انہیں فرمایا کہ تم وضو کو اور نماز کو لوٹا لو۔ اور روزہ جاری رکھو اور دوسرے دن اس کی قضا کر لینا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ کیوں؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم نے فلاں کی غیبت نہیں کی۔

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَّجَابِرٍ قَالَا۔ قَالَ

حضرت ابوسعید اور حضرت جابر سے روایت

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی	ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔	علیہ وسلم نے فرمایا کہ
اَلْغِیْبَۃُ اَشَدُّ	غیبت زنا سے سخت ہے
مِنَ الزِّنَا۔ قَالُوْا	انہوں نے کہا یا رسول اللہ
یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ	کیسے سخت ہے غیبت
وَکَیْفَ الْغِیْبَۃُ اَشَدُّ	زنا سے۔ تو آپؐ نے
مِنَ الزِّنَا۔ قَالَ	فرمایا کہ جب آدمی زنا کرتا
اِنَّ الرَّجُلَ لَیَزْنِیْ	ہے تو پھر توبہ کرتا ہے
فَیَتُوْبُ۔ فَیَتُوْبُ	تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ
اللّٰہُ عَلَیْہِ وَفِیْ	قبول فرماتے ہیں۔ اور
رِوَایَۃٍ فَیَتُوْبُ	ایک روایت میں کہ وہ
فَیَغْفِرُ اللّٰہُ لَہٗ	توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ
وَاِنَّ صَاحِبَ الْغِیْبَۃِ	اسے بخش دیتے ہیں اور
لَا یُغْفَرُ لَہٗ حَتّٰی	غیبت کرنیوالے کی بخشش
یَغْفِرَھَا لَہٗ صَاحِبُہٗ	نہیں ہوتی جب تک کہ
وَفِیْ رِوَایَۃِ اَنَسٍ	جس کی غیبت کی ہے وہ
قَالَ صَاحِبُ الزِّنَا	اسے معاف نہ کرے۔
یَتُوْبُ وَصَاحِبُ الْغِیْبَۃِ	اور انس کی روایت میں
لَیْسَ لَہٗ تَوْبَۃٌ رَوَا	ہے کہ صاحب زنا توبہ
الْبَیْھَقِیُّ الْاَحَادِیْثَ الثَّلٰثَۃَ	کرتا ہے اور صاحب
فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ۔	غیبت توبہ نہیں کرتا۔

(یہ تینوں احادیث مشکوٰۃ باب الغیبۃ سے منقول ہیں۔)

تشریح

یہاں تین احادیث نقل کی گئی ہیں۔ پہلی ابوہریرہؓ سے مروی ہے اور دوسری ابن عباسؓ سے منقول ہے اور تیسری ابی سعید اور جابر سے ہے۔ ابوہریرہؓ والی حدیث میں تو آپؐ نے غیبت کی تعریف بیان فرمائی ہے کہ آدمی کا دوسرے کی ایسی بات اوروں کے سامنے نقل کرنا جس کا نقل کرنا اور بیان کرنا وہ پسند نہ کرے یہ غیبت ہے۔ اور اگر اس میں وہ بات نہ ہو آدمی ویسے ہی اپنی طرف سے وہ بات بنا کر اس کی نسبت کہہ دے تو وہ بہتان ہے۔ حضرت ابن عباس والی حدیث میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور فرمان منقول ہے کہ آپؐ نے دو آدمیوں کو وضو اور نماز لوٹانے کا حکم دیا اور روزے کی قضا کا فرمایا انہوں نے وجہ دریافت کی تو آپؐ نے فرمایا کہ تم نے فلاں آدمی کی غیبت کی ہے اس لیے وضو اور نماز تو لوٹانا ہے اور روزے کو وقتی طور پر تو شام تک پورا کر لو مگر پھر اس کی بھی قضا کرنا ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ غیبت سے انسان کی نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔

اس کے بعد حضرت ابی سعید اور حضرت جابر والی حدیث ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیبت کرنے سے انسان کا ایمان بھی ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ غیبت کا گناہ زنا سے بھی زیادہ سخت ہے اور اس کی ایک وجہ ایک اور حدیث سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ زنا کی حالت میں انسان کا ایمان بھی سلب ہو جاتا ہے اور جب غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت ہے تو معلوم ہوا کہ اس سے بھی یقیناً آدمی کا ایمان

ضائع ہو جاتا ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ غیبت سے اور زنا سے انسان کی نیکیاں اور ایمان کس طرح ضائع ہو جاتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ زنا کا فعل انسان کسی کے سامنے نہیں کرتا کیونکہ اس کا حیا مانع ہوتا ہے اور خدا تو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اس سے تو کوئی چیز مخفی نہیں ہے، اور جب انسان اس کے سامنے یہ فعل کرتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ یا تو وہ خدا کو حاضر و ناظر نہیں مانتا اور یا اس کے دل میں اس کے لیے ایک انسان کے برابر بھی حیا نہیں ہے۔ دونوں صورتوں میں اس کا ایمان سلب ہو جاتا ہے اور ایمان اعمال کی بنیاد ہے اور جب ایمان ہی نہ رہا تو نیکیاں خود ضائع ہو جائیں گی۔

اور حضورؐ نے فرمایا کہ غیبت کا بھی یہی حال ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے تو مومن کی توقیر و حرمت بیت اللہ کے برابر قرار دی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ فرمائی ہے اور یہ غیبت کے ذریعہ مومن کی توہین کرتا ہے اس کے دل میں اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کی کوئی وقعت نہیں ہے اس کا بھی یقیناً ایمان بھی ضائع ہوگا اور نیکیاں بھی ضائع ہونگی۔ اور غیبت کے اشد من الزنا ہونے کی دوسری وجہ اس حدیث میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی ہے کہ زانی توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتے ہیں اور غیبت کرنے والا اگر توبہ بھی کرے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف نہیں فرمائیں گے جب تک کہ جس کی غیبت کی ہے وہ اسے معاف نہ کرے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ	حضرت انس سے روایت
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ	ہے کہ جناب رسول اللہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
اِنَّ مِنْ كَفَّارَةِ	کہ غیبت کے کفاروں میں
الْغِيْبَةِ اَنْ تَسْتَغْفِرَ	سے یہ ہے کہ آدمی نے
لِمَنِ اغْتَبْتَهٗ يَقُوْلُ	جس کی غیبت کی ہے
اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلَهٗ	اس کے لیے معافی مانگے
(رواه البيهقي في	اور یوں کہے اے اللہ
الدعوات الكبير وقال	ہمیں معاف کر اور اسے
في هذا الاسناد ضعف)	بھی معاف کر۔

(مشکوٰۃ کتاب الغیبۃ)

تشریح

اس حدیث میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کا کفارہ بیان فرمایا ہے کہ انسان نے جس کی غیبت کی ہے اگر اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے تو پھر اللہ تعالیٰ اس غیبت کرنے والے کا گناہ معاف کر دیتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کا جو ایمان اور نیکیاں ضائع ہوئی تھیں وہ تو مومن کی توہین کی وجہ سے ضائع ہوئی تھیں۔ اور اب جب وہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے گا تو یقیناً اس کے دل میں اس مومن کا احترام آجائے گا۔ اس لیے اس کی توبہ بھی قبول ہو جائے گی اور پھر امید ہے کہ اللہ اس کی دولت ایمانی اور نیکیوں کو بحال فرما دیں گے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں کفارہ کا ذکر فرمایا ہے اور کفارہ کا یہی مقصد ہے واللہ اعلم۔ پس خلاصہ اور لب لباب یہ نکلا کہ ہر مومن اللہ کے نزدیک بہتر اور محترم ہے۔ تمام ایمان والوں کو چاہیئے کہ ایک دوسرے کا احترام

کریں اور ایک دوسرے کی توہین اور تذلیل سے بچیں۔

کسی مومن پر لعنت بھیجنے والا خود ملعون ہو جاتا ہے

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَ بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيْ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن طعنہ دینے والا لعنت بھیجنے والا بے حیا اور بیہودہ گو نہیں ہوتا۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ لَعَّانًا وَفِىْ رِوَايَةٍ لَا يَنْبَغِيْ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ يَكُوْنَ لَعَّانًا (ترمذی)

اور ابن عمر سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن لعنت بھیجنے والا نہیں ہوتا۔ اور ایک روایت ہے کہ مومن کے لیے مناسب نہیں ہے لعنت بھیجنے والا ہو۔

عَنْ سَمُرَةَ ابْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلَاعَنُوْا بِلَعْنَةِ اللّٰهِ وَلَا بِغَضَبِ اللّٰهِ وَلَا بِجَهَنَّمَ وَ فِيْ رِوَايَةٍ وَلَا بِالنَّارِ۔

اور سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مت بھیجو کسی پر اللہ کی لعنت، اللہ کا غضب اور جہنمی اور ایک روایت میں ہے دوزخی۔

(ترمذی، ابوداؤد)

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ علیه وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا لَعَنَ شَيْئًا صَعِدَتْ اللَّعْنَةُ اِلَى السَّمَاءِ فَتُغْلَقُ اَبْوَابُ السَّمَآءِ دُوْنَهَا ثُمَّ تَهْبِطُ اِلَى الْاَرْضِ فَتُغْلَقُ اَبْوَابُهَا دُوْنَهَا ثُمَّ تَاْخُذُ يَمِيْنًا

ابی درداء سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرمایا کہ آدمی جب کسی چیز پر لعنت بھیجتا ہے تو وہ لعنت آسمان کی طرف چڑھتی ہے پھر آسمان کے دروازے اس کے سامنے بند کر دیئے جاتے ہیں تو پھر وہ زمین کی طرف اتار دی جاتی ہے پھر اس کے دروازے بھی اس کے سامنے بند

وَّ شِمَالاً فَاِذَا لَمْ تَجِدْ مَسَاغاً رَجَعَتْ اِلَى الَّذِیْ لُعِنَ اِنْ کَانَ لِذَالِکَ اَھلاً وَاِلاَّ رَجَعَتْ اِلٰی قَائِلِھَا ۔

(ابی داؤد)

کر دیئے جاتے ہیں پھر دائیں اور بائیں جانب اختیار کرتی ہے جب نہ پائے کوئی راستہ تو اس شخص کی طرف لوٹائی جاتی ہے جس پر وہ بھیجی گئی ہے اگر وہ اس کا اہل ہوا ورنہ قائل کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلاً نَازَعَتْهُ الرِّیْحُ رِدَاءَهٗ فَلَعَنَهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لاَ تَلْعَنْهَا فَاِنَّهَا مَاْمُوْرَةٌ وَاِنَّهٗ مَنْ لَعَنَ شَیْئًا لَیْسَ لَهٗ بِاَھْلٍ رَجَعَتِ اللَّعْنَةُ عَلَیْهِ ۔

ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک آدمی کی چادر ہوا نے کھول دی تو اس نے اس پر لعنت بھیجی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر لعنت نہ بھیجو کیونکہ یہ تو مامور من اللہ ہے اور اگر آدمی کسی پر لعنت بھیجے اور وہ اسکا اہل نہ ہو تو وہ لعنت اسی پر لوٹائی جاتی ہے۔

(یہ پانچوں احادیث مشکوٰۃ باب الغیبۃ سے لی گئی ہیں)

تشریح

یہاں اس بحث میں پانچ احادیث نقل کی گئی ہیں۔ پہلی ابن مسعودؓ سے مروی ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس آدمی میں چار خصلتیں پائی جاتی ہیں وہ مومن نہیں ہوتا وہ چار خصلتیں یہ ہیں کسی پر طعنہ زنی کرنا۔ لعنت کرنا۔ بدکاری کرنا۔ بے ہودہ بکنا۔ اور دوسری حدیث ابن عمر والی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ مومن کی شایان شان نہیں کہ کسی دوسرے مومن پر لعنت بھیجے۔ تیسری حدیث سمرہ بن جندب والی ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی کو مت کہو کہ تجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ تجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو یا اللہ کرے کہ تو جہنمی دوزخی ہو جائے اور چوتھی حدیث ابی درداء والی ہے اس میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کے ممنوع ہونے کی وجہ بیان فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی آدمی کسی پر لعنت بھیجتا ہے تو وہ پہلے آسمان کی طرف جاتی ہے تو آسمان کے دروازے اس کے سامنے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ پھر زمین کی طرف بھیج دی جاتی ہے تو اس کے دروازے بھی اس کے سامنے بند کر دیئے جاتے ہیں پھر جنوبی اور شمالی جانب اختیار کرتی ہے مگر اس کو کہیں بھی راستہ نہیں ملتا تو پھر اس شخص کی طرف لوٹ جاتی ہے اگر وہ اس کا اہل ہو تو اس لعنت کا اثر اس پر پڑتا ہے۔ اگر وہ اس کا اہل نہ ہو تو پھر لعنت کا اثر لعنت بھیجنے والے پر پڑتا ہے اور پانچویں حدیث ابن عباس والی ہے اس میں آپ نے فرمایا ہے کہ ہوا پر بھی لعنت مت بھیجو کیونکہ وہ تو مامور من اللہ ہے اس پر تو

لعنت کا اثر نہیں پڑے گا تو پھر جو اس پر لعنت کرے گا اس پر اس کا
پڑے گا۔

تحقیق لفظِ لعنت

لفظ لعنت کے معنی بعید من الرحمت کے ہیں یعنی اگر اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں پر لعنت فرمائی ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اور یہ بُعد عام ہے خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں ہو۔ اور اگر اس لفظ لعنت کی نسبت کسی انسان کی طرف کی جائے مثلاً زید عمر سے کہے کہ تجھ پر خدا کی لعنت ہو۔ تو یہ بددعا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ عمر تجھے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دور کرے۔ اس کی پھر دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ جس پر لعنت بھیجتا ہے اگر اس کا کفر یقینی ہے تو پھر ٹھیک ہے ایسے لوگوں پر لعنت بھیج سکتا ہے جیسا کہ جہاد کے موقعہ پر کافروں کے خلاف بددعا کی جاتی۔ قرآن مجید میں بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے دعائیہ کلمات موجود ہیں اور اسی طرح احادیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بعض کفار کے بارے میں بددعائیہ الفاظ موجود ہیں۔ ان سب کا تعلق اسی قبیلہ سے ہے اور جس کا کفر یقینی نہ ہو یا وہ کافر تو ہو مگر اس کے ایمان لانے کی امید ہو پھر بھی اس پر لعنت بھیجنا جائز نہیں۔ اور اس طرح کسی مومن پر بھی لعنت بھیجنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ بددعا ہے اور ایک مومن کے لیے بحیثیت مومن ہونے کے یہ مناسب نہیں کہ وہ دوسرے مومن کے لیے بددعا کرے اگر کوئی بددعا کرے گا تو مومن پر اس کا اثر نہیں پڑے گا کیونکہ مومن اس

اہل نہیں ہے اس کا اہل تو کافر ہے۔ جس کی تفصیل پہلے آچکی ہے۔ اور اب اس لعنت کا اثر اس بھیجنے والے پر ہی پڑے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مومن کو کلمہ طیبہ سے تشبیہ دی ہے اور اسے خیر البریہ فرمایا ہے اور ایک مومن جب دوسرے مومن پر لعنت بھیجتا ہے یا اس پر بددعا کرتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ اس مومن کو ان لوگوں میں شمار کرتا ہے۔ جو شر البریہ ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رائے کو غلط قرار دیتا ہے اس لیے اس لعنت کا اثر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی پر پڑے گا اور یہ اللہ کی رحمت سے دنیا اور آخرت میں دور ہوئے گا۔ اور اس حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ لفظ لعنت پہلے آسمان کی طرف چڑھایا جاتا ہے وہاں کے دروازے بند ہوتے ہیں تو پھر زمین کی طرف لوٹایا جاتا ہے اس کے دروازے بھی بند ہوتے ہیں تو پھر جنوبی اور شمالی جانب جاتا ہے جب اسے کوئی راستہ نہیں ملتا تو پھر جس پر لعنت بھیجی گئی اس پر اسے لوٹا دیا جاتا ہے اگر اس کا اہل ہو ورنہ لعنت بھیجنے والے پر اس کا اثر پڑتا ہے۔

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ انسان کے منہ سے جو الفاظ نکلتے ہیں اگرچہ نظر نہیں آتے مگر ان کا بھی وجود ہے جو فضا میں موجود ہے جیسا کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی خبروں سے بھی ظاہر ہوتا ہے اور دوسرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ اتنا بڑا منحوس ہے کہ اس کو ہر طرف سے دھتکار دیا جاتا ہے اور کسی صورت میں اس کی پذیرائی نہیں ہوتی یہاں تک کہ جس کے منہ سے یہ گندا لفظ نکلا ہے وہی اس کا ٹھکانا اور جگہ بنایا جاتا ہے۔ پس خلاصہ اور لب لباب یہ نکلا کہ مومن کا مقام اللہ کے نزدیک بہت اونچا ہے کسی دوسرے مومن کو یہ نہیں چاہیئے کہ اس پر ایسا گندا لفظ بولے۔ اعاذنا اللہ عن ھذا۔

کسی مومن کو کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِاَخِيْهِ كَافِرٌ فَقَدْ بَاءَ بِهَا اَحَدُهُمَا ۔	ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی اپنے بھائی (مسلم) کو کافر کہے تو ان دونوں میں سے ایک اسکا مستحق ہوتا ہے
(متفق علیہ)	
وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْمِيْ رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوْقِ وَلَا يَرْمِيْهِ بِالْكُفْرِ اِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ اِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهٗ كَذٰلِكَ (بخاری)	ابی ذر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی کسی دوسرے کو فسق یا کفر کی تہمت لگاتا ہے تو وہ اسی کے سر عائد کیا جاتا ہے اگر وہ متّہم اسکا اہل نہ ہو
وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ دَعَا رَجُلًا بِالْكُفْرِ اَوْ قَالَ	اور انہیں سے روایت ہے کہ جو آدمی کسی کو کافر یا اللہ کا دشمن کہہ کر بلائے اور وہ ایسا نہ ہو تو وہ

عَدُوُّ اللّٰہِ وَ لَیْسَ کَذَالِکَ اِلاَّ حَارَ عَلَیْہِ لفظ اسی پہ عائد کیا جاتا ہے۔

(یہ تینوں احادیث مشکوٰۃ باب الغیبۃ سے منقول ہیں)

تشریح

یہاں اس باب میں تین احادیث نقل کی گئی ہیں۔ پہلی ابن عمرؓ سے مروی ہے اور دوسری دو ابی ذر سے منقول ہیں۔ تینوں کا مقصد ایک ہی ہے کہ ایک مومن اگر دوسرے مومن کو کافر، فاسق یا اللہ کا دشمن کہہ دیتا ہے تو ان دونوں میں سے ایک ضرور اس کا مستحق ہو جائے گا۔ کیونکہ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ اس کی طرف ان الفاظ کی نسبت کیوں کرتا ہے اگر فی الواقعہ اس میں کافروں والے عقائد پائے جاتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو مسلمان کہلاتا ہے یا اس میں کافروں اور فاسقوں والے کام پائے جاتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو متقی اور پرہیزگار سمجھتا ہے تو ان دونوں صورتوں میں اس کی طرف کفر اور فسق کی نسبت صحیح ہے۔ اور اگر وہ ان مذکورہ بالا عقائد اور خصائل کا حامل نہیں ہے تو پھر اس کو کافر یا فاسق کہنے والا خود کافر یا فاسق ہو جائے گا کیونکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ اس کے عقائد و اعمال کو کفر یا فسق قرار دیتا ہے۔

بہر حال خلاصہ اور لب لباب یہ نکلا کہ کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ دوسرے مومن کی طرف کفر یا فسق کی نسبت کرے ورنہ خود اس کا اپنا ایمان اور نیکیاں ضائع ہو جائیں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس کو کلمہ طیبہ سے تشبیہ دی ہے اور جس کو خیر البریہ فرمایا ہے یہ اس کو کلمہ خبیث سے تشبیہ

دیتا ہے اور اسے شر البریہ میں داخل کرتا ہے۔

مومن کے ساتھ حسد و عداوت رکھنے سے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں

عَنِ الزُّبَیْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَبَّ اِلَیْکُمْ دَآءُ الْاُمَمِ قَبْلَکُمُ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَآءُ ھِیَ الْحَالِقَۃُ لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰکِنْ تَحْلِقُ الدِّیْنَ۔

(احمد ترمذی)

حضرت زبیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اندر بھی پہلی امتوں کی بیماری سرایت کر چکی ہے جو حسد اور بغض ہے۔ یہ مونڈنے والی ہے۔ میں نہیں کہتا کہ وہ سر کے بال مونڈتی ہے لیکن وہ دین کو مونڈتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِیَّاکُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ

(ابوداؤد)

ابی ہریرۃ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے آپ کو حسد سے بچاؤ۔ یقیناً حسد نیکیاں کھاتا ہے جس طرح آگ لکڑیاں کھاتی ہے

عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ یَّھْجُرَ اَخَاہُ فَوْقَ ثَلٰثِ لَیَالٍ یَلْتَقِیَانِ فَیُعْرِضُ ھٰذَا وَیُعْرِضُ ھٰذَا وَخَیْرُھُمَا الَّذِیْ یَبْدَءُ بِالسَّلَامِ

(متفق علیہ)

ابی ایوب انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے لیے حلال نہیں ہے کہ تین رات سے زیادہ اپنے بھائی کو چھوڑ دے دونوں آپس میں ملیں تو اس کا رُخ ادھر ہو اور اس کا ادھر ہو۔ ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام سے ابتداء کرے

عَنْ اَبِیْ خِرَاشٍ السُّلَمِیِّ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ ھَجَرَ اَخَاہُ سَنَۃً فَھُوَ کَسَفْکِ دَمِہٖ ۔

(ابو داؤد)

ابی خراشؓ سلمی سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جس نے اپنے بھائی سے ایک سال تک بائیکاٹ کیا وہ اس کے خون بہانے والے کے مانند ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

ابی ہریرۃ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْتَحُ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَ يَوْمَ الْخَمِيْسِ فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا اِلَّا رَجُلٌ كَانَتْ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اَخِيْهِ شَحْنَاءُ فَيُقَالُ اُنْظُرُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا ۔

(مسلم)

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیر اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھول دئیے جاتے ہیں اور ہر ایسے بندے کی بخشش کی جاتی ہے جو اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو سوائے اس کے کہ اس کے درمیان اور اس کے بھائی کے درمیان کینہ ہو حکم دیا جاتا ہے کہ ان دونوں کو مہلت دو یہاں تک کہ وہ آپس میں صلح نہ کریں۔

عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّدَقَةِ وَالصَّلٰوةِ قَالَ قُلْنَا

ابی درداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں روزے سے صدقہ سے اور نماز سے بھی زیادہ فضیلت والی چیز نہ بتاؤں اس نے کہا ہم نے کہا

بَلٰی قَالَ اِصْلَاحُ ذَاتَ الْبَیْنِ وَ فَسَادُ ذَاتَ الْبَیْنِ هِیَ الْحَالِقَۃُ (یہ چھ احادیث مشکوٰۃ باب نہی من التہاجر سے منقول ہیں)

بیشک آپ نے فرمایا جدائی والوں کی اصلاح کرنا اور جدائی والوں کا فساد مونڈنے والا ہے۔

تشریح

یہاں اس باب میں چھ احادیث نقل کی گئی ہیں۔ پہلی حضرت زبیر والی ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خدشے کا اظہار فرمایا ہے کہ پہلی امتوں کی طرح میری امت میں بھی حسد و بغض کی بیماری پیدا ہو جائے گی اور دوسرا اس کا نقصان بیان فرمایا ہے کہ یہ بیماری دین کو مونڈ دیتی ہے اور اس کے بعد دوسرے نمبر پر حضرت ابوہریرہ والی حدیث ہے۔ یہ حضرت زبیر والی حدیث کی تشریح ہے کیونکہ اس میں جو تحلق الدین آیا ہے یہ مجمل ہے اس کا معنی ہے کہ وہ دین مونڈ دیتی ہے۔ اور ابوہریرہ والی حدیث میں وضاحت آگئی ہے کہ اس سے نیکیاں اس طرح ختم ہو جاتی ہیں جسطرح آگ لکڑیوں کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے اور تیسرے نمبر پر ابی ایوب انصاریؓ والی حدیث ہے یہ بھی اس اجمال سابق کی تشریح ہے۔ اس میں مزید وضاحت آگئی ہے کہ سابقہ احادیث میں جس حسد و بغض سے نیکیوں کے ضیاع کا ذکر ہے اس سے مراد تین دن سے زیادہ کا حسد و بغض ہے۔ اور اس حدیث سے جو تین دن تک حسد و بغض رکھنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے دل میں دوسرے کے بارے میں جو نفرت پیدا ہوتی ہے یہ ایک اضطراری کیفیت ہوتی ہے اس کا فوری اخراج انسان کے

بس میں نہیں ہوتا۔ اور اگر وہ اس کے اخراج کی کوشش کرے تو تین دن تک اس کا اخراج ہو سکتا ہے۔ اور اس حدیث کے آخر میں اس کے اخراج کا طریقہ بھی بتایا ہے کہ ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو السلام علیکم سے ابتدا کرے اس سے ان کی قلبی کدورت ختم ہو جائے گی اور چوتھے نمبر پر ابی خراش سلمی والی حدیث ہے اس میں جناب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مرض کی سنگینی کو بیان فرمایا ہے کہ اگر ایک سال تک کوئی دوسرے مسلمان بھائی سے عداوت اور بغض و حسد رکھے تو وہ اس کے قتل سے کم نہیں ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر یہ دونوں مومن اس باہمی عداوت کو تین دن تک ختم نہیں کریں گے تو یہ عداوت بڑھتی جائے گی اور قتل مقاتلہ تک نوبت آجائے گی اور برادریوں میں خون ریزی کا باب کھل جائے گا اور یہ دنیاوی نقصان ہو گا۔

پانچویں نمبر پر حضرت ابوہریرہ سے مروی دوسری حدیث ہے اس میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حسد و عداوت کا اخروی نقصان بیان فرمایا ہے کہ اگر اس حالت میں انسان مر جائے تو اس کی بخشش نہیں ہوتی کیونکہ آپ کا فرمان ہے کہ ہر ہفتہ میں پیر اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھول دئیے جاتے ہیں اور ہر آدمی کی بخشش کی جاتی ہے سوائے مشرک اور کینہ پرور کے۔

چھٹے نمبر پر حضرت ابی درداء والی حدیث ہے اس میں جناب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو مسلمان بھائیوں کے درمیان صلح کرانے والے کی فضیلت کو بیان فرمایا ہے کہ اس کی فضیلت روزہ، صدقہ اور نماز سے بھی زیادہ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ دو مومنوں کے درمیان صلح کرانا اللہ تعالےٰ کی

بندگی سے بھی زیادہ اہم ہے۔ خلاصہ اور لب لباب یہ نکلا کہ ایک مومن بحیثیت مومن ہونے کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر ہے اس کے ساتھ عداوت نہیں رکھنا چاہیئے اور ان احادیث میں جس حسد و بغض سے منع فرمایا گیا ہے اس سے مراد ذاتی نوعیت کا حسد و بغض ہے۔ اگر مبغوض و محسود سے دینی بنا پر کوئی حسد و بغض رکھے تو اس کی اجازت ہے مگر اس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

ہر مومن کے ساتھ محبت رکھنے سے آدمی اللہ کا محبوب ہو جاتا ہے

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَنَّہٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا یَاْکُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِیٌّ۔

(ترمذی، ابوداؤد)

ابی سعیدؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے نہ دوست بنا مگر مومن کو۔ اور نہ کھائے تیرا کھانا مگر نیک۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ

ابی ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا

خَلِيْلِهٖ فَلْيَنْظُرْ اَحَدُكُمْ مَنْ يُّخَالِلُ

(ترمذی، احمد، ابوداؤد)

ہے۔ تم میں سے ہر ایک کو دیکھنا چاہیئے کہ کس سے دوستی رکھنا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ عَبْدَیْنِ تَحَابَّا فِی اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَاحِدٌ فِی الْمَشْرِقِ وَاٰخَرُ فِی الْمَغْرِبِ لَجَمَعَ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَقُوْلُ هٰذَا الَّذِیْ کُنْتَ تُحِبُّهٗ فِیَّ۔

(مشکوٰة)

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دو بندے اللہ عزّ وجلّ کی وجہ سے آپس میں محبّت رکھیں۔ ایک مشرق میں ہو اور دوسرا مغرب میں ہو تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان دونوں کو آپس میں جمع کرینگے اور فرمائیں گے یہ ہے وہ جس کے ساتھ تو میری وجہ سے محبّت رکھتا تھا۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَیْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ

ابوہریرہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے کہاں ہیں میرے

بِجَلَالِیْ اَلْیَوْمَ اُظِلُّهُمْ فِیْ ظِلِّیْ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّیْ۔ (مسلم)

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَجُلًا زَارَ اَخًا لَهٗ فِیْ قَرْیَةٍ اُخْرٰی فَاَرْصَدَ اللّٰهُ لَهٗ عَلٰی مَدْرَجَتِهٖ مَلَكًا فَقَالَ اَیْنَ تُرِیْدُ قَالَ اُرِیْدُ اَخًا لِیْ فِیْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ قَالَ هَلْ لَكَ عَلَیْهِ مِنْ نِعْمَةٍ تَرُبُّهَا قَالَ لَا غَیْرَ اَنِّیْ اَحْبَبْتُهٗ فِی اللّٰهِ قَالَ فَاِنِّیْ رَسُوْلُ

جلال کی وجہ سے آپس میں محبت کرنے والے آج کے دن میں ان کو اپنے سایہ میں جگہ دونگا آج میرے سایہ کے سوا کسی کا سایہ نہیں ہے

اور ان سے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان منقول ہے کہ ایک آدمی کسی دوسری آبادی میں اپنے بھائی کی زیارت کے لیے گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے راستہ میں ایک فرشتہ مقرر کیا۔ اس نے کہا۔ کہاں کا ارادہ کیا ہے اس نے کہا کہ اس آبادی میں میرا بھائی ہے اس کے پاس جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اس نے کہا کہ اس کا تجھ پر کوئی احسان ہے جس کا لحاظ

اللّٰہِ اِلَیْکَ بِاَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَبَّکَ کَمَا اَحْبَبْتَہٗ فِیْہِ

(مسلم)

رکھتا ہے۔ اس نے کہا نہ سوائے اسکے کہ میں اس سے اللہ کی وجہ سے محبت رکھتا ہوں اس نے کہا میں تو اللہ کی طرف تیرے پاس بھیجا گیا ہوں کہ اللہ تجھ سے محبّت رکھتا ہے جیسا تو اس سے محبت رکھتا ہے اس کی وجہ سے۔

عَنِ الْمِقْدَامِ ابْنِ مَعْدِیْکَرِبَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَحَبَّ الرَّجُلُ اَخَاہُ فَلْیُخْبِرْہُ اَنَّہٗ یُحِبُّہٗ

(ابو داؤد - ترمذی)

مقدام بن معدیکرب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا جب آدمی اپنے بھائی سے محبّت رکھے تو اسے بتا دے کہ وہ اس سے محبت رکھتا ہے

عَنْ مُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجَبَتْ مَحَبَّتِیْ

معاذ بن جبل سے منقول ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میری محبت ان کے لیے واجب ہے جو آپس میں

لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ
وَالْمُتَجَالِسِيْنَ
فِيَّ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ
وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ
فِيَّ ۔
(رواہ مالک)

میری وجہ سے محبت رکھتے
ہیں اور میری وجہ سے بیٹھتے
ہیں ۔ میری وجہ سے ایک
دوسرے کی زیارت کرتے
ہیں اور میری وجہ سے خرچ
کرتے ہیں یہ مالک کی روایت ہے

وَفِيْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِيْ
قَالَ يَقُوْلُ اللّٰهُ
تَعَالٰى اَلْمُتَحَابُّوْنَ
فِيْ جَلَالِيْ لَهُمْ
مَنَابِرُ مِنْ نُّوْرٍ
يَغْبِطُهُمُ النَّبِيُّوْنَ
وَالشُّهَدَاءُ

اور ترمذی کی روایت میں
ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں
جو میرے جلال کی وجہ سے
آپس میں محبت کرتے ہیں
ان کے لیے نور کے منبر
ہوں گے ۔ ان پر انبیاء اور
شہداء بھی رشک کریں گے

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ
اِذَا اَحَبَّ عَبْدًا
دَعَا جِبْرَئِيْلَ
فَقَالَ اِنِّيْ اُحِبُّ
فُلَانًا فَاَحِبَّهُ

ابی ہریرہ نے فرمایا ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ
جب کسی بندے سے محبت
رکھتے ہیں تو جبریلؑ کو بلا کر
فرماتے ہیں کہ میں فلاں سے
محبت رکھتا ہوں تم بھی
اس سے محبت رکھو۔

قَالَ فَيُحِبُّهُ جِبْرِيْلُ
ثُمَّ يُنَادِيْ
فِي السَّمَاءِ فَيَقُوْلُ
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلَانًا
فَاَحِبُّوْهُ فَيُحِبُّهُ
اَهْلُ السَّمَآءِ ثُمَّ
ثُمَّ يُوْضَعُ
لَهُ الْقَبُوْلُ فِي
الْاَرْضِ وَاِذَا اَبْغَضَ
عَبْدًا دَعَا
جِبْرَئِيْلَ فَيَقُوْلُ
اِنِّيْ اُبْغِضُ
فُلَانًا فَاَبْغِضْهُ
قَالَ فَيُبْغِضُهُ
جِبْرَئِيْلُ ثُمَّ
يُنَادِيْ فِيْ
اَهْلِ السَّمَاءِ
اِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ
فُلَانًا فَاَبْغِضُوْهُ
قَالَ فَيُبْغِضُوْنَهُ
ثُمَّ يُوْضَعُ لَهُ

آپ نے فرمایا پھر جبریل اس
سے محبت رکھتے ہیں پھر
آسمان میں اعلان کرتے ہیں
کہ اللہ فلاں سے محبت کرتا
ہے تم بھی اس سے کرو تو
پھر آسمان والے اس سے
محبت کرتے ہیں پھر زمین
میں اس کی مقبولیت رکھی
جاتی ہے اور جب اللہ کسی
بندے سے بغض رکھتا ہے
تو جبریل کو بلا کر فرماتے ہیں
کہ میں فلاں سے بغض رکھتا
ہوں تم بھی اس سے بغض
رکھو۔ آپ نے فرمایا پھر
جبریل اس سے بغض رکھتا
ہے پھر اہل آسمان میں اعلان
کرتا ہے کہ اللہ فلاں سے
بغض رکھتا ہے تم بھی اس
سے بغض رکھو۔ آپ نے
فرمایا پھر وہ اس سے بغض
رکھتے ہیں پھر اہل زمین کے

الْبَغْضَاءُ فِي الْأَرْضِ — دلوں میں اس کا بغض رکھا جاتا ہے۔

(یہ تو احادیث مشکوٰۃ باب الحب فی اللہ سے منقول ہیں)

تشریح

یہاں اس باب میں آٹھ احادیث جمع کی گئی ہیں۔ پہلی حدیث ابی سعید سے منقول ہے۔ اس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ارشاد ہیں۔ ایک یہ ہے کہ دوستی صرف مومن سے لگانا چاہیئے اور دوسرا یہ ہے کہ اپنا کھانا صرف مومن کو کھلانا چاہیئے۔ اس کے بعد دوسرے نمبر پر حضرت ابوہریرہؓ سے مروی حدیث ہے۔ یہ اس پہلی حدیث کی تشریح ہے کیونکہ پہلی حدیث میں آچکا ہے کہ صرف مومن سے دوستی رکھو اور تمہارا کھانا صرف مومن کھائے اور اس حدیث میں اس کی وجہ بیان فرمائی ہے کہ چونکہ آدمی اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے تو اسے دیکھنا چاہیئے کہ کس سے دوستی رکھنا ہے۔ دوست کے عقائد اور اخلاق اچھے ہونگے تو یہ اچھا تأثر قبول کرے گا۔ اور اگر بُرے ہوں گے تو یہ بُرا تأثر قبول کریگا۔ اس لیے اسے سوچ سمجھ کر اپنا دوست بنانا چاہیئے۔ اور اگرچہ یہاں دوسرا پہلو بھی نکل سکتا ہے کہ اس مومن کی صحبت سے وہ اچھا تأثر قبول کرے لیکن ہر مومن ایسا نہیں ہوتا کہ اس کی صحبت سے دوسرا اچھا تأثر لے۔ اس لیے عموم کا لحاظ رکھ کر جناب نبی علیہ السلام نے عام مومن کے ایمان کا تحفظ فرمایا ہے۔

اس کے بعد تیسرے نمبر پر حضرت ابوہریرہؓ سے ایک اور مروی حدیث ہے اس میں آپ نے فرمایا ہے کہ آپس میں دوستی رکھنے والے اور محبت

رکھنے والے ایک مشرق اور دوسرا مغرب میں کیوں نہ ہو اللہ تعالےٰ انہیں قیامت میں ضرور جمع فرمائیں گے اور انہیں یاد کرائیں گے کہ میں نے تمہیں تمہاری باہم محبّت کی وجہ سے جمع کیا ہے اور چوتھے نمبر پر جو حدیث ہے یہ بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے اس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انہیں خصوصی اعزاز بخشیں گے اور انہیں اپنے سایہ میں جگہ دیں گے۔

پانچویں نمبر پر جو حدیث ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی وجہ سے آپس میں محبت رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے۔ اور چھٹے نمبر پر جو حدیث ہے یہ حضرت مقدام بن معدیکرب سے منقول ہے اس میں آپ نے فرمایا ہے اگر ایک مومن کے دل میں دوسرے کی محبّت ہو تو اسے بتا دینا چاہیئے کہ میں تم سے صرف اللہ کی وجہ سے محبت رکھتا ہوں۔ ساتویں نمبر پر جو حدیث ہے یہ حضرت معاذ بن جبل سے مروی ہے اس میں آپ نے فرمایا ہے کہ جو مومن اللہ کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے سے محبت رکھیں، بیٹھیں اٹھیں۔ ایک دوسرے کی زیارت کرتے رہیں اور ایک دوسرے پر خرچ کرتے رہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن انہیں ایک اور اعزاز بھی عطا فرمائیں گے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں نور کے منبروں پر بٹھائیں گے۔ جنہیں دیکھکر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور شہداء بھی رشک کریں گے اور آٹھویں نمبر پر جو حدیث ہے یہ بھی حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے اس میں جناب نبی علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ صرف یہ نہیں کہ جو اللہ کی وجہ سے آپس میں محبّت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ صرف ان سے ہی محبت کرتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمین کے فرشتوں میں اور اپنے تمام نیک بندوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا کر دیتے ہیں۔

اور یہی وجہ ہوتی ہے کہ اللہ کے نیک بندے اس کی قدر و منزلت کرتے ہیں اور اس کے لیے دعائیں کرتے ہیں اور جو لوگ اللہ کے بندوں کا احترام واکرام نہیں کرتے ان سے عداوت رکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ان سے عداوت رکھتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کے دلوں سے اس کا اکرام واحترام نکل جاتا ہے پس خلاصہ اور لب لباب یہ نکلا کہ ایک مومن کا بحیثیت مومن ہونے کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا اونچا مقام ہے جہاں تک ہو سکے اس کا اکرام واحترام اور عزت کرنی چاہیئے اور اسکی توہین وتذلیل سے بچنا چاہیئے۔ ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس کا اپنا مقام پیدا ہو جائے گا ورنہ اس کا اپنا مقام گھٹ جائیگا

مومن سے لڑنے والا کافر اور اسے گالی دینے والا فاسق ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهٗ كُفْرٌ (متفق علیہ)	عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو برا کہنا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔
عَنْ اَنَسٍ وَّ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ	انس اور ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
قَالَ اَلْمُسْتَبَّانِ	آپس میں دو بُرا کہنے والے
مَا قَالَا فَعَلَى	جو بُرا کہیں تو اس کا گناہ
الْبَادِیْ مَالَمْ يَعْتَدِ	ابتدار کرنے والے پر ہے
الْمَظْلُوْمُ ۔	جب تک کہ مظلوم حد
(یہ دونوں احادیث مشکوٰۃ باب الغیبۃ سے منقول ہیں)	سے نہ بڑھے ۔

تشریح

یہاں اس بحث میں دو حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ پہلی عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے اس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چیزوں کی بُرائی بیان فرمائی ہے ۔ پہلی چیز یہ ہے سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ۔ پہلے لفظ سباب ہے اس کا معنی کسی کو بُرا کہنا اور گالی دینا ہے اور اسکے بعد فسُوق ہے جو فسق سے بنا ہے اور فسق کا معنی قانون شکنی کرنا اور حد توڑنا ہے اور اب پوری حدیث کا معنی یہ ہوا کہ مسلمان کو گالی دینا یا اس کو برا کہنا فسق ہے یعنی مسلمان کو گالی دینے والا یا اس کو بُرا کہنے والا اللہ تعالیٰ کے قانون کو توڑتا ہے اور وہ قانون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مومن مسلمان پر دوسرے مومن مسلمان کا اکرام و احترام واجب کیا ہے جس کی تفصیلات پہلے ابواب میں آچکی ہیں۔ اسے برا کہنے والا اور گالی دینے والا اس کی توہین کر کے اللہ تعالیٰ کے اس قانون کو توڑتا ہے اور یہ تو وہ صورت ہے کہ ایک مومن مسلمان دوسرے کو گالی دے اور وہ آگے سے اسے جواب نہ دے خاموش رہے اور اگر وہ اسے جواب دے ۔

تو اس کے بعد حضرت انس اور حضرت ابوہریرہ والی حدیث میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت بیان فرمائی ہے کہ اس کا گناہ ابتداء کرنے والے پر عائد ہوگا یعنی فسق کا حکم اس پر لگایا جائے گا اور جو جواب دیتا ہے اس پر فسق کا حکم نہیں لگے گا۔ مگر شرط یہ لگائی ہے کہ وہ جواب دینے والا حد سے نہ بڑھے۔ یعنی جو گالی اس نے دی ہے وہی گالی دے، اس گالی کو تبدیل نہ کرے اور زیادہ گالی نہ دے۔ اور اگر وہ اس حد سے بڑھ گیا تو پھر فسق کا گناہ اس پر بھی عائد ہوگا

عبداللہ بن مسعود والی حدیث میں دوسری چیز آپ نے یہ بیان فرمائی کہ مسلمان سے لڑنا کفر ہے۔ اس جملہ میں دو احتمال ہیں ایک یہ ہے کہ اگر وہ مسلمان کے ساتھ لڑنا حلال سمجھتا ہے تو یقیناً کافر ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے ساتھ لڑنا حرام قرار دیا ہے اور یہ اسے حلال سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال سمجھنے والا کافر ہو جاتا ہے اور اگر وہ مسلمان کے ساتھ لڑنا حلال نہیں سمجھتا بلکہ گناہ سمجھتا ہے تو پھر اس کا یہ فعل ضرور کافرانہ ہے۔ بہرحال اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ایک مومن مسلمان کا مقام اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بلند ہے کہ جو اس کے ساتھ لڑنے کو حلال سمجھے اللہ تعالیٰ اس کو مسلمانوں کی صف سے نکال دیتا ہے۔

ایک مومن کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے

٦٦ سے لے کر ٧٤ تک جتنے عنوانات گزرے ہیں ان سب سے مومن کی عظمت اور شان کا پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن کا مقام کتنا بلند و بالا ہے۔ آگے آنے والی آیات میں یہ بتایا جائے گا کہ مومن کا قتل سب کا قتل ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ	تو اہل کتاب کو آدم کے دو
ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ	بیٹوں کا قصہ صحیح پڑھ کر سنا
إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا	دے جب ان دونوں نے
فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا	قربانی کی۔ ان میں سے ایک
وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ	کی قربانی قبول ہو گئی اور
الْآخَرِ قَالَ	دوسرے کی نہ ہوئی۔ اس
لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا	نے کہا میں تجھے مار ڈالوں گا
يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ	اس نے جواب دیا اللہ
الْمُتَّقِينَ ۝ لَئِنْ	پرہیزگاروں ہی سے قبول کرتا
بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ	ہے۔ اگر تو مجھے قتل کرنے
لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا	کے لیے ہاتھ اٹھائے گا تو
بِبَاسِطٍ يَدِيَ	میں تجھے قتل کرنے کے لیے
إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ	ہاتھ نہ اٹھاؤں گا میں اللہ
إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ	رب العالمین سے ڈرتا ہوں

الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ	میں چاہتا ہوں کہ میرا اور
اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ	اپنا گناہ تو ہی سمیٹ لے
فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ	اور تو دوزخی بن جائے
النَّارِ ج وَذٰلِكَ	اور ظالموں کی یہی سزا ہے
جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝	پھر اس کے نفس نے
فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ	اپنے بھائی کے خون پر
قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ	راضی کر لیا۔ پھر اسے مار
فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝	ڈالا۔ پھر اسے مار ڈالا
فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا	پس وہ نقصان اٹھانے
يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ	والوں میں سے ہو گیا۔ پھر
لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ	اللہ نے ایک کوّا بھیجا جو
سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ	زمین کریدتا تھا تاکہ اسے
يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ	دکھائے کہ بھائی کی لاش
اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ	کو کس طرح چھپانا ہے
هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ	اس نے کہا افسوس مجھ پر
سَوْءَةَ اَخِيْ ج	میں اس کوّے جیسا بھی نہ
فَاَصْبَحَ مِنَ	ہو سکا کہ اپنے بھائی کی
النّٰدِمِيْنَ ۝ مِنْ	لاش کو چھپانے کی تدبیر
اَجْلِ ذٰلِكَ ج	کرتا پھر پچھتانے لگا اسی
كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ	سبب ہم نے بنی اسرائیل
اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ	پر لکھا۔ کہ جس نے کسی

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا	انسان کو خون کے بدلے
بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ	یا زمین میں فساد پھیلانے
فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا	کے سوا کسی اور وجہ
قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ط	سے قتل کیا گویا اس نے
وَ مَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا	تمام انسانوں کو قتل کر دیا
اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ط	اور جس نے کسی کو زندگی
وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ	بخشی اس نے گویا تمام
رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ	انسانوں کو زندگی بخشی اور
ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا	ہمارے رسول انکے پاس
مِّنْهُمْ بَعْدَ	کھلے حکم لا چکے ہیں پھر ان
ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ	میں سے بہت لوگ اس
لَمُسْرِفُوْنَ ۝	کے بعد زمین میں زیادتیاں
(سورۃ المائدہ آیت ۲۷ تا ۳۲	کرنے والے ہیں -
وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ	اور جب ہم نے تم سے
لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ	عہد لیا کہ آپس میں خونریزی
وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ	نہ کرنا - اور اپنے لوگوں
مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ	کو جلا وطن نہ کرنا پھر تم
اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝	نے اقرار کیا - اور تم خود
ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ	گواہ ہو پھر تم ہی وہ ہو
تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ	کہ اپنے لوگوں کو قتل کرتے
وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا	ہو - اور ایک جماعت

مِّنكُمْ مِّن دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُونَ عَلَيْهِم بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَإِن يَأْتُوكُمْ أُسٰرٰى تُفٰدُوهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ ؕ أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَن يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّونَ إِلٰى أَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغٰفِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (سورۃ البقرہ آیت ۸۴، ۸۵)

کو اپنے میں سے ان کے گھروں سے نکالتے ہو ان پر گناہ اور ظلم سے چڑھائی کرتے ہو اور اگر وہ تمہارے پاس قیدی ہو کر آئیں تو ان کا تاوان دیتے ہو۔ حالانکہ تم پر ان کا نکالنا بھی حرام تھا کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر ایمان رکھتے ہو اور دوسرے حصہ کا انکار کرتے ہو پھر جو تم میں ایسا کرے اس کی یہی سزا ہے کہ دنیا میں ذلیل ہو اور قیامت کے دن بھی سخت عذاب میں دھکیلے جائیں۔ اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو۔

تفسیر

ان آیات سے ظاہری اور سرسری طور پر جو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

پہلے اجمالاً انہیں پیش کریں گے اور پھر تفصیل عرض کی جائیگی۔ اجمال یہ ہے کہ ان آیات سے ایک تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کی ابتدا حضرت آدم سے ہوئی۔ اور ناجائز قتل کی ابتدا بھی ان کی اولاد سے ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو مردے دفنانے کا طریقہ کوے کے ذریعہ سے سکھایا مقتول کے گناہ قاتل پر ڈالے جائیں گے۔ قتل کی دنیوی سزا توبہ سے معاف نہیں ہوتی۔ ایک مومن کا قاتل سب کا قاتل ہے۔ پہلی چیز جو قربانی ہے یہ لفظ قرب سے بنا ہے۔ اس کے معنی قریب اور نزدیک ہونے کے ہیں۔ اور اس میں ہر وہ چیز شامل ہے جو اللہ تعالےٰ کے قریب اور نزدیک ہونے کا ذریعہ بنے۔ خواہ عبادت بدنی ہو یا مالی جہاد وغیرہ لیکن شریعت کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کے نام پر خاص وقت میں جانور ذبح کرنے کو قربانی کہتے ہیں کیونکہ ان اوقات میں اس کے نام پہ جانور ذبح کرنے سے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور قرب حاصل ہوتا ہے وہ کسی اور وقت میں حاصل نہیں ہوتا۔ اور یہ قربانی کا حکم تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتوں میں تھا اور حضورؐ کی شریعت میں اسکا حکم ہے اسکی مزید تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس تفصیل میں جانے سے مضمون لمبا ہو جائے گا۔

اور دوسرا ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ناجائز قتل کی ابتدا بھی حضرت آدم کی اولاد سے ہوئی۔ خلاصہ قصہ کا یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جو لڑکا پیدا ہوتا اس کے ساتھ ایک لڑکی بھی پیدا ہوتی۔ اسی طرح دوسرے بطن میں بھی ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوتی۔ اور ایک بطن کا لڑکا دوسرے بطن کی لڑکی سے اور دوسرے بطن کا لڑکا پہلے بطن

کی لڑکی سے بیاہ دیا جاتا ۔ آدم علیہ السلام کی شریعت میں حسب ضرورت وقت پر افتراق بطون بمنزلہ افتراق نسب کے قرار دیا گیا تھا ۔ اسی سلسلہ میں دو لڑکے پیدا ہوئے ۔ ایک کا نام ہابیل رکھا اور دوسرے کا قابیل اور دونوں کے ساتھ ایک ایک لڑکی پیدا ہوئی اور حسب معمول ہابیل کا نکاح قابیل کی بہن سے اور قابیل کا نکاح ہابیل کی بہن سے تجویز ہوا اور قابیل کی بہن زیادہ حسین تھی ۔ قابیل اس کا خواستگار رہا ۔ حضرت آدم علیہ السلام نے سمجھایا مگر وہ نہ مانا ۔ آخر آدم علیہ السلام نے قطع حجت کے لیے یہ فیصلہ فرمادیا کہ دونوں اللہ کے نام کچھ نیاز کرو جس کی قبول ہو جائے وہ عورت اس کی رہی ۔ حضرت آدم علیہ السّلام کو وحی کے ذریعہ کامل یقین تھا کہ ہابیل حق پر ہے اس کی نیاز قبول ہوگی اس لیے یہ فیصلہ فرمادیا ۔ تاکہ قابیل کے لیے پھر بحث و تکرار کی گنجائش نہ رہے ۔ اور یہ مطلب بھی نہ تھا کہ قابیل کے لیے اس عورت کے حلال ہونے کا احتمال تھا ۔ غرض دونوں نے اپنی اپنی نیاز حاضر کی ۔ ہابیل تو ایک عمدہ دنبہ لایا ۔ اور قابیل چند خوشے کسی غلہ کے لایا اور لاکر یہیں رکھ دیا ۔ آسمان سے ایک آگ آئی اور ہابیل کی نیاز کو کھا گئی ۔ اس وقت یہی علامت قبولیت کی تھی ۔ جب قابیل اس فیصلہ میں بھی ہارا تو بقول

چوں حجت نماند جفاجوئے را ۔۔۔ بہ پرخاش درہم کشد روئے را

بے چارے ہابیل کی جان کے درپے ہوا یہاں تک کہ اس کو قتل کر ڈالا لیکن یہ سمجھ میں نہ آیا کہ اس کی لاش کو کیونکر چھپاؤں کہ آدم علیہ السلام کو اطلاع نہ ہو یہاں تک کہ کوے کے ذریعہ اس کو دفن کرنے کا طریقہ بتایا گیا اور اس وقت ہابیل کی عمر بیس۲۰ سال تھی ۔ (بیان القرآن مولانا اشرف علی تھانوی

بحوالہ ابن جریر عن ابن مسعود و ناس من الصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کذا فی روح المعانی) اور کوّے کے کھودنے کی حکایت بطریق مذکور عبد ابن حمید اور ابن جریر نے عطیہ سے نقل کی ہے ہکذا فی الروح اور تتمہ قصتہ کا نعیم بن حماد نے عبدالرحمان بن فضالہ سے نقل کیا ہے کہ اس کے بعد قابیل کی عقل مسخ ہوگئی اور دل اس کا قابو میں نہ رہا مخبوط الحواس ہوگیا اور اسی بدحواسی اور پریشانی میں مرگیا۔ ہکذا فی الروح - یہ حالت بھی خسران دنیا میں داخل ہوسکتی ہے اور خسران آخرت کا ذکر حدیث صحیحین میں ابن مسعود سے اس طرح آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے دن جتنے خون ناحق ہوئے ہیں قاتل کے برابر اس کا گناہ اس قابیل کے نامہ اعمال میں بھی بوجہ اس کے بانی قتل ہونے کے لکھا جاتا ہے پس یہ آخرت کا خسران بھی دگنا ہوا۔

اور ہابیل نے جو اپنا دفاع نہ کیا اور کہا اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو رب العلمین ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے علم نہیں تھا کہ مجھے اپنے دفاع کا حق حاصل ہے ورنہ شریعت میں اس کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اسے قتل کرنا چاہتا ہے اور شخص قرائن قویہ سے یہ سمجھے کہ بدون اس کے کہ اس کو قتل کردوں بچ نہیں سکتا تو اس کو قتل کردینا جائز ہے اور اگر اس حیص بیص میں یہ مارا گیا تو شہید ہوگا۔ اور اگر یہ مدافعت نہ کرے بلکہ بے ہاتھ ہلائے مارا جائے تب بھی جائز ہے بلکہ بعض احادیث سے کہ ابوداؤد و ترمذی میں مروی ہے اس کا افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہ سب مضامین احادیث میں ہیں البتہ جہاں انتقام و مدافعت میں اسلامی مصلحت و ضرورت ہو وہاں مدافعت و انتقام

واجب ہے جیسے کافروں اور باغیوں سے قتال کرنا ۔ حدود قصاص جاری کرنا اور اس تقریر سے تمام نصوص و دلائل جمع ہو جاتے ہیں اور تیسرا اس سے یہ معلوم ہوا کہ مقتول مظلوم کے گناہ قاتل پر ڈالے جاتے ہیں جیسا کہ احادیث میں تصریح موجود ہے کہ قیامت کے روز مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈالے جائیں گے اس کا عذاب شدید اور مظلوم کا ہلکا ہو جائے گا ۔ یہ تفسیر بیان القرآن سے منقول ہے اور چوتھا اس سے یہ معلوم ہوا کہ توبہ سے قتل کا گناہ معاف نہیں ہوتا کیونکہ اس آیت میں قابیل کی ندامت مذکور ہے اور پہلے احادیث کی روشنی میں تصریح آچکی ہے کہ تاقیامت جتنے ناجائز قتل ہوں گے جتنا گناہ قاتل کا ہوگا اتنا ہی گناہ قابیل کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا ۔ اگر اس کی توبہ منظور ہو جاتی تو اس کا یہ گناہ اس طرح نہ لکھا جاتا ۔ اور اسی طرح توبہ سے قتل دنیاوی کی سزا بھی معاف نہیں ہوتی ۔ اس کی تفصیل عنقریب انشاء اللہ العزیز بیان ہوگی ۔ اور قابیل کو اللہ تعالیٰ نے آدم کے ہاتھ سے سزا دینے کی بجائے خود سزا دی کہ وہ بدحواس ہو کر خود مر گیا ۔

اور پانچواں اس سے یہ معلوم ہوا کہ (مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ) ایک جان کا قاتل سب کا قاتل ہے ۔ یہاں نفس کی تشریح میں تین احتمال ہیں ایک یہ ہے کہ نفس سے مراد ہر وہ نفس ہوگا جس کا قتل اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے سوائے قصاص اور فساد فی الارض کے ۔ بعض مفسرین اسی طرف گئے ہیں ۔ اور حضرت سعید بن جبیر نے اس کی تفسیر دم مسلم سے فرمائی ہے اور مجاہد نے اس کی تفسیر نفس مومن سے فرمائی ہے ۔ حاصل یہ ہے کہ مومن مسلمان کا قتل سب کا قتل ہے اور مومن مسلمان کو زندہ چھوڑنا گویا سب کو زندہ چھوڑنا ہے کیونکہ پہلے ہم عرض کر آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مومن

مسلمان کو شجرۂ طیبہ اور خیر البریّہ قرار دیا ہے۔ اب اس کا قاتل جو ہوگا وہ شجرۂ طیبہ کا منقطع کرنے والا اور سب مخلوق کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو خیر کا باب کھولا ہے اس کا بند کرنے والا ہوگا۔ اور اسے زندہ چھوڑنے والا اس شجرۂ طیبہ کو باقی رکھنے والا اور خیر کا باب کھلا چھوڑنے والا ہوگا۔ پس ایک مومن مسلمان کا قاتل پوری قوم کا قاتل ہے اور یہ قومی مجرم ہے اور اس کے بعد فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل کے پاس بہت سے انبیاء علیہم السلام روشن دلائل لے کر آئے۔ یعنی قتل وغارت کے مذموم اور قبیح ہونے کے دلائل اور نقصانات انہیں سمجھائے اور اس کے سدّباب کے طریقے قصاص وغیرہ بھی انہیں بتائے مگر انہوں نے انبیاء کی تعلیمات کو نظر انداز کیا اور زمین میں اسراف کیا۔

اس کے بعد سورۃ بقرہ والی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس اسراف کی تشریح بیان فرمائی ہے کہ ان لوگوں نے زمین میں کشت وخون کیا اور پھر انہیں دنیا میں ذلت اٹھانی پڑے گی جیسا کہ کتب تواریخ اور تفاسیر میں موجود ہے کہ بنی اسرائیل پر ایک ایسا بھی دور آیا کہ پوری دنیا پر ان کی حکومت رہی ہے جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا دور۔ اور یہ سب اسلامی اصولوں کی پیروی اور برکت کا نتیجہ تھا۔ اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا دور ختم ہوا تو سلطنت حکومت دو حصوں میں بٹ گئی اور بنی اسرائیل میں خون ریزی شروع ہوگئی اور دشمنوں نے پھر ان پر چڑھائی کی جس کے نتیجہ میں بیت المقدس کو بھی منہدم کر دیا گیا۔ یہ تو دنیاوی ذلت تھی اور اخروی ذلت قیامت میں ہوگی۔ بہرحال ہمارا مقصد یہ ہے کہ ایک مومن بحیثیت مومن ہونے کے خیر اور بھلائی کا دروازہ ہے اور اسے توڑنا اور قتل کرنا شر کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے۔

صرف اظہار اسلام کرنے والا بھی مومن ہے اسے قتل کرنا جائز نہیں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝

اے ایمان والو جب اللہ کی راہ میں سفر کرو تو تحقیق کر لیا کرو۔ اور جو تم پر سلام کہے اسے مت کہو تو مومن نہیں ہے۔ تم دنیا کی زندگی کا سامان چاہتے ہو سو اللہ کے ہاں بہت غنیمتیں ہیں۔ تم بھی تو اس سے پہلے ایسے ہی تھے۔ پھر اللہ نے تم پر احسان کیا لہٰذا تحقیق سے کام لیا کرو۔ بے شک اللہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے۔

(سورۃ النساء آیت ۹۴)

تفسیر

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ احکام شرعیہ کے جاری ہونے میں

مومن کے مومن ہونے کے لیے صرف ظاہری اسلام کافی ہے۔ جو شخص اسلام کا اظہار کرے اس کے قتل سے ہاتھ روکنا واجب ہے، اور محض شک وشبہ کی وجہ سے باطن کی تفتیش کرنا اور احکام اسلامیہ کے جاری کرنے میں اس کے یقینی ایمان کے ثبوت کا منتظر رہنا جائز نہیں جیسا بعض صحابہ سے بعض غزوات میں اس قسم کی لغزش واقع ہوئی کہ بعض لوگوں نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا، لیکن بعض حضرات صحابہ نے انکی علامات اسلام کو کذب پر محمول کر کے قتل کر ڈالا۔ اور مقتول کا مال غنیمت میں لے لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا انسداد فرمایا، اور چونکہ اس وقت تک صحابہ کو یہ مسئلہ واضح طور پر معلوم نہ تھا اس لیے صرف فہمائش پر اکتفا کیا، اور اس فعل پر ان کے لیے کوئی وعید نازل نہیں فرمائی۔ (بیان القرآن)

مسلمان سمجھنے کے لیے علامات اسلام کافی ہیں، باطن کی تفتیش کرنا جائز نہیں

مذکورہ آیت میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ جو شخص اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرے تو کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ بغیر تحقیق کے اس کے قول کو نفاق پر محمول کرے۔ اس آیت کے نزول کا سبب کچھ ایسے واقعات ہیں جن میں بعض صحابۂ کرام سے اس بارہ میں لغزش ہوگئی تھی۔

چنانچہ ترمذی اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ قبیلۂ بنو سلیم کا ایک آدمی صحابۂ کرام کی ایک جماعت سے

ملا جب کہ یہ حضرات جہاد کے لیے جا رہے تھے ۔ یہ آدمی اپنی بکریاں چرا رہا تھا ۔ اس نے حضرات صحابہؓ کو سلام کیا جو عملاً اس چیز کا اظہار تھا ، کہ میں مسلمان ہوں ۔ صحابہ کرام نے سمجھا کہ اس وقت اس نے محض اپنی جان و مال بچانے کے لیے یہ فریب کیا ہے کہ مسلمانوں کی طرح سلام کر کے ہم سے بچ نکلے ۔ چنانچہ انہوں نے اس کو قتل کر دیا ، اور اس کی بکریوں کو مالِ غنیمت قرار دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جو شخص آپ کو اسلامی طرز پر سلام کرے تو بغیر تحقیق کے یہ نہ سمجھو کہ اس نے فریب کی وجہ سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا ہے ، اور اس کے مال کو مالِ غنیمت سمجھ کر حاصل نہ کرو (ابن کثیر)

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک دوسری روایت ہے جس کو بخاری نے مختصراً اور بزار نے مفصلاً نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستہ مجاہدین کا بھیجا ، جن میں حضرت مقداد بن اسود بھی تھے ، جب وہ موقع پر پہنچے تو سب لوگ بھاگ گئے ، صرف ایک شخص رہ گیا ، جس کے پاس بہت مال تھا ، اس نے صحابہ کرامؓ کے سامنے کہا : اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ، مگر حضرت مقدادؓ نے یہ سمجھ کر کہ دل سے نہیں کہا ، بلکہ محض جان و مال بچانے کے لیے کلمۂ اسلام پڑھ رہا ہے اس کو قتل کر دیا ، حاضرین میں سے ایک صحابی نے کہا کہ آپ نے بُرا کیا ، کہ ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت دی تھی ، میں اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا تو اس واقعہ کا ذکر ضرور کروں گا ۔ جب یہ لوگ مدینہ واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ سنایا ۔ آپؐ نے حضرت مقدادؓ کو بلا کر سخت

سخت تنبیہ فرمائی، اور فرمایا کہ بروزِ قیامت تمہارا کیا جواب ہوگا، جب کلمہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ تمہارے مقابلہ میں دعویدار ہوگا۔ اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی: لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ

مذکورہ آیت کے بارہ میں ان دو واقعات کے علاوہ دوسرے واقعات بھی منقول ہیں، لیکن محققین اہلِ تفسیر نے فرمایا کہ ان روایات میں تعارض نہیں ہوسکتا، کہ یہ چند واقعات مجموعی حیثیت سے نزول کا سبب ہوئے ہوں۔

آیت کے الفاظ میں اَلْقٰٓی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ ارشاد ہے اس میں لفظ "سلام" سے اگر اصطلاحی سلام مراد لیا جائے تب تو پہلا واقعہ اس کے ساتھ زیادہ چسپاں ہے، اور اگر سلام کے لفظی معنی سلامت اور اطاعت کے لیے جائیں تو یہ سب واقعات اس میں برابر ہیں، اسی لیے اکثر حضرات نے "سلام" کا ترجمہ اس جگہ اطاعت کا کیا ہے۔

واقعہ کی تحقیق کے بغیر فیصلہ کرنا جائز نہیں

اس آیت کے پہلے جملہ میں ایک عام ہدایت ہے کہ مسلمان کوئی کام بے تحقیق محض گمان پر نہ کریں، ارشاد ہے اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَبَیَّنُوْا، "یعنی جب تم اللہ کی راہ میں سفر کیا کرو تو ہر کام تحقیق کے ساتھ کیا کرو"۔ محض خیال اور گمان پر کام کرنے سے

بسا اوقات غلطی ہو جاتی ہے۔ اس میں سفر کی قید بھی اس وجہ سے ذکر کی گئی کہ یہ واقعات سفر ہی میں پیش آئے، یا اس وجہ سے کہ شبہات عموماً سفر میں پیش آتے ہیں، اپنے شہر میں ایک دوسرے کے حالات سے عموماً واقفیت ہوتی ہے، ورنہ اصل حکم عام ہے۔ سفر میں ہو یا حضر میں بغیر تحقیق کے کسی عمل پر اقدام جائز نہیں، ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "سوچ سمجھ کر کام کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور جلد بازی شیطان کی طرف سے" (بحر محیط)

دوسرے جملہ یعنی تَبۡتَغُوۡنَ عَرَضَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا، میں اسی روگ کی اصلاح ہے جو اس غلطی پر اقدام کرنے کا باعث ہوا یعنی دنیا کی دولت مال غنیمت حاصل ہونیکا خیال۔

آگے یہ بھی تبلا دیا کہ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ نے اموال غنیمت میں بہت سے مقرر اور مقدر کر رکھے ہیں، تم اموال کی فکر میں نہ پڑو اس کے بعد ایک اور تنبیہ فرمائی کہ ذرا اس پر بھی تو نظر ڈالو کہ پہلے تم میں بھی تو بہت سے حضرات ایسے ہی تھے کہ مکہ مکرمہ میں اپنے اسلام و ایمان کا اعلان نہیں کر سکتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا کہ کفار کے نرغہ سے نجات دیدی، تو اسلام کا اظہار کیا، تو کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ شخص جو لشکر اسلام کو دیکھ کر کلمہ پڑھ رہا ہے وہ حقیقتہً پہلے سے اسلام کا معتقد ہو مگر کفار کے خوف سے اسلام کا اظہار نہیں کرنے پایا تھا۔ اس وقت اسلامی لشکر کو دیکھ کر اظہار کیا، یا کہ شروع میں جب تم نے کلمۂ اسلام کو پڑھ کر اپنے آپ کو مسلمان کہا تو اس وقت تمہیں مسلمان قرار دینے کے لیے شریعت نے یہ قید نہیں لگائی تھی کہ تمہارے دلوں کو

ٹٹولیں اور دل میں اسلام کا ثبوت ملے، تب تمہیں مسلمان قرار دیں۔ بلکہ صرف کلمہ اسلام پڑھ لینے کو تمہارے مسلمان قرار دینے کے لیے کافی سمجھا گیا تھا، اسی طرح اب جو تمہارے سامنے کلمہ پڑھتا ہے اس کو بھی مسلمان سمجھو۔

اہل قبلہ کو کافر نہ کہنے کا مطلب

اس آیت کریمہ سے یہ اہم مسئلہ معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان بتلاتا ہو خواہ کلمہ پڑھ کر یا کسی اور اسلامی شعار کا اظہار کر کے مثلاً اذان، نماز وغیرہ میں شرکت کرے تو مسلمان پر لازم ہے کہ اس کو مسلمان سمجھیں اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کریں، اس کا انتظار نہ کریں کہ وہ دل سے مسلمان ہوا ہے یا کسی مصلحت سے اسلام کا اظہار کیا ہے۔

نیز اس معاملہ میں اس کے اعمال پر بھی مدار نہ ہوگا، فرض کر لو کہ وہ نماز نہیں پڑھتا، روزہ نہیں رکھتا اور ہر قسم کے گناہوں میں ملوث ہے پھر بھی اس کو اسلام سے خارج کہنے کا یا اس کے ساتھ کافروں کا معاملہ کرنے کا کسی کو حق نہیں، اسی لیے امام اعظمؒ نے فرمایا لا نکفر اھل القبلۃ بذنب، "یعنی ہم اہل قبلہ کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے"۔ بعض روایات حدیث میں بھی اس قسم کے الفاظ مذکور ہیں، کہ اہل قبلہ کو کافر نہ کہو، خواہ وہ کتنا ہی گنہگار بدعمل ہو۔

مگر یہاں ایک بات خاص طور پر سمجھنے اور یاد رکھنے کی ہے کہ قرآن وحدیث سے یہ ثابت ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہے اس کو کافر کہنا یا سمجھنا جائز نہیں، اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ جب تک اس سے

کسی ایسے قول و فعل کا صدور نہ ہو جو کفر کی یقینی علامت ہے اس وقت تک اس کے اقرار اسلام کو صحیح قرار دے کر اس کو مسلمان کہا جائے گا اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کیا جائے۔ اس کی قلبی کیفیات اخلاص یا نفاق سے بحث کرنے کا کسی کو حق نہ ہو گا۔

لیکن جو شخص اظہار اسلام اور اقرار ایمان کے ساتھ ساتھ کچھ کلمات کفر بھی بکتا ہے یا کسی بُت کو سجدہ کرتا ہے، یا اسلام کے کسی ایسے حکم کا انکار کرتا ہے جس کا اسلامی حکم ہونا قطعی اور بدیہی ہے، یا کافروں کے کسی مذہبی شعار کو اختیار کرتا ہے جیسے گلے میں زنّار وغیرہ ڈالنا وغیرہ۔ وہ بلاشبہ اپنے اعمال کفریہ کے سبب کافر قرار دیا جائے گا۔ آیت مذکور میں لفظ تَبَيَّنُوْا سے اس کی طرف اشارہ موجود ہے ورنہ یہود و نصاریٰ تو سب ہی اپنے آپ کو مومن مسلمان کہتے ہیں اور مسیلمہ کذاب جس کو باجماع صحابہ کافر قرار دیکر قتل کیا گیا وہ تو صرف کلمہ اسلام کا اقرار ہی نہیں بلکہ اسلامی شعائر نماز، اذان وغیرہ کا بھی پابند تھا۔ اپنی اذان میں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ بھی کہلواتا تھا مگر اس کے ساتھ وہ اپنے آپ کو بھی نبی اور رسول صاحب وحی کہتا تھا جو نصوص قرآن و سنت کا کھلا ہوا انکار تھا، اسی کی بناء پر اس کو مرتد قرار دیا گیا اور اس کے خلاف باجماع صحابہ جہاد کیا گیا۔

خلاصہ مسئلہ کا یہ ہو گیا کہ ہر کلمہ گو اہل قبلہ کو مسلمان سمجھو اس کے باطن اور قلب میں کیا ہے، اس کی تفتیش انسان کا کام نہیں، اس کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کرو، البتہ اظہار ایمان کے ساتھ خلاف ایمان کوئی بات سرزد ہو تو اس کو مرتد سمجھو۔ بشرطیکہ اس کا خلاف ایمان ہونا قطعی اور یقینی ہو، اور اس

میں کوئی دوسرے احتمال یا تاویل کی راہ نہ ہو۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ لفظ "کلمہ گو" یا "اہل قبلہ" یہ اصطلاحی الفاظ ہیں جن کا مصداق صرف وہ شخص ہے جو مدعی اسلام ہونے کے بعد کسی کافرانہ قول و فعل کا مرتکب نہ ہو۔

مومن کے قاتل کی دنیوی اور اخروی سزا

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ
فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ
بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ
بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى
بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ
عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ
شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ
بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ
اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ
ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ
رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ
فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ
ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ

اے ایمان والو مقتولوں میں
برابری کرنا تم پر فرض کیا گیا
ہے۔ آزاد بدلے آزاد کے
اور غلام بدلے غلام کے
اور عورت بدلے عورت
کے۔ پس جسے اس کے
بھائی کی طرف سے کچھ بھی
معاف کیا جائے تو دستور
کے موافق مطالبہ کرنا چاہیئے
اور اسے نیکی کے ساتھ ادا
کرنا چاہیئے۔ یہ تمہارے رب
کی طرف سے آسانی اور
مہربانی ہے۔ پس جو اس کے
بعد زیادتی کرے تو اس کے

اَلِيْمٌ ○ وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○

(سورۃ البقرہ آیت ۱۷۸-۱۷۹)

لیے دردناک عذاب ہے اور اے عقلمندو تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم (خون ریزی سے) بچو۔

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ (بقرہ آیت ۲۹)

پس جو تم پر زیادتی کرے تو زیادتی کرو اُس پر جیسا اس نے تم پر زیادتی کی ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَاِنْ

کسی مومن کی یہ شان نہیں کہ کسی مومن کو قتل کرے مگر غلطی سے۔ اور جو مومن کو غلطی سے قتل کرے تو ایک مومن گردن آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہ دے مگر یہ کہ وہ خون بہا معاف کردے پھر اگر وہ مقتول مومن تمہاری دشمن قوم سے ہو تو ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے اور اگر وہ مقتول

كَانَ مِنْ قَوْمٍ	مومن کسی ایسی قوم سے
بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ	ہے کہ جس سے تمہارا
مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ	معاہدہ ہے تو اس کے
اِلٰىٓ اَهْلِهٖ وَ تَحْرِيْرُ	وارثوں کو خون بہا دیا جائیگا
رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ج	اور ایک مومن غلام آزاد
فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ	کرنا ہوگا پھر جو غلام نہ
فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ	پائے وہ پے در پے
مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً	دو مہینے روزے رکھے
مِّنَ اللّٰهِ ط وَ	اللہ سے گناہ بخشوانے
كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا	کے لیے اور اللہ جاننے والا
حَكِيْمًا ۝ وَمَنْ	حکمت والا ہے۔
يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا	اور جو کوئی کسی مومن کو
مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ	جان بوجھ کر قتل کر دے
جَهَنَّمُ خَالِدًا	اس کی سزا دوزخ ہے
فِيْهَا وَ غَضِبَ	جس میں وہ ہمیشہ رہے گا
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ	اس پر اللہ کا غضب اور
وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا	اس کی لعنت ہے اور اس
عَظِيْمًا ۔	نے اس کے لیے بڑا عذاب
(سورۃ النساء آیت ۹۲-۹۳)	تیار کیا ہے۔
وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ	اور ہم نے ان پر اس
فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ	توراۃ میں لکھا کہ جان بدلے

بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ	جان کے۔ اور آنکھ بدلے
بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ	آنکھ کے اور ناک بدلے
بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ	ناک کے اور کان بدلے
بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ	کان کے اور دانت بدلے
بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ	دانت کے اور زخموں
قِصَاصٌ فَمَنْ	کا بدلہ ان کے برابر ہے
تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ	پھر جس نے معاف کر
كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ	دیا تو وہ گناہ سے پاک
لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ	ہو گیا اور جو کوئی اس کے
اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ	موافق حکم نہ کرے جو
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝	اللہ نے اتارا تو وہ ظالم
وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى	ہے۔ اور ہم نے انہیں کے
اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى	پیچھے انہیں کے قدموں پر
ابْنِ مَرْيَمَ	عیسٰی مریم کے بیٹے کو بھیجا
مُصَدِّقًا لِّمَا	جو اپنے سے پہلی کتاب
بَيْنَ يَدَيْهِ	توراۃ کی تصدیق کرنے والا
مِنَ التَّوْرٰىةِ وَاٰتَيْنٰهُ	تھا اور ہم نے اسے
الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ	انجیل دی جس میں ہدایت
هُدًى وَّنُوْرٌ	اور روشنی تھی اور اپنے
وَمُصَدِّقًا لِّمَا	سے پہلی کتاب توراۃ کی
بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ	تصدیق کرنے والی تھی۔

التَّوْرٰىةِ وَ هُدًى وَّ
مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝
وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ
الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ
لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا
اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝
وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ
الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ
مُصَدِّقًا لِّمَا
بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ
الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا
عَلَيْهِ فَاحْكُمْ
بَيْنَهُمْ بِمَآ
اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ
اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا
جَآءَكَ مِنَ
الْحَقِّ ۝
(سورۃ المائدہ آیت ۴۵تا۴۸)
وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ

اور راہ بتلانے والی تھی
اور ڈرنے والوں کے
لیے نصیحت تھی اور چاہیے
کہ انجیل والے اس کے
موافق حکم کریں جو اللہ
نے اس میں اتارا ہے اور
جو شخص اس کے موافق
حکم نہ کرے سو وہی
نافرمان ہیں۔ اور ہم نے
تم پر سچی کتاب اتاری ہے
جو اپنے سے پہلی کتابوں
کی تصدیق کرنے والی ہے
اور ان کے مضامین پر
نگہبانی کرنے والی ہے
تو تو ان کے مابین اس
کے موافق حکم کر جو اللہ
نے اتارا ہے اور ان کی
خواہشات کی پیروی مت
کر اس لیے کہ تیرے پاس
حق آگیا ہے۔
اور جس جان کو قتل کرنا

الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ	اللہ نے حرام کر دیا ہے
اِلَّا بِالْحَقِّ ط وَمَنْ	اسے ناحق قتل نہ کرنا اور
قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ	جو کوئی ظلم سے مارا جائے
جَعَلْنَا لِوَلِیِّہٖ	تو ہم نے اس کے ولی
سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ	کے واسطے اختیار دے
فِّی الْقَتْلِ ط اِنَّہٗ	دیا ہے لہذا قصاص میں
کَانَ مَنْصُوْرًا ○	زیادتی نہ کرے بے شک
(سورۃ بنی اسرائیل آیت ۳۳)	اس کی مدد کی گئی ہے

تفسیر

یہاں اس باب میں نو آیات نقل کی گئی ہیں۔ پہلی دو آیتیں سورۃ بقرہ کی ہیں ان میں چار چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ قصاص تم پر فرض کیا گیا ہے۔ لفظ قصاص کے لغوی معنی مماثلت کے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں قصاص کہا جاتا ہے۔ قتل کرنے اور زخم لگانے کی اس سزا کو جس میں مساوات اور مماثلت کی رعایت کی گئی ہو۔ اس آیت میں آزاد کے مقابل آزاد اور عورت کے مقابل عورت کا جو ذکر آیا ہے یہ اس خاص واقعہ کی بنا پر ہے جس میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ ابن کثیر نے باسناد ابن ابی حاتم نقل کیا ہے کہ زمانہ اسلام سے کچھ پہلے دو عرب قبیلوں میں جنگ ہو گئی۔ طرفین کے بہت سے آدمی آزاد غلام مرد اور عورتیں قتل ہو گئے۔ ابھی ان کے معاملہ کا تصفیہ ہونے نہیں پایا تھا کہ زمانہ اسلام شروع ہو گیا۔ اور یہ دونوں قبیلے اسلام میں داخل ہو گئے

اسلام لانے کے بعد ان میں اپنے اپنے مقتولوں کا قصاص لینے کی گفتگو شروع ہوئی۔ تو ایک قبیلہ جو قوت اور شوکت والا تھا اس نے کہا ہم اس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک کہ ہمارے غلام کے بدلے میں تمہارا آزاد آدمی۔ اور عورت کے بدلے میں تمہارا مرد نہ قتل کیا جائے۔ انکے جاہلانہ اور ظالمانہ مطالبہ کی تردید کرنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی جس کا حاصل ان کے اس مطالبہ کا رد کرنا تھا۔ کہ غلام کے بدلے آزاد کو اور عورت کے بدلے مرد کو قتل کیا جائے اگرچہ وہ قاتل نہ ہو۔

اسلام نے اپنا عادلانہ قانون یہ نافذ کر دیا کہ جس نے قتل کیا ہے وہی قصاص میں قتل کیا جائے۔ اگر عورت قاتل ہے تو کسی بے گناہ مرد کو قتل کرنا اور اسی طرح قاتل اگر غلام ہے تو اس کے بدلے میں کسی بیگناہ آزاد کو قتل کرنا ظلم عظیم ہے جو اسلام میں قطعاً برداشت نہیں کیا جا سکتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ آیت کا حاصل اس کے سوا کوئی نہیں کہ جس نے قتل کیا ہے وہی قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ عورت ہو یا غلام، قاتل عورت اور غلام کے بجائے بے گناہ مرد یا آزاد کو قتل کرنا جائز نہیں آیت کا یہ مطلب نہیں کہ عورت کو کوئی مرد قتل کر دے یا غلام کو کوئی آزاد قتل کر دے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ قرآن مجید کی اسی آیت کے شروع میں اَلْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی اس عموم کی واضح دلیل ہے۔

(معارف القرآن مفتی محمد شفیع)

اور دوسری یہ بیان فرمائی کہ اگر قاتل کو اپنے مسلمان بھائی کی طرف سے کچھ معافی مل جائے تو دستور کے موافق مطالبہ کرنا چاہیئے اور نیکی کے ساتھ

اسے ادا کرنا چاہیئے۔ اب یہ دستور کیا ہے مطالبہ کیا ہے ؟ اسکی تفصیل عنقریب بیان ہو گی۔ اور تیسری چیز یہ بیان فرمائی کہ یہ معافی کی صورت تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تخفیف ہے اور رحمت ہے ورنہ اگر قصاص ہی رکھ دیا جاتا تو مشکلات ہوتیں۔ چوتھی چیز یہ بیان فرمائی کہ معافی کے بعد فریقین میں سے کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے ورنہ اس کے لیے دردناک عذاب ہو گا۔ یہ دردناک عذاب دُنیاوی بھی ہو سکتا ہے کہ اس کو اس کے جُرم کے موافق سزا ملے گی اور اُخروی بھی ہو سکتا ہے۔ اور پانچویں چیز قصاص کا فائدہ بیان فرمایا ہے کہ اس میں باقی معاشرے کی بقا ہے ورنہ اگر خونریزی چل پڑی تو پورا معاشرہ تباہ ہو جائے گا۔

اس کے بعد سورۃ البقرہ کی آیت ۱۹۴ کا ایک جملہ ہے یہ لفظ قصاص کی تشریح ہے کہ جو کسی پر زیادتی کرے اس پر اسی کے مثل زیادتی ہونا چاہیئے اس کے بعد سورۃ النساء کی آیت ۹۲-۹۳ ہیں۔ یہ بھی سورۃ بقرہ کی آیات کی توضیح اور تشریح میں کیونکہ سورۃ بقرہ میں قصاص کا ذکر فرمایا ہے اور اداءٌ کا ذکر فرمایا ہے اور قصاص کا معنی مماثلت ہے اور یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ یہ مماثلت قتل عمد میں ہے یا خطا میں ہے۔ نیز یہ بھی بیان نہیں فرمایا کہ اداءٌ سے کیا مراد ہے ؟ اور یہ بھی بیان نہیں فرمایا کہ مقتول ملکی ہو تو کیا حکم ہے اور غیر ملکی ہو تو کیا حکم ہے۔ مسلم ہو تو کیا اور غیر مسلم ہو تو کیا حکم ہے ؟ سورۃ النساء کی ان آیات میں اس کی کچھ تفصیل آگئی ہے۔ پہلے یہ بیان فرمایا ہے کسی مومن کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ دوسرے مومن کو قتل کرے اور اگر اس کے ہاتھ سے کوئی مومن قتل ہو ہی جائے تو پھر اسکی دو صورتیں ہیں کہ اگر قتل غلطی سے ہو گیا ہے تو قاتل کو ایک گردن مومن آزاد کرنا ہے

یعنی غلام۔ اور مقتول کے وارثوں کو دیت (خون بہا) بھی ادا کی جائے گی۔ ہاں اگر وہ معاف کر دیں اور اگر وہ مقتول مومن غیر مسلم حکومت کا باشندہ ہو تو اس وقت صرف مومن گردن ہی (غلام) آزاد کرنا ہے۔ اور اگر وہ مقتول خواہ مومن ہو یا غیر مومن مگر کسی کافر حکومت کا باشندہ ہو اور مسلمانوں کا اس سے معاہدہ ہو تو اس وقت (رقبہ مومن) غلام مومن بھی آزاد کرنا ہے اور اس کے وارثوں کو خون بہا بھی دینا ہے۔ اور اگر غلام نہ ہو تو دو ماہ پے در پے روزے رکھنا ہے۔ اگر کوئی کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

اس کے بعد سورۃ المائدۃ کی آیتوں میں سے پہلے جملہ میں قتل عمد کی دنیاوی سزا بیان فرمائی ہے کہ جان کے بدلے جان ہے یعنی قاتل کو مقتول کے بدلے میں مارا جائے اور اس کے بعد اعضاء کے بدلے اعضاء اور خون کے بدلے زخمی کرنے کا قصاص بیان فرما دیا ہے۔ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ پھر جس نے معاف کر دیا تو وہ گناہ سے پاک ہو گیا یعنی معاف کرنے والے کے اپنے گناہ معاف ہو جائیں گے اور اس کے بعد فرمایا ہے کہ جو حکام قصاص کا یہ فیصلہ نافذ نہیں کریں گے تو وہ ظالم ہیں یعنی ظالم کے ساتھ وہ بھی برابر کے شریک ہیں اور اس کے بعد فرمایا ہے کہ توراۃ اور انجیل کے اندر بھی یہی حکم تھا۔ اور اس کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ کو جو قرآن مجید دیا گیا ہے اس میں بھی یہی حکم ہے۔

اس کے بعد سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۳۳ ہے۔ یہ بھی لفظ قصاص کی تشریح ہے کیونکہ اس سے پہلے جتنی آیات کی تشریح ہوئی ہے ان میں

یہ تو آیا ہے کہ قصاص ہے لیکن یہ وضاحت نہیں ہے کہ قصاص کس نے لینا ہے اور سورۃ بنی اسرائیل کی اس آیت نے بتا دیا ہے کہ قصاص مقتول کے وارثوں نے لینا ہے لیکن آگے انہیں بھی ہدایت فرما دی ہے کہ قصاص میں اسراف نہ کریں۔ اس کے بعد فرمایا ہے کہ اِنَّہٗ کَانَ مَنْصُوْرًا۔ یہاں اِنَّہٗ کی ضمیر کا مرجع ولی مقتول بھی ہو سکتا ہے تو پھر مقصد یہ ہوگا کہ جب اس کی اتنی نصرت کی گئی ہے تو اسے پھر زیادتی نہیں کرنا چاہیئے اور اس کا مرجع مقتول بھی ہو سکتا ہے اس کا مقصد ایک ہی ہے اور وارثوں کے تسلط سے مراد وقتی حکومت سے مطالبہ کرنا ہے کہ وہ اس کی تحقیق کرے اور قصاص کی سزا پھر حکومت نافذ کرے صحابہ کا اس پر اجماع ہے

اس سے پہلے باب قصاص کے سلسلہ میں جو تفسیر اور توضیح عرض کی گئی ہے وہ تو وہ ہے جو قرآن مجید کی مختلف آیات کو ترتیب اور تطبیق دینے سے سرسری طور پر معلوم ہوتی ہے اور اب وہ تفسیر عرض کی جائے گی جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خود بیان فرمائی ہے۔

خونِ ناحق کی اُخروی سزا احادیث کی روشنی میں

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ	عبداللہ بن مسعود سے روایت
مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ	ہے کہ جناب رسول اللہ
رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ	قیامت کے دن لوگوں کے
مَا یُقْضٰی بَیْنَ	درمیان سب سے پہلے

النَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِي الدِّمَآءِ (متفق علیہ)

خونِ ناحق میں فیصلہ کیا جائے گا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ وَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَّمْ يَرَحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَاِنَّ رِيْحَهَا تُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ اَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا (بخاری)

عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو معاہدہ (ذمی یا مستامن) کرنے والے کو قتل کرے گا وہ جنّت کی خوشبو نہیں سونگھے گا اور اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت تک پائی جائے گی۔

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَّ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اشْتَرَكُوْا فِيْ دَمِ مُؤْمِنٍ لَاَكَبَّهُمُ اللّٰهُ فِي النَّارِ۔ (ترمذی)

ابی سعید اور ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر آسمان اور زمین کے رہنے والے سارے ایک مومن کے قتل میں شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ سب کو آگ میں ڈالے گا۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ

ابن عباس رضؓ نے نبی صلی اللہ

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَجِيْئُ الْمَقْتُوْلُ بِالْقَاتِلِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ نَاصِيَتُهُ وَرَأْسُهُ بِيَدِهِ وَاَوْدَاجُهُ تَشْخُبُ دَمًا يَقُوْلُ يَا رَبِّ قَتَلَنِيْ حَتّٰى يُدْنِيَهُ مِنَ الْعَرْشِ۔

(ترمذی)

علیہ وسلم سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا قیامت کے دن مقتول قاتل کو لائے گا اس حال میں کہ اس کی پیشانی اور اس کا سر اس کے ہاتھ میں ہوگا اور اس کی رگوں سے خون بہہ رہا ہوگا کہے گا اے میرے رب اس نے مجھے قتل کیا ہے یہاں تک کہ اس کو عرش کے قریب کریگا

عَنْ اَبِي الدَّرْدَآءِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ ذَنْبٍ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّغْفِرَهُ اِلَّا مَنْ مَاتَ مُشْرِكًا اَوْ مَنْ يَّقْتُلُ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا۔

(ابوداؤد۔ نسائی)

ابی درداء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا شاید کہ اللہ تعالیٰ ہر گناہ معاف فرما دے مگر جو مشرک مرے یا کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے۔

عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ فُلَانٌ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَجِيْئُ الْمَقْتُوْلُ بِقَاتِلِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيَقُوْلُ سَلْ هٰذَا فِيْمَ قَتَلَنِيْ فَيَقُوْلُ قَتَلْتُهٗ عَلٰى مُلْكِ فُلَانٍ قَالَ جُنْدُبٌ فَاتَّقِهَا ۔

(نسائی)

جندب نے کہا کہ مجھے فلاں نے حدیث سُنائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن مقتول قاتل کو لائے گا اور کہے گا اے اللہ اس سے پوچھ اس نے مجھے کس کے باعث قتل کیا تھا۔ وہ کہے گا کہ فلاں ملکی یا ملک کی وجہ سے۔ جندب نے کہا اس سے بچ۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَعَانَ عَلٰى قَتْلِ مُؤْمِنٍ شَطْرَ كَلِمَةٍ لَقِيَ اللّٰهَ مَكْتُوْبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ آيِسٌ مِنْ

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مدد کرے کسی مومن کے قتل پر آدھے کلمہ کے برابر تو ملے گا اللہ تعالیٰ سے اس حال میں کہ آنکھوں کے درمیان

رحمۃ اللہ۔ لکھا ہوا ہوگا۔ اللہ کی رحمت سے نا امید ہے۔

(یہ سات احادیث مشکوٰۃ کتاب القصاص سے لی گئی ہیں)

تشریح احادیث

یہاں اس بحث میں کل سات احادیث نقل کی گئی ہیں اور یہ سب احادیث قرآن مجید کی سورۃ النساء کی آیت ۹۳ کی تشریح اور تفسیر ہیں۔ کیونکہ اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ آدمی کسی مومن کو جان بوجھ کر قصداً اور بالارادہ قتل کرے تو اس کی جزا دوزخ ہے اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دُور ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار کیا ہے مگر یہ آیت کریمہ مجمل ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں اس کی پوری تفصیل بیان فرمائی ہے۔

یہاں پہلی حدیث عبداللہ بن مسعودؓ والی ہے اس میں یہ فرمایا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے فیصلہ ہی قتل کے بارے میں ہوگا اور بعض دوسری احادیث سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے فیصلہ نماز کے بارے میں ہوگا۔ تو یہ دونوں احادیث میں تعارض ہوگیا ہے تو محدثین حضرات نے ان کے درمیان تطبیق یوں بیان فرمائی ہے کہ حقوق اللہ میں تو سب سے پہلے فیصلہ نماز کے بارے میں ہوگا اور حقوق العباد میں سب سے پہلے فیصلہ قتل کے بارے میں ہوگا۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ قتل ناحق بڑا سنگین جرم ہے تب ہی تو

سب سے پہلے حقوق العباد میں قتل کا فیصلہ ہوگا اور یہاں دوسری حدیث عبداللہ بن عمرو والی ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو آدمی کسی معاہد کو قتل کرے گا وہ جنّت کی خوشبو نہیں سونگھے گا یعنی معاہد کا قاتل بھی دوزخی ہوگا اور معاہد سے مراد وہ کافر ہے جسے اسلامی حکومت اپنے ملک میں رہنے کی اجازت دیدے یہ اجازت اگر کسی کو ہمیشہ کے لیے دیدی گئی ہو تو وہ ذمی کہلاتا ہے یعنی حکومت اس کی جان ومال اور آبرو کے تحفظ کی ذمہ داری اٹھالیتی ہے اور اس کے ساتھ باقاعدہ معاہدہ ہوتا ہے اس کے لیے اس کو معاہد بھی کہتے ہیں۔ اور اگر یہ اجازت اسے چند روزہ یا چند ماہ وغیرہ کے لیے دے دی گئی ہو تو اسے مستامن کہتے ہیں۔ یعنی اسلامی مملکت سے باقاعدہ معاہدہ کے تحت رہنے والا۔ اور اب ان دونوں کا ہر قسم کا تحفظ اسلامی گورنمنٹ کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اگر کوئی مسلمان اسے قتل کردے تو اس کے بدلے قصاص بھی ہے جس کی تفصیل عنقریب آئے گی اور اسکی اُخروی سزا دوزخ ہے۔

یہاں تیسری حدیث حضرت ابی سعید اور حضرت ابوہریرہ والی ہے اس میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر آسمان اور زمین کے رہنے والے سارے ایک مومن کے قتل میں شریک ہوگئے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو دوزخ میں ڈالیں گے اور یہاں چوتھی حدیث ابن عباس والی ہے اس میں جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن مقتول اپنے قاتل کو پیشانی اور سر سے پکڑ کر اللہ کے دربار میں پیش کرے گا اور کہے گا کہ اس نے مجھے قتل کیا ہے۔

اس کے بعد جندب والی چھٹی حدیث میں ہے کہ مقتول اللہ کے دربار میں عرض کرے گا کہ اے اللہ اس سے پوچھیں اس نے مجھے کیوں قتل کیا ہے پھر اس سے اللہ تعالیٰ پوچھیں گے تو وہ کہے گا کہ فلاں کے ملک یا مِلک کی وجہ سے قتل کیا تھا اور پانچویں حدیث جو ابی درداء سے منقول ہے اس میں آپ نے فرمایا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ ہر گناہ بخش دے مگر مشرک اور مومن کو جو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی بخشش نہیں ہوگی

اس کے بعد ساتویں نمبر پہ جو حضرت ابوہریرہ والی حدیث ہے اس میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک کلمہ سے بھی قاتل کا تعاون کرے گا تو قیامت کے دن اس کی پیشانی پہ یہ لکھا ہوا ہوگا کہ یہ اللہ کی رحمت سے ناامید ہے یعنی یہ بھی دوزخی ہوگا یہاں تک تو وہ احادیث نقل کی گئی ہیں جن میں قتل ناحق کی اُخروی سزا مذکور ہے اور اب آئندہ وہ احادیث نقل کی جائیں گی جن میں قتل ناحق کی دُنیاوی سزا مذکور ہے۔

مومن مسلمان کا قتل حرام ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ	عبداللہ بن مسعود سے
ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ	روایت ہے کہ جناب
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى	رسول اللہ صلی اللہ علیہ
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	وسلم نے فرمایا جو مسلمان
لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ	آدمی یہ شہادت دے

مُسْلِمٍ یَشْهَدُ	کہ اللہ کے سوا کوئی معبود
اَنْ لَّا اِلٰهَ	نہیں اور کہ میں اللہ کا
اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ	رسول ہوں ۔ اس کا خون
رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَّا	روا نہیں ہے سوائے
بِاِحْدٰی ثَلٰثٍ	تین آدمیوں کے ، جان
اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ	بدلے جان کے ۔ شادی
وَالثَّیِّبُ الزَّانِیْ	شدہ زانی اور دین سے
وَالْمَارِقُ لِدِیْنِهٖ	نکلنے والا یعنی مسلمانوں
وَالتَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ	کی جماعت سے الگ
(بخاری)	ہونے والا ۔
عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ	ابی امامہ بن سہل بن حنیف
ابْنِ سَهْلِ ابْنِ	سے روایت ہے کہ
حُنَیْفٍ اَنَّ عُثْمَانَ	عثمان بن عفان مکان
ابْنَ عَفَّانَ اَشْرَفَ	کے محاصرہ کے دن بلند
یَوْمَ الدَّارِ فَقَالَ	مقام پر چڑھے پھر فرمایا
اُنْشِدُكُمْ بِاللّٰهِ	کہ میں تمہیں اللہ کی قسم
اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ	دیتا ہوں کہ تمہیں پتہ ہے
رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ	کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ	وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمان
لَا یَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ	آدمی کا خون حلال نہیں مگر
مُسْلِمٍ اِلَّا بِاِحْدٰی	تین وجہ سے ۔ زنا کرتا

ثَلٰثٍ زِنًا بَعْدَ إِحْصَانٍ أَوْ كُفْرًا بَعْدَ إِسْلَامٍ أَوْ قَتْلَ نَفْسٍ بِغَيْرِ حَقٍّ فَقُتِلَ بِهِ فَوَاللّٰهِ مَا زَنَيْتُ فِيْ جَاهِلِيَّةٍ وَلَا إِسْلَامٍ وَلَا ارْتَدَدْتُ مُنْذُ بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا قَتَلْتُ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ فَبِمَ تَقْتُلُوْنَنِيْ۔

(ترمذی)

شادی کے بعد۔ اور کفر کرنا اسلام کے بعد۔ اور کسی جان کو قتل کرنا ناحق پھر اسے اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ اللہ کی قسم میں نے جاہلیت میں بھی اور اسلام قبول کرنے کے بعد بھی زنا نہیں کیا۔ اور جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہوا ہوں مرتد بھی نہیں ہوا۔ اور میں نے کسی ایسی جان کو قتل بھی نہیں کیا جس کا قتل اللہ نے حرام کیا ہے پھر تم مجھے کیوں قتل کرتے ہو۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَزَوَالُ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ

عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کا زوال اللہ کے نزدیک زیادہ حقیر ہے ایک مسلمان

قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ۔ آدمی کے قتل کی بنسبت۔

(یہ تینوں احادیث مشکوٰۃ کتاب القصاص سے منقول ہیں)

تشریح احادیث

یہاں تین احادیث نقل کی گئی ہیں۔ ایک عبداللہ بن مسعود والی، دوسری ابی امامہ والی اور تیسری عبداللہ بن عمر والی۔ اور یہ تینوں احادیث کتب علیکم القصاص فی القتلی کی تفسیر ہیں۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تفسیر بیان کرنے کی ضرورت اس لیے درپیش آئی کہ آیت میں تو اتنا فرمایا ہے کہ قصاص فرض ہے اور قصاص کے معنی برابری کرنا اور مساوات کرنا ہے اور یہ نہیں بتایا کہ قتل کی حیثیت کیا ہے حلال ہے یا حرام ہے۔ اور یہ بھی نہیں بتایا کہ کس قتل کا قصاص ہے اور کس قتل کا قصاص نہیں۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت بیان فرمادی ہے۔ پہلے تو یہ فرمایا کہ مسلمان آدمی کا قتل حلال نہیں جو یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی بھی لائق عبادت اور مشکل کشا نہیں۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ مگر اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین آدمیوں کو مستثنیٰ فرمایا ہے کہ ان کا قتل روا ہے۔ پہلا جان بدلے جان کے اور دوسرا شادی شدہ مرد جو زنا کرے اور شادی شدہ عورت کا بھی یہی حکم ہے جیساکہ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے اور ان کی سزا کو شریعت میں سنگسار کہتے ہیں۔ اس کی مزید تفصیل تو خلاصہ تفسیر جلد خامس میں بیان ہو چکی ہے۔ جو چاہے وہاں دیکھ لے۔

یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ شادی شدہ زانی مرد ایک قسم کا ڈاکو

رہزن اور قزاق ہے اور شادی شدہ زانیہ عورت اس بنیادی یونٹ کی غدار ہے جس نے سازش کے تحت غیر کی کھیتی اور ملکیت پر ڈاکوؤں سے ناجائز قبضہ کرایا ہے اور ایسے عناصر کی سزا قتل سولی وغیرہ پوری دنیا میں مسلّم ہے اور اس پر عمل ہو رہا ہے اور یہ سزا انصاف کے منافی تصور نہیں کی جاتی اور جب ایک ملکی ڈاکو اور غدار کی سزا مسلّم ہے تو ملک کے بنیادی یونٹ کے ڈاکو اور غدار کی سزا یقیناً اور بطریقہ اولیٰ یہی ہونی چاہیئے لہٰذا اسلام نے ایسے افراد کی سزا سنگسار مقرر کی ہے۔ تیسرے اس شخص کا قتل بھی جائز فرمایا ہے جو دین اسلام چھوڑ دے۔ اس کی بھی بڑی لمبی تفصیل ہے جو انشاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ ہر مسلمان کی حیثیت ایک سپاہی اور فوجی کی ہے۔ فوجیوں کے لیے یہ مانا ہوا اصول ہے کہ جو محاذ جنگ سے فرار اختیار کرے اسے شوٹ کر دیا جاتا ہے اور اسے انصاف کے منافی نہیں سمجھتے کیونکہ وہ حکومت کا تنخواہ دار ہوتا ہے لہٰذا اسلام نے بھی مرتد کی یہی سزا مقرر کی ہے۔ کیونکہ وہ سپاہی خدا کی مخلوق ہے اور اسی کا دیا ہوا کھاتا پیتا ہے۔

دوسری حدیث یہاں حضرت ابی امامہ والی ہے یہ پہلی حدیث کی تشریح ہے اور تیسری حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو والی ہے۔ اس سے ایک شبہ کا ازالہ مقصود ہے۔ شبہ یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک مومن کے ہاتھ سے جب دوسرا مومن قتل ہو جائے تو اس کے بدلے میں اُسے کیوں قتل کیا جاتا ہے حالانکہ وہ بھی تو ایک مومن ہی ہے اور جو مفاد مقتول مومن سے وابستہ ہیں قاتل سے بھی وہی مفاد وابستہ ہیں۔ اور اس کی حماقت سے جب ایک گھر کا چراغ بجھ گیا ہے تو دوسرے گھر کو خواہ مخواہ کیوں ویران کیا

جائے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دیا ہے کہ ایک مومن کا قاتل ظالموں کی صف میں کھڑا ہو جاتا ہے اور اگر زمین کے رہنے والے سارے ایسے ہی ہوں تو اللہ تعالی کے نزدیک ایک مومن مسلمان کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ اس نے اس قتل کے جرم عظیم کا ارتکاب کر کے ظلم کی ایک ایسی روایت قائم کر دی ہے کہ جس سے باقی معاشرے کا بچ جانا ممکن ہے اور اس کا انسداد قصاص کے سوا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے خداوند پاک نے قصاص رکھا ہے تاکہ باقی لوگ امن وامان سے رہ سکیں۔ بہر حال یہ تو مومن کے قاتل کی دنیاوی سزا ہے۔

کافر کے اقرار توحید کے بعد جو مسلمان اسے قتل کرے گا اس پر بھی قصاص ہے

عَنِ الْمِقْدَادِ ابْنِ الْاَسْوَدِ اِنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَئَيْتَ اِنْ لَقِيْتُ رَجُلًا مِّنَ الْكُفَّارِ فَاقْتَتَلْنَا فَضَرَبَ اِحْدٰى يَدَيَّ يَدَيَّ بِالسَّيْفِ فَقَطَعَهَا ثُمَّ	مقداد بن اسود سے روایت ہے انہوں نے کہا یا رسول اللہ آپ کا کیا خیال ہے کہ میں کسی کافر آدمی کو ملوں پھر ہم آپس میں لڑ پڑیں اور وہ میرے ایک ہاتھ پہ تلوار مارے اور اسے کاٹ دے پھر

لَاذَ مِنِّیْ بِشَجَرَۃٍ	وہ پناہ لے میری طرف
فَقَالَ اَسْلَمْتُ	ساتھ ایک درخت کے پھر
لِلّٰہِ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ	کہے کہ میں اللہ کے لیے
فَلَمَّا اَھْوَیْتُ	اسلام لایا ہوں اور ایک
لِاَقْتُلَہٗ قَالَ	روایت میں ہے کہ جب میں
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ	مائل ہوا تاکہ اسے قتل کروں
اَاَقْتُلُہٗ بَعْدَ	تو اس نے کہا کہ لَآ اِلٰہَ
اَنْ قَالَھَا قَالَ	اِلَّا اللّٰہُ کیا میں اسے قتل
لَا تَقْتُلْہُ فَقَالَ	کروں بعد اس کے کہ اس
یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ	نے وہ کلمہ کہہ دیا ہے، تو
اِنَّہٗ قَطَعَ	آپ نے فرمایا اسے مت
اِحْدٰی یَدَیَّ	قتل کر۔ اس نے کہا، یا
فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ	رسول اللہ اس نے میرا
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ	ایک ہاتھ کاٹا ہے تو رسول
وَسَلَّمَ لَا تَقْتُلْہُ	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فَاِنْ قَتَلْتَہٗ	نے فرمایا اسے مت قتل کر
فَاِنَّہٗ بِمَنْزِلَتِکَ	پس اگر تو اسے قتل کرے
قَبْلَ اَنْ	گا تو بے شک وہ تیرے
تَقْتُلَہٗ وَاِنَّکَ	مرتبہ میں ہے قبل اس کے
بِمَنْزِلَتِہٖ قَبْلَ	کہ تو اسے قتل کرے اور
اَنْ یَّقُوْلَ کَلِمَتَہٗ	بے شک تو اس کے مرتبہ

الَّتِیْ قَالَ۔
(متفق علیہ)

میں ہوگا اس کے وہ کلمہ کہنے سے پہلے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے لڑوں یہانتک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کا رسول ہے اور نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں پھر وہ جب ایسا کریں تو انہوں نے مجھ سے اپنا خون اور مال بچالیا سوائے اسلام کے حق کے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔

(یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ کتاب القصاص سے منقول ہیں)

تشریح احادیث

یہاں اس باب میں دو احادیث منقول ہیں۔ پہلی حضرت مقداد

والی ہے اور دوسری ابن عمر والی ہے۔ حضرت مقداد والی حدیث میں تو انہوں نے بذاتِ خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے جو استفسار کیا اور آپ نے جو اس کا جواب مرحمت فرمایا وہ منقول ہے۔ حضرت مقداد کے استفسار کا مقصد یہ ہے کہ ایک مسلمان کا کافر سے جب مقابلہ ہو اور وہ کافر مسلمان کو زخمی بھی کر دے اور جب مسلمان اس کو مارنا چاہے تو وہ فوراً کہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تو کیا پھر اس کے بعد مسلمان اسے مار سکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا تم اسے پھر قتل نہیں کر سکتے۔ تو حضرت مقداد نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس نے میرا ہاتھ کاٹا ہے تو آپ نے فرمایا کہ تم اس کے بدلے اسے قتل نہیں کر سکتے کیونکہ اس کے کلمہ پڑھنے سے پہلے جیسے تم معصوم تھے اور وہ غیر معصوم تھا اور اب جب کہ اس نے کلمہ پڑھ لیا ہے تو وہ معصوم ہو گیا ہے۔ اور اگر تم اب اس کو مارو گے تو تم غیر معصوم ہو جاؤ گے یعنی تمہیں اس کے بدلے قتل کیا جائے گا۔

پس اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کافر اگر کلمہ توحید پڑھ لے اور اس کا اقرار کر لے تو اس کے بعد اگر کوئی مسلمان اسے قتل کرے تو اس مسلمان کو اس کے بدلے قتل کیا جائے گا۔

اس کے بعد ابن عمر والی حدیث ہے۔ اس میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ساتھ محمد رسول اللہ اور اقامت صلوٰۃ اور دینا زکوٰۃ کا بھی ذکر ہے پس معلوم ہوا کہ حضرت مقداد والی حدیث مجمل ہے اور ابن عمر والی میں تفصیل ہے یعنی دوران جنگ اگر ایک کافر صرف لا الٰہ الا اللہ پڑھ دے تو مسلمانوں کو اس کے قتل سے فوراً ہاتھ روک لینا چاہیئے۔ اور اس

کے ساتھ کفریہ عقائد اور اعمال کی وجہ سے اسے قتل نہیں کر سکتے۔ اسے جو قتل کرے گا وہ خود اسلامی قانون کے موافق اس کے قصاص میں مارا جائے گا۔ البتہ اسے یہ وقتی تحفظ فراہم کیا گیا ہے ہمیشہ کے لیے نہیں ہے۔ اس کے بعد اس نے لا الٰہ الا اللہ کے تقاضوں کو بھی پورا کرنا ہوگا۔ اور ان تقاضوں میں سے محمد رسول اللہ، اقامت صلوٰۃ اور ایتاء الزکوٰۃ بھی ہے۔ اگر ان کو پورا کرے گا تو وہ معصوم الدم ہوگا ورنہ نہیں ہوگا۔ اس کی مزید تفصیل اظہار اسلام کی بحث میں گزر چکی ہے

پس خلاصہ اور لب لباب یہ نکلا کہ یہ دونوں احادیث کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ الخ اور اِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ الخ کی تفسیر ہیں۔ کیونکہ ان آیتوں میں نفس کی تشریح نہیں ہے کہ کیسے نفس کے بدلے قصاص ہے اور کیسے نفس کے بدلے قصاص نہیں ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں متعین فرما دیا ہے کہ اضطراری کلمہ پڑھنے والا بھی نفس محترم ہے اور اس کے قاتل پر بھی قصاص ہوگا اور ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تشریح اور تفسیر قرآن کے لیے احادیث کا ہونا بہت ضروری ہے۔ احادیث کے سوا قرآن سمجھ میں نہیں آسکتا۔

قتل ناحق سے آدمی شقی القلب ہو جاتا ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ	ابن عمر سے مروی ہے کہ
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	نے فرمایا مومن اپنے دین

لَنْ يَّزَالَ الْمُؤْمِنُ فِیْ فُسْحَةٍ مِنْ دِيْنِهٖ مَا لَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا (بخاری)

کی وجہ سے ہمیشہ کشادگی میں ہوگا جب تک کہ خونِ حرام کا ارتکاب نہ کرے۔

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ مُعْنِقًا صَالِحًا مَا لَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا فَاِذَا اَصَابَ دَمًا حَرَامًا بَلَّحَ ۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد)

ابی درداء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہمیشہ مومن نیکی میں جلدی کرتا ہے جب تک کہ حرام خون کا ارتکاب نہ کرے اور جب حرام خون کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کی خوشی بند ہو جاتی ہے۔

تشریح احادیث

یہ دونوں حدیثیں کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی الآیۃ کی تفسیر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کام سے منع فرماتے ہیں وہ کام کرنے میں انسان کا نقصان ہوتا ہے۔ اور وہ نقصان دو قسم کا ہے دنیاوی اور اخروی۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں خونِ ناحق کا دنیاوی نقصان قصاص

بیان فرمایا ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں ایک اور دینی نقصان بیان فرمایا ہے کہ قتل ناحق سے آدمی قسی القلب ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو الفاظ میں ایک فِیْ فُسْحَةٍ مِّنْ دِیْنِہٖ اور دوسرا مُعْنِقًا صَالِحًا۔ ان دونوں کا مقصد ایک ہی ہے کہ جب تک آدمی خونِ ناحق اور ناجائز قتل کا ارتکاب نہ کرے اس وقت تک پورے شرحِ صدر اور مستعدی کے ساتھ وہ اسلامی اور دینی اصول پر عمل کرتا ہے اور بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیتا ہے۔ اور جب کسی ناحق خون کا مرتکب ہو جاتا ہے تو پھر اس کے دل میں سختی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ برنیکی سے نفرت کرتا ہے اور برائی کا عادی ہو جاتا ہے۔ ویسے تو برائی کرنے سے انسان پر بھی اثر پڑتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ حدیث میں یہ تصریح موجود ہے کہ جرائم پیشہ کا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور اسے توبہ کی توفیق نہیں رہتی مگر ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل ناحق سے یہ اثر زیادہ ہوتا ہے اور اسکا نتیجہ یہ ہو گا کہ اس کے دل میں بے رحمی پیدا ہو گی۔ وہ جب چاہے گا دوسرے کو قتل کر دے گا۔ اور کسی کا مال لوٹ لے گا۔ اس کے نزدیک نیکی بدی ظلم زیادتی، انصاف اور غیر انصافی، حلال و حرام کا امتیاز ختم ہو جائے گا اور یہ تفاوت اس کے اپنے لیے بھی تباہ کن ہے اور بقیہ معاشرہ کے لیے بھی یہ خونِ ناحق کا دنیاوی نقصان ہے۔

باپ پر بیٹے کا قصاص نہیں

اور بیٹے پر باپ کا قصاص ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُقَامُ الْحُدُوْدُ فِي الْمَسَاجِدِ وَلَا يُقَادُ بِالْوَلَدِ الْوَالِدُ (ترمذی)

ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حدیں مساجد میں نہ قائم کی جائیں اور نہ قصاص لیا جائے باپ سے بیٹے کے بدلے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ سُرَاقَةَ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ حَضَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقِيْدُ الْأَبَ مِنْ ابْنِهٖ وَلَا يُقِيْدُ الْاِبْنَ مِنْ

عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے اور اس نے اس کے دادا سے اور اس نے سراقہ بن مالک سے نقل کیا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا۔ آپ قصاص لیتے تھے باپ کا بیٹے سے اور نہیں قصاص لیتے تھے بیٹے

اَبِیہ۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی) کا باپ سے۔

تشریح احادیث

یہ دونوں حدیثیں قرآن مجید کی یہ آیت کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الۡقِصَاصُ اور آیت اِنَّ النَّفۡسَ بِالنَّفۡسِ کی تشریح ہیں کیونکہ ان میں سے پہلی آیت میں مطلق مقتول کا ذکر ہے اور دوسری میں مطلق نفس کا ذکر ہے ان میں یہ تفصیل نہیں ہے کہ مقتول باپ ہو یا بیٹا۔ نفس باپ کا ہو یا بیٹے کا۔ ان آیتوں میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ باپ بیٹے کو مار ڈالے یا بیٹا باپ کو مار ڈالے دونوں صورتوں میں قصاص ہونا چاہیئے۔

لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی حدیث میں فرمایا ہے کہ والد سے بیٹے کا قصاص نہیں لیا جائے گا۔ دوسری حدیث میں آپؐ کا عملی بیان فرمایا ہے کہ آپ باپ کا قصاص بیٹے سے لیتے تھے اور بیٹے کا قصاص باپ سے نہیں لیتے تھے۔ پس آپ کے اس فرمان عالی اور عملی نمونے سے معلوم ہوتا ہے کہ باپ اگر اپنے بیٹے کو مار ڈالے تو یہ قتل عمد میں شامل نہیں بلکہ یہ قتل خطاء میں شامل ہے اور قتل خطا میں قصاص نہیں دیت ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ کوئی بھی باپ اپنے بیٹے کو قصداً قتل نہیں کرتا۔ پس معلوم ہوا کہ کسی باپ کے ہاتھ سے اگر اس کا بیٹا مر جائے تو اصل میں یہ تادیبی کارروائی تھی۔ اتفاقاً وہ مر گیا ہے لہٰذا اس پر قصاص نہیں صرف دیت ہوگی۔ ہاں اگر کسی ایسے آلہ سے مارے جس سے اس کا قتل عمداً اور بالقصد معلوم ہوتا ہو تو پھر اس باپ پر بیٹے کا قصاص ہوگا جیسے چھری وغیرہ سے ذبح کر دیا۔

فقہاء نے لکھا ہے بیٹی، پوتا، پوتی وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں اور باپ کے زمرہ میں ماں، دادا، دادی، نانا اور نانی بھی شامل ہیں اور اگر کوئی بیٹا باپ کو مار ڈالے تو اس پر قصاص ہے۔ پس یہ دونوں حدیثیں کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ اور ان النفس بالنفس کی تفسیر ہیں۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ تفسیر بیان نہ فرماتے تو کوئی دوسرا آدمی یہ تفسیر بیان نہیں کر سکتا تھا۔

قصاص میں مساوات ہے

عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُوْنَ تَتَكَافَؤُا دِمَاءُهُمْ وَيَسْعٰى بِذِمَّتِهِمْ أَدْنَاهُمْ وَيَرُدُّ عَلَيْهِمْ أَقْصَاهُمْ وَهُمْ يَدٌ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ أَلَا لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ وَلَا ذُوْ عَهْدٍ فِيْ عَهْدِهٖ ۔ (ابوداؤد)	حضرت علیؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا مسلمان قصاص میں برابر ہیں اور اپنے سے ادنیٰ کے عہد امان کو پورا کرتے ہیں۔ اور دور والے مال غنیمت ان پر لوٹاتے ہیں اور وہ سارے آپس میں ایک ہاتھ کی مانند ہیں۔ خبردار نہ قتل کیا جائے کوئی مسلمان کافر کے بدلے اور نہ عہد والا اپنے عہد کے زمانہ میں۔

تشریح

یہ حدیث بھی قرآن مجید کی اس آیت كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى اور إِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ کی تفسیر ہے کیونکہ ان آیتوں میں قصاص کا حکم ہے۔ امیر و غریب۔ ادنیٰ و اعلیٰ، مرد اور عورت چھوٹے بڑے۔ اونچی قوم اور نیچی قوم کا کوئی فرق بیان نہیں فرمایا۔ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس حدیث کے پہلے جملہ میں اس نکتہ کو واضح فرما دیا ہے کہ تمام مسلمان قصاص میں برابر ہیں۔ البتہ پانچ چیزیں اور بھی آپ نے بیان فرمائی ہیں جو مساوات کا نمونہ ہیں۔

پہلی چیز یہ ہے کہ ان میں سے اگر ایک ادنیٰ مسلمان کسی کافر کو دوران جنگ اگر امان دے دے تو باقی سب اس کے امان کی رعایت کرتے ہیں اور اسے پورا کرتے ہیں۔ دوسری چیز یہ بیان فرمائی کہ مسلمان اگر کسی دوسرے علاقہ یا ملک میں جہاد لڑ رہے ہوں اور وہاں سے انہیں جو مال غنیمت ملے وہ بھی اپنے مرکز میں واپس لوٹاتے ہیں یہ نہیں کہ سارے مال پر خود ہی قبضہ کر لیں بلکہ وہ مرکز میں لوٹا کر اسلام کے اصولوں کے موافق اسے تقسیم کرتے ہیں۔ اس کی مزید تفصیل اسلامی معیشت جلد سابقہ میں گزر گئی ہے۔ اور تیسری چیز آپ نے اس حدیث میں یہ بیان فرمائی کہ تمام مسلمان آپس میں ایک ہاتھ کی مانند ہیں یعنی ان کا آپس میں اتفاق و اتحاد ہوتا ہے اور چوتھی چیز اس حدیث میں آپ نے یہ بیان فرمائی کہ مسلمان کو کافر کے بدلے میں قصاص میں قتل نہ کیا جائے۔ اس سے مراد حربی ہے یعنی کافروں کے ملک میں رہنے والا کافر ہے۔ اگر اسے کوئی مسلمان مار ڈالے تو اس

کے بدلے قصاص میں مسلمان کو نہیں مارا جائے گا۔ پانچویں چیز اس حدیث میں آپ نے یہ بیان فرمائی کہ نہ مارا جائے عہد والے کو اس کے عہد کے زمانہ میں۔ اس سے مراد ذمی کافر ہے۔ یعنی ایک کافر اسلامی حکومت سے اجازت مانگ کر اسلامی حکومت میں رہ رہا ہو اور اسے کوئی مسلمان مار ڈالے تو اسے اس کے بدلے میں قصاص میں مارا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے جس کافر کے بدلے مسلمان کو مارنے کی ممانعت آئی ہے اس سے مراد حربی ہے۔

قاتل ایک سے زیادہ ہوں تو سب پر قصاص ہے اور پکڑنے والے پر تعزیر

عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ قَتَلَ نَفَرًا خَمْسَةً اَوْ سَبْعَةً بِرَجُلٍ وَّاحِدٍ قَتَلُوْهُ غِيْلَةً وَ قَالَ عُمَرُ لَوْ تَمَالَاَ عَلَيْهِ اَهْلُ صَنْعَآ لَقَتَلْتُهُمْ جَمِيْعًا۔ (مالک۔ بخاری)	سعید ابن مسیب سے روایت ہے کہ عمرؓ بن خطابؓ نے پانچ یا سات آدمی ایک آدمی کے بدلے میں قتل کئے تھے۔ وہ خفیہ طور پر قتل کیا گیا تھا۔ اور عمرؓ نے کہا کہ اگر سارے اہل صنعا اسے قتل کرتے تو میں ان سب کو قتل کرتا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا اَمْسَكَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ وَ قَتَلَهُ الْاٰخَرُ يُقْتَلُ الَّذِىْ قَتَلَ وَ يُحْبَسُ الَّذِىْ اَمْسَكَ۔	ابن عمر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا کہ اگر ایک آدمی دوسرے کو پکڑے اور دوسرا اسے قتل کرے تو قاتل کو قتل کیا جائے گا اور پکڑنے والے کو گرفتار کیا جائیگا۔

(یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ سے منقول ہیں)

تشریح

یہ حدیثیں بھی قرآن مجید کی ان آیات کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى الخ اور اِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ الخ کی تفسیر ہیں کیونکہ ان آیتوں میں صرف قصاص کا ذکر ہے یہ ذکر نہیں ہے کہ قاتل ایک ہو تو کیا حکم ہے اور زیادہ ہوں تو کیا حکم ہے؟ اور اسی طرح کچھ قاتل ہوں اور کچھ پکڑنے والے ہوں تو کیا حکم ہے؟

ان احادیث میں ایک تو حضرت عمرؓ کا عملی نمونہ ہے اور دوسرا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی ہے۔ حضرت عمرؓ کا عملی نمونہ یہ ہے کہ آپ نے ایک آدمی کے بدلے قصاص میں پانچ یا سات آدمیوں کو قتل کیا جو اس ایک آدمی کے قتل میں شریک تھے اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اگر صنعا کے رہنے والے اس ایک آدمی کے قتل میں

شریک ہوتے تو میں ان سب کو قتل کرتا۔ حضرت عمرؓ کے اس فعل اور قول سے ایک تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا سنا ہوگا اور دوسرا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت عمرؓ نے بھی ان آیات سے یہی سمجھا ہوگا تب انہوں نے ایسا کیا اور فرمایا۔ بات اصل میں یہ ہے کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ کے مخاطب ایک ایماندار بھی ہے اور زیادہ بھی ہیں۔ اور اسی طرح اِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ کا یہ لفظ اسم جنس ہے اس کا اطلاق قلیل اور کثیر پر ہوتا ہے۔ اس قاعدہ سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر قاتل ایک سے زیادہ ہوں تب بھی ان پر قصاص ہے۔

اس کے بعد جو ابن عمرؓ والی حدیث ہے اس میں آپؐ نے تفصیل بیان فرما دی ہے کہ ایک پکڑے اور دوسرا اسے قتل کرے تو قاتل پر تو قصاص ہے اور پکڑنے والے پر تعزیر ہے اسے قید کرنا ہے مگر یہ قید حاکم کی صوابدید پر موقوف ہے چاہے عمر بھر قید کرے یا کچھ عرصہ کے لیے قید کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر دونوں یا زیادہ قاتل ہوں تو ان پر قصاص ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر کوئی ایک آدمی جماعت کا قاتل ہو تو اس پر بھی قصاص ہے اور اسے اس جماعت کے بدلے قصاص میں مارا جائے گا۔

اگر قتل بالارادہ ہو تو مقتول کے ورثاء قاتل سے قصاص لے سکتے ہیں،

عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَتَلَ مُتَعَمِّدًا دُفِعَ اِلٰى اَوْلِيَاءِ الْمَقْتُوْلِ فَاِنْ شَآءُوْا قَتَلُوْا وَاِنْ شَآءُوْا اَخَذُوا الدِّيَةَ وَهِيَ ثَلٰثُوْنَ حِقَّةً وَثَلٰثُوْنَ جَذَعَةً وَاَرْبَعُوْنَ خَلِفَةً وَمَا صَالَحُوْا عَلَيْهِ فَهُوَ

عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے اور اس نے اس کے دادا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قصداً قتل کیا اسے مقتول کے وارثوں کو سونپا جائے۔ اگر وہ چاہیں تو اسے قتل کریں اور اگر چاہیں تو اس سے دیت لیں اور وہ دیت تیس اونٹنیاں جو چوتھے برس میں لگی ہوں اور تیس اونٹنیاں جو پانچویں برس میں لگی ہوں اور چالیس حاملہ اونٹنیاں۔ اور جس پر وہ صلح کر لیں تو وہ انکے

لَهُوَ (ترمذی)

عَنْ اَبِیْ شُرَیْحِ الْخُزَاعِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ اُصِیْبَ بِدَمٍ اَوْ خَبْلٍ وَالْخَبْلُ الْجُرُوْحُ فَهُوَ بِالْخِیَارِ بَیْنَ اِحْدٰی ثَلٰثٍ فَاِنْ اَرَادَ الرَّابِعَةَ فَخُذُوْا بِیَدَیْهِ بَیْنَ اَنْ یَقْتَصَّ اَوْ یَعْفُوَا اَوْ یَاْخُذَ الْعَقْلَ فَاِنْ اَخَذَ مِنْ ذٰلِكَ شَیْئًا ثُمَّ عَدَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهُ النَّارُ خَالِدًا مُخَلَّدًا اَبَدًا۔

لیے ہے۔

ابی شریح خزاعی نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے جو شخص خون یا زخم کا مصیبت زدہ ہو تو اسے تین چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہے پھر وہ اگر چوتھی چیز کا ارادہ کرے تو اسکا ہاتھ پکڑو تین چیزیں یہ ہیں قصاص لے یا معاف کرے یا دیت لے اگر اس نے ان تین میں سے کچھ لیا اور اس کے بعد پھر زیادتی کی تو اس کے لیے آگ ہے ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔

(یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ سے منقول ہیں)

تشریح احادیث

یہاں اس بحث میں دو حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ پہلی عمرو بن شعیب والی ہے اور دوسری ابی شریح خزاعی والی۔ اور یہ دونوں حدیثیں اس باب مذکورہ سورۃ بنی اسرائیل کی اس آیت (وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا الآیۃ) کی تفسیر ہیں۔ کیونکہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ جو مظلوم مارا جائے تو اس کے وارثوں کو ہم نے تسلّط دیدیا ہے۔ اب مظلوم سے کیا مراد ہے اور تسلّط سے کیا مراد ہے۔ اس میں اجمال ہے اور عمرو ابن شعیب والی حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی وضاحت فرما دی کہ مظلوم سے مراد جان بوجھ کر اور قصدًا مارا ہوا اور تسلّط سے مراد یہ ہے کہ قاتل مقتول کے وارثوں کے حوالہ کیا جائے اور انہیں تین اختیار ہیں۔ دو اس حدیث میں بیان فرماتے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ وہ اس سے قصاص لیں اور دوسرا یہ ہے کہ اس سے خون بہا لیں اور خون بہا کی تفصیل ان شاء اللہ عنقریب بیان ہو گی اور دوسری حدیث ابی شریح خزاعی والی ہے۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری چیز یہ بیان فرمائی کہ ورثاء قصاص یا دیّت کو معاف بھی کر سکتے ہیں، اور آخر میں فرمایا جو آدمی ان تین چیزوں میں سے ایک اختیار کر کے پھر قاتل یا اس کے وارثوں پر کسی قسم کی زیادتی کریگا تو وہ دوزخی ہوگا

عَنْ جَابِرٍ قَالَ	حضرت جابر سے روایت
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ	ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أُعْفِيْ مَنْ قَتَلَ بَعْدَ أَخْذِ الدِّيَةِ۔

علیہ وسلم نے فرمایا میں اس شخص کو معاف نہیں کرونگا جو دیت لینے کے بعد قتل کرے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد)

تشریح حدیث

اس سے پہلی حدیث میں اس شخص کی اُخروی سزا بیان فرمائی جو قصاص، معافی یا دیت لینے کے بعد قاتل یا اس کے وارثوں پر زیادتی کرے۔ اور حضرت جابر والی اس حدیث میں آپ نے فرمایا ہے کہ میں اس شخص کو معاف نہیں کروں گا۔ جو دیت لینے کے بعد پھر قاتل یا اس کے وارثوں پر زیادتی کرے یعنی اس پر قصاص ہوگا۔ اور یہ دیت کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں ہے۔ یعنی یہ مقصد نہیں کہ اگر کوئی دیت لے کر زیادتی کرے تو اس پر تو قصاص ہے اور اگر قصاص لے کے یا معاف کر کے زیادتی کرے تو اس پر قصاص نہیں بلکہ اصلی مقصد یہ ہے کہ معاف کر کے یا قصاص لے کے یا دیت وصول کر کے پھر مقتول کے ورثاء اگر قاتل کے ورثاء پر اگر کسی قسم کی زیادتی کریں، تو ان پر قصاص ہوگا۔

قصاص و دیت معاف کرنے کی فضیلت

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا مِنْ رَجُلٍ یُصَابُ بِشَیْءٍ فِیْ جَسَدِہٖ فَتَصَدَّقَ بِہٖ اِلَّا رَفَعَہُ اللّٰہُ بِہٖ دَرَجَۃً وَحَطَّ عَنْہُ خَطِیْئَۃً۔

(مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی)

ابو درداء فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ جس آدمی کو بدن میں کوئی بھی تکلیف پہنچائی جائے پھر وہ اسے معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بلند کرتے ہیں اور ایک گناہ معاف کرتے ہیں

تشریح

یہ حدیث بحث قتل میں مذکوران دو جملوں (فَمَنْ عُفِیَ لَہٗ مِنْ اَخِیْہِ شَیْءٌ اور فَمَنْ تَصَدَّقَ بِہٖ فَهُوَ کَفَّارَۃٌ لَّہٗ) کی تفسیر ہے اس میں آپ نے فرمایا ہے کہ اگر آدمی کو کسی کی طرف سے کوئی جسمانی تکلیف پہنچے مثلاً کسی نے کسی کو قتل کر دیا یا زخمی کر دیا اور پھر اس پر قصاص یا دیت واجب ہو گئی اور پھر مقتول یا مجروح کے وارثوں نے وہ قصاص یا دیت معاف کر دی تو ان کا ایک گناہ معاف ہو گا اور

ایک درجہ بلند ہوگا۔ پس اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول یا مجروح کے ورثار کو معاف کرنے کی ترغیب دی ہے اور آپ نے اس حدیث میں حکام کو بھی مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان اسی طرح صلح کرانے کی تعلیم دی ہے۔

اقرار توحید کرنے والا غلط فہمی میں مارا جائے تو قاتل پر قصاص اور دیت نہیں

عَنْ اُسَامَةَ ابْنِ زَيْدٍ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اُنَاسٍ مِّنْ جُهَيْنَةَ فَاَتَيْتُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ فَذَهَبْتُ اَطْعَنُهٗ فَقَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَطَعَنْتُهٗ فَقَتَلْتُهٗ فَجِئْتُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ	اسامہ بن زید نے فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جُہینہ (قبیلہ) کے لوگوں کی طرف بھیجا۔ تو میں نے ان میں سے ایک آدمی پر حملہ کیا اور میں اسے نیزے سے مارنے لگا تو اس نے کہا لا الٰہ الا اللہ میں نے پھر بھی اسے نیزہ مارا اور اسے قتل کر دیا پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے آپ کو بتایا تو آپ صلی اللہ

اَقَتَلْتَهٗ وَقَدْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا فَعَلَ ذٰلِكَ تَعَوُّذًا قَالَ فَهَلَّا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ -
(متفق علیہ)

علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو نے اسے قتل کیا ہے حالانکہ اس نے کہا ہے لا الہ الا اللہ۔ میں نے کہا کہ اس نے جان بچانے کے لیے ایسا کیا تھا، تو آپ نے فرمایا پھر تو نے اسکے دل کو کیوں نہ پھاڑا؟

رِوَايَةِ جُنْدُبِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَجَلِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَهٗ مِرَارًا - (یہ دونوں حدیثیں مشکوۃ سے منقول ہیں)

جندب بن عبداللہ بجلی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیسے کریگا تو ساتھ لا الہ الا اللہ کے جب وہ قیامت کے دن آئے گا۔ آپ نے یہ جملہ بار بار فرمایا۔

تشریح

یہ حدیث بھی باب قصاص میں جو آیات ہیں ان کی تشریح اور تفسیر ہے۔ واقعہ اصل میں یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ جہینہ کی طرف مجاہدین کا ایک دستہ بھیجا تو ان میں سے ایک نے

ان مجاہدین کو دیکھ کر کلمہ پڑھا۔ یہ اسلام کا اظہار تھا مگر حضرت اسامہ بن زید نے یہ سمجھا کہ شاید یہ اپنی جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا ہے یہ دھوکہ دینا چاہتا ہے اس لیے اسے قتل کر دیا مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ بہت ناراض ہوتے مگر آپ نے اسامہ بن زید پر نہ قصاص لازم کیا اور نہ دیّت۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ ایسی غلط فہمی کی حالت میں اگر کسی مسلمان کے ہاتھ سے کوئی ایسا نومسلم مارا جائے تو قاتل پر قصاص بھی نہیں اور دیّت بھی نہیں۔ کیونکہ اگر قصاص یا دیت اس پر لازم ہوتی تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ بن زید پر لازم کرتے۔

عموم بلوہ کے مقتول کا قصاص نہیں دیّت ہے

عَنْ طَاوُسٍ عَنِ	طاؤس نے ابن عباس
ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ	سے اور اس نے رسول اللہ
رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ	صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ	کیا ہے۔ آپ نے فرمایا جو
قُتِلَ فِیْ عِمِّیَّۃٍ	شخص اندھا دھند میں
فِیْ رَمْیٍ یَکُوْنُ	مارا جائے جو انکے درمیان
بَیْنَھُمْ بِالْحِجَارَۃِ	پتھروں سے کوڑوں سے
اَوْ جَلْدٍ بِالسِّیَاطِ	اور لاٹھی چلانے سے واقع
اَوْ ضَرْبٍ بِعَصًا فَھُوَ	ہوئی ہو تو وہ قتل خطا ہے

خطاءٌ وَعَقْلُهٗ عَقْلُ	اور اس کی دیّت ۔ دیّت
الْخَطَاءِ وَمَنْ	خطا والی ہے ۔ اور جو
قُتِلَ عَمْدًا فَهُوَ	شخص جان بوجھ کر مارا
قَوَدٌ وَمَنْ حَالَ	جائے تو اس کا قصاص
دُوْنَهٗ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ	ہے اور جو اس کے درمیان
اللّٰهِ وَغَضَبُهٗ لَا	حائل ہو تو اس پر اللہ کی
يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ	لعنت اور غصہ ہے ۔ اور
وَلَا عَدْلٌ ۔	اس کی نفلی اور فرض عبادت
(مشکوٰۃ بحوالہ نسائی، ابوداؤد)	قبول نہیں کی جائے گی ۔

تشریح حدیث

یہ حدیث بھی كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى اور اِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ کی تشریح ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو اندھا دُھند میں مارا جائے وہ قتل خطا ہے ۔ قتل عمد نہیں ہے کیونکہ ایسے موقعہ پر پتہ نہیں چلے گا کہ قاتل کون ہے ۔

پس اس سے معلوا ہوا کہ قصاص اس وقت واجب ہوتا ہے جب قاتل کا علم ہو اور قتل بالقصد ہو ۔ البتہ اس کی دیّت لازم ہو گی ۔ اور فرمایا کہ اس میں جو رکاوٹ بنے گا اس پر اللہ کی لعنت ہے غصہ ہے اور اس کی نفلی اور فرض عبادت قبول نہیں ہوتی ۔

اعضا اور زخموں کا قصاص

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ يَهُوْدِيًّا رَضَّ رَاْسَ جَارِيَةٍ بَيْنَ حَجَرَيْنِ فَقِيْلَ لَهَا مَنْ فَعَلَ بِكِ هٰذَا اَفُلَانٌ اَفُلَانٌ حَتّٰى سُمِّيَ الْيَهُوْدِيُّ فَاَوْمَتْ بِرَاْسِهَا فَجِيْئَ بِالْيَهُوْدِيِّ فَاعْتَرَفَ فَاَمَرَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُضَّ رَاْسُهٗ بِالْحِجَارَةِ۔

(متفق علیہ)

انس سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچلا۔ تو اس لونڈی سے کہا گیا کہ تیرے ساتھ یہ ایسا کس نے کیا ہے کہا فلاں فلاں نے یہاں تک کہ یہودی کا نام لیا گیا تو اس نے اپنے سر سے اشارہ کیا۔ پھر یہودی لایا گیا اور اس نے اعتراف کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں حکم دیا تو اس کا سر پتھر سے کچلا گیا۔

وَعَنْهُ قَالَ كَسَرَتِ الرُّبَيِّعُ (وَهِيَ عَمَّةُ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ)

اور اسی انس سے روایت ہے کہ رُبَیِّعْ نے (جو انس بن مالک کی پھوپھی

ثَنِيَّةَ جَارِيَةٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَاَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَ بِالْقِصَاصِ فَقَالَ اَنَسُ ابْنُ النَّضْرِ (عَمُّ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ) لَا وَاللّٰهِ لَا تُكْسَرُ ثَنِيَّتُهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَنَسُ كِتَابُ اللّٰهِ الْقِصَاصُ فَرَضِيَ الْقَوْمُ وَقَبِلُوا الْاَرْشَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ مَنْ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ (متفق علیہ)

ہے) انصار کی ایک لڑکی کا دانت توڑا۔ پھر وہ آئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تو آپ نے قصاص کا حکم دیا تو انس بن نضر نے (جو انس بن مالک کے چچا تھے) کہا نہیں قسم ہے اللہ کی اس کے دانت نہیں توڑے جائیں گے یا رسول اللہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انس اللہ کا حکم قصاص ہے۔ پس قوم راضی ہو گئی اور انہوں نے دیت قبول کر لی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ کے بندوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں اگر وہ قسم کھا بیٹھیں اللہ پر تو اللہ انہیں بری کرتا ہے۔

عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ عَبْدَهٗ قَتَلْنَاهُ وَمَنْ جَدَعَ عَبْدَهٗ جَدَعْنَاهُ رواه الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجه والدارمی وزاد النسائی فی روایة ومن خصی عبدہٗ خصیناہٗ۔	حضرت حسن نے سمرہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے غلام کو قتل کرے تو ہم اسے قتل کریں گے اور جو اعضا کاٹے اپنے غلام کے تو ہم اس کے اعضاء کاٹیں گے۔ یہ روایت ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ اور دارمی نے نقل کی ہے اور نسائی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ جو خصی کرے اپنے غلام کو تو ہم اسے خصی کریں گے۔

(یہ تینوں احادیث مشکوٰۃ سے منقول ہیں)

تشریح احادیث

یہاں اس بحث میں تین احادیث نقل کی گئی ہیں۔ اور یہ تینوں قرآن مجید کی ان آیات (كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى اور اِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ الآیۃ) کی تشریح ہیں۔ پہلی دو حدیثیں حضرت انسؓ سے مروی اور تیسری حسن سے منقول ہے۔

حضرت انسؓ کی پہلی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی

نمونہ منقول ہے کہ آپؐ نے ایک لڑکی کا سر کچلنے کے بدلے ایک یہودی کا سر کچلا تھا۔ دوسری حدیث میں بھی آپؐ کا عملی نمونہ مذکور ہے کہ آپؐ نے ایک لڑکی کے اگلے دانت توڑنے کے بدلے اس کے دانت توڑنے والی عورت کے دانت توڑنے کا حکم دیا تھا مگر بعد میں فریقین خون بہا پر راضی ہو گئے اور ان کی آپس میں صلح ہو گئی۔

تیسری حدیث جو حضرت حسن سے منقول ہے۔ اس میں آپ کا فرمان منقول ہے کہ جو آدمی اپنے غلام کو قتل کرے تو ہم اسے اس کے بدلے میں قتل کریں گے۔ اور جو اپنے غلام کے اعضاء کان وغیرہ کاٹے تو ہم اس کے بدلے میں اس کے اعضاء کاٹیں گے اور جو اپنے غلام کو خصّی کرے تو ہم اسے خصّی کریں گے اور غلام کا ذکر احترازی نہیں ہے بلکہ حُر کا بھی یہی حکم ہے اور خصوصی طور پہ غلام کا ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر غلام کے ساتھ کوئی ایسا برتاؤ کریگا تب بھی ہم اس سے قصاص لیں گے۔ پس معلوم ہوا کہ حُر کا بھی بطریقہ اولیٰ قصاص ہو گا۔

قتل معاہد کی ممانعت اور اسکی دنیاوی سزا

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ۝

(سورۃ النساء آیت ۹۰)

البتہ وہ کافر اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو کسی قوم سے جا ملیں جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو۔ یا وہ جو لڑائی سے دل برداشتہ ہو کر تمہارے پاس آتے ہیں۔ نہ تم سے لڑتے ہیں اور نہ اپنی قوم سے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں تم پر مسلط کر دیتا پھر وہ تم سے لڑتے۔ سو اگر وہ تم سے یک سو رہیں اور تم سے نہ لڑیں اور تمہاری طرف صلح کا ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے تمہیں ان پر کوئی راہ نہیں دی۔

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ

اور اگر وہ صلح کے لیے مائل ہوں تو تم بھی مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو بے شک وہی سننے والا

الْعَلِيْمُ (سورۃ الانفال آیت ۶۱)	جاننے والا ہے ۔
وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ	اور اگر کوئی مشرک تم سے
الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ	پناہ مانگے تو اسے پناہ دے
فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ	دو یہاں تک کہ اللہ کا
كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ	کلام سُنے پھر اسے اس
مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ	کی امن کی جگہ پہنچا دو یہ
قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝	اس لیے ہے کہ وہ بے سمجھ
(سورۃ التوبہ آیت ۶)	ہیں ۔

تفسیر

یہاں اس بحث میں تین آیات دی گئی ہیں ۔ پہلی سورۃ نساء کی آیت نمبر ۹۰ ہے ۔ دوسری سورۃ انفال کی آیت نمبر ۶۱ ہے اور تیسری سورۃ توبہ کی آیت ۶ ہے ۔

سورۃ النساء کی آیت سے پہلے مسلمانوں کو کافروں کے خلاف جہاد کا حکم مذکور ہے اور اس آیت نمبر ۹۰ میں کافروں کی تین جماعتوں سے جنگ کی ممانعت فرمائی ہے ۔ پہلی جماعت ان کافروں کی ہے جو مسلمانوں کی کسی حلیف جماعت کے معاہد اور حلیف ہوں ۔ دوسری جماعت ان کافروں کی ہے جو مسلمانوں سے شکست کھا کر ہتھیار ڈال دیں ۔ اور تیسری جماعت ان کافروں کی ہے جو اپنی کافر قوم سے شکست کھا کر ترکِ وطن کر کے مسلمانوں کی پناہ میں آئیں ۔ ان تینوں جماعتوں سے لڑنے کی ممانعت فرمائی ہے ۔

دوسرے نمبر پر سورۃ انفال کی آیت ۶۱ ہے اس میں اللہ تعالٰی نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی وساطت سے آپ کی اُمت کو دو حکم دیئے ہیں۔ پہلا حکم یہ ہے کہ کافر اگر صلح کرنا چاہیں تو ان سے صلح کر لیں۔ اب صلح کی شرائط کیا ہوں گی۔ یہ وقتی اسلامی حکومت کی صوابدید پر موقوف ہے اور دوسرا حکم یہ ہے کہ اللہ پر بھروسہ کریں۔ یعنی اگر ان لوگوں کا مقصد اس صلح کی آڑ میں کوئی جنگی چال ہو اور اس سے وہ مسلمانوں کو کوئی نقصان دینا چاہتے ہوں تو اس کی فکر نہ کریں اللہ پر بھروسہ کریں اللہ تعالٰی سنتا ہے جانتا ہے وہ تمہاری ضرور نصرت کرے گا جس طرح کہ اس نے پہلے نصرت کی ہے کہ ان کو تمہارے سامنے مغلوب کر دیا ہے

اور تیسرے نمبر پر سورۃ توبہ کی آیت ۶ ہے اس میں اللہ تعالٰی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی امت کو یہ حکم دیا ہے کہ اگر کوئی مشرک آپ کے ملک میں پناہ لینا چاہے تو ان کو پناہ دو اور اس پناہ کے زمانہ میں انہیں اچھی طرح اسلامی تعلیم اور عقائد سے آگاہ کرو۔ اس کے بعد وہ اگر اپنے ملک میں واپس جانا چاہیں تو انہیں ان کی محفوظ جگہ تک پہنچا کر چھوڑو۔ اس دوران ان کو مارنے کی اجازت نہیں۔ اور اگر کوئی مسلمان اسے مار ہی دے تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ غلطی سے مارا گیا ہو۔ اس کی تفصیل انشاء اللہ العزیز عنقریب بحث قتل خطا میں آئے گی اور کوئی مسلمان اسے قصداً اور بالارادہ مار ڈالے اور وہ ذمی ہو تو اس کا قصاص ہے اور اگر وہ کافروں کے ملک میں رہنے والا ہو تو اس کا قصاص نہیں ہے۔ تفصیل مندرجہ ذیل ابواب میں ملاحظہ کی جائے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَتَلَ مُسْلِمًا بِذِمِّيٍّ۔
(ہدایہ بحوالہ دار قطنی)

ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے مسلمان کو ذمیّ کے بدلے قتل کیا ہے

عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ وَلَا ذُو عَهْدٍ فِي عَهْدِهٖ۔
(مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد)

حضرت علی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کافر کے بدلے نہ قتل کیا جائے اور نہ عہد والا اپنے عہد کے زمانے میں۔

عَنْ اَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ سَاَلْتُ عَلِيًّا وَمَا فِي الصَّحِيْفَةِ قَالَ الْعَقْلُ وَفِكَاكُ الْاَسِيْرِ وَاَنْ لَا يُقْتَلَ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ
۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد)

ابو جحیفہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی سے پوچھا کہ صحیفہ میں کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا خون بہا، قیدی چھڑانا۔ اور کہ مسلمان کافر کے بدلے نہ مارا جائے۔

تشریح احادیث

یہاں اس بحث میں تین احادیث نقل کی گئی ہیں۔ پہلی ابن عمرؓ والی ہے اور دوسری حضرت علیؓ والی ہے اور تیسری جحیفہ والی ہے۔ اور یہ تینوں احادیث قرآن مجید کی سورۃ بقرہ کی آیت ۱۷۹ (و لکم فی

القصاص حیوٰۃ) کی اور سورۃ مائدہ کی آیت ۴۵ (ان النفس بالنفس) کی تشریح اور توضیح ہیں۔ کیونکہ سورۃ بقرہ کی آیت میں فرمایا ہے کہ تمہارے لیے قصاص (مساوات) میں زندگی ہے اور مائدہ والی آیت میں فرمایا ہے کہ وہ قصاص نفس بدلے نفس کے ہے۔ اور یہ نفس عام ہے۔ اس میں مومن اور کافر کا فرق واضح نہیں فرمایا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں یہ فرق واضح فرما دیا ہے اور اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ کافر ذمی ہو تو اس آیت کے عموم میں شامل ہے کیونکہ ابن عمر والی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے خود اپنی عین حیات میں ایک مسلمان کو ذمی کے بدلے قصاص میں قتل کیا تھا۔ ذمی اس کافر کو کہتے ہیں جو اسلامی مملکت سے اسلامی ملک میں ہمیشہ رہنے کی اجازت حاصل کر لے۔ اس کے بعد اس کی جان، مال اور آبرو کا تحفظ اسلامی حکومت کا فرض ہو جاتا ہے اور جس طرح کہ سب مسلمانوں کو برابر کے حقوق حاصل ہوتے ہیں اور سب کو یکساں انصاف مہیا کیا جاتا ہے ان کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے اور انہیں بھی مسلمانوں کے برابر انصاف مہیا کیا جائے گا اور جس طرح ایک مسلمان اگر کسی مسلمان کو مار ڈالے تو اس کے بدلے اسے قتل کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر ایک مسلمان کسی ذمی کو مار ڈالے تو اس کے بدلے میں اس مسلمان کو قتل کیا جائے گا۔ اور اسی طرح ایک ذمیّ اگر کسی ذمیّ کو مار ڈالے تو اس کے بدلے اس ذمیّ کو مارا جائیگا۔ کیونکہ قصاص کا مقصد مساوات ہے اور یہ اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے،

اور حضرت علی والی حدیث میں جو فرمایا ہے کہ ذو عہد کو نہ مارو۔ اس سے مراد بھی ذمیّ ہے۔ اور اس حدیث میں جو یہ فرمایا ہے کہ مسلمان کو کافر

کے بدلے قتل نہ کیا جائے اور اسی طرح ابی جحیفہ والی حدیث میں بھی یہی فرمایا ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے۔ اس سے مراد حربی یعنی کافروں کی حکومت اور ملک میں رہنے والا کافر ہے۔ اور یہ استثناء قرآن مجید کی ان آیات کی بنا پر ہے جن میں مسلمانوں کو کافروں کے خلاف جہاد کا حکم ہے۔

سوال:

ذمی بھی کافر ہے اور حربی کافر بھی کافر ہے۔ عقیدہ کے لحاظ سے تو ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ پھر وجہ کیا ہے کہ ذمی کو تو ان النفس بالنفس کے عموم میں شامل کیا گیا ہے اور حربی کافر کو اس سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

جواب:

جب ذمی کافر اسلامی حکومت کی ماتحتی قبول کر لے تو وہ ہمیشہ کے لیے تمام مسلمانوں کی حفاظت میں آجاتا ہے۔ اور اب اس حفاظت کے زمانے میں اگر کوئی مسلمان اسے قتل کرے تو یہ تمام مسلمانوں کی بدعہدی اور عہد شکنی کا باعث بنتا ہے۔ اس لیے اس کی سزا قتل ہے اور چونکہ حربی کافروں کی طرف سے ایسا کوئی معاہدہ نہیں ہوتا اس لیے مسلمانوں پر ان کے تحفظ کی ذمہ داری بھی نہیں ہوتی۔ لہٰذا اگر کسی مسلمان کے ہاتھ سے ذمی کافر مارا جائے تو اس مسلمان پر قصاص ہوگا۔ اور اگر حربی کافر مارا جائے تو اس پر قصاص نہیں ہوگا۔

پس خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ اسلام کا نظام ایک عادلانہ نظام حیات ہے ایک اسلامی ریاست میں رہنے والے غیر مسلم کو بھی اسکی ضیاء پاشیوں

سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کا موقعہ فراہم کیا جاتا ہے۔

قاتل معاہد اگر مسلمان ہو تو اسکی اخروی سزا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرَحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَاِنَّ رِيْحَهَا تُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ اَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا۔
(مشکوٰۃ بحوالہ بخاری)

عبد اللہ بن عمرو کا فرمان ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی عہد والے کو مار دے وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا۔ اور اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت پر پائی جائیگی

تشریح

اس حدیث میں جو لفظ معاہد آیا ہے اس سے مراد وہ شخص ہے جو اسلامی حکومت کے ساتھ جنگ اور لڑائی نہ کرنے کا معاہدہ کرنے۔ پھر وہ عام ہے خواہ ذمی ہو یا مستامن یا کافروں کے ملک میں رہنے والا ہو بہر حال ایسے کافر کو مارنا اب مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے۔ اور اگر اب اسے کوئی مسلمان یا ذمی مار دے گا تو اس کی دنیاوی سزا تو اس سے پہلے باب میں بیان ہو چکی ہے۔ اور اب اس حدیث میں اس کی اخروی سزا بیان

فرمائی ہے کہ معاہد کا قاتل جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔ اور اس سے مراد اگر عدم دخول فی الجنۃ ہے تو پھر اس کا مقصد یہ ہے کہ اگر اس نے اس معاہد کے قتل کو حلال سمجھا ہے تو پھر وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ کسی چیز کو حلال و حرام قرار دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ انسان کسی چیز کو اپنی طرف حلال و حرام قرار نہیں دے سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ نے تو قتل معاہد کو حرام قرار دیا ہے جس کی تفصیل پہلے آ چکی ہے۔ لہٰذا معاہد کے قتل کو حلال قرار دینے سے وہ قاتل کافر ہو جائے گا جس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اور اگر وہ مسلمان اس کے قتل کو حلال نہ سمجھے بلکہ حرام ہی سمجھے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی سے وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو گیا ہے اور گناہ کبیرہ کا مرتکب تا دیر دوزخ میں رہے گا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دھمکی کے طور پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا ہو کہ معاہد کا قاتل جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔ تاکہ مسلمان اس کے قتل سے بچیں۔ واللہ اعلم۔

قصاص صرف اسلحہ سے لیا جائے

عَنْ اَبِیْ بَکْرٍ	ابوبکرہؓ سے روایت ہے
عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ	کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ	نے فرمایا قصاص نہیں مگر
لَا قَوَدَ اِلَّا بِالسَّیْفِ	ساتھ تلوار کے۔

(ھدایہ)

تشریح

یہ تفصیل پہلے آچکی ہے کہ اگر کوئی کسی کو جان بوجھ کر اور قصداً قتل کرے تو اس کے بدلے میں اسے مارنا ہے۔ لیکن تفصیل نہیں آئی کہ کس طرح مارنا ہے۔ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تفصیل بیان فرمادی ہے کہ یہ قصاص تلوار سے لینا ہے۔ اور فقہاء نے لکھا ہے کہ تلوار سے مراد اسلحہ ہے۔ دراصل مبنیٰ قصاص تو مساوات ہے اور مساوات تو یہ ہے کہ جس طرح قاتل نے مقتول کو مارا ہے اسی طرح اس کو بھی مارا جائے۔ مگر بعض صورتوں میں یہ مساوات ممکن نہیں ہے مثلاً اگر کسی نے دوسرے کی ہڈی توڑ دی ہے تو اس میں قصاص نہیں ہو سکے گا کیونکہ مساوات ممکن نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کاسر اور قاطع کی ہڈی زیادہ ٹوٹ جائے۔ اور بعض صورتیں شرعاً ممنوع ہیں۔ مثلاً ایک نابالغہ بچی ہے کوئی زنا کرے اور وہ مر جائے۔ یا ایک نابالغ بچے سے کوئی بدفعلی کرے اور وہ مر جائے۔ اب یہاں مساوات تو یہ ہے کہ اس زانی اور لوطی کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے مگر یہ افعال شرعاً ناجائز ہیں۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قصاص تلوار کے ساتھ لینا ہے۔ اور فقہاء نے لکھا ہے کہ تلوار سے مراد اسلحہ ہے یعنی بندوق وغیرہ سے بھی قصاص لیا جا سکتا ہے۔

بجلی کا جھٹکا دے کر مارنے سے مساوات نہیں ہو گی کیونکہ اس نے مقتول کو بے دردی سے اور اذیت دے کر مارا ہوا ہے۔ اور اب اگر اسے بجلی کا جھٹکا دے کر ماریں گے تو اس کو وہ درد اور اذیت نو

نہیں پہنچے گی جو اس نے مقتول کو پہنچائی ہے۔ اور نیز اگر تلوار وغیرہ سے اسے جب سزا دینا شروع کی جائے گی تو ہو سکتا ہے کہ دوران سزا مقتول کے وارثوں میں سے کوئی ایک بھی اس کو معافی دے دے تو اس کی جان بخشی ہو سکتی ہے اور اب اس کو مارنا شرعاً جائز نہیں ہے مگر بجلی کے جھٹکوں کی صورت میں وہ فوراً ختم ہو جائے گا۔ اور اگر اس دوران وارثوں میں سے اسے کسی نے معاف کر دیا ہو اور وہ جھٹکے سے ہلاک ہو چکا ہو گا تو یہ اس پر ظلم ہو گا۔ اس لیے تلوار وغیرہ کے ساتھ ہی قصاص لینا مساوات کے زیادہ قریب ہے۔ اور جہاں قصاص یعنی مساوات تلوار سے بھی ممکن نہ ہو تو وہاں قصاص نہیں ہو گا بلکہ وہاں غلام آزاد کرنا ہے اور یا دو ماہ مسلسل روزہ رکھنا ہے۔

بہرحال قصاص بالسیف والی حدیث بھی باب قصاص میں جو آیات ہیں ان کی تفسیر ہے۔ کیونکہ ان آیات میں اتنا فرمایا ہے کہ قصاص ہے مگر یہ نہیں بتایا کہ قصاص کس چیز سے لینا ہے۔ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے بتا دیا کہ یہ قصاص تلوار کے ساتھ لینا ہے۔ قصاص لینے کا حق اگرچہ اولیاء مقتول کو ہے۔ مگر باجماع امت ان کو اپنا یہ حق خود وصول کرنے کا اختیار نہیں کہ خود ہی قاتل کو مار ڈالیں بلکہ اس حق کے حاصل کرنے کے لیے حکم سلطان مسلم یا اس کے کسی نائب کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ قصاص کس صورت میں واجب ہوتا ہے کس میں نہیں اس کی جزئیات بھی دقیق ہیں۔ جن کو ہر شخص معلوم نہیں کر سکتا اس کے علاوہ اولیاء مقتول اپنے غصہ میں مغلوب ہو کر کوئی زیادتی بھی کر سکتے ہیں۔ اس لیے باتفاق علماء امت حق قصاص حاصل کرنے کے

لیے اسلامی حکومت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ (معارف القرآن بحوالہ قرطبی)

دیت (خون بہا)

قتل تین قسم کا ہے۔ عمد، شبہ عمد، خطا قتل عمد یہ ہے کہ جو ایسے آلہ کے ذریعہ سے واقع ہو جو آہنی یا تفریق اجزاء میں آہنی آلہ کی طرح ہو۔ جیسے دھاردار بانس یا دھاردار پتھر وغیرہ۔ اس کی تفصیل تو پہلے بیان ہو چکی ہے کہ اسکی اُخروی سزا تو گناہ کبیرہ ہے اور دنیاوی قصاص ہے مگر کہ ورثاء مقتول اسے معافی دے دیں۔ اور قتل کی دوسری قسم شبہ عمد ہے وہ یہ ہے کہ قتل تو قصداً اور جان بوجھ کر ہو مگر مذکورہ بالا آلات سے نہ ہو۔ یہ بھی گناہ کبیرہ ہے مگر اس میں قصاص نہیں ہے صرف دیت ہے جس کی تفصیل مندرجہ ذیل احادیث میں آرہی ہے۔

قتل شبہ عمد کی تعریف اور اسکی دیت

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اِنَّ دِيَةَ الْخَطَاءِ شِبْهِ الْعَمْدِ مَا كَانَ بِالسَّوْطِ وَالْعَصَا	عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار دیت خطا شبہ عمد کی جو کوڑے اور لاٹھی سے واقع ہو۔ سو اونٹ ہیں۔ اور

مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ مِنْهَا اَرْبَعُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهَا اَوْلَادُهَا۔ چالیس ان میں سے ایسے ہوں کہ ان کے پیٹوں میں ان کے بچے ہوں۔

(مشکوٰۃ بحوالہ نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح

یہ حدیث سورۃ النساء کی آیت ۹۲ کے اس جملہ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا کی تفسیر اور تشریح ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومن کے قتل خطا کی دو دنیاوی سزائیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک غلام آزاد کرنا۔ اور دوسری مقتول کے ورثاء کو خون بہا دینا۔ البتہ آخر میں فرمایا ہے کہ وہ ورثاء اگر خون بہا معاف کر دیں تو کر سکتے ہیں۔ اگر سارے وارث خون بہا معاف کر دیں تو سارا معاف ہو جائے گا۔ اور اگر بعض معاف کر دیں تو ان کا اپنا حصہ ہی معاف ہو سکتا ہے۔ بعض کے معاف کرنے سے سب کا حصہ معاف نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا جمع کا صیغہ لگایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ سارے معاف کریں تو معاف ہوگا۔ کسی ایک کے معاف کرنے سے سب کا حق معاف نہیں ہو سکتا۔ مگر اس آیت میں خون بہا کی تفصیل نہیں بیان فرمائی کہ وہ کتنی ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں وہ تفصیل بیان فرمادی ہے کہ وہ دیت سو اونٹ ہیں۔ اور آپ نے قتل شبہ عمد کی تعریف بھی بیان فرمادی ہے کہ جو کوڑے یا لاٹھی سے واقع ہو وہ قتل شبہ عمد ہے۔

عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدِ	علقمہ اور اسود سے روایت
قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ (ابْن	ہے کہ عبداللہ بن مسعود
مَسْعُوْدٍ) فِیْ شِبْهِ	نے دیت یا قتل مشابہ
الْعَمْدِ خَمْسٌ وَّ عِشْرُوْنَ	بالعمد کے بارے میں فرمایا
حِقَّةً خَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ	کہ پچیس تین سالہ اونٹ
جِذْعَةً خَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ	اور پچیس چار سالہ اونٹ
بَنَاتُ لَبُوْنٍ خَمْسٌ وَّ	اور پچیس دو سالہ اونٹ
عِشْرُوْنَ بَنَاتُ مَخَاضٍ۔	اور پچیس یک سالہ

(مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد)

تفسیر

دراصل یہ اور اس سے پہلے عمرو بن شعیب والی حدیث جو بحث قصاص میں گزری ہے دونوں سورۃ بقرہ کی اس آیت فمن عفی له من اخیه شئ فاتباع بالمعروف واداء الیه باحسان کی تفسیر ہیں یعنی اگر قاتل کو مقتول بھائی کی طرف سے اگر کچھ معافی مل جائے تو دستور کے موافق مطالبہ کرنا چاہیئے اور اسے نیکی کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے۔ اب یہ کیا ادا کرنا ہے اس کی تفصیل یہاں نہیں ہے۔

چنانچہ اس کی تفصیل جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بزبان خود بیان فرمائی ہے کہ اس سے مراد دیت ہے مگر اس میں تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر قتل عمد میں قاتل کو پوری معافی دے دی جائے مثلاً مقتول کے وارث صرف اس کے دو بیٹے تھے۔ اور ان دونوں نے اپنا حق معاف کر دیا تو قاتل

پر کوئی مطالبہ نہیں رہا۔ اور اگر پوری معافی نہ ہو مثلاً صورت مذکورہ میں دو بیٹوں میں سے ایک نے معاف کیا دوسرے نے معاف نہیں کیا تو سزائے قصاص سے تو قاتل بری ہوگیا لیکن معاف نہ کرنے والے کو نصف دیت۔ یعنی خون بہا دلایا جائے گا۔ اور خون بہا یا تو ایک سو اونٹ ہیں جن کا ذکر ان مذکورہ احادیث میں آیا ہے۔ مگر ان کی عمروں میں اختلاف ہیں چنانچہ حضرت عمرو بن شعیب والی حدیث میں ان کی عمریں یہ بتائی ہیں کہ تیس اونٹنیاں جو چھٹے برس میں لگی ہوں۔ اور تیس اونٹنیاں جو پانچویں برس میں لگی ہوں۔ اور چالیس حاملہ اونٹنیاں ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود والی حدیث میں پچیس تین سالہ اور پچیس چار سالہ اور پچیس دو سالہ اور پچیس ایک سالہ اونٹ ہیں۔ پس ان احادیث میں تعارض پیدا ہوگیا ہے۔

پس ایسے موقعہ پر محدثین حضرات کا اصول یہ ہے کہ پہلے ان دونوں احادیث متعارضہ کو تطبیق دینے کی کوشش کرتے ہیں اگر ہو جائے تو ان دونوں احادیث پر عمل کیا جاتا ہے ورنہ دونوں کو ترک کر دیا جاتا ہے۔

اور یہاں عمرو بن شعیب والی حدیث شافعیہ کے نزدیک صحت کو پہنچی ہوئی ہے اس لیے وہ اس کو ترجیح دیتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ اور احناف کی تحقیق یہ ہے کہ یہ حدیث صحت کو نہیں پہنچی اس لیے وہ عبداللہ بن مسعود والی حدیث کو ترجیح دیتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں سائب بن یزید کی روایت بھی ہے۔ وہ بھی عبداللہ بن مسعود والی روایت کی مؤید ہے۔

بہرحال یہ تو وہ صورت ہے کہ دیت میں اونٹ دینا ہو۔ اور اگرچہ اس حدیث کے شروع میں آچکا ہے کہ یہ دیت شبہ عمد کی ہے لیکن بعد میں عمرو بن

شعیب والی حدیث میں جو مندرجہ ذیل آرہی ہے یہ وضاحت فرمادی ہے کہ قتلِ عمد میں بھی دیت مغلّظہ ہی ہے۔

عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَقْلُ شِبْهِ الْعَمَدِ مُغَلَّظٌ مِثْلُ عَقْلِ الْعَمَدِ وَلَا يُقْتَلُ صَاحِبُهٗ ۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد)	عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے اور اس نے اس کے دادا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شبہ عمد کی دیت سخت ہے جس طرح کہ عمد کی دیت سخت ہے اور اس کے صاحب یعنی قاتل مارا نہیں جائے گا۔

سوال :

قرآن مجید کے اس جملہ میں تو قتل خطا کی دو دنیاوی سزائیں بیان فرمائی ہیں اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل شبہ عمد کی سزا بیان فرمائی ہے پھر یہ احادیث اس جملہ کی کس طرح تفسیر ہو سکتی ہے۔

جواب :

قرآن مجید کے اس جملہ میں جو لفظ خطاءً آیا ہے یہ قتل عمد کا مقابل ہے اور قتل عمد کی دنیاوی سزا قصاص اور اخروی دوزخ ہے جسکی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔ اور قرآن مجید کے کسی اور مقام پر قتل شبہ عمد کی دنیاوی یا اخروی سزا موجود نہیں ہے اور ظاہر بات ہے کہ اس کے جرم ہونے کی حیثیت قتل عمد کے برابر بھی نہیں ہو سکتی اور صرف قتل خطا کے برابر بھی نہیں ہو سکتی لہٰذا یہ دونوں کے درمیان ہے اور قتل عمد اور خطا کے ساتھ تقابل کے طور پر اس کی سنگینی اور معصیت ہونا تو معلوم ہوتا ہے لیکن اس کی دنیاوی سزا کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ پس جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بزبان خود اس کی دُنیاوی سزا بیان فرما دی ہے اور ساتھ قتل شبہ عمد کی تعریف بھی بیان فرما دی ہے کہ جو کوڑے اور لاٹھی سے قتل واقع ہو وہ شبہ عمد میں ہے۔ اس کی دنیاوی سزا سو اونٹ ہیں، یعنی احناف کی تحقیق میں ایک ایک قسم کے پچیس پچیس۔ اور وہ اس کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور امام شافعیؒ کی تحقیق میں عمرو بن شعیب والی حدیث صحت کو پہنچی ہوئی ہے اس لیے وہ اس پر عمل کرتے ہیں۔ اور اس کی مزید تحقیق اور تفصیل بحث قتل عمد میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ : خون بہا میں اونٹوں کے بجائے ہزار دینار یا دس ہزار درہم دینا چاہے تو بھی دے سکتا ہے۔ ایک دینار دس درہم کا ہوتا ہے اور درہم کی مقدار سکۂ مروجہ حال سے سوا چار آنہ اور ساڑھے چار آنہ کے درمیان میں ہے۔

مسئلہ : جس طرح ناتمام معافی سے مال واجب ہوتا ہے اسی طرح اگر باہم کسی مقدار مال پر مصالحت ہو جائے تب بھی قصاص ساقط ہو کر مال واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ اگر اونٹ یا اشرفیوں یا روپیوں پر صلح ٹھہرے تو ان اشیاء کی جو مقدار اوپر مذکور ہوئی ہے اس سے زیادہ پر معاملہ نہ ہو۔ البتہ اگر اور کسی جنس پر صلح ہو جائے مثلاً کوئی غلہ یا کپڑا یا گھوڑا تو جس قدر قیمت بھی ہو صلح جائز ہے پھر چاہے یہی مقررہ چیزیں لے لے۔ اور چاہے ان مقررہ چیزوں کے عوض برضامندی اشرفیاں یا روپیہ لے لے۔ مگر یہ اشرفیاں یا روپے اس اوپر والی مقدار سے زیادہ ہوں۔ لے لے سب جائز ہے۔

مسئلہ : قتل عمد میں جو دیت یا صلح سے مال واجب ہو وہ صرف قاتل کے مال میں واجب ہوتا ہے۔ مقتول کے جتنے وارث شرعی ہوں گے وہی قصاص معاف کر سکتے ہیں اور مال دیت بھی انہیں میں مشترک ہوگا۔ اور قاتل مقتول کی کسی چیز کا وارث نہیں ہوتا۔ (بیان القرآن بحوالہ ہدایہ)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ	ابو ہریرہ نے فرمایا کہ جناب
قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ	نے بنو لحیان کی ایک عورت

جَنِيْنِ اِمْرَاَةٍ مِنْ بَنِيْ لَحْيَانَ سَقَطَ مَيِّتًا بِغُرَّةٍ عَبْدٍ اَوْ اَمَةٍ ثُمَّ اِنَّ الْمَرْاَةَ الَّتِيْ قُضِيَ عَلَيْهَا بِالْغُرَّةِ تُوُفِّيَتْ فَقَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَنَّ مِيْرَاثَهَا لِبَنِيْهَا وَزَوْجِهَا وَالْعَقْلَ عَلٰى عَصَبَتِهَا۔ (متفق علیہ)

کے پیٹ کے بچے کا غرّہ غلام یا لونڈی دینے کا فیصلہ کیا جو مر کر گرا تھا پھر وہ عورت بھی فوت ہو گئی جس کے خلاف غرّہ کا فیصلہ ہوا تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ اس کی وراثت تو اس کے بیٹوں اور خاوند کی ہے اور دیت اس کے عصبوں پر ہے۔

وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ ابْنِ شُعْبَةَ اَنَّ امْرَاَتَيْنِ كَانَتَا ضَرَّتَيْنِ فَرَمَتْ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى بِحَجَرٍ اَوْ عَمُوْدِ فُسْطَاطٍ فَاَلْقَتْ جَنِيْنَهَا فَقَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنِيْنِ غُرَّةً

مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ دو عورتیں آپس میں سوکنیں تھیں۔ ایک نے دوسری کو پتھر یا خیمے کے ستون سے مار ڈالا۔ تو اس نے اس کے پیٹ کا بچہ گرا دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ کے بچے کے بارے

عَبْدًا اَوْ اَمَةً وَجَعَلَهٗ عَلٰی عَصَبَةِ الْمَرْاَةِ۔ (هذه رواية الترمذی)

میں غرہ غلام یا لونڈی کا فیصلہ کیا۔ اور اس کو عورت کی قوم پہ لازم کیا یہ ترمذی کی روایت ہے

وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ ضَرَبَتْ اِمْرَاَةٌ ضَرَّتَهَا بِعَمُوْدِ فُسْطَاطٍ وَهِیَ حُبْلٰی فَقَتَلَتْهَا قَالَ وَاِحْدٰهُمَا لِحْیَانِیَّةٌ قَالَ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دِیَةَ الْمَقْتُوْلَةِ عَلٰی عَصَبَةِ الْقَاتِلَةِ وَغُرَّةً لِمَا فِیْ بَطْنِهَا۔

اور مسلم کی روایت میں ہے کہ ایک عورت نے اپنی سوکن کو خیمے کے ستون سے مارا اور وہ حاملہ تھی پھر اس نے اسکو قتل کر دیا اس نے کہا کہ اور ایک ان میں سے لحیانہ تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولہ کی دیت قاتلہ کی قوم پر فرض کی اور اس کے پیٹ میں جو بچہ تھا اس کا غرہ واجب کیا۔

وَعَنْهُ قَالَ اِقْتَتَلَتِ امْرَاَتَانِ مِنْ هُذَیْلٍ فَرَمَتْ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰی بِحَجَرٍ فَقَتَلَتْهَا وَمَا فِیْ بَطْنِهَا فَقَضٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ

اور ان ہی سے روایت ہے کہ بنو ہذیل کی دو عورتیں لڑ پڑیں۔ پس ایک نے دوسری کو پتھر مارا اور اس کو قتل کر دیا اور اس کے پیٹ کا بچہ بھی پھر

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اِبْنَ دِيَةَ جَنِيْنِهَا	نے فیصلہ کیا کہ اس کے
غُرَّةٌ عَبْدٌ اَوْ	پیٹ کے بچے کی دیت
وَلِيْدَةٌ وَقَضٰى	غُرّہ غلام یا لونڈی ہے
بِدِيَةِ الْمَرْاَةِ	اور فیصلہ فرمایا کہ عورت
عَلٰى عَاقِلَتِهَا	کی دیت اس کی قوم پر
وَوَرَثَهَا وَلَدُهَا	ہے۔ اور اس کا لڑکا اور
وَمَنْ مَعَهُمْ۔	دیگر جو اس کے ساتھ ہوں
(مشکوٰۃ بحوالہ متفق علیہ)	اس کے وارث ہیں۔

تشریح

یہاں چار احادیث نقل کی گئی ہیں اور یہ چاروں بھی مذکورہ آیت دیت کی تشریح اور تفسیر ہیں۔ پہلی حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے اور دوسری دو مغیرہؓ بن شعبہ سے منقول ہیں۔ ابوہریرہؓ کی پہلی روایت میں اتنا ہے کہ بنو لحیان کی ایک عورت کا ایک کیس اور مقدمہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آیا۔ کہ اس عورت کا پیٹ کا بچہ جو مر کر گرا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت غُرّہ مقرر کی، یعنی غلام یا لونڈی۔ اور اگر وہ بچہ پیدا ہونے کے بعد مرتا تو پھر پوری دیت واجب ہوتی۔ اور پھر وہ عورت جس کے خلاف آپؐ نے فیصلہ کیا وہ مر گئی تو پھر آپؐ نے فیصلہ فرمایا کہ اس کی میراث تو اس کے بیٹوں اور اس

کے خاوند کی ہے ۔ اور دیت آپ نے اس کی برادری پر مقرر کی ۔ مگر یہ حدیث مجمل ہے ۔

اس کے بعد مغیرہ بن شعبہ کی مروی دونوں حدیثیں اس کی تفصیل ہیں کیونکہ ان میں سے پہلی میں یہ فرمایا ہے کہ وہ دونوں عورتیں سوکنیں تھیں اور دوسری میں یہ فرمایا ہے کہ وہ مضروبہ حاملہ تھی ۔ باقی دونوں حدیثوں کا مضمون وہی ہے جو پہلی کا ہے ۔ اس کے بعد ابوہریرہ سے مروی جو دوسری حدیث ہے اس میں ایک دوسرا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ بنی ہذیل کی دو عورتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ایک نے دوسری کو پتھر سے مارا اور اسے قتل کر دیا اور اس کے پیٹ میں جو تھا اسے بھی قتل کر دیا ۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ کے بچے کی دیت تو غلام یا لونڈی مقرر کی ۔ اور عورت کی دیت قاتلہ کی قوم پر لازم کی ۔

پس خلاصہ اور لبّ لباب اس بحث کا نکلا کہ اس بحث میں پانچ چیزوں کا بیان ہے ۔ پہلا یہ ہے کہ قتل شبہ عمد وہ ہے جو کوڑے لاٹھی یا پتھر وغیرہ سے واقع ہو یعنی جو قصداً تو ہو مگر ایسے آلہ سے نہ ہو جس سے اجزاء میں تفریق ہو سکتی ہو ۔ اور دوسرا اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس میں قصاص نہیں بلکہ دیت ہے ۔ اور تیسرا اس سے یہ معلوم ہوا کہ مقتولہ کے پیٹ کا بچہ اگر مرا ہو تو اس کی پوری دیت نہیں ۔ اور اگر پیدا ہونے کے بعد مرے تو اس کی پوری دیت ہے ۔ اور چوتھا اس سے یہ معلوم ہوا کہ قتل شبہ عمد کی دیت قاتل کی برادری پر ہے ۔ اور پانچواں اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ دیت مقتول کے ورثا میں شریعت کے قانون کے موافق تقسیم ہو گی ۔

قتل خطا کی تعریف اور اسکی دیت

قتل خطا کی تعریف تو یہ ہے کہ جسے مارنے کا ارادہ نہ ہو مگر اتفاقاً وہ نشانہ بن جائے۔

عَنْ خِشْفِ ابْنِ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ دِيَةِ الْخَطَاءِ عِشْرِيْنَ بِنْتَ مَخَاضٍ وَعِشْرِيْنَ ابْنَ مَخَاضٍ ذُكُوْرٍ وَعِشْرِيْنَ بِنْتَ لَبُوْنٍ وَعِشْرِيْنَ جِذْعَةً وَعِشْرِيْنَ حِقَّةً ۔

(مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی)

خشف بن مالک نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ قتل خطاء کی دیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس اونٹنیاں جو دو برس میں لگی ہوں اور بیس اونٹ جو دوسرے میں لگے ہوئے ہوں اور بیس اونٹنیاں جو تیسرے برس میں لگی ہوئی ہوں۔ اور بیس اونٹنیاں جو پانچوں برس میں لگی ہوں۔ اور بیس اونٹنیاں جو چھٹے برس میں لگی ہوں مقرر کی ہیں۔

تشریح

یہ حدیث بھی سورۃ النساء کی آیت قتل خطا والی کی تفسیر ہے۔ کیونکہ

اس آیت میں اتنا فرمایا ہے کہ جو مومن کو غلطی سے مارے تو اس پر ایک تو غلام آزاد کرنا ہے اور دوسرا اس کے وارثوں کو دیت دینا ہے مگر یہ نہیں فرمایا کہ کتنی دینا ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں وضاحت فرمادی کہ دیت سو اونٹ ہے اور ساتھ ساتھ ان کی عمریں بھی بتادی ہیں ۔ اور یہ دیت بھی قاتل کی برادری پر عائد کی گئی ہے ۔

دیت میں اونٹوں کے بجائے قیمت دینا بھی جائز ہے

عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ	عمرو بن شعیب نے اپنے
عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ	باپ سے اور اس نے
قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ	اپنے دادا سے روایت کی
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
يُقَوِّمُ دِيَةَ الْخَطَاءِ	علیہ وسلم دیت خطا کی قیمت
عَلٰى اَهْلِ الْقُرٰى اَرْبَعَ	بستیوں والوں پر چار سو
مِائَةِ دِيْنَارٍ اَوْ عِدْلَهَا	دینار یا اس کے برابر چاندی
مِنَ الْوَرِقِ وَ يُقَوِّمُهَا	کی قیمت لگاتے تھے اور
عَلٰى اَثْمَانِ الْاِبِلِ فَاِذَا	آپ دیت خطا کی قیمت
غَلَتْ رَفَعَ فِىْ قِيْمَتِهَا	اونٹوں کے مول پر ٹھہراتے
وَ اِذَا هَاجَتْ رُخْصٌ	تھے اور جب مہنگائی ہوتی
نَقَصَ مِنْ قِيْمَتِهَا	تو قیمت بڑھا دیتے تھے ۔
وَ بَلَغَتْ عَلٰى عَهْدِ	اور جب ارزانی ہوتی تو ان

رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا بَیْنَ اَرْبَعِ مِائَۃِ دِیْنَارٍ اِلٰی ثَمَانِ مِائَۃِ دِیْنَارٍ وَعِدْلُھَا مِنَ الْوَرَقِ ثَمَانِیَۃُ الْاٰفِ دِرْھَمٍ قَالَ وَقَضٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی اَھْلِ الْبَقَرِ مِائَتَیْ بَقَرَۃٍ وَعَلٰی اَھْلِ الشَّاءِ اَلْفَیْ شَاۃٍ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَقْلَ مِیْرَاثٌ بَیْنَ وَرَثَۃِ الْقَتِیْلِ وَقَضٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ عَقْلَ الْمَرْاَۃِ بَیْنَ عَصَبَتِھَا وَلَا یَرِثُ الْقَاتِلُ شَیْئًا (ابوداؤد ونسائی)

کی قیمت گھٹا دیتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ قیمت چار سو دینار سے لے کر آٹھ سو دینار تک پہنچ گئی تھی اور اس کے برابر چاندی آٹھ ہزار درہم تک پہنچی تھی۔ اور راوی کے بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گائیں والوں پر دو سو گائیں اور بکریوں والوں پر دو ہزار بکریاں مقرر کیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیت مقتول کے وارثوں میں بطور وراثت تقسیم ہو گی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ عورت کی دیت وارثوں میں بانٹی گئی ہے اور قاتل کسی چیز کا وارث نہیں ہوتا

عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ
عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ
قَالَ كَانَ قِيْمَةُ
الدِّيَةِ عَلٰى عَهْدِ
رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانَ
مِائَةِ دِيْنَارٍ اَوْ ثَمَانِيَةَ
اٰلَافِ دِرْهَمٍ وَدِيَةُ اَهْلِ
الْكِتٰبِ يَوْمَئِذٍ اَلنِّصْفُ
مِنْ دِيَةِ الْمُسْلِمِيْنَ
قَالَ وَكَانَ كَذٰلِكَ
حَتّٰى اُسْتُخْلِفَ عُمَرُ
فَكَانَ خَطِيْبًا ○ فَقَالَ
اِنَّ الْاِبِلَ قَدْ غَلَتْ
قَالَ فَفَرَضَهَا عُمَرُ عَلٰى
اَهْلِ الذَّهَبِ اَلْفَ
دِيْنَارٍ وَعَلٰى اَهْلِ
الْوَرِقِ اِثْنَىْ عَشَرَ
اَلْفًا وَعَلٰى اَهْلِ الْبَقَرِ
مِائَتَيْ بَقَرَةٍ وَعَلٰى
اَهْلِ الشَّاءِ اَلْفَيْ

عمرو ابن شعیب اپنے
باپ سے اور اس نے
اپنے دادا سے روایت کی
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے زمانہ میں
دیت کی قیمت آٹھ سو
دینار یا آٹھ ہزار درہم اور
اس زمانہ میں دیت اہل
کتاب کی مسلمانوں کی دیت
سے آدھی تھی۔ بقول راوی
حضرت عمرؓ کے زمانہ تک
یہی سلسلہ رہا۔ اور حضرت
عمرؓ نے ایک خطبہ دیتے
ہوئے فرمایا کہ اونٹ مہنگے
ہو گئے ہیں۔ پھر حضرت
عمرؓ نے سونے والوں پر
ایک ہزار دینار اور چاندی
والوں پر بارہ ہزار درہم
رکھے۔ اور گائے والوں پر
دو سو گائیں اور بکری والوں
پر دو ہزار بکریاں رکھیں اور

سَشَاةٍ وَعَلَى اَهْلِ الْحُلَلِ مِائَتَيْ حُلَّةٍ قَالَ وَتَرَكَ دِيَةَ اَهْلِ الذِّمَّةِ لَمْ يَرْفَعْهَا فِيْمَا رَفَعَ مِنَ الدِّيَةِ (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد)

کپڑے والوں پر دو سو جوڑے مقرر کیے اور بقول راوی حضرت عمرؓ نے ذمیوں کی دیت کو بحال رکھا اس میں اضافہ نہ کیا جہاں قیمت دیت کی بڑھتی تھی

تشریح

یہ احادیث بھی آیت دیت کی تفسیر ہے کیونکہ اس آیت میں اتنا فرمایا ہے کہ جو آدمی مومن کو غلطی سے مار ڈالے اس کی ایک سزا یہ ہے کہ وہ غلام آزاد کرے۔ اور دوسری یہ ہے کہ مقتول کے وارثوں کو خون بہا ادا کیا جائے مگر اس آیت میں خون بہا کی تفصیل مذکور نہیں ہے کہ خون بہا کون ادا کرے۔ کس قسم کا مال ہو۔ مقتول کے ورثاء میں کس طرح تقسیم کیا جائے۔ اس کی کوئی وضاحت نہیں ہے اجمال ہے۔ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت بیان فرما دی ہے کہ یہ دیت قاتل کی قوم اور برادری ادا کرے گی۔ اور مقتول کے وارثوں میں بطور وراثت تقسیم ہوگی۔ اور اس دیت میں اصل تو سو اونٹ ہیں جن کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔ اور اگر اونٹوں کی بجائے ان کی قیمت ادا کرنا چاہیں تو بھی ادا کر سکتے ہیں۔ مگر چونکہ اونٹوں کی قیمت بڑھتی گھٹتی رہتی ہے اس لیے اسی تناسب سے دیت میں بھی کمی اور بیشی ہوگی جیسا کہ ان احادیث میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کا عملی نمونہ بیان فرمایا گیا ہے۔ اور اس کے بعد حضرت عمرؓ کا عملی نمونہ بیان فرمایا گیا ہے۔ اور دیت میں گائیں بھی دی جا سکتی ہیں۔ اور بکریاں بھی دی جا سکتی ہیں اور کپڑے بھی دئیے جا سکتے ہیں۔ جن کا مفصّل بیان ان احادیث میں موجود ہے۔

پس خلاصہ اور لب لباب یہ نکلا کہ آیت دیت مجمل ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور صحابہ کے عمل سے اور فرامین سے یہ ثابت ہو گیا کہ دیت میں اونٹ، گائے، بکریاں، کپڑے اور ان کی قیمت دینا سب جائز ہے۔ دینے والے کو جو آسان ہو اس پر عمل کیا جائے۔ اور قیمت اپنے دور کے لحاظ سے لگائی جا سکتی ہے۔

مسئلہ: یہ مقدار مذکورہ دیت کی جب ہے کہ مقتول مرد ہو اور اگر عورت ہو تو اس کی نصف ہے (کذا فی الہدایۃ) دیۃ المراۃ علی النصف من دیۃ الرجل (بیہقی)۔

مسئلہ: دیت مسلم اور ذمی کی برابر ہے، قول علیہ السلام ہے۔ دیۃ کُلّ ذی عہد فی عہدہ الف دینار (کذا فی الہدایۃ اخرجہ ابو داؤد فی مراسیلہ)۔

مسئلہ: کفارہ یعنی تحریر رقبہ یا روزے رکھنا خود قاتل کو ادا کرنا پڑتا ہے، اور دیت قاتل کے اہلِ نصرت پر ہے، جن کو شرح کی اصطلاح میں عاقلہ کہتے ہیں۔ (بیان القرآن)

یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ قاتل کے جرم کا بوجھ اس کے اولیاء اور انصار پر کیوں ڈالا جاتا ہے کیونکہ وہ تو بے قصور ہیں۔ وجہ در اصل یہ ہے کہ اس میں قاتل کے اولیاء بھی قصوروار ہوتے ہیں، کہ انہوں نے اس کو اس

قسم کی بے احتیاطی کرنے سے روکا نہیں، اور دیت کے خوف سے آئندہ وہ لوگ اس کی حفاظت میں کوتاہی نہ کریں گے۔

مسئلہ: کفارہ میں لونڈی غلام برابر ہیں۔ لفظ رَقَبَہ عام ہے البتہ ان کے اعضا سالم ہونے چاہئیں۔

مسئلہ: دیت مقتول کی شرعی ورثہ میں تقسیم ہوگی، اور جو اپنا حصہ معاف کردے گا اس قدر معاف ہوجائے گی، اور اگر سب نے معاف کردیا سب معاف ہوجائے گی۔

مسئلہ: جس مقتول کا کوئی وارث شرعی نہ ہو اس کی دیت بیت المال میں داخل ہوگی، کیونکہ دیت ترکہ ہے اور ترکہ کا یہی حکم ہے۔ (بیان القرآن)

مسئلہ: اہلِ میثاق (ذمی یا مستأمن) کے باب میں جو دیت واجب ہے ظاہر یہ ہے کہ اس وقت ہے جب اس ذمی یا مستأمن کے اہل موجود ہوں، اور اگر اس کے اہل نہ ہوں، یا وہ اہل مسلمان ہوں اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا، اس لیے وہ بجائے نہ ہونے کے ہے، تو اگر وہ ذمی ہے تو اس کی دیت بیت المال میں داخل کی جائے گی کیونکہ ذمی لاوارث کا ترکہ جس میں دیت داخل ہے، بیت المال میں آتا ہے۔ (کما فی الدرالمختار) ورنہ واجب نہ ہوگی (بیان القرآن)

مسئلہ: روزے میں اگر مرض وغیرہ کی وجہ سے تسلسل باقی نہ رہا ہو تو از سرِنو رکھنے پڑیں گے، البتہ عورت کے حیض کی وجہ سے تسلسل ختم نہیں ہوگا۔

مسئلہ: اگر کسی عذر سے روزہ پر قدرت نہ ہو تو قدرت

تک توبہ کیا کرے۔

مسئلہ: قتل عمد میں یہ کفارہ نہیں توبہ کرنا چاہیئے۔ (بیان القرآن)

ناتجربہ کار ڈاکٹر یا حکیم کے علاج سے اگر کوئی مریض مرجائے تو اس پر دیت ہے

عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ	عمرو بن شعیب اپنے
عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ	باپ سے اور اس نے
اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ	اپنے دادا سے روایت کی
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
قَالَ مَنْ تَطَبَّبَ	علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے
وَلَمْ يُعْلَمْ مِنْهُ	آپ ہی طبیب بنے اور
طِبٌّ فَهُوَ ضَامِنٌ۔	اس کی طبابت کا کسی کو
(مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد۔ نسائی)	پتہ نہ ہو تو وہ ضامن ہے

تشریح

یہ حدیث بھی آیت دیت کی تشریح اور تفسیر ہے۔ کیونکہ اس آیت میں اتنا فرمایا ہے کہ جو آدمی کسی مومن کو غلطی سے مار ڈالے تو اس پر غلام آزاد کرنا ہے اور اس کے وارثوں کو خون بہا دینا ہے مگر اس میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ کسی ڈاکٹر یا حکیم طبیب کے علاج سے کوئی مریض مرجائے تو اس کا کیا حکم

ہے؟ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت بیان فرمادی ہے۔ آپ کی اس بیان کردہ تفسیر سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں پہلی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک ڈاکٹر یا طبیب کو اگر فن ڈاکٹری یا طب میں مہارت نہ ہو یعنی جعلی ہو اور وہ اگر کسی مریض کا علاج کرے اور وہ اس کی دوا سے مرجائے تو اس پر ضمانت ہوگی یعنی اس پر دیت لازم آئیگی اور یہ دیت شبہ عمد کی نہیں ہوگی بلکہ خطائے محض کی ہوگی اس لیے کہ اس کا مقصد اس کو مارنا نہیں تھا بلکہ اصلاح اور علاج کرنا مقصد تھا۔

قتل خطا کی دیت اس لیے لازم کی گئی ہے کہ جب اسے تجربہ نہیں تھا تو اس نے ایسے کام کو کیوں ہاتھ ڈالا۔ اور چونکہ یہ دیت اسکی عاقلہ نے ادا کرنا ہے انہیں چاہیے تھا کہ اسے اس کام سے روکتے۔ اور آپ کے اس ارشاد سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اس ڈاکٹر یا طبیب پر قصاص نہیں ہے کیونکہ قصاص وہاں ہوتا ہے کہ جہاں قتل بالارادہ ہو اور ایسے آلات سے ہو جن سے انسان عموماً مرتا ہے اور یہاں دونوں چیزیں نہیں ہیں۔ اس لیے قصاص نہیں ہے۔

اور تیسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ اگر کسی ماہر تجربہ کار طبیب یا ڈاکٹر کے علاج سے اگر کوئی مریض مرجائے تو اس پر قصاص ہے نہ دیت کیونکہ وہ اپنی تقدیر سے مرا ہے اس میں ان کا کوئی قصور نہیں ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ وہ اطباء یا ڈاکٹر جنہیں اس فن میں مہارت نہیں ہوتی اور وہ رشوت یا سفارشات سے جعلی سرٹیفکیٹ یا سندات حاصل کرتے ہیں اور پھر لوگوں کا علاج کرتے ہیں اور لوگ مرجاتے ہیں۔ یہ قتل شبہ بالعمد ہے جو گناہ کبیرہ ہے اور اس گناہ میں ایسی سندات

دینے والے اور لے کر علاج کرنے والے۔ سفارشات کرنے والے یا رشوت لے کر پاس کرنے والے سب اس گناہ میں شریک ہیں۔ وہ اور ان سب کی برادریوں پر دیت لازم ہوگی۔ اور اگر ان کے علاج سے پورا آدمی ہلاک ہوا تو پوری دیت لازم آئے گی اور اگر اس مریض کے کسی عضو کو نقصان ہوا تو اس عضو کی دیت لازم آئے گی۔

اعضائ کاٹنے کی دیت

عَنْ اَبِیْ بَکْرِ ابْنِ مُحَمَّدِ ابْنِ حَزْمٍ عَنْ اَبِیْهِ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَتَبَ اِلٰی اَهْلِ الْیَمَنِ وَکَانَ فِیْ کِتَابِهٖ اَنَّ مَنِ اعْتَبَطَ مُؤْمِنًا قَتْلًا فَاِنَّهٗ قَوَدُ یَدِهٖ اِلَّا اَنْ یَّرْضٰی اَوْلِیَاءُ الْمَقْتُوْلِ وَفِیْهِ اَنَّ الرَّجُلَ یُقْتَلُ بِالْمَرْاَۃِ وَفِیْهِ فِی النَّفْسِ

ابی بکر بن محمد بن حزم سے روایت ہے انہوں نے اس کے دادا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کو خط لکھا اور آپ کے خط میں یہ تھا کہ جو کسی مومن کو بے تقصیر قتل کر دے پس بے شک وہ اپنے ہاتھ کا قصاص ہے۔ (اپنے کئے کی سزا ہے) مگر کہ مقتول کے وارث راضی ہوں اور اس میں یہ بھی تھا کہ

اَلدِّيَةُ مِائَةٌ مِنَ	آدمی عورت کے بدلہ میں
الْاِبِلِ وَعَلٰٓی اَهْلِ	مارا جائے اور اس میں یہ
الذَّهَبِ اَلْفُ دِيْنَارٍ	بھی تھا نفس کی دیت سو
وَفِی الْاَنْفِ اِذَا	اونٹ ہیں اور سونے والوں
اُوْعِبَ جَدْعُهٗ	پر ایک ہزار دینار ہیں۔
اَلدِّيَةُ مِائَةٌ مِنَ	اور پوری کاٹی ہوئی ناک
الْاِبِلِ وَفِی	میں سو اونٹ دیت ہے
الْاَسْنَانِ اَلدِّيَةُ وَ	دانتوں میں دیت ہے
فِی الشَّفَتَيْنِ اَلدِّيَةُ وَ	ہونٹوں میں دیت ہے
فِی الْبَيْضَتَيْنِ اَلدِّيَةُ	خصیتین میں دیت ہے
وَفِی الصُّلْبِ اَلدِّيَةُ	اور پیٹھ میں دیت ہے
وَفِی الْعَيْنَيْنِ اَلدِّيَةُ	اور دو آنکھوں میں دیت ہے
وَفِی الرِّجْلِ الْوَاحِدَةِ	اور ایک پاؤں میں آدھی
نِصْفُ الدِّيَةِ وَفِی	دیت ہے اور سر کے
الْمَاْمُوْمَةِ ثُلُثُ	مغز تک پہنچنے والے زخم
الدِّيَةِ وَفِی	میں تہائی دیت ہے اور
الْجَائِفَةِ ثُلُثُ	پیٹ کے زخم میں تہائی
الدِّيَةِ وَفِی الْمُنْتَقِلَةِ	دیت ہے اور ہڈی ٹوٹنے
خَمْسَ عَشْرَةَ مِنَ الْاِبِلِ	میں پندرہ اونٹ ہیں۔
وَفِی كُلِّ اِصْبَعٍ مِنْ	اور ہاتھ اور پاؤں کی
اَصَابِعِ الْيَدِ وَالرِّجْلِ	ہر ایک انگلی میں دس

عَشْرٌ مِنَ الْإِبِلِ	دس اونٹ ہیں۔ اور
وَفِي السِّنِّ خَمْسٌ	ایک دانت میں پانچ
مِنَ الْإِبِلِ۔	اونٹ ہیں۔
(رواہ النسائی والدارمی)	(یہ روایت نسائی اور دارمی میں ہے)
وَفِي رِوَايَةِ مَالِكٍ	اور مالک کی روایت میں
وَفِي الْعَيْنِ	ہے۔ اور ایک آنکھ میں
خَمْسُونَ وَفِي	پچاس اونٹ ہیں اور
الْيَدِ خَمْسُونَ	ایک ہاتھ میں پچاس ہیں
وَفِي الرِّجْلِ	اور ایک پاؤں میں پچاس
خَمْسُونَ وَفِي	اونٹ ہیں اور ہڈی ظاہر
الْمُوضِحَةِ خَمْسٌ	کرنے والے زخم میں پانچ
	اونٹ ہیں۔
عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ	عمرو ابن شعیب نے اپنے
عَنْ أَبِيهِ عَنْ	باپ سے اور اس نے
جَدِّهِ قَالَ قَضَى	اس کے دادا سے روایت
رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ	کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَوَاضِحِ	علیہ وسلم نے ہڈی کھولنے
خَمْسًا خَمْسًا مِنَ	والے زخموں میں اور
الْإِبِلِ وَفِي الْأَسْنَانِ	ایک ایک دانت میں
خَمْسًا خَمْسًا مِنَ	پانچ پانچ اونٹوں کا فیصلہ
الْإِبِلِ (ابوداؤد)	فرمایا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَعَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَابِعَ الْيَدَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ سَوَاءً (ابوداؤد و ترمذی)

اور ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کو برابر قرار دیا۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاَصَابِعُ سَوَاءٌ وَالْاَسْنَانُ سَوَاءٌ اَلثَّنِيَّةُ وَالضِّرْسُ سَوَاءٌ هٰذِهٖ وَهٰذِهٖ سَوَاءٌ۔

اور انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انگلیاں برابر ہیں دانت برابر ہیں۔ اگلے دانت اور داڑھیں برابر ہیں۔ یہ اور یہ (یعنی چھنگلیاں اور انگوٹھا برابر ہیں۔

تشریح

یہاں اس بحث میں پانچ احادیث نقل کی گئی ہیں۔ پہلی ابی بکر بن محمد والی ہے۔ دوسری مالک والی، تیسری عمرو ابن شعیب والی، چوتھی اور پانچویں ابن عباس سے مروی ہیں۔ اور یہ پانچوں احادیث اس آیت (وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ) کی تفسیر ہیں۔ کیونکہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ مقتول کے

ورثار کو دیت دینا ہے ۔ یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ یہ دیت پوری جان کی ہو یا اعضا کی ہو ۔ اور ان احادیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری وضاحت اور تشریح فرما دی ہے ۔ کہ یہ دیت پوری جان کی بھی ہونی چاہیے اور اعضا کی بھی ہونی چاہیے ۔ ابی بکر بن محمد والی حدیث کے شروع میں تو پوری جان کی دیت بیان فرمائی ہے جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے ۔ اس کے بعد اور دوسری احادیث میں اعضار کی تشریح بیان فرمائی ہے مگر بعض اعضار ایسے ہیں کہ ان کے کاٹ دینے سے انسان اپنی زندگی کے اکثر و بیشتر منافع سے محروم ہو جاتا ہے ۔ اس لیے ان کی دیت پورے انسان کے برابر رکھی گئی ہے ۔ یعنی سو اونٹ جیسا کہ ناک دونوں ہونٹ دونوں خصیتین ، پیٹھ ، دونوں آنکھیں ، دونوں ہاتھ ، دونوں پاؤں اور سارے دانت اور زبان اور دونوں کان ۔ اور اگر ان میں سے ناک کے علاوہ ایک کاٹا جائے تو آدھی دیت آئے گی (یعنی پچاس پچاس اونٹ اور ایک ایک دانت توڑنے میں پانچ پانچ اونٹ ہیں ۔ داڑھوں میں اور سامنے کے دانتوں میں کوئی فرق نہیں ہے ۔ اور ایک ایک انگلی کاٹنے میں دس دس اونٹ ہیں پاؤں اور ہاتھوں کی انگلیوں میں فرق نہیں ہے اور جوف دماغ تک پہنچنے والے سر کے زخم میں دیت کا تیسرا حصہ ہے ۔ پیٹھ کے علاوہ اگر کوئی ہڈی توڑی گئی ہو تو اس کے پندرہ اونٹ ہیں ۔ اور اگر صرف ہڈی ظاہر ہو جائے تو اس کے پانچ اونٹ ہیں ۔ اور جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ دیت میں اونٹوں کے بجائے قیمت بھی دی جا سکتی ہے ۔ اسی طرح زخموں میں اور اعضا میں بھی قیمت دی جا سکتی ہے اور یہاں بہت سے فقہی اور فروعی مسائل ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں ۔ یہاں انکے اندراج

کی گنجائش نہیں ہے وہاں دیکھے جاسکتے ہیں۔

جانور کے زخمی کرنے سے یا کان کنوئیں میں گرنے سے مالک پر تاوان وغیرہ نہیں ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْعَجْمَاءُ جُرْحُهَا جُبَارٌ وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ وَالْبِئْرُ جُبَارٌ۔ (مشکوٰۃ بحوالہ متفق علیہ)

ابی ہریرۃ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چارپائے کا زخمی کر دینا معاف ہے کسی کی کان اور کنوئیں میں گر کر مر جائے تو معاف ہے۔

تشریح

یہ حدیث بھی قرآن مجید کی اس آیت (ومن قتل مؤمنا خطا فتحریر رقبۃ مؤمنۃ ودیۃ مسلمۃ الی اھلہ) کی تفسیر ہے کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ جو کسی مومن کو غلطی سے مار ڈالے تو اس پر غلام آزاد کرنا ہے اور اس مقتول کے ورثاء کو دیت دینا ہے۔ اب اس میں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک آدمی کا جانور اگر کسی کو مار ڈالے یا زخمی کر دے یا کسی کی زمین میں کوئی کان یا کنواں ہو اور ان میں کوئی

دوسرا گر کر مرجائے تو کیا اس جانور کے یا کان اور کنوئیں کے مالک پر قصاص یا دیت ہے یا نہیں ؟ اور کیا جانور کے فعل کو اس کے مالک کا فعل تصور کیا جائے گا یا نہیں ؟ اور اسی طرح کنواں یا کان کھودنا جو مالک کا فعل ہے اس کو کسی کی ہلاکت میں مؤثر سمجھا جائے گا یا نہیں ؟ اس سلسلہ میں یہ آیت مجمل ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت اس حدیث میں بیان فرمائی ہے۔ مگر یہ حدیث بھی تشنہ تفصیل ہے کیونکہ جانور کی صورت میں آپ نے یہ نہیں بیان فرمایا کہ مالک ساتھ ہو یا نہ ہو۔ رات کا وقت ہو یا دن کا۔ جانور خود چھوٹ گیا ہو یا مالک نے قصداً چھوڑا ہو تاکہ دوسرے کو مار ڈالے۔ یہ کوئی تفصیل نہیں ہے۔ اسی لیے اس حدیث کی تشریح میں ائمہ کا اختلاف واقع ہوا ہے۔ اس صورت میں تو اتفاق ہے کہ اگر مالک جانور کا یا اس کا نگران ساتھ نہ ہو اور پھر وہ جانور کسی کا کوئی نقصان کر دے یا کسی کو مار ڈالے تو اس کے مالک پر یا نگران پر کوئی تاوان نہیں ہے اور بظاہر اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس وقت اس جانور سے جو فعل صادر ہوا ہے اس میں مالک کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اور اگر مالک ساتھ ہو، جانور کو ہانک رہا ہو یا کھینچ رہا ہو یا اس پر سوار ہو اور اس حالت میں وہ جانور اگر کسی کا نقصان کر دے یا کسی کو مار ڈالے تو امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ نے اس آیت ومن قتل مؤمناً خطاءً الخ اور اس حدیث سے بھی استنباط فرمایا ہے کہ مالک پر یا نگران پر تاوان ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی رائے میں رات اور دن کا کوئی فرق نہیں ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک رات کو اگر وہ جانور کوئی نقصان کرے تو مالک پر تاوان

ہے اگر وہ دن کو نقصان کرے تو اس پر تاوان نہیں ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ رات کو جانور کی حفاظت مالک پر فرض ہے دن میں نہیں ہے۔ دن میں کھیتوں کی اور باغوں کی حفاظت مالک کی اپنی ذمہ داری ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جانور کی حفاظت بہرحال مالک کی ذمہ داری ہے۔ رات کو بھی اور دن کو بھی جب کہ اس کے ساتھ موجود ہو اور اگر اس کے ہوتے ہوئے جانور نے کوئی نقصان کر دیا تو اس کا مقصد یہ ہے کہ اس مالک یا اس کے نگران نے جانور کی حفاظت یا اس پر کنٹرول میں کوتاہی برتی ہے، اس لیے اس جانور کے نقصان کرنے سے انہیں تاوان دینا پڑے گا۔ اور یہ تاوان وقتی عادل حکومت کی صوابدید پر موقوف ہے۔ شریعت کی طرف سے کوئی تعین نہیں ہے۔

اس حدیث میں تین چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز جانور کا کسی کو زخمی کرنا ہے یہاں تک تو اس کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ اور دوسری چیز اس حدیث میں فرمائی ہے کہ کان معاف ہے یعنی اگر کوئی کان میں جائے یا اس کے اوپر کھڑا ہو اور وہ کان گر پڑے اور وہ آدمی ہلاک ہو جائے تو کان کھودنے والے پر تاوان نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی کو کان کھودنے پر مزدور لگایا تھا اور وہ کان اس پر گر پڑی اور وہ مزدور ہلاک ہو گیا تو کان کے مالک پر تاوان نہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ ضابطہ اور اصول صرف کان کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام اجاروں میں یہی اصول ہے اور تیسری چیز اس حدیث میں یہ بیان فرمائی کہ کنواں معاف ہے اس کی تفصیل بھی وہی ہے جو کان کی ہے۔ اور ان صورتوں میں معافی اس لیے ہے کہ قرآن مجید میں تو فرمایا ہے کہ جو کسی مومن کو غلطی سے مارے تو اس پر غلام آزاد کرنا ہے

اور اس کے ورثار کو دیت دینا ہے اور ان مذکورہ صورتوں میں مالک کی غلطی نہیں ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس پر تاوان نہیں ہے۔

اپنے دفاع میں اگر حملہ آور کو کوئی مار دے یا زخمی کر دے تو اس پر قصاص یا دیت نہیں ہے

عَنْ يَعْلَى ابْنِ أُمَيَّةَ	یعلی ابن اُمیّہ نے فرمایا کہ
قَالَ غَزَوْتُ مَعَ	میں نے رسول اللہ صلی اللہ
رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ	علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَيْشَ	تنگی (تبوک) کے لشکر والا
الْعُسْرَةِ وَكَانَ لِيْ	جہاد کیا - اور میرا ایک نوکر
أَجِيْرٌ فَقَاتَلَ إِنْسَانًا	تھا اور وہ ایک آدمی سے
فَعَضَّ أَحَدُهُمَا يَدَ	لڑ پڑا - پھر ایک نے
الْآخَرِ فَانْتَزَعَ	دوسرے کے ہاتھ کو چبایا۔
الْمَعْضُوْضُ يَدَهُ مِنْ	پھر جس کا ہاتھ چبایا گیا تھا
فِيْ الْعَاضِّ فَانْدَرَ ثَنِيَّتَهُ	اس نے چبانے والے کے
فَسَقَطَتْ فَانْطَلَقَ إِلَى	مُنہ سے اسے کھینچا تو اس
النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ	کا سامنے کا دانت ٹوٹ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاهْدَرَ ثَنِيَّتَهُ	کر گر پڑا تو وہ نبی صلی اللہ

فَقَالَ اَيَدَعُ يَدَهٗ فِىْ فِيْكَ تَقْضِمُهَا كَالْفَحْلِ ۔ (متفق علیہ)

علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے اس کے دانتوں کا بدلہ ضائع قرار دیا اور فرمایا کیا وہ اپنے ہاتھ کو تیرے منہ میں چھوڑ دیتا تاکہ تو اس کو اونٹ کی طرح چباتا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ ۔ (متفق علیہ)

عبد اللہ بن عمرو نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے فرما رہے تھے جو اپنے مال کے سامنے قتل کیا جائے وہ شہید ہے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَئَيْتَ اِنْ جَاءَ رَجُلٌ يُرِيْدُ اَخْذَ مَالِىْ قَالَ فَلَا تُعْطِهٖ مَالَكَ قَالَ اَرَئَيْتَ اِنْ قَاتَلَنِىْ قَالَ قَاتِلْهُ قَالَ

ابوہریرۃ سے مروی ہے کہ ایک آدمی آیا اور کہا یا رسول اللہ بتائیں کہ ایک آدمی آئے وہ میرا مال لینا چاہے تو کیا کروں آپ نے فرمایا اسے اپنا مال مت دو ۔ اس نے کہا۔بتائیں اگر وہ مجھ سے لڑے تو آپ نے فرمایا اس سے

اَرَءَيْتَ اِنْ قَتَلَنِىْ	لڑو۔ اس نے کہا۔ بتائیں
قَالَ فَاَنْتَ شَهِيْدٌ	اگر وہ مجھے مار ڈالے تو
قَالَ اَرَءَيْتَ اِنْ	آپ نے فرمایا تو شہید
قَتَلْتُهٗ قَالَ هُوَ	ہے۔ اس نے کہا بتائیں
فِى النَّارِ۔	اگر میں اس کو مار ڈالوں
(یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ سے منقول ہیں)	تو آپ نے فرمایا وہ آگ
	میں ہوگا۔

تشریح

یہاں اس بحث میں تین احادیث نقل کی گئی ہیں۔ پہلی یعلیٰ ابن امیہ والی ہے، دوسری عبداللہ بن عمرو والی ہے اور تیسری ابو ہریرۃ والی ہے۔ اور یہ احادیث سورۃ النساء کی آیت ومن قتل مومنا خطأً فتحریر رقبۃ ودیۃ مسلمۃ الی اھلہ کی تفسیر ہیں۔ کیونکہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ جو کسی مومن کو غلطی سے مارے تو اس پر غلام آزاد کرنا ہے اور مقتول کے وارثوں کو دیت بھی دینا ہے۔

اس کے بعد سورۃ المائدہ والی اس آیت ان النفس بالنفس کی بھی تفسیر ہیں کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ جان بدلے جان کے آنکھ بدلے آنکھ کے اور ناک بدلے ناک کے اور کان بدلے کان کے اور دانت بدلے دانت کے اور زخموں کا بدلہ ان کے برابر ہے۔

یہ دونوں آیتیں مجمل ہیں اور یہ تفسیر کی محتاج ہیں کیونکہ ان میں اتنا فرمایا ہے کہ قاتل پر قصاص ہے یا دیت ہے۔ ان میں یہ ذکر نہیں ہے کہ قاتل حق بجانب ہے یا نہ ہو۔ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں اس کی وضاحت بیان فرمادی ہے کہ قاتل اگر حق بجانب ہو تو اس پر قصاص یا دیت نہیں ہے مثلاً یعلیٰ ابن امیہ والی حدیث میں آپ کا عملی نمونہ بیان فرمایا ہے۔ آپ کے زمانہ میں ایک شخص نے اپنے منہ میں رکھ کر دوسرے کا ہاتھ چبایا اور اس نے اپنا ہاتھ اس سے بچانے اور چھڑانے کے لیے باہر کھینچا تو اس کے سامنے کے دانت ٹوٹ کر گر پڑے تو اس نے حضورؐ کے پاس آکر اپنے دانتوں کے قصاص کا مطالبہ کیا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دانت توڑنے والے سے قصاص لیا اور نہ دیت کیونکہ زیادتی اس کی تھی اور اس دوسرے نے تو اپنا ہاتھ بچانے کے لیے کھینچا تھا۔ اس کا یہ مقصد تو نہیں تھا کہ اس کے دانت ٹوٹ جائیں۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ قاتل یا جارح اگر حق بجانب ہو تو اس پر قصاص یا دیت نہیں ہے۔ اس کے بعد عبداللہ بن عمرو والی اور ابوہریرۃ والی احادیث کا بھی یہی مقصد ہے کہ جب آدمی اگر اپنے مال، جان اور آبرو کا تحفظ کرتا ہوا مارا جائے تو شہید ہے۔ اور اگر یہ حملہ آور کو مار دے تو وہ دوزخی ہوگا۔ یعنی اس کا خون بھی لغو ہے۔ اس کا کوئی قصاص اور دیت وغیرہ نہیں ہے۔

مظاہر حق شارح مشکوٰۃ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک قضیہ آیا کہ ایک لڑکی لکڑیاں کاٹ رہی تھی تو ایک شخص

نے اس کا پیچھا کیا۔ اور اس سے بدکاری کا ارادہ کیا تو اس لڑکی نے اسے ایک پتھر مارا جس سے وہ ہلاک ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا مقتول ہے۔ اللہ کی قسم ہے اس کی کبھی دیت نہیں دلوائی جائیگی پس اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ قاتل اگر حق بجانب ہو تو اس پر قصاص یا دیت نہیں ہے۔

صاحب خانہ بغیر اذن اندر آنے والے یا جھانکنے والے کو سزا دے تو اس پر تاوان نہیں ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَوِ اطَّلَعَ فِیْ بَیْتِكَ اَحَدٌ وَلَمْ تَاْذَنْ لَهٗ فَحَذَفْتَهٗ بِحَصَاةٍ فَفَقَاْتَ عَیْنَهٗ مَا كَانَ عَلَیْكَ مِنْ جُنَاحٍ۔ (متفق علیہ)	ابی ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر کوئی آدمی تیرے گھر میں جھانکے حالانکہ تو نے اس کو اجازت نہ دی ہو اور پھر تو اسے کنکری مارے اور اس کی آنکھ پھوڑ دے تو تجھ پر کوئی حرج نہیں ہے
عَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍ	سہل ابن سعد سے روایت

اَنَّ رَجُلًا اِطَّلَعَ فِیْ حُجْرٍ فِیْ بَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِدْرًى یَحُكُّ بِهٖ رَاْسَهٗ فَقَالَ لَوْ اَعْلَمُ اَنَّكَ تَنْظُرُنِیْ لَطَعَنْتُ بِهٖ فِیْ عَیْنِكَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِسْتِیْذَانُ مِنْ اَجْلِ الْبَصَرِ (متفق علیہ)

ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے کے دروازے میں جھانکا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک لکڑی تھی جس سے وہ اپنا سر کھجلا رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اگر پتہ ہوتا کہ تو مجھے دیکھ رہا ہے تو میں اس کو تیری آنکھ میں چبھو دیتا۔ یقیناً اجازت مانگنا دیکھنے کی وجہ سے ہی تو ہے۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَشَفَ سِتْرًا فَاَدْخَلَ بَصَرَهٗ فِی الْبَیْتِ قَبْلَ اَنْ یُّؤْذَنَ لَهٗ فَرَاٰى عَوْرَتَ

ابوذر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے پردہ کھولا اور اجازت کے بغیر دوسرے کے گھر میں نگاہ داخل کی پھر اس کی اہل کو دیکھا تو اس

اَهۡلِهٖ فَقَدۡ اَتٰی حَدًّا لَا يَحِلُّ لَهٗ اَنۡ يَاۡتِيَهٗ وَلَوۡ اَنَّهٗ حِيۡنَ اَدۡخَلَ بَصَرَهٗ فَاسۡتَقۡبَلَهٗ رَجُلٌ فَفَقَاَ عَيۡنَهٗ مَا عَيَّرۡتُ عَلَيۡهِ وَاِنۡ مَرَّ الرَّجُلُ عَلٰی بَابٍ لَا سِتۡرَ لَهٗ غَيۡرَ مُغۡلَقٍ فَنَظَرَ فَلَا خَطِيۡئَةَ عَلَيۡهِ اِنَّمَا الۡخَطِيۡئَةُ عَلٰی اَهۡلِ الۡبَيۡتِ -

(یہ تینوں حدیثیں مشکوٰۃ سے منقول ہیں)

نے ایک ایسا گناہ کیا ہے جو اس کے لیے حلال نہیں ہے - اور اگر جب وہ نگاہ داخل کرے اور سامنے سے کوئی آدمی اس کی آنکھ پھوڑ دے تو میں اس پر اس کی سرزنش نہیں کرونگا - اور اگر آدمی ایسے دروازے کے پاس سے گزرے جس پہ پردہ نہ ہو اور کھلا ہوا ہو اور وہ اس میں دیکھ لے تو اس پر گناہ نہیں ہے - گناہ اہلِ خانہ پر ہے -

تشریح

یہاں تین احادیث نقل کی گئی ہیں اور یہ تینوں قرآن مجید کی اس آیت وَمَنۡ قَتَلَ مُؤۡمِنًا خَطَاً فَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤی اَهۡلِهٖ کی تفسیر ہیں کیونکہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے

کہ جو آدمی کسی مومن کو غلطی سے مارے تو اس پر غلام آزاد کرنا ہے اور اس کے ورثاء کو خون بہا بھی دینا ہے مگر اس آیت میں یہ نہیں بتایا کہ مقتول اپنی غلطی سے مارا گیا ہو یا زخمی کر دیا گیا ہو اور قاتل کی اس میں غلطی نہ ہو تو پھر بھی قاتل پر قصاص ہے یا نہیں ؟ اس آیت میں یہ مجمل ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں یہ تشریح بیان فرما دی ہے۔

ان احادیث کا مقصد یہ ہے کہ دوسرے گھر میں بلا اجازت جانا اور دیکھنا شرعاً منع ہے۔ اگر کوئی آدمی ایسی غلطی کرے اور اہل خانہ اس کی آنکھ پھوڑ دے تو اس پر قصاص یا دیت وغیرہ نہیں ہے۔ اور اس سلسلہ میں اگر ان کے مابین لڑائی ہو جائے اور ان میں سے اگر کوئی ایک مر جائے تو اس کے بارے میں ان احادیث میں تو کوئی ذکر نہیں ہے یہاں صرف آنکھ پھوڑنے کا ذکر ہے۔ لیکن دوسری احادیث کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ بلا اجازت اندر جانے والا اگر مارا جائے یا اسے کوئی زخم آجائے تو اس کا کوئی قصاص یا دیت نہیں ہے کیونکہ زیادتی اس کی ہے۔ اور اگر یہ اہل خانہ میں سے کسی کو مار دے یا زخمی کر دے تو اس پر قصاص ہو گا۔ اور دیت کی صورت میں دیت بھی ہو گی۔ اور اگر اہل خانہ کے دروازہ پر پردہ نہ ہو تو پھر معاملہ اس کے برعکس ہو گا کیونکہ قصور ان کا ہے۔

قاتل نہ معلوم ہونیکی صورت میں فیصلے کا طریقہ

عَنْ رَافِعِ ابْنِ خَدِيْجٍ وَ سَهْلِ ابْنِ اَبِیْ حَثْمَةَ اَنَّهُمَا حَدَّثَا اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ سَهْلٍ وَ مُحَيِّصَةَ ابْنَ مَسْعُوْدٍ اَتَيَا خَيْبَرَ فَتَفَرَّقَا فِی النَّخْلِ فَقُتِلَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ سَهْلٍ فَجَاءَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ سَهْلٍ وَ حُوَيِّصَةُ وَ مُحَيِّصَةُ ابْنَا مَسْعُوْدٍ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَكَلَّمُوْا فِیْ اَمْرِ صَاحِبِهِمْ فَبَدَاَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَكَانَ اَصْغَرَ الْقَوْمِ فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبِّرِ

رافع بن خدیج وسہل بن ابی حثمہ نے حدیث بیان کی کہ عبد اللہ بن سہل اور محیّصہ بن مسعود دونوں خیبر گئے اور کھجور کے درختوں میں اِدھر اُدھر ہو گئے۔ پھر عبد اللہ بن سہل قتل کر دیئے گئے پھر عبد الرحمان بن سہل، حُویصہ اور محیّصہ مسعود کے بیٹے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے اپنے ساتھی کے معاملہ میں بات کی اور عبد الرحمان نے بات میں پہل کی۔ اور وہ سب سے چھوٹا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ بڑے کا

الْكُبْرَ قَالَ يَحْيَى ابْنُ	عزت کرو۔ یحییٰ ابن سعید
سَعِيدٍ يَعْنِي لِيَلِيَ	نے کہا یعنی بڑا کلام کرے
الْكَلَامَ الْأَكْبَرُ فَتَكَلَّمُوا	تو انہوں نے بات کی تو
فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَحِقُّوا	فرمایا تم اپنے مقتول کے
قَتِيلَكُمْ أَوْ قَالَ	یا فرمایا ساتھی کے قصاص
صَاحِبَكُمْ بِأَيْمَانِ	یا دیت کے حق دار اپنوں
خَمْسِينَ مِنْكُمْ فَقَالُوا	میں سے پچاس آدمیوں
يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَمْرٌ	کی قسم سے ہو سکتے ہیں
لَمْ نَرَهُ قَالَ فَتُبَرِّئُكُمْ	انہوں نے کہا یا رسول اللہ
يَهُودُ فِي أَيْمَانِ	یہ ایک ایسا معاملہ ہے
خَمْسِينَ مِنْهُمْ قَالُوا	جسے ہم نے نہیں دیکھا تو
يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَوْمٌ	حضورؐ نے فرمایا بری کریں
كُفَّارٌ فَفَدَاهُمْ	گے تمہیں یہود اپنوں میں
رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ	سے پچاس آدمیوں کی قسم
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ	سے۔ تو انہوں نے کہا یا
قِبَلِهِ وَفِي رِوَايَةٍ	رسول اللہ وہ کافر قوم ہے
تَحْلِفُونَ خَمْسِينَ	پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم
يَمِينًا وَتَسْتَحِقُّونَ	نے انہیں اپنی طرف سے
قَاتِلَكُمْ أَوْ صَاحِبَكُمْ	فدیہ دیا۔ اور ایک روایت
فَوَدَاهُ رَسُولُ اللّٰهِ	میں ہے آپ نے فرمایا تم

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِهٖ بِمِائَةِ نَاقَةٍ۔

(متفق علیہ)

پچاس آدمی قسم اٹھاؤ پھر تم اپنے مقتول یا فرمایا ساتھی کے قصاص کے یا دیت کے مستحق ہو گے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے انہیں دیت دی۔

عَنْ رَافِعِ ابْنِ خَدِيْجٍ قَالَ اَصْبَحَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ مَقْتُوْلًا بِخَيْبَرَ فَانْطَلَقَ اَوْلِيَاؤُهٗ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ اَلَكُمْ شَاهِدَانِ يَشْهَدَانِ عَلٰى قَاتِلِ صَاحِبِكُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَمْ يَكُنْ ثَمَّ اَحَدٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّمَا هُمْ يَهُوْدُ وَقَدْ

رافع بن خدیج نے کہا ہے کہ انصار کا ایک آدمی خیبر میں قتل کر دیا گیا۔ تو اس کے وارث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور یہ ماجرا بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے پاس دو گواہ ہیں جو تمہارے ساتھی کے قاتل پر گواہی دیں۔ تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ وہاں مسلمانوں میں سے کوئی نہیں تھا اور وہ یہودی ہیں جو اس سے بڑے گناہ

يَجْتَرِؤُنَ عَلٰى	بھی جرأت کر لیتے ہیں تو
اَعْظَمِ مِنْ هٰذَا	آپ نے فرمایا کہ ان میں
قَالَ فَاخْتَارُ مِنْهُمْ	سے پچاس آدمی چنو پھر
خَمْسِيْنَ فَاسْتَحْلِفُهُمْ	انہیں قسم دو تو ان لوگوں
فَاَبَوْا فَوَدَاهُ	نے انہیں قسم دینے سے
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ	انکار کیا پھر رسول اللہ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ	صلی اللہ علیہ وسلم نے
عِنْدِهٖ ۔	اپنی طرف سے انہیں دیت
(یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ سے منقول ہیں)	دی ۔

تشریح

یہاں دو حدیثیں نقل کی گئی ہیں ۔ اور یہ دونوں قرآن مجید کی سورۃ النساء کی آیت ۹۲ کی (کہ جو کسی مومن کو غلطی سے مار ڈالے تو اس پر غلام آزاد کرنا ہے اور مقتول کے وارثوں کو دیت دینا ہے اور سورۃ مائدہ کی آیت ۴۵ کی کہ جان کے بدلے جان کے تا آخر) کی تفسیر ہیں کیونکہ ان آیتوں میں اتنا تو فرمایا ہے کہ قصاص کی صورت میں قصاص ہے اور دیت کی صورت میں دیت ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ قتل ثابت کرنے کا طریقہ کیا ہے ۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں یہ تشریح بیان فرمائی ہے ۔ ان احادیث کا مقصد یہ ہے کہ اگر قاتل معلوم ہو تو مقتول

کے ورثاء دو گواہ پیش کریں کہ انہوں نے ہمارا آدمی مارا ہے۔ اور اگر قاتل معلوم نہ ہو تو مقتول کے ورثاء میں سے پچاس آدمی قسم اٹھائیں کہ فلاں لوگوں نے ہمارا آدمی مارا ہے۔ اگر وہ مان جائیں تو قتل عمد کی صورت میں ان پر قصاص اور خطا کی صورت میں دیت آئے گی اور اگر وہ نہ مانیں تو ان میں سے پچاس آدمی قسم اٹھائیں کہ ہم نے فلاں مقتول کو نہیں مارا۔ اس طرح وہ بری ہو جائیں گے اور دیت اہل محلہ پر لازم آئے گی۔ اور یہ پچاس گواہوں کی تعداد معاملہ کو یقینی بنانے کے لیے رکھی گئی ہے اور اس قسم کی اور دیت کے بقیہ مسائل کتب فقہ میں مفصل مذکور ہیں۔

بحالت خواب حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ کی زیارت ہوئی آپ ایک پہاڑ کے درمیان میں تھے سفید لباس میں ملبوس تھے سفید ہی عمامہ تھا اور آپ کے آس پاس رائے ونڈ کے اجتماع سے واپس آئے ہوئے کچھ لوگ تھے ناچیز آپ کے حلقہ میں بیٹھ گیا تو مجھے دیکھ کر فرمایا مولوی صاحب ”تسی کتھے ہوندے او“ تو میں نے عرض کیا کہ میں شیرانوالہ میں مدرس ہوں تو فرمایا کہ تیاری کر کے آؤ۔ میں سمجھ گیا کہ بیعت فرمانا چاہتے ہیں تو میں تیاری کر کے گیا تو بیعت فرمایا اور سورہ اخلاص کی دس تسبیح روزانہ پڑھنے کو فرمایا۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار۔ ربنا واتنا ما وعدتنا علی رسلک ولا تخزنا یوم القیمة انک لا تخلف المیعاد سبحنک ربک رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للّٰہ رب العالمین وصلی اللّٰہ تعالی علی خیر خلقه محمد واله واصحابه اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

تمت بالخیر